

صدیوں کا بیٹا

از
ایم اے راحت

3

Scan and PDF By: Qamar abbas
@OneUrdu.com

صدیوں کا بیٹا از ایم اے راحت حصہ اول

صدیوں کا بیٹا جناب ایم اے راحت کا مشہور شہکار ہے۔ مکمل ناول پانچ جلدوں پر مشتمل ہے۔ لیکن میرے پاس جلد نمبر چار موجود نہیں۔ میں نے کافی ٹرای کیا مگر میں ارینج نہیں کر سکا۔ باقی چاروں حصے میں انشا اللہ جلد از جلد اپ لوڈ کر دوں گا۔

اگر کسی کے پاس کے پاس اس کی جلد نمبر چار موجود ہو تو مہربانی کر کے اسے اپ لوڈ کر دے تا کہ یہ لازوال سلسلہ مکمل ہو سکے۔ اور ڈیجیٹلی محفوظ ہو جائے۔

واسلام
قمر عباس
ون اردو ڈاٹ کام



ماہنامہ

جاسوسی ڈائجسٹ کراچی

جاسوسی ڈائجسٹ کا مشہور سلسلہ

صدیوں کا بیٹا



شیخ

جاسوسی ڈائجسٹ کا مقبول ترین سلسلہ

اس انسان کی کہانی جو صدیوں سے زندہ ہے اور شاید آج بھی کہیں موجود ہو

صدیوں کا بیٹا

ایم اے راحت





قتلانہ کھڑے تھے وقت طے کے کیا تھے افروز و قناعت

وقت کی کہانی عین کے بیٹے کی زبانی

”کیوں؟“

”تم تو۔ تم تو ہماری سمجھ سے اونچے ہو۔ انہی تمہیں نہیں بھسم کر سکتی۔

ہماری سمجھ میں نہیں آتا ہم تمہارے بارے میں کیا سوچیں؟“

”اب بھی کچھ سوچنے کی ضرورت ہے جان من۔ سب کچھ جاننے کے باوجود میں تمہارا امر نہیں ہوں!“

”ہو۔“ لہجی کی گردن شرم سے جھٹک گئی۔

”بس تو۔ اس کے علاوہ کچھ مدت سوچو۔ میں نے اسے قیصر

گھسیٹ لیا اور وہ میرے سینے میں منہ چھپا کر سترت میں ڈوب گئی۔ اس کی

بوجھل سانسیں اور چہرے کی مٹھی اس کے کھٹ اور سرور کا پتہ دے ہی تھی۔

کافی دیر تک وہ مجھ سے لڑی رہی اور پھر علیحدہ ہو گئی۔

”ہم یہاں تک تو آپہنچے ہیں لہجی! ابھی آگے بھی بہت کچھ ہونا ہے۔“

”ٹھیک ہے مہاراج! بس مجھے ڈر لگتا ہے۔“

”مجھے ڈر کیوں لگتا ہے لہجی! میں تجھ سے کہہ چکا ہوں، تیرا بال بھی

بیکار نہ ہوگا۔“ میں نے جواب دیا اور اسی وقت دو پٹے ہاتھوں میں بٹے بٹے

تھال لیے ہمارے پاس پہنچ گئے انہوں نے روانے پر روک کر اندر آنے کی اجازت

طلب کی اور ہماری اجازت پر اندر آئے۔ تھالوں میں کھانے پینے کی چیزیں تھیں

وہ انہیں رکھ کر چلے گئے۔ میں نے اور لہجی نے کوئی تکلف نہیں کیا تھا۔ تکلف

احترام سے وہ لوگ مجھے اندر لے گئے لہجی پریم

کے بارے میں میرے پیچھے پیچھے آئی تھی دوسرے لوگوں

کو اندر آنے سے روک دیا گیا لیکن میری ہدایت پر بڑے احترام سے لہجی کو

اندر لایا گیا۔ بڑا بھاری زبردست عقیدت کا اظہار کر رہا تھا۔ بہر حال مندر

میں آکر میں ڈولی سے اتر آیا اور میں نے گہری سانس لیکر بھاری کی طرف دیکھا۔

”آپ کا امتحان عام یا تریوں کے ساتھ نہیں ہے مہاراج! مندر میں

آپ کے لیے جگہ موجود ہے۔ یہاں پدھاریں آپ کی سیوا ہماری خوش نصیبی

ہوگی!“ بھاری نے کہا۔

”ہمارے لیے ہر جگہ ایک جیسی ہے مہاراج! پرنتو آپ کہتے ہیں تو ٹھیک

ہے لیکن ہماری جوگن ہمارے ساتھ ہی ہے گی۔“ میں نے لہجی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”دلیوی جی کو بھی کوئی تکلف نہ ہوگی مہاراج!“ بھاری نے کہا اور

پھر میں مندر کے اندر ونی حصے میں ایک نہایت پرسکون جگہ پہنچا دیا گیا۔

کافی کشادہ کمرہ تھا جس میں آرائش اور ضرورت کی ساری چیزیں موجود تھیں اور

پھر ان لوگوں نے مجھے آرام کے لیے چھوڑ دیا۔

تب میں نے لہجی کی طرف دیکھا لہجی سہمی ہوئی سی تھی میرے ہونٹوں پر

مسکراہٹ پھیل گئی۔ ”اے لہجی! کیا بات ہے تم اتنی خاموش کیوں ہو؟“

”ہم کیا کہیں انوی؟“ وہ آہستہ سے بولی۔

کی بات ہی نہیں تھی، بہر حال میں اب وہاں کچھ وقت گزارنا تھا۔
لیکن جھپٹنے کے وقت چند خوبصورت لڑکیاں اندر آئیں اور انھوں نے مجھے کوساٹھ لہانے کی اجازت مانگی۔

”اوہ! تم اسے کہاں لجاؤ گے؟ میں نے پوچھا۔
”مسکرا کر میں نے ہماراج۔ رات کی پوجا میں شریک ہوئی دیوی جی!“
”اوہ! ٹھیک ہے۔ لیکن اس بات کا خیال رکھنا، ہم نے جون ہاڑوں میں تیاہ ہے، ہمارا کی بہت سی باتیں نہیں آئیں۔ کوئی بات جون نہ سمجھے تو اسے بچوں کی طرح سمجھا دینا۔“

”آپ جتنا نہ کریں ہماراج! انھوں نے کہا اور وہ مجھے کوسے کرحلی گئیں۔ تنہائی میں میں نے ایک گری سانس لی۔ یہ سانس کھل بہر حال میرے لیے تو دلچسپ تھے۔ کچھ عقیدے کے تو مات پسند لوگ بہر حال مجھ سے بہت متاثر ہو جائیں گے۔ ابھی تو میں نے بوسے کھیل نہیں دکھائے تھے، بہر حال میں ان کے مذہب کی کچھ باتوں سے متاثر ہوا تھا اور اس کے بارے میں بوری طرح جان لینا چاہتا تھا اس لیے ایک ایک قدم پر اٹھایا جا سکتا تھا، ایک وقت ساری باتیں تو بخوبی سمجھیں سکتی تھیں۔

پھر حیرت اور پتہ سے آگئے۔ بڑا بچہ ہی تھی ان کے ساتھ تھا۔ پنڈوں کے ہاتھوں میں نکال تھے۔ بڑے بچاری نے دونوں ہاتھ جوڑے اور بولا۔
”ہماراج! اگر پوجا میں ہمارے ساتھ شریک ہوں تو۔“
”ہمارا شریک ہونا ضروری ہے ہماراج۔“
”ہماری خوشی ہے ہماراج، اگر آپ کو منظور ہو تو!“

”ٹھیک ہے سنا میں کسی کی خوشی پوری کر دینا بہت بڑا کام ہے۔ ان تھاؤں میں کیا ہے؟“
”یہ لوگ آپ کے کپڑے لائے ہیں ہماراج۔ یہ آپ کی مدد کریں گے۔“
”ٹھیک ہے۔“ میں نے گون بولا دی اور پھر پتہ سے پانی کا روانی کرنے لگے۔ ٹھوڑی دیر کے بعد میرے بدن پر خوبصورت اور نفیس کپڑے کی دھرتی تھی۔ گلے میں صنوبر اور لہو تھے پر شفق۔ ان لوگوں نے خوب درگت بنائی تھی لیکن شاہدان کے عقیدے کے مطابق میں کچھ اچھا ہی لگ رہا تھا، سب نے ہاتھ جوڑ کر عقیدت کا اظہار کیا۔

پوجا میں زیادہ لوگ شریک نہیں تھے کیونکہ ہم پوجا نہیں تھی صرف مندر کے بچاری وغیرہ تھے۔ بڑا بچاری ضرور سیکھتا تھا یہ میرا عقیدہ مند ہو گیا تھا۔ اس نے میرے ہاتھوں سے پوجا کرائی اس کے بعد مندر کی دایوں نے رقص کیا۔ بڑا خوبصورت رقص تھا۔ پھر میں ان کے رقص میں موجود تھی اس نے نہایت حسین اور مختلف رنگوں کا لباس پہنا ہوا تھا اور وہ نہایت عقیدت سے کرتی تھیں۔ لیکن وہ کوئی مورتی کے سامنے ہاتھ باندھے انھیں بند کیے کھڑی تھی۔ اس وقت خود بھی وہ کوئی مورتی ہی معلوم ہو رہی تھی میں نے اسے بار بار ہری لگا ہوں سے دیکھا اور دیکھا ہی رہ گیا۔ پھر میں پوجا کی طرف متوجہ ہو گیا۔ کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ میں اس کا ہاتھ لیتا رہا۔ پھر پوجا ختم

ہوئی اور بچاری پر شاہ کا تھا لیکن میرے پاس آگیا میرے ہاتھوں پر چاریوں میں پر شاہ کی تصویر کرائی گئی اور مختصر پروگرام ختم ہو گیا۔
پھر بڑا بچاری میرے پاس آیا اور ہاتھ جوڑ کر بولا۔ ”مرنام نمبوری پر شاہ ہے ہماراج! آپ کا داس ہوں۔ آپ کا ہمان گیان کچھ کر میں آپ کا داس ہو گیا ہے۔“

”سب بھگوان کی سیلا ہے نمبوری پر شاہ! میں نے کہا۔
”میں آپ کے بارے میں جانتا چاہتا ہوں ہماراج۔ پرنت جب آپ پسند کریں۔ آپ نے مجھ کو تپتیا کی ہے اگر آپ تھک گئے ہوں تو داس صبح کو حاضر ہوں۔“

”یہی ٹھیک ہے نمبوری۔“ میں نے کہا۔
”ہو گیا ہماراج!“ نمبوری نے کہا اور پھر میں داس اپنے حجرے میں آگیا پھر بھی ٹھوڑی دیر کے بعد میرے پاس پہنچ گئی تھی میں نے مسکرا کر اسے دیکھا اور پھر بھی مسکرا دی۔ وہ ابھی تک لباس میں تھی اور مشغول کی روشنی میں بے حد حسین نظر آ رہی تھی۔

میں نے پھر بھی کی کر میں ہاتھ ڈال کر اسے نزدیک کر لیا۔ ”خوش نظاری ہو چکی؟“
”ہاں ہماراج! میں کو بڑی شائستگی ہے۔“ اس نے جواب دیا۔
”اپنے گھر بھی تم پوجا کرتی تھیں؟“
”ہاں!“
”مندرجہ بھی جانتی تھیں؟“
”کچھ نہیں ہماراج۔ روزانہ میں اور بڑی پوجا پر تو سب ہی مندر جاتے ہیں۔ جسے ان دایوں نے میری بڑی سواہی ہے۔ سب تھکے ہائے میں پوچھ رہی تھیں انہی!“

”کیا پوچھ رہی تھیں؟“
”یہی کہ ہماراج کو اتنا گیان کہاں سے ملا۔ اس سے پہلے وہ کہاں تھے وغیرہ اور پھر پوچھ رہی تھیں یا نہیں کہیں کی؟“ پھر شرا کر بولی۔
”اے، اور کیا پوچھ رہی ہیں؟“
”یہی۔ یہی کہ ہماراج۔ تم سے پوچھ کر تے میں کیا ہے؟“
”اوہ! تو نے کیا جواب دیا پھر؟“

”ہماری زبان ہی نہیں سیکھی کہ میں کیا کہتا ہوں۔“ پھر زلزلہ سے برباد سے کہا اور میں مسکرا دیا اس کے بعد میں نے پریشان نہیں کیا اور پھر آرام سے میرے بازوؤں میں سر جھکا کر بیٹھی۔ ہاں صبح کو ہم جلدی اٹھے مندروں میں سب سوج نکلنے سے پہلے جانے کے لیے تھے پھر یہاں سے میرے بھی خیال رکھنا تھا۔

دوسرا دن بھی حسب معمول تھا۔ صبح کی پوجا میں میں شریک نہیں ہوا تھا، نہ ہی پھر البتہ ہم دونوں نے نشان کیا تھا اور پھر دن چڑھے بھونچا آگیا جو میں نے اور پھر نے لکھا لیا۔ سانسے کاموں سے فارغ ہو کر نمبوری پر شاہ ہمارے پاس آگیا۔ اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر میں پر نام کیا تھا۔

میں نے ہاتھ بند کر دیا اور بچاری اسے بولا۔ ”کل کے ہمان سادھو کے ہاتھ میں لوگوں کو زیادہ معلوم نہیں تھا لیکن اب یہ شریک کی طرح پھیل چکی ہے ہماراج کہ لہو میں ایک ایسا گیانی موجود ہے جو ان تپتیا کر تھے۔ لوگ اسے ملنے کے لیے بار بار مندر آتے ہیں ہماراج! وہ آپ کے درشن کرنا چاہتے ہیں۔“

”پھر تم نے ان سے کیا کہا؟“ میں نے پوچھا۔
”پندرہ گھنٹے انھیں اندر نہیں آنے دے رہے۔ ہماراج کی آگیا کے بنائے کیسے ممکن ہے۔“
”تم نے ٹھیک کیا ہے نمبوری پر شاہ! ہم ابھی کسی سے نہیں ملیں گے۔“
”شام کی پوجا کے بعد انھیں درشن دے دیں ہماراج۔ یہ کہہ کر انھیں بلا لیا جاسکتا ہے۔“

”میں اسے پسند کرو۔“
”کہہ باتیں اور کرنی چاہتا ہوں ہماراج!“
”ہاں نمبوری! کہو۔“
”ہاں ہماراج کے بارے میں کچھ نہیں جانتا دوسرے لوگ مجھ سے باتیں کرتے ہیں کیا انھوں کا؟“

”تم میں کشتو کا کہہ سکتے ہو نمبوری! پورا جیون ہاڑوں میں گزارا۔ پھر بھگوان کی اچھا جونی تو سب سے مل گئے۔ سارا جیون ہم نے گیان میں بنایا ہے۔ ہم نہیں جانتے ہمارے پاس کیا کیا ہے۔ بس جو کچھ ہے بھگوان کا دیا ہوا ہے۔“
”جسے بھگوان۔ جسے کشتو کا؟“ بچاری نے عقیدت سے کہا پھر بھی کے بارے میں اس نے خاص طور سے سوالات نہیں کیے تھے اور بہر حال بچا ہی تھا۔ پورا دن پر سکون گزارا۔ کوئی خاص بات نہیں ہوئی لیکن شام چلتی ہی پتہ نہ پڑا۔ وہ کہنے لگا۔ ”یہ داساں بھی کو کھیرے نہیں اور اس طرف مسبارا ہمارا ہمارا شریک ہو گیا۔ شام کی پوجا میں میں شریک نہیں ہوا لیکن اس کے بعد مجھے وہاں کی بالائی منزل کے چڑھنے میں لایا گیا۔ درحقیقت باہر رہا تینوں کا روز مست مع تھا۔ وہ سب میری ایک جھلک دیکھنے کے لیے آ گئے تھے اور میں ہرگز نہیں آگیا ہوا۔“

ایزوں نے وہاں میں شامل پنڈوں نے کشتو کا ہماراج کی بے شک اور دست لگنے اور دیر تک لگے رہے ہیں نے مخروں کی طرح ہاتھ ملاتے تھے۔

”ات شائے کی خدمت نہیں ہے۔ یہ وہی کہہ دینا ہے مجھے نیا ساز ہمارا تھا میں نے جنگوں میں شیروں کی زندگی بسر کی تھی اور میں تھا بھی شیر۔ مالا مشا و سرت انسانوں کو کس کی زندگی جیتنا تھا جو میرے سامنے کسی طور طرہ نہیں سکتے تھے لیکن بہر حال مجھ کی زندگی کے بارے میں معلومات دے کر انھیں اس لیے میں ان کا عمل بھی دیکھ گیا تھا اور اب میں وہ ساری حرکتیں کرنا تھا انھیں دیکھنا تھا۔ میں نے ان لوگوں کے طور پر بے دران کی زبان کی حد تک ہمان کی تھی لیکن ابھی میں ان کے بارے میں جاننے کا دل سے ملو نہیں تھا اس لیے مجھ میں کھلنا ملنا ہی تھا۔“

یاد رہی ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو گئے۔ اب وہ سب خاموش ہو گئے تھے۔ ٹھوڑی دیر کے بعد میں وہاں سے جلا آیا۔ بچاری بڑے احترام سے مجھے میرے حجرے میں جوڑ لیا تھا۔ یہاں پھر بھی آگئی تھی۔ وہ بہت خوش تھی۔ میں نے گہری سانس بیکراس کی طرف دیکھا اور وہ مسکرا دی۔

”تم بہت خوش ہو گئی؟“
”ہاں ہماراج!“
”اب تو مجھ سے میں میں کوئی ڈر نہیں ہے؟“
”ڈر نہ کھنا جا رہے ہماراج!“
”اوہ! ابھی ہے؟“ میں نے کہا۔

”ٹھوڑا ٹھوڑا انہی۔“ پھر نے آگے بڑھ کر میرے گلے میں باتیں ڈال دیں۔ ”بس نہ جانے میں کبھی کیوں پہلنے لگتا ہے۔ میں سوچتی ہوں بھگوان کرے یہ کوئی پہنا نہ ہو، آنکھ کھلے تو کچھ نہ ہو سوائے پتیا کے لیکھتے شعلوں کے۔“ پھر مجھ سے چپٹ گئی اور میں اس کی پشت پر ہاتھ پھیرنے لگا۔
”ان خیالات کو اپنے ذہن سے نکال دو پھر! آگیا انھیں میرے اوپر اعتماد نہیں ہے؟“

”ہے ہماراج! تمھارے اوپر تو اب پورا اعتماد ہے۔“
”بس تو سوت۔“ تھا اور کوئی کچھ نہیں لگاؤ کے گا۔“
”کچھ بھگوان نے آکاش سے نہیں میری سہاٹا کے لیے بھیجا تھا انہی۔ میں تو اب بھی کبھی بھی ہوں کر کم آکاش سے اترے ہوئے ہو۔“
”میں بتا چکا ہوں جو کچھ میں ہوں اس سے زیادہ مجھے کچھ سمجھوں میں نے جواب دیا اسی وقت ایک پنڈے نے اندر آنے کی اجازت مانگی اور میں نے اسے بلا لیا۔ سپنڈا دونوں ہاتھ جوڑ کر مجھ کا بھرا بولا۔
”سوئی ہماراج آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔“
”بڑے بچاری جی؟“
”ہاں ہماراج!“
”کہاں ہیں وہ؟“

”رکھ شالا میں ہیں۔ آپ بھی میرے ساتھ چلیں ہماراج! پنڈے نے کہا اور میں نے گون بولا دی۔ پھر میں نے کچھ کو آرام کرنے کا مشورہ دیا اور خود پنڈے کے ساتھ ہی بڑا۔ رکھ شالا ایک طرح کا شعلہ کا مکہ تھا وہاں تین آدمی موجود تھے۔ چوتھا نمبوری پر شاہ تھا۔ تینوں آدمی شعلوں سے متاثر نظر آتے تھے۔ انھوں نے جھک کر میرے پاؤں چھوئے۔
”یہ ظاکر مدین داس ہیں ہماراج! یہ تیر کو چندا ور رگو دنداس جی تینوں ہی بڑے سچے لوگ ہیں۔ مندروں کی خدمت کرتے رہتے ہیں۔ آپ سے ملنے کو ہے میں ہماراج!“ نمبوری نے کہا۔
”جی ورد۔“ میں نے کہا۔
”آپ جیسے ہمان گیانی ہماری تپتی ہیں بدھالے۔ ہمارے بھگ ہماراج۔“ تینوں نے کہا۔

”ہم چاہتے ہیں ہمارا ایک ایک دن ہمارے گھروں کو رونق بخشیں جو جن ہمارے ساتھ کریں۔“

”جنگلوں میں عزت سے بھاگنا سادھوکان مسدا کی باتوں سے دور ہی رہنے دو۔ تمہاری کپڑا ہوگی۔ کچھ روز تمہاری جتنی میں گزارا کرے گا، پھر یہاں سے چلے جائیں گے۔ پہاڑوں میں ویرانوں میں ہمیں مسدا کا کوئی دور نہیں کرنے کی پڑا رہنے دو۔“ میں نے کہا۔

”جو آگیا ہمارا! اس بھاری خوشی ہوتی۔ ہر دم ہمارا کے لیے اچھا تو بھیج کئے تھے؟“

”ساری چیزیں ہمارے لیے بیکار ہیں۔“

”ہمارا چٹیک کہہ رہے ہیں بھائی۔ ان باتوں کی جتنا کہاں ہوتی ہے، ہر حال قہری ویرانہ وہ تینوں میرے پاس بیٹھے ہیں اور پھر چلے گئے۔ گلیاں کا گلیاں کہاں چھٹتا ہے ہمارا! لوگ بولنے ہو گئے ہیں۔ نہ جانے کیا کیا منو کا منا میں لیکر گئے ہیں سسرے کے کس کو بیخ کوں؟ پجاری نے کہا۔

”ہاں۔ بیٹے جنگلوں کو کھول کر کش سے گلیاں مانگتے ہیں۔“

”پروہ جنگلوں کے آگے قریب بھی تو نہیں ہیں ہمارا۔ میں نے بتوں کو ڈالا ہے ہمارا۔ مجھے شکر کہ میں بیکار ہوں۔ ایسے میں نہیں بیٹھتا کہ کھڑا۔“

”کچھ اور لوگ بھی ہیں کیا میں نے پوچھا۔“

”ہاں۔ امانند جی اور ان کی دھرم پتی جی بیٹھے ہیں۔ وہ کی طواریں ملے۔ اب آپ کی بتائیں ہمارا! میں کیا کروں؟“

”کیا چاہتے ہیں وہ؟“

”بس آپ کی بیویاں حاضری چاہتے ہیں۔“

”ان کے علاوہ کوئی اور بھی ہے؟“

”ہر دم تھے۔ کچھ منو کا منا میں بھاگے دوڑے کئے ہیں، کس کس کو ملاں۔ بڑی مشکل سے ان سب کو ڈالا ہے ہمارا!“

”انھیں بھی بھیج دو؟“ میں نے گری سانس لیکر کہا۔ ہر حال بھی ایک دلچسپ تجربہ ہوگا۔ لوگ اپنی اپنی کہانیاں سنائیں گے۔ انھیں تو ان کے کہانیاں اور پھر منٹ کے بعد ایک دلچسپ جوڑا نڈا داخل ہوا۔ ایک کالا اور موٹا سا نڈا تھا جو سفید کرتے اور دھوئی میں خوب چمک رہا تھا اس کی عمر ساٹھ سال سے کم نہ ہوگی۔ سب اچھا لگا لیکن چہرے پر چھافت نمایاں تھی۔ بس نہ جانے کیوں وہ مرد جو تھے بھی مرد نہیں لگتا تھا لیکن اس کے ساتھ ایک دیہاتی کی نامی عورت تھی۔ سفید ساڑی جس کی لال کناری تھی سیدھی ماٹنگ دھلا دھلا چہرہ تھکے نعوش، بڑی بڑی سیاہ آنکھیں جس میں خاص چمک تھی چہرہ ساٹھ جنڈیاں سے عاری۔ بڑا متضاد جوڑا تھا۔ کسی طور سے ایک دوسرے سے نہیں ملتا تھا۔

”مرد نے ہاتھ جوڑ کر پر نام کیا۔ عورت اسی طرح کھڑی رہی تھی۔ اری کیا دیکھ رہی ہے، پر نام کہ ہمارا کو! مرد نے جلدی سے کہا اور عورت نے بے زاری سے دونوں ہاتھ جوڑ لیے۔

”میں نے ہاتھ اٹھا دیے اور دونوں کو آتش وادیاں تیرے مرد نموری پر شاد کی طرف مخاطب ہوا۔ اگر برا نہ مائیں ہمارا تو ہم اکیلے میں یہاں رہی سے بات کریں۔“

”ہاں ہاں۔ ضرور جنگلوں میں ہمارا منو کا منا پوری کریں۔ نموری نے کہا اور ہانپ کر گیا۔ تیرے مرد نے آگے بڑھ کر دواہ بند کر دیا اور پھر دانت نکلے چھتے میری طرف بڑھا۔

”یہ مہائی ہے ہمارا شہ۔ تم بڑے گلیاں ہو جنگلوں نے تمھیں اور ش دیے۔ آگ تمھیں جلا نہیں سکتی۔ میری جنتا دور کرو ہمارا! میری من کی مراد بھی پوری کرو مہائی!“ اس نے دونوں ہاتھ جوڑ لیے۔

”میں کی مراد بھی پوری کرو مہائی!“ اس نے دونوں ہاتھ جوڑ لیے۔

”میں کی مراد بھی پوری کرو مہائی!“ اس نے دونوں ہاتھ جوڑ لیے۔

”میں کی مراد بھی پوری کرو مہائی!“ اس نے دونوں ہاتھ جوڑ لیے۔

”میں کی مراد بھی پوری کرو مہائی!“ اس نے دونوں ہاتھ جوڑ لیے۔

”میں کی مراد بھی پوری کرو مہائی!“ اس نے دونوں ہاتھ جوڑ لیے۔

”میں کی مراد بھی پوری کرو مہائی!“ اس نے دونوں ہاتھ جوڑ لیے۔

”میں کی مراد بھی پوری کرو مہائی!“ اس نے دونوں ہاتھ جوڑ لیے۔

”میں کی مراد بھی پوری کرو مہائی!“ اس نے دونوں ہاتھ جوڑ لیے۔

”میں کی مراد بھی پوری کرو مہائی!“ اس نے دونوں ہاتھ جوڑ لیے۔

”یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟“

”اس لیے دی کی وجہ تھی اپنی منو کا منا لیکر میرے پاس آ سکتا ہے اور اس خیال کے ساتھ کہ میری کوشش سے اس کے ہاں منتان ہو جائے گی تو سندی تیرے من میں یہ بات کیوں نہیں آتی کہ تو بھی مجھ سے اپنے من کی مراد مانگ۔ کیا میں تیری سہانتا نہیں کروں گا؟ کیا میں تیرے لیے کچھ نہیں ہوں؟“

”تم۔ تم میری سہانتا کرو گے ہمارا؟“ میں نے کہا۔

”میں کی مراد بھی پوری کرو مہائی!“ اس نے دونوں ہاتھ جوڑ لیے۔

”میں کی مراد بھی پوری کرو مہائی!“ اس نے دونوں ہاتھ جوڑ لیے۔

”میں کی مراد بھی پوری کرو مہائی!“ اس نے دونوں ہاتھ جوڑ لیے۔

”میں کی مراد بھی پوری کرو مہائی!“ اس نے دونوں ہاتھ جوڑ لیے۔

”میں کی مراد بھی پوری کرو مہائی!“ اس نے دونوں ہاتھ جوڑ لیے۔

”میں کی مراد بھی پوری کرو مہائی!“ اس نے دونوں ہاتھ جوڑ لیے۔

”میں کی مراد بھی پوری کرو مہائی!“ اس نے دونوں ہاتھ جوڑ لیے۔

”میں کی مراد بھی پوری کرو مہائی!“ اس نے دونوں ہاتھ جوڑ لیے۔

”میں کی مراد بھی پوری کرو مہائی!“ اس نے دونوں ہاتھ جوڑ لیے۔

”میں کی مراد بھی پوری کرو مہائی!“ اس نے دونوں ہاتھ جوڑ لیے۔

”میں کی مراد بھی پوری کرو مہائی!“ اس نے دونوں ہاتھ جوڑ لیے۔

”میں کی مراد بھی پوری کرو مہائی!“ اس نے دونوں ہاتھ جوڑ لیے۔

”میں کی مراد بھی پوری کرو مہائی!“ اس نے دونوں ہاتھ جوڑ لیے۔

”میں کی مراد بھی پوری کرو مہائی!“ اس نے دونوں ہاتھ جوڑ لیے۔

”میں کی مراد بھی پوری کرو مہائی!“ اس نے دونوں ہاتھ جوڑ لیے۔

گئے اور اس کے بعد کچھ بھی نہ رہا۔

میں حیرت زدہ لگا ہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ ذہن میں ابھی تک منوریا کی آواز گونج رہی تھی۔ چہرے نے چونک کر ادھو گونگے آحوں کو دیکھا۔ کیا یہ سب وہم تھا، تصور تھا۔ دروازہ بالکل بند تھا اور کمرے میں کوئی وجود نہیں تھا منوریا کہاں سے آئی اور کہاں چلی گئی۔ کچھ اندازہ نہیں ہو سکتا تھا۔

بہر حال یہ عجیب غریب وقت تھی جس کا اظہار دوسری بار میرے سامنے ہوا تھا۔ یہ لوگ ایسے جادو منتر کہتے تھے لیکن جو کچھ بھی تھا علم و حجب تھا اور میں اس سے کافی متاثر تھا۔ میں چاہتا تھا کہ کسی ایسے شخص کو دوست بناؤں جو مجھے یہ علم سکھائے اور وہ منوریا بھی ہو سکتی ہے۔

کافی دیر تک میں اس کے بارے میں سوچتا رہا اور پھر گری نڈیا۔ دوسری صبح میرے جاکو تھا کچھ جاگ چکی تھی اور اس کا سلاہو بالاس با اس کے بدن پر تھا۔ محل کی دایوں اور دایوں نے ہمیں غسل کرنے کی جگہیں بتائیں۔ پھر وہ میرے لیے لباس بھی نئے آئے تھے اور پھر دایوں نے اطلاع دی کہ ہمارا راج نے بھیجنے کے لیے بلایا ہے۔

”چلو“ میں نے کہا اور میں اور کچھ نوکروں کے ساتھ محل پرے محل درحقیقت بے حد خوبصورت تھا ہر جگہ ریشاں پتی تھی۔ ایک بہت بڑے اور بہت خوبصورت کمرے میں راجہ کی بیٹہ رانی منوریا اور دوسرے کچھ لوگ موجود تھے انھوں نے کھڑے ہو کر ہمارا سواگت کیا۔

منوریا بڑے احترام سے پیش آئی تھی۔ میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکا لیکن اس وقت مجھ کی آنکھوں میں کوئی خاص بات نظر نہیں آئی۔

”رات کیسی گزری ہمارا راج؟“ امی چند نے دستا انداز میں پوچھا۔

”اس پر کچھ تک نہیں کیا امی چند۔ صبحی بھی گزر جائے“

”میری منوریا کا منہ ہے ہمارا راج کلب کہاں کوئی تکلیف نہ لائے“

”ہمیں کوئی تکلیف نہیں ہے امی چند“

”تم بھی دیوی۔ ہمارا گیلی کی کے سبک کی وجہ سے ہمارا راج بھی بہت بڑھ گیا ہے۔ ہمیں بخاری سوا کر کے بھی خوشی ہوگی۔ راجہ امی چند، کچھ سے بولا کچھ کوئی جواب نہ دے سکی تھی۔ میں نے بار بار منوریا کی طرف دیکھا لیکن وہ خاموشی سے سر جھکے ہوئے تھی اور اس وقت اس کی آنکھوں میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔

ناشتے کے بعد ہم کمرے سے نکل گئے۔ راجہ نے میرے قدم چھوئے اور راجہ جانے کی اجازت طلب کی۔ پھر وہ چلا گیا۔ میں اور کچھ اپنی آرام گاہ کی طرف چل پڑے تھے۔ رانی منوریا بھی ہالے پیچھے آ رہی تھی۔ منوریا نے کچھ کو دایوں کے حوالے کیا اور ان کے قریب آئے کہ انتظار کرتے لگا منوریا میرے قریب آکر ٹوک گئی تھی۔

”میرے لیے کوئی پردیش ہمارا راج؟“ منوریا نے دسپے پوچھا۔

”ہاں رانی۔ تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں“ میں نے کہا۔

”ہمارا راج اگر پسند کریں تو میرے دو اہلکس، یا پھر جہاں چاہیں“

”یہ تیرا محل ہے رانی اور تم تیرے ہمارا، جہاں تو کہے“

”تیرے میرے ساتھ آئیے ہمارا راج!“ منوریا نے کہا اور میں اس کے ساتھ چل پڑا۔ دایاں پیچھے ہٹ گئیں اور ہم دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے ایک خوبصورت دروازے کے پاس پہنچ گئے۔ دایوں نے وڑکر دروازہ کھولا اور ایک طرف ہٹ گئیں۔ تب ہم دونوں اندر داخل ہوئے اور رانی کے شالے پر دایوں نے دروازہ بند کر دیا۔

”پدھائیے ہمارا راج! میرے جاک کلب یہاں تک آئے“ رانی ایک نشست گاہ کی طرف اشارہ کر کے بولی اور میں اطمینان سے پیچھے گیا۔ امی میرے سامنے پیچھے گئی تھی۔ میں نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا اور کچھ پس پڑ گیا اس وقت رانی کا چہرہ بالکل سادہ تھا۔ آنکھوں میں چمک ابھی تھی لیکن اس میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔ میں نہیں گیا۔ یہ تو معاملہ ہی کچھ اور نظر آ رہا تھا۔ رات کے وقت رانی کی کیفیت ہی کچھ اور تھی۔

”کیا پردیش ہے ہمارا راج؟“ اس نے کہا۔

”کچھ باتیں پوچھتی ہیں“

”میں موجود ہوں!“

”کیا امی چند کی ایک ہی رانی ہے یا کوئی اور بھی ہے؟“

”صرف میں ہی ہوں ہمارا راج! چار دایاں مر رہی ہیں۔ دیکھو کچھ اجاؤں کو رانیوں سے زیادہ دایوں کے ساتھ سے پٹنا ہوتا ہے۔ رانی کا ہوا دس اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔“

”ادھ!“ میں نے گردن ہلاتی۔ امی چند بھی دایوں میں کھپ چکی تھی۔

”یہ راجاؤں کی شان ہے ہمارا راج!“ منوریا اسی سے بولی۔

”نہیں پڑا نہیں لگتا؟“

”عادت پڑ جاتی ہے ہمارا راج!“ اس نے جواب دیا اور اس جواب میں بڑی بے بسی تھی۔ رات کی منوریا بے بس نہیں تھی۔ پھر یہ کیا راز ہے۔ کیا درحقیقت وہ صرف ایک تصور تھا، یا پھر کوئی اور سبب؟

”تم اگر چاہو منوریا۔ تو میں بخاری سہا سہا کر سکتا ہوں!“

”کس بارے میں ہمارا راج؟“

”امی چند صرف تھا تو مجھے ہے!“

”نہیں ہمارا راج! ابھی میری منوریا مناسقی، اب نہیں ہے“

”کیوں؟“

”بس میں عادی ہو چکی ہوں اور پھر میرا ہی جس بات میں خوش ہے میں اس میں ٹانگ کیوں اڑاؤں نہیں ہمارا راج میں یلینس چاہتی“

”تیری مرضی ہے رانی۔ میں چاہتا ہوں تیری کوئی سہا سہا کرے۔ اگر کبھی تجھے اس کی ضرورت پڑے تو مجھے ضرور یاد کر لینا“

”دیبا ہے ہمارا راج کی اور میں اس کے لیے بہت شکر گزار ہوں“ منوریا نے کہا اور میں اٹھ کھڑا ہوا۔

”بس اب مجھے آگیا ہے!“

”پدھائیے ہمارا راج! میں کیا سوا کروں۔ میرے لیے کچھ نہیں؟“

”میرا نہیں گئے منوریا۔ پڑا بھی نہیں“ میں نے کہا اور پھر میں اس کے کمرے سے نکل آیا لیکن الجھا ذہن لیے کچھ بات ہے میں کوئی اندازہ نہیں لگا سکا تھا۔ منوریا تو میرے خیال کے برعکس تھی۔ وہ چالاک لگتی تھی اس کی آنکھوں سے تیری کچھ تھی لیکن ابھی انھوں نے وہ ایسی نہیں معلوم ہوئی تھی اس نے نہایت احترام سے مجھ سے بات کی تھی اور میں کہیں بھی اندازہ نہیں لگا سکا تھا کہ وہ مجھ سے کوئی فریب کر رہی ہے۔

پھر وہ تصور کیا تھا۔ کیا درحقیقت وہ کوئی تصور تھا۔ اگر اس سے قبل تو مجھے ایسا نہیں ہوا تھا! اس سے پہلے تو میں نے کھلی آنکھوں سے کوئی غریب نہیں دیکھا تھا۔ یہاں البیاض فرب کیوں ہوا۔ درحقیقت میں تھوڑی دیر تک الجھا ہوا اس کے بعد میں نے یہ خیال ہی ذہن سے نکال دیا۔ منوریا نے ان میں تین بار ملاقات ہوئی۔ ایک بار شام کی پورا پورا دھیرات کے کھانے پر لیکن اس کے دورا جا می چند کے انداز میں احترام کے سوا کچھ نہیں تھا۔

اور پھر رات آگئی میرے ذہن میں کسی قسم کا تردد نہیں تھا کچھ کا نازک اور میرا چاہا یا چاہا نا بد نہ تھا اور میں کچھ کی لذت انگیز سانسیں تھیں اور رات کا ستا سانس اس سانس میں ایک سختی ہنسی شامل ہوئی اور میری بھی کی نہیں تھی کچھ تو ہم غور ہو گئی تھی۔ میرے کالوں میں صاف آواز ابھری۔

”کیا بول رہے ہمارا راج؟“ اور میں نے چاروں طرف دیکھا۔ آواز منوریا کی تھی اس میں کوئی شبہ نہیں تھا۔

”کچھ!“ میں نے کچھ کواوازی۔

”اسے سونے دو ہمارا راج، مجھ سے باتیں کرو، وہ میری آواز نہیں سنے گی“

”کون ہو تم؟“

”ادھ! کیسے کیا می جو اتنی سی بات نہیں معلوم کر سکتے!“

”منوریا!“ میں نے ایک گہری سانس لیکر کہا۔

”داسی ہی ہے!“

”کیا بات ہے آج تم کھل کر سناتے نہیں آ رہی؟“

”اجاؤں؟“ منوریا کی کچھ بولی آواز ابھری۔

”ہاں آؤ۔ دیکھو تو میں کیا ظلم ہے۔“ میں نے کہا اور اچانک ایک جگہ روشنی ہو گئی۔ میں نے چونک کر اس طرف دیکھا، منوریا بھی ابھی لیکن حیرت کی بات تھی۔ میں نے قریب سے دیکھنے کے لیے آگے بڑھ گیا لیکن جوتی میں اس کے چہرے کا وجود کے نزدیک پہنچا وہ میری نگاہوں سے اجھل ہو گئی۔

”فاصلے ٹھیک ہوتے ہیں ہمارا راج! میں قریب بھی ڈی کی نظر آؤں گی یہی دوسرے۔“ یہ آواز میری پشت آئی۔ میں نے گھوم کر دیکھا، منوریا کمرے کے دوسرے کونے میں کھڑی ہوئی تھی اور کچھ ایسی طرح سو رہی تھی۔ بہر حال چہرہ انگیز بات تھی لیکن مجھے کچھ ناخوشاں آ گیا اس کا علم میں کچھ چکا تھا۔

”ٹھیک ہے منوریا! دوسرے ہی سہی مگر کیا تم مجھ سے باتیں کرو گی؟“

”ہاں ہاں ہمارا راج! کیوں نہیں؟“

”تب پھر آؤ۔ بیٹھو، باتیں کریں۔“ اور منوریا مسکراتی ہوئی بیٹھ گئی۔ محل رات بھی تم ہی نہیں بنا۔

”ہاں ہمارا راج! انسان میں صرف ایک ہی منوریا ہے اور وہ میں ہوں۔ میری جیسی دوسری نہ ہوگی۔ آپ نے کچھ ہی بتو تھیں۔“

”نہیں دیکھی۔ میں نے سنا ہے مجھے کہ“ لیکن تم دن کی روشنی میں بدل کیوں جاتی ہو؟“

”اس کی بات چھوڑ دو کشتو کا۔ دن کی بات دن کے ساتھ۔ تم بناؤ تمھارا گیان میرے بارے میں کیا کہتا ہے؟“ منوریا نے کہا۔

”تم جادو گر کی ہو؟“

”ہوں! مگر تم میرا جادو لاشٹ بھٹل کیوں نہیں کر دیتے؟ تم نے تو پورا جہنم ہماراؤں میں بتایا ہے، پتیا کرتے ہوئے گیان حاصل کرتے ہوئے۔ کیا تمھارا گیان میرا کچھ نہیں لگا رہتا؟“

”شاید نہیں۔“ میں نے مسکراتے ہوئے اعتراف کیا۔

”اسے کیوں؟“

”اس لیے منوریا کہ میری اور تمھاری حیثیت مختلف ہے۔ تمھارا یہ علم جسے تم جادو کا نام دیتے ہو میرے لیے اجنبی ہے میں کھائے اس علم سے بہت متاثر ہوں۔ تم مجھے ایک بات بتاؤ، تمھارا جادو، تمھارا یہ لکھا علم تمھیں میرے بارے میں کیا بتاتا ہے؟“

”سنو گے ہمارا راج؟“

”ہاں!“

”اور کچھ بولو گے؟“

”ہاں۔ میں جھوٹ نہیں بولوں گا!“

”تو پھر ہمارا راج تمھارا نام کشتو کا کہتا ہے تم نے کچھ ہی ہاڑوں میں گیان نہیں کیا۔ ہاں میرے پیر مجھے کھائے بارے میں کچھ نہیں بتا سکے۔ وہ تمھاری پھلی زندگی کا پتہ نہیں لگا سکے اور یہ تمھاری ذات کا اظہار ہے۔ کیا میں غلط کر رہی ہوں کشتو کا ہمارا راج؟“

”بالکل ٹھیک ہے۔ میں نے کوئی گیان نہیں کیا۔“ میں نے کہا۔

”تو پھر گیان کیوں بن گئے؟“ اس لوہی کے لیے ہے۔

”نہیں منوریا! یہ لوہی میرے لیے کوئی بڑی حیثیت نہیں رکھتی۔ بس مرنے سے ڈر رہی تھی، آگ میں نہیں کودنا چاہتی تھی۔ میں نے اس کا چہرہ بچا لیا۔“

”اور پھر اپنے اس احسان کا بدلہ اس کے شہر سے لے لیا؟“

”نہیں منوریا! میں نے اس کا شہر بدل دیا میں نہیں لیا تھا۔ وہ نوجوان تھی، خوبصورت تھی اور میں ایک بھر پور مرد میں نے اس کی خوشی سے اسے حاصل کیا!“

”اور پھر ہمارا راج کشتو کا کہن کر بدلیا میں آجیٹے؟“ منوریا طنز بہ

”کیا نہیں لایا گیا تھا۔ اب تم سے کیا کہوں“ غصے سے ہاتھ دھو کر
کی باتوں پر بڑی توجہ دی جاتی ہے میں نے خود تو مندرجہ ذیل ہونے کی
گوشش نہیں کی تھی۔

”ایک اور بات بتاؤ گے مہاراج؟“

”ہاں پوچھو!“

”دیکھ ہندو دھرم سے تمہارا کوئی ناٹھ نہیں ہے؟ منو مانے
سوال کیا اور میں نے ہندو منٹ اس کے سوال پر غور کیا۔

”اس کا جواب دینے سے پہلے میں تم سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں منو مانا!
”چلو پوچھو“ منو مانے نے ناماندا انداز میں کہا۔

”اب غم اس بات سے اٹھاؤ تو نہیں کرو گی کہ اس وقت کی منورما
اور رانی منورما میں کوئی فرق ہے؟“

”چلو ٹھیک ہے میں نے مان لیا کہیں منو مانا ہی ہوں۔ اب۔
”منو مانا پھر میں تم سے کہوں گا کہ مجھے سے دو کی کو ہم دونوں
ایک دوسرے کو اپنے باپ سے کیجئے بنائیں گے اور ایک دوسرے پر
پورا واثق بنائیں گے!“

”وہ جیتے ہو مہاراج کہ جوٹا نہیں بولو گے!“

”ہاں ورنہ بتا ہوں!“

”ٹھیک ہے تو اب تم مجھے بتاؤ کہ کیا تمہارا تعلق ہندو دھرم
سے نہیں ہے؟“

”نہیں دیوی!“

”پھر کیا دھرم ہے تمہارا؟“

”کوئی دھرم نہیں ہے۔ بس دھرتی پر بسنے والا ایک جندار ہوں۔

دھرتی پر بسنے والوں سے یہ کہتا ہوں اور اگر مجھے مانتو تو میری میرا دھرم ہے۔

بے بس کیڑے جیلے جیسے دوسرے کیڑوں کو نگلنے لگیں تو ان سے طاقتور
کیڑوں کا فرض ہے کہ وہ انھیں نگل جائیں اور کیڑوں کی رکشا کریں۔ یہی

میرے دھرم کا چارہ ہے۔“

”کہاں سے آئے ہو؟“

”مستار کے رہنے سے۔ دھرتی کے بہتے جھیلے میرے چرخے تھے

روندے گئے۔ بات کی بوری جس سے تم اس میں شک نہ کرنا۔“

”ہاں سے دھرم کا روپ کیوں اپنا لیا؟“

”صدیوں سے انسانوں کا تجربہ کرتا آیا ہوں۔ ہر دھرم سے دلچسپی

ہے، ہر علم پسند کرتا ہوں۔ تمہارے دھرم کے بارے میں جاننے کے لیے تم

جیسا بن گیا۔ یہاں سے کہیں اور جاؤں گا تو ان جیسا رنگ جاؤں گا۔“

”دیکھو۔ بھگوان کی سونگہ۔ اتنے سونگہ کیوں ہو؟“

”بس اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کام کی باتیں کریں۔“

”جولو کریں“ منو مانے نے عجیب انداز میں کہا۔

”اب میں تمہارے بارے میں کچھ پوچھوں۔“

”پوچھو۔ حالاً کہیں ابھی تمہارے بارے میں کچھ نہیں جان کی؟ منو مانا۔

”اس سے زیادہ اگر میں تمہیں بتاؤں گا تو تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گا

اور تم سے جھوٹ بھجھو گی شہرت مانگو اور مجھے یہ شہرت دینے میں خاصی الجھنیں

پیش آئیں گی۔“

”پھر بھی میں تمہارے بارے میں بہت کچھ جاننا چاہتی ہوں کہ شہر کا جی؟“

”آہستہ آہستہ جان لو گی۔ اب تم اپنے بارے میں بتاؤ۔“

”تم پوچھو مہاراج! منو مانا مسکرا کر بولی۔

”ہاں!“

”یہ بات سب کو معلوم ہے؟“

”نہیں!“

”اس طرح تو تم اپنی چند پرچی قابو رکھتی ہو گی؟“

”اتنا بڑا مہاراج۔ امی چند کتوں کی طرح میرے پیچھا لگتا ہے۔

اس کی چار دانیائیں تھیں ایک ایک کے لیے میں نے موت کے گھاٹ اتار

دیا اور اب ہر دن ان کے رات پر صرف میری حکومت ہے۔“

”بہت خوب رانی منورما! اب دوئی کی بات کرو۔“

”منورما مہاراج!“

”کیا تم مجھے بھی اپنا علم سکھا سکتی ہو؟“

”یہ بہت بڑی بات ہو گی مہاراج! میں ایسا کر سکتی ہوں لیکن جب

دوئی کی بات ہی ہے تو میں بھی آپ سے کچھ مانگوں گی۔“

”ہاں ضرور۔“

”پہلی بات۔ تم مجھے اپنی شہرت کے بارے میں بتاؤ گے۔“

”اوہ! بات دیں آگئی۔“

”ہاں مہاراج!۔۔۔ اجتماعی ہوں۔“

”تو منو مانو! کچھ نہیں بتا چکا ہوں کچھ اور سن لو۔ میرا خیال ہے تمہارا

علم میرے اوپر نہیں چل سکے گا۔ میں نے انسان ہوں۔ آگ پانی کو گولی ڈال

چیر میرے بدن پر لے آ رہے اور یہ صدیوں کی سختیاں ہیں جنھوں نے مجھے

نجانے کیا بنا دیا ہے۔ میں قریباً گوشت پوست کا انسان نہیں ہوں۔ ہر دور

میں میں ہر مذہب اور ہر خیال کے انسانوں کے ساتھ رہا ہوں میں جانتا ہوں

کہ ہر دور کے انسانوں میں غم کرنے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ ان سے مختلف مذہب

سوں نے خود کو تمہارے دھرم کے مطابق بنا کر پیش کیا، گو مجھے اس کی ضرورت

نہ تھی۔ وہ ایک لڑکی کی جان لینا چاہتے تھے اگر میں اس کو بچا چاہتا تو ان سب

کو قتل کر دیتا اور وہ آج بھی میرے پاس اسی طرح محفوظ ہوتی جس طرح ہے۔

اسے کون سمجھے سمجھیں سکتا تھا منو مانا لیکن اس طرح جو دشمنی کی نظا پیدا ہوئی

وہ منجھے سکون سے نہ دیتی تھی اپنا تحقیقاتی کام جاری رکھ سکتا تھا۔

تمہارے دھرم میں شامل ہو کر میں زیادہ سکون سے اپنا کام کر سکتا

ہوں اور اس میں میری کوئی نقصان بھی نہیں ہے۔ میں نے اپنے آپ کو۔۔۔ کے

درمیان رکھ کر تمہارے ہاں کے لوگوں کی دلچسپیاں حاصل کر لیں! انھوں نے

مجھے اتنا سمجھا میں نے انکار نہ کیا۔ وہ مجھے عام آدمی سمجھیں گے تب بھی مجھے

اعتراف ہو گا بس میرا کام جاری ہے۔“

”مگر صدیوں سے تمہارا کیا مطلب ہے مہاراج؟“

”صدیوں صدیاں ہوئی ہیں“ میں ٹھنڈی سانس لیکر بولا۔

”وہ تو ٹھیک ہے لیکن تم جو صدیوں کی بات کرتے ہو وہ کیا حیثیت

رکھتی ہے؟ تمہارے کہا ہے کہ ہر دور کے انسانوں کے ساتھ شامل رہے ہو،

اس کا کیا مطلب ہے؟“

”میں صدیوں سے زندہ ہوں رانی منو مانا میری عمر ہزاروں سال ہے

مان سکتی ہو تو مان لو ورنہ اپنے علم کو آواز داس سے پوچھیں نے جھوٹ نہیں کہا۔“

”ہاں! تو کیا تم نے امرت پل پیا ہوا ہے؟“

”میں نے کچھ نہیں پیا۔ میرے بارے میں سوچتی رہی تو میرے ہی بارے

میں پوچھتی رہی اس لیے اس گفتگو کو میں بہتر تم کو دو اور میری بات کا جواب دو۔“

”مجھے بڑی حیرت ہے مہاراج!“

”ہر دور کے انسان مجھ پر حیران ہے میں تم نے کوئی نئی بات نہیں کی۔“

”تو تمہارا نام بھی کرشنا کا نہیں ہے؟“

”نہیں دیوی!“

”پھر تمہارا کیا نام ہے مہاراج؟“

”صدیوں کا بیٹا۔ اور بس۔“

”اٹھنا نام ہے۔ اچھا ایک بات بتاؤ؟“

”وہ بھی پوچھو۔“ میں نے ایک گہری سانس لیکر کہا۔

”یہ بڑی تمہاری پریم کا ہے۔ میرا مطلب ہے مہاراج تم اس سے

پریم کرتے ہو اور وہ بھی تم سے۔۔۔۔۔“

”زمین کی بے شمار غورتوں نے دو ار کے مطابق میرا قرب حاصل کیا

ہے انھوں نے مجھ میں کشش محسوس کی مجھے بھی ان کی ضرورت تھی، چنانچہ میں

نے ان کا قرب اپنا لیا مجھے بھی اپنی میں سے ایک لڑکی ہے۔ جہاں تک پریم

کی بات کرتی ہو تو میرے لیے ناممکن ہے کہ کوئی تمہاری عمریں ایک حد تک

جا کر ختم ہو جاتی ہیں اور اس کے بعد میں تنہا رہ جاتا ہوں چنانچہ بدستے دو ار کے

ساتھ میری عمر تھی بدلتی رہتی ہے۔“

”تو کیا تم مہاراج ایک دور میں ایک ہی استری کے ساتھ رہتے ہو؟“

”نہیں۔“ میں نے مسکرتے ہوئے کہا اور منو مانا کی حد تک جھینپ گئی۔

”میرا مطلب ہے مہاراج تم اس سے دواہ کر لیتے ہو؟“

”نہیں میں نہیں بتا چکا ہوں کہ یہ ساری باتیں دھرموں سے تعلق

رکھتی ہیں اور میرا کوئی دھرم نہیں ہے۔ ہاں میری عمر تھی اپنے طور پر جو چاہے

سو کہے۔“

”ہوں۔ تمہاری ساری باتیں انوکھی ہیں۔ جھگوان کی سونگہ تم جتنے

سندھ ہوتے ہی حیرت انگیز بھی میں تمہیں بہت پسند کرنے لگی ہوں مہاراج!

میرا من تم میں الجھ گیا ہے۔ ابھی تو نہ کہوں گی لیکن میں تم سے ایک بات ضرور

کہوں گی، منو مانا نے کہا۔

”ابھی کہوں دیکو گی منو مانا؟“

”لاج آگے ہے۔ وہ شرمناک بولی۔

”اچھا۔ ایک بات اور بتا دو!“

”ہاں ہاں۔ پوچھو۔“

”کیا امی چند کو بھی نہیں معلوم کہ تمہارے علوم جانتی ہو؟“

”اسے معلوم ہے مہاراج! غم اس کا دماغ میری ٹھنی میں ہے وہ صرف

دبی سوچتا ہے جو میں جانتی ہوں۔“ منو مانا نے جواب دیا۔

”تب تو یوں سمجھا جائے کہ ہر دن ہاں پر اصل حکومت تمہاری ہے؟“

”ہاں مہاراج! ابھی سمجھو۔“ منو مانا نے بڑے غمزے سے کہا اور پھر بولی۔ ”مگر

مہاراج جو کچھ میں تم سے کہوں گی اس کا پہلا پارٹ یہ ہے کہ کیا تم میرے کہنے

سے کچھ کو چھوڑ سکتے ہو؟“

”اوہ!“ میں نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھا۔ میں سمجھ گیا وہ کیا کہنا

چاہتی ہے لیکن انھیں کی بات تھی۔ وہ خوبصورت تھی، سب سے بڑی بات یہ کہ عالم

تھی اس علم کی مالک تھی جسے حاصل کرنا چاہتا تھا لیکن وہ مصمم لڑکی جس

کی زندگی کے ہر لمحہ چاروں طرف بکھرے ہوئے تھے، یہ تصوراتی اور میرے

علاوہ اس کا کوئی سہارا نہ تھا اپنی خوشی کے لیے اور اس علم کے حصول کے لیے

میں اپنے اصول کو نہیں توڑ سکتا تھا میں نے اس کی زندگی کی حفاظت کا وعدہ

کیا تھا، سو اس کے لیے میں بڑی سے بڑی قربانی سے سکتا تھا حالانکہ منورما

میرے لیے بہت دشمن تھی، جوان اور حسین عورت کی حیثیت بھی اور ایک

جادو گر کی حیثیت بھی۔ لیکن مصمم بھی کو برا دکر نامیرے بن کی بات

نہیں تھی۔

”اسے سمجھو نا بہت ضروری ہو گا منو مانا؟“

”ہاں مہاراج! اب کھانا چاہتے ہو تو سن لی۔ تمہاری سندھ تانے

میرا من موہ لیا ہے۔ میں تمہارا جیون بھوکا ساتھ چاہتی ہوں اور میں کیسے برداشت

کروں گی کہ میرے پریم میں کوئی دوسری بھی شامل ہو۔ میں تمہیں اپنا سب کچھ دے

دوں گی مہاراج۔ تم میرا پریم سوئکار کرو اور صرف میرے ہو جاؤ۔“ منو مانا کی

آنکھوں سے ہار پڑنے لگا تھا۔

میں سوچ میں ڈوب گیا سوچ یہ دیکھتی کہ منورما کی بیشک قبول کر لوں

بلکہ یہ بھی کہ اگر میں نے اسے انکار کر دیا تو اس کے بعد اس کا رد عمل کیا ہو گا؟

”سوچیں ڈوب گئے مہاراج؟“

”ہاں منورما!“

”پر کیا سوچ رہے ہو؟“

”تم جیون بھوکے ساتھ کیسے رہ سکو گی؟“

”کیوں؟ اس میں کیا ہرج ہے؟“

”تو چھاد کرے گا کشور کا کیا تو یہ پندرہ گاہیں تھیں کنوں کی طرح دم ہلانے پر مجبور کروں گا“
 ”ہاں۔ میں ہی پسند کروں گا!“ میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔
 ”تب ٹھیک ہے“ منوٹا کا چہرہ آگ کی طرح دھنکے لگتا تھا۔

بدن میں چنگاریاں دوڑ رہی تھیں۔ ٹھیک ہے یہ عورت ایسے ایلوے لکڑی ملک تھی جوئی احوال میری سمجھ سے باہر تھے۔ وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھی۔ غلط ہے وہ مجھے موت تو دے نہیں سکتی تھی بلکہ میں اس کے خلاف ہر وہ کوشش کر سکتا تھا جو اسے ختم کرے۔ ہاں پروفیسر ہندول کا یہ جادو بھی خوب چیز تھی۔ اس کا کوئی توڑ میری سمجھ سے باہر تھا۔ لیکن اس وقت بات تو کچھ ایسی ہو گئی تھی کہ میں کسی مصلحت سے بھی کام نہیں لے سکتا تھا۔ مجھے اس جادوگر عورت پر غصہ آ گیا تھا اور اب میں کسی طور پر اس بات نہیں مان سکتا تھا خواہ اس کا انجام کچھ بھی ہو۔ وہ گئی تھی کی بات۔ تو اس غریب کی زندگی ایک طرح سے ختم ہو چکی تھی۔ ہاں وہ آگ کی اذیت ناک موت سے بچ گئی تھی مگر اب اس کی میری کوششیں اس کی زندگی واپس لے آئیں تو ٹھیک تھا۔ ورنہ.... میں اس سے زیادہ اس کے ساتھ کچھ نہیں کر سکتا تھا اس کی زندگی کے لیے آخری کوشش بھی کروں۔

میں خود آواز نکال رہا تھا اور منوٹا کا چہرہ احتیال پڑتا جا رہا تھا کافی دیر بعد ہم دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کو گھونٹے رہے اور پھر منوٹا مسکرائے۔

”صدیوں کے بیٹے اب بول کیا جاتا ہے؟“
 ”تو نے مجھے کنوں کی طرح دم ہلانے کے لیے کہا تھا۔“ میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔

”ہاں! وہ قواب تیرا اقتدار ہے۔ کن جب تک تو میرے تلے نہیں چلے گا۔ میرے پھل سے نہیں نکل سکے گا، تو یہاں سے جا بھی نہیں سکے گا۔ دیوانے راجہ حانی کے بڑے بڑے سند، بڑے بڑے کڑیل جوان، جانشین بڑے کھلم کھلا بال کی بہت بڑی قیمت سمجھتے ہیں منوٹا کی آنکھ کے ایک اشارے پر پانچا بیون دھنکے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ تو مسند قدرت۔ لیکن ایسا انوکھا بھی نہیں ہے کہ کوئی تیرے مقابلے کا نہ ہو۔“
 ”میں جانتا ہوں منوٹا! اور تو نے، میں تجھے کیا کی موری مار دی۔ میں واپس کے لیے بیٹا۔“
 ”تو جادو ہے۔“ منوٹا مصحک خیر لہجے میں بولی۔

”ہاں! میں جادو ہوں۔“
 ”کہاں؟“
 ”واپس میں انی چندے بھی تیرے بلے میں بات کروں گا۔“
 ”جاسکتے ہو تو ضرور جادو۔“ ویشو ایہ جانے کے لیے کہہ رہے تھے۔
 منوٹا نے ہنستے ہوئے کہا۔ اور اس کی آواز کے جواب میں ایک بھیاٹک

تمہارے سنائی دیا۔
 ”جانتے گا کہاں منوٹا دیوی اگر اس نے یہاں سے جانیں کوشش کی تو میں اس کی انگلیں توڑ دوں گا! ایک بھیدی اور پھٹی پھٹی سی آواز ابھری اور اس کے ساتھ ہی کسی نے میری گردن پکڑ لی۔ منوٹا کا خیال تھا کہ اس نظر نہ آنے والے کی گرفت سے میں خوف سے مر رہا ہوں گا، لیکن میرے نزدیک خوف کا کیا گزرتا ہے نہ ہمارے سکون سے اس کے پوسے بدن کو ٹھنڈا جس کی گرفت میری گردن پر کافی سخت تھی، مکمل جسم تھا لیکن اس نگاہوں سے غائب تھا، اور اس سے فرق بھی کیا پڑتا تھا پروفیسر انظر لے لے لے۔ اس کی گرفت میری گردن پر اتنی سخت تھی کہ بلاشبہ کوئی سمجھا گیا، میرا مطلب ہے ایسا انسان جو تباہی کا طاقتور ترین آدمی سے بھی ہنسنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اور منوٹا اس گرفت سے مایوس ہو جاتا۔ لیکن میرے بدن پر تیز دھڑکنے والی قوت طے پھیل رہی تھی۔ اتر رہے تھے اس کی گرفت نے مجھے کیا پریشان کرتی۔ ہاں میں نے سکون سے اس کے بدن کو ٹھنڈا کر دیا۔ اس کی گردنوں ہاتھوں سے پکڑ لی، اور پھر میں نے اسے قوت صرف کر کے اوپر اٹھا لیا۔
 ”اب لے لے کیا کرتا ہے، بلے چھوڑ۔ چھو۔ او۔ او۔“
 پھر پھٹی آواز میں بولھلاہٹ تھی۔
 ”ویشو! دیا ہے گردن، مارے جان سے اس نے میرا ایمان کیا ہے۔“ منوٹا غرائی۔

”ابے چھو چھو۔“ اسے پلٹ کر دیکھا۔ بچا چھو اس کے ہاتھوں سے۔ با۔ ہاتے، کلا۔۔۔ کلا۔۔۔“ کہہ رہا اور کھسی جا رہی تھی۔ میری گردن سے گرفت تھپتھپی ہی ختم ہو گئی تھی۔ اب وہ خود میری گرفت تلے کھسک کر کھڑا تھا۔ پھر میں نے اچانک ہاتھ نیچے گرے اور اس کی دونوں انگلیں پکڑ لیں۔

”ابے۔۔۔ ابے یہ کیا کر رہا ہے۔۔۔ ابے۔۔۔ آواز نے پھر کہا، لیکن اب انگلیں میری گرفت سے کہاں نکل سکتی تھیں، میں نے ان پر اپنی گرفت قائم کی اور پھر میرے ہاتھ پھیلنے لگے۔

”دیوی! دیوی! اسے روکو۔“ یہ کیا کر رہا ہے، میں نشٹ ہو جاؤں گا۔ آہ۔۔۔ آہ۔۔۔ آہ۔۔۔ ہاتے۔ ہاتے۔ آواز بھیاٹک ہوتی گئی اور میرے ہاتھ زیادہ سے زیادہ پھیلاؤ اختیار کرنے لگے اور پھر اچانک میں نے زمین پر ایک سیاہ رنگ کا سیال گرتے دیکھا۔ پچیس شذر سے شہید تر ہوئی جا رہی تھیں۔ اور پھر اس کی آخری بھیاٹک سچ ابھری، اور میرے ہاتھ پکڑی طرح پھیل گئے۔ سیاہ سیال کافی مقدار میں گرنا تھا اور انی منوٹا غصے میری شکل بیکھ رہی تھی۔

اور پھر، جو نظر نہیں آ رہا تھا، زندگی کھوکھلا کر اب حقیقی شکل میں آ گیا۔ بڑی بھیاٹک شہ تھی پروفیسر! میں نے اس وقت کی داستان بھٹکتے ہوئے اس کی خیالی تصویر بھی بنائی تھی میری کتاب میں محفوظ ہے، کسی

وقت کھادوں گا۔ سیاہ جسم انتہائی لمبا پورا لباس سے بے نیاز۔ اس کی سرخ زبان تقریباً گریب باہر نکل آئی تھی دونوں سفید دھڑے کر کے پھٹ گئے تھے۔ بالکل کونے کے ایک شے کی طرح سیاہ غصہ مرکب تھا۔
 میں نے دونوں ہاتھوں سے اس کے گرد دھنکے لگائے۔
 ”خوب! اور مگر ان تیرے سر پر کی شے کی قوتوں کی شے کے قابل ہے۔ ہاتے تیرے بازوؤں کی گرفت تھی منہ بھونکی، ترستی ہوں میں ایسے دھڑکے لیے جو میرے بدن کی ساری ہڈیاں اپنے بازوؤں میں جا کر پور پور کر کے مگر پانی تو ویسا کھنور بن گیا ہے! پکلا نہیں گا۔“
 ”میں تیری یہ خواہش ضرور پوری کروں گا منوٹا۔“ میں نے غلے تلے ہوئے کہا۔

”اننا۔۔۔ ایسے نہیں۔۔۔ اسے مار کر اتنا خوش مت ہو! تیرا اسدا بیون لیے راکش شوں سے لڑتے لڑتے تیریت جاتے گا، تب بھی یہ ختم نہ ہو گا۔ جیل ایسا کر لیں میں تجھے نہیں چھوٹے جاتی ہوں تو میرے بلے کل ہنگ لونی فیصلہ کر لینا۔ اور تو نے من سے نکال کر صرف میرا بن جاتے تو میں تجھے لڑا دی تھے دھول کی ورنہ....“

”ورنہ کیا؟ میں نے پوچھا۔“
 ”تھوڑے دن تجھے نہ دھڑکھ کرنا ڈول گی۔“ منوٹا نے لاپرواہی سے کہا۔

اور میں نے اس کی لاپرواہی سے ذرا فائدہ اٹھایا۔ میرے خیال میں اسے میرے کسی چانک چھل کی توقع نہیں ہوگی چنانچہ میں نے نہایت چچی تالی چھلانگ لگادی اور اب ہاتھوں پر جاڑا لیکن میری حماقت تھی۔ میں اس گندے علم کے بلے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ منوٹا کا بدن میری لپٹی کی گرفت میں آیا تھا لیکن میں خود ہی شرمندہ ہو گیا تھا کیونکہ منوٹا اطمینان سے میری گرفت سے نکل کر لڑکھا جا کھڑی ہوئی تھی اس کا کوئی وجود ہی نہیں تھا!

”میرا شریر تمھاری پکڑ میں نہیں آسکے گا مہاراج۔ آؤ۔ میرے تیرے آؤ۔ آؤ۔“ میں نے تجھے تیرا کھانچا اور میں اس کے نزدیک آ گیا۔ ”لو مجھے پکڑو۔“ وہ بولی اور میں نے اس کے بدن کو چھوا، لیکن میرے ہاتھ اس کے بدن سے نکل گئے تھے کوئی ٹھوس موجودی نہیں تھا۔

”کیا خیال ہے؟ وہ سکرانی، اور میں نے اپنی پلٹش پر غور کیا۔ میں بلاوجہ غصہ کر رہا تھا۔ یہ انوکھی مخلوق درحقیقت ابھی تک ناقابل شکست تھی ہاں سمجھیں پروفیسر! زہر میرا کھگا کھگاسی تھی اور میں اس کا لیکن ہر حال اس وقت وہ میرے اوپر جاری تھی اور میرے بدن میں اس کے خلاف کوئی ٹھوس اور کڑی دھڑکنے کی ترکیب نہیں آ رہی تھی۔ چنانچہ سب سے پہلے مجھے اپنے غصے پر قابو پانا تھا اور اس کے بعد ہی کوئی ترکیب سوچی جاتی۔

میں نے ایک گری سانس لی اور منوٹا کی مسکراہٹ گری ہو گئی۔
 ”کیا خیال ہے؟“ اس نے پھر کہا۔
 ”منوٹا! کیا یہ ممکن نہیں ہو سکتا کہ تو مجھے کوٹھیک کرنے سے صلی حالت میں لے آؤ۔“ میں نے عذر کرنا چاہا کیونکہ میں نے اسے دھول کو برابر

کا درجہ ڈول گا۔“
 ”ہونہر۔۔۔ برابر کا درجہ۔۔۔“ میری اور اس کی کیا برابری اور پھر اب تو وہ بے جا رہی تھی کسی قسم کی برابری کرنے کے قابل ہی نہیں رہ گئی۔
 ”کیا مطلب ہے؟“

”تمہاری موتوں میں بھی کبھی جان پڑی ہے؟“
 ”تو کیا یاد....“ میرے بدن میں چنگاریاں سی دوڑنے لگیں۔
 ”چنکر کا یہ خوبصورت جسم اب بونی ہے گا مہاراج، بلکہ کشور مہاراج کوئی شے اب اسے زندہ نہیں کر سکتی، میں چاہوں تو میں بھی نہیں۔“
 ”ادھ! ذلیل عورت! تو نے اس کی جان لے لی۔“ میں غرایا، اور میں نے پھر اس پر چھپٹا مارا۔ لیکن پروفیسر! ساری زندگی میں پہلی بار مجھے بے بسی کا احساس ہوا تھا، میں پکڑا تو کسے، غصہ لگایا تو کس پر؟

”تو مجھے ٹھیک نہ ہو گے مہاراج! میں اب چلتی ہوں۔ پس تم اس پتھر سے اپنا۔۔۔ پتھر لے دو، تو اب یہاں سے جا بھی نہ سکو گے۔“ منوٹا نے کہا۔ اور پھر اس نے دونوں ہاتھ اوپر کیے اور میری نگاہوں سے غائب ہو گئی۔ میں انھوں کی طرح گھوم گھوم کر اسے تلاش کرنے لگا لیکن اب اس بلے بڑے طلسم خاندے میں اس کا کوئی وجود نہیں تھا، میں نے گری سانس لی اور گردن جھٹکے لگا چھٹی کابلے جان ریت دیکھ کر کھڑے ہو کر غصہ پاتا تھا بالآخر میں زمین پر بیٹھ گیا۔ اب یہاں کوئی آواز نہیں تھی، کوئی سرسراہٹ بھی نہیں تھی۔ میں کافی دیر تک شرمندہ پر بیٹھا رہا اور پھر اٹھ کر کھسکے کے نزدیک پہنچ گیا۔

”مجھے! میں نے اس کے پتھر تلے بدن پر ہاتھ پھیرا۔“ مجھے افسوس ہے مجھے! میں تجھے سے کیا ہوا وہ عہد ورا نہیں کر سکا، ہاں مجھے! میں عزت کرتا ہوں کہ کائنات بے حد وسیع ہے میری طویل ترین زندگی بھی ابھی اس کائنات کے سارے راز معلوم کرنے میں ناکام رہی ہے ابھی اس کائنات کے بے شمار راز چھپے ہوئے ہیں۔ مجھے افسوس ہے مجھے! لیکن تیری زندگی کی کمائی نہیں تک تھی۔ ہر دھڑکے انسان کا خیال ہاں زندگی کی ایک حد ہوتی ہے اور اس کے بعد موت یقینی ہے مرنے کے بے شمار طریقے ہوتے ہیں۔ تم سمجھ لینا، تمھاری موت کا یہی وقت تھا، یہی انداز تھا۔ تمھاری زندگی کی حدیں ہیں اگر ختم ہو جاتی ہیں۔ ہر حال اس کے باوجود مجھے افسوس ہے۔ میں نے اس کا پتھر مٹا دیا تھا۔ مگر اس کے نزدیک سے ہٹ کر آؤں سے زیادہ افسوس میں کسی کے لیے نہیں کر سکتا تھا۔ اس سے زیادہ ہمدردی اور محبت کا تاثر میں کسی کو نہیں دے سکتا تھا۔ مجھے میری زندگی سے نکل گئی تھی۔ ہاں لیکن اس بات کو میں نہیں بھول سکتا تھا کہ موت کی طرف دھکیلا گیا ہے اور جھلنے والے کو میں کس طرح معاف کر سکتا تھا؟

منوٹا مجھے اس طلسم خاندے میں چھوڑ گئی تھی۔ کیا ایک قیدی کی حیثیت سے دلیہ اگر اس نے مجھے یہاں قید بھی کر لیا ہو تو مجھ پر کوئی بات نہیں تھی۔ پرامن اور علم کی ماہر اس عورت کے پاس ہر حال ایک

برزقوت تھی جو جسمانی طاقت سے غم نہیں کی جاسکتی تھی۔
 لیکن میرا کوئی قصہ تو نہیں تھا۔ اس علاقے کے بے گھر لوگوں کو آواز
 ہی میرے کانوں میں نہیں پڑتی تھی۔ میں نے اس خطے میں اگر کسی کو دیکھا تھا،
 اور بہ حال یہاں بھی یہ عام نہیں تھا۔ کیونکہ لوگ اس علم والے سے خوفزدہ تھے۔
 اس کی عزت کرتے تھے۔
 لیکن منو مانجھے قید کر کے کمال گئی اور کیا میں یہاں قید ہو گیا ہوں
 یہ تو مشکل ہے، اگر میں قید ہو گیا ہوں تو حیلوں کی کمائی میں میں غم جو جان
 چاہیے۔ میں نے چاروں طرف دیکھا، اور میں نے ایک طرف چل پڑا، لیکن
 صرف چند قدم۔ اس کے بعد میں کسی شخص کو نہیں مل سکا، لیکن جس چیز
 سے میں مل گیا تھا وہ نظر نہیں آتی تھی۔ بلاشبہ غلظت آنے والی دیواروں کی
 شاید شیشے کی دیوار کیونکہ اس کے دوسری طرف کا منظر بھی صاف نظر آ رہا تھا۔
 میں نے سر بل لیا۔ لیکن چند منٹ کے بعد ہی مجھے معلوم ہو گیا کہ چاروں
 طرف دیواریں ہیں۔ منو مانجھے شیشے کے قید خانے میں بند کر گئی تھی جہاں بھی
 کے بہت بعد میرے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ لیکن اس نے کوئی مضبوط کام
 نہیں کیا تھا۔ میں ایک دیوار کا انتخاب کر کے اس کے قریب پہنچ گیا اور پھر
 میرے دونوں ہاتھ دیوار پر جھکے، اور دیوار پر پاؤں پڑے۔ لگا میں نے اپنی قوت
 آزمی۔ آہستہ آہستہ جھل شروع کر دی، اور کوئی خاص شکل نہیں ہوئی۔ ہاں!
 شیشے کے ٹوٹنے کی ٹھنک بہت زبردست تھی۔ میرا خیال ہے وہ دروازہ
 سنی گئی ہوگی میں نے قید خانے کو توڑ دیا تھا اور پھر میں ایک گہری سانس لے کر
 آگے بڑھ گیا۔
 منو مانجھے شاید اپنے اس فلسفے خانے کے ٹوٹنے کی خبر نہیں ہوئی تھی ہرگز
 وہ ضروری تھی، ہر حال میں اطمینان سے آگے بڑھا رہا تھا۔ مجھے باہر نکلنے کے راستے
 کی تلاش تھی، لیکن کجنت عجیب قید تھی۔ عمارت دروازے ان میں سے نہ تھے
 ضرورت ہے کہ ہر ایک دروازے سے نکل کر وہ دروازے سے میں آجیا جاسکتا تھا۔
 کمرے سے باہر نہیں آ رہا تھا۔ مالک نے وہ دروازے کسے کسے
 پھر کافی عرصے کے بعد اس احساس ہوا کہ کچھ گڑبڑ ہے۔ باہر کے راستے کا زمانہ
 بھی اس کجنت منو مانجھے کی حرکت ہے۔ راستے جھانسنے میں جی جاسکتے ہیں منور ما۔
 میں ہر جگہ جھینگ کر لولا، اور ایک لمحے کے لیے میرے دل میں آیا کہ اس لیے
 فلسفے خانے کو کوئی مقررہ دروازہ نہیں لگا تھا۔ جھانکنا بہت کاٹنا تھا۔ مجھے پسند
 نہیں تھا۔ اس طرح منو مانجھے سے برتر سمجھتا ہوں۔ اس کے فلسفے کو پوری تاریخ
 جاننے کی کوشش تو کی جاتے۔ میں نے اپنے ذہن کو پرسکون کیا اور ان دروازوں
 سے گزرتا ہوا چاروں طرف جھنگ رہتا تھا۔ جیسے فوجی نے کسی ایک دروازے
 سے ہر گھر میں جس کمرے میں جانا تھا وہ نیا ہوتا تھا۔ ایک جگہ کمرے میں دروازہ
 نہیں لگا تھا۔ دل ہی دل میں اس کو لکھنے علم سے بے حد متاثر ہوا تھا۔ جو
 انسان کو اس حد تک جکڑ سکتا تھا۔
 ”سنو...“ اہم ہوتی ہے ایک کمرے میں داخل ہوا، میرے کانوں میں
 ایک آواز گونجی اور میں اچھل پڑا۔ اس طویل دیر میں فلسفے خانے میں یہ پہلی

آواز تھی۔
 میں نے چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں۔
 ”ادھر۔ اس دیوار پر۔“ آواز بھراتی۔ اور اس بار میں نے
 اس کی سمت کا اندازہ لگا لیا۔ میں نے اپنی پشت کی دیوار پر دیکھا، ایک انسانی
 چہرہ دیوار میں نصب تھا۔ ایک نوجوان کا چہرہ تھا، جس کی آنکھیں کھلی ہوئی
 تھیں اس چہرے پر تاثرات تھے۔ خوبصورت آنکھیں یاں مہری نگاہوں
 سے مجھے دیکھ رہی تھیں۔
 میں اپنی جگہ اٹھا، انداز میں اسے دیکھتا رہا۔
 ”میرے قریب آ جاؤ۔“ اس کے ہونٹ ہلے اور میرے منوں
 پر مسکراہٹ آ گئی۔ آہستہ آہستہ میں اس کے قریب پہنچ گیا اور اسے غور سے
 دیکھنے لگا۔
 ”باقی کہاں گئے جانی؟“ میں نے متحیرانہ لہجے میں پوچھا۔
 ”بتا دوں گا، پہلے تم اپنے بائیں سے بتاؤ۔“
 ”یاد آ دیوار میں ٹھک کر بھی خند کر گئے۔“ میں نے منہ کر کہا۔
 ”تب تم کوئی مصیبت زندہ نہیں ہو سکتے۔“ اس کی آواز میں یابی تھی۔
 ”کیا مطلب؟“
 ”بیر ہوا اس کے۔“
 ”بیر کیا ہوتا ہے؟“ میں نے پوچھا، اور یاں مہری آنکھیں میرے لہو آؤ
 لینے لگیں بڑی گہری تھی ان آنکھوں میں جیسے وہ مجھے اندر سے متھول
 رہی ہوں۔
 ”خوشی یہاں آچھنے ہوئے چند لمحات کے بعد اس نے سوال کیا۔
 ”یونہی سمجھ لو۔“
 ”یہ نصیب ہو؟“ اس نے افسوس بھرے لہجے میں کہا۔
 ”کیوں؟“
 ”شاید اب کبھی یہاں سے نکل سکے، چونکہ خوبصورت انسان ہوں
 کی نگاہ تو ہر پر تھی تو پھر وہ نہیں سمجھی نہیں چھوڑے گی۔“
 ”منو مانجھے بات کر رہے ہو؟“
 ”ہاں! اسے جانتے ہو جیسے بھی یہاں آگئے۔“ دیوار کے پھر سے کما۔
 ”میں یاں ہوں، مگر اب پہلے بائیں سے میں بھی کچھ بتاؤں گے یا میرے
 ہی کان کھاتے رہو گے۔“
 ”میں تم سیدہ ہوں جاگوں گا مارا ہوں۔ اس سے زیادہ کیا بتاؤں۔“
 اس نے حد بھری آواز میں کہا۔
 ”تو میں جاؤں گا؟“ میں نے پوچھا اور اس کی آنکھیں ڈھب آئیں۔
 آنسوؤں کے قطرے اس کے گالوں پر لڑھک آئے اور پھر وہ آہستہ آہستہ بولا۔
 ”جاؤ۔ کب تک یہاں رہو گے، جھگوں کر کے تم جاسکو۔۔۔“
 حسرت و اس میں ڈھونڈی اس آواز نے میرے دل پر لڑ کیا۔ اس سے قبل میں ہی
 سوچتا رہا تھا کہ میں یہی منو مانجھے کا کوئی مذاق جو بیگ دیوار میں بٹھے ہوئے اس

مرکب آواز نے مجھے متاثر کیا اور میں نے گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لیا۔
 ”تم خود سمجھ سکتے ہو دوست، اس حالت میں تم ہونے دیکھ کر کیا
 میں نہیں مکمل انسان سمجھ سکتا ہوں۔“
 ”میں مکمل انسان ہوں، لیکن میرا فیہ جسم...“ وہ سامنے صندلی
 دیکھ رہے ہو، میرا باقی جسم اس میں ہے۔“ میں نے گھوم کر اس کے شانے کی
 سمت دیکھا۔ پھر ایک تاثرات نما صندلی رکھا ہوا تھا۔
 ”اور سر دیوار میں لٹکا ہوا ہے۔“
 ”ہاں؟“
 ”اس کے باوجود تم زندہ ہو۔“
 ”ہاں! کیونکہ وہ فکرتی کام ہے۔“ اس نے کہا اور میں نے سنجیدگی سے
 اس کی باتوں پر غور کیا۔ یہ تو درست ہے، وہ جادو گر کی جب لہجے کو پتھر بنا
 سکتی ہے تو یہ بھی کر سکتی ہے۔
 ”کیا تمہارا بدن بڑا نہیں جاسکتا؟“ میں نے پوچھا۔
 ”وہ بڑھتی ہے۔“
 ”کیا مطلب؟“ میں نے پوچھا۔
 ”جب اس پاؤں کو ضرورت ہوتی ہے تو بڑھتی ہے۔ کیا تم میری لہری
 کمائی سنو گے؟“
 ”ہاں! ہاں ضرور۔ سننا۔“ میں نے کہا۔
 ”میرا نام مرید کا ہے، مجھ جیسا کہ اپنے والدینوں بھیا جیستی
 یہاں سے کافی دور ہے۔ پچھن ہی سے مجھے دیوی دیوتاؤں سے بڑی عقیدت
 ہے۔ میرے پاس ہی کافی دھن دان تھے۔ دوسرے جہاں بھی تھے اس لیے میں
 آکر تھا، اور اسے ہنڈستان میں دیوی دیوتاؤں کے مندروں کی بات
 کرتا ہوتا تھا۔ مجھے کسی بات کی کوئی حقیقت نہیں تھی۔ پھر میں قسمت کا مارا۔
 ہر سال ماں نکلا۔ یہاں کے بلدیہا مندر کے بائیں میں بھی میں نے بہت
 کھانسنے دیکھا تھا۔ بڑی پوجا کی رات تھی۔ میں بھی لکشمی کے چروں میں تھا۔
 کو منو مانجھے نگاہ میرے اوپر پڑ گئی۔ حسین رانی مجھے عجیب سی نگاہوں سے دیکھ
 رہی تھی۔ وہ پاؤں سے بھی بڑی سندا، میں نے دیکھنے سے باز نہ سکا، اور
 ہر وہ لوگ ایک دوسرے کو دیکھتے تھے، چہرہ خاموشی سے چلی گئی اور میں کو
 سانس لینے کی کوشش کرنے لگا اور سنبھل گیا۔
 لیکن رات کے سمیں اپنے خیمے میں سو رہا تھا کہ کسی نے مجھے
 گایا، اور میں چونک پڑا۔ ”کون ہے؟“ میں نے آنکھیں میٹھے ہوئے پوچھا۔
 ”داسی ہوں مہاراج! ایک عورت میرے سامنے کھڑی تھی۔“
 ”کیا بات ہے؟ رات کے سمے تم کیوں آئی ہو؟“
 ”بڑے ٹھنڈے ہو مہاراج! وہ تمہاری یاد میں جاگ ہی ہے کہ وہیں
 دل رہی ہے اور تم سکھ کی نیند سو رہے ہو، کیسی بڑی بات ہے۔ عورت
 کون جاگ رہی ہے۔“ میں نے تعجب سے پوچھا۔

”تو تم سے بھول جی گئے، مرنے سے ہی خراب ہیں۔“ عورت نے غصے
 سے کہا، اور میں نے اسے غور سے دیکھا۔ جی نیند سے جاگ گیا تھا اس لیے چڑچڑا
 ہوا تھا، لیکن اسے دیکھ کر میں ٹھیک ہو گیا۔ اچھی خاصی جوان اور خوبصورت
 عورت تھی۔ لیکن میں یوں دیوتاؤں کا پجاری تھا کہ دھرم کی ابھی باتوں کا قائل
 تھا اس لیے میرے من میں کوئی گھوٹ نہیں آئی۔ اور میں نے اس کے چہرے
 سے نگاہیں ہٹائیں۔
 ”میں نہیں سمجھا دیوی تم کسی کی بات کر رہی ہو۔“ میں نے صاف
 لہجے میں کہا۔
 ”لہجے لمبی باتیں مت کرو، وہ ناراض ہو جائے گی۔“
 ”مگر کون؟“ میں نے بھنگیلائے ہوئے انداز میں کہا۔
 ”رانی منو مانجھے، اور کون؟“ اس نے کہا اور مجھے وہ خوبصورت آنکھیں
 یاد آ گئیں۔ لوگوں نے مجھے بتایا تھا کہ وہ ہر سال کی رانی ہے۔ راجا کی چند
 کی چھٹی بیٹی ہے اور میں دل سوس کر رہ گیا تھا میرے من میں اس کا جو
 خیال پیدا ہوا تھا۔ میں نے اسے تھپک تھپک کر سنا لیا تھا۔ جیون میں پہلی بار
 میں کسی سے متاثر ہوا تھا اور وہ بھی اتنی بڑی عورت تھی۔ وہ مجھے اتنی دور
 تھی کہ میں اس کی گور بھی نہ پنا سکتا تھا۔ لیکن... لیکن اس ٹوٹ کی آمد سے
 میرے من میں لاکھوں عجیب جمل گئے۔ اس کا مطلب ہے کہ اسے بھی میرا
 خیال ہے۔ میں نے اختیار ہو گیا۔

آنکھیں بڑی نعمت ہیں

- * کیا آپ کی آنکھیں کمزور ہیں
- * کیا آپ کی آنکھیں جھپکتی ہیں
- * کیا آپ چشمہ نہ لگاتے ہیں
- * یا آنکھوں کے کسی مضمض کا شکار ہیں ؟

نوکت آج

تم نظری اس کتاب

قیمت ۲۵ روپے۔ ڈاک فرم ۲۳ روپے

آپ سے کیا ملے گی کہ

نیند سے جھپکنا رات میں جاگنا جاسکتا ہے۔ بشیر وادان
 کے لکھی آنکھیں کس طرح صحت مند بنائی جاسکتی ہیں۔ ہر ایک
 کی آنکھیں صحت مند بنائی جاسکتی ہیں۔ ہر ایک کی آنکھیں صحت مند
 رکھا جاسکتا ہے۔

ہر شخص کے لئے یکساں طور پر مفید کتاب

مکتبہ نئیادب پوسٹ بکس ۹۳۳ لاہور

”دہوی۔ دہوی۔ تو کیوں آئی ہے؟“ میں نے متباتی سے پوچھا۔
 ”تمہیں وہ یاد آگئی؟“ عورت نے پوچھا۔
 ”ہاں، مگر۔ وہ تو رانی ہے؟“ میں نے داسی سے پوچھا۔
 ”پریم کی کیا رانی۔ کیا متزانی؟“
 ”تو کیا۔ تو کیا وہ بھی..... وہ بھی۔“
 ”بے گھر ہے تیرے لیے، تڑپ رہی ہے۔“
 ”میں۔ میں کیا کروں دہوی، مجھے بتا، میں کیا کروں؟“
 ”تو اس کے پاس جانا جتنا ہے؟“
 ”ہاں!“ میں نے اپنے اختیار کیا۔ عورت سنسار کی سب سے بڑی
 ناگن ہے جہانی۔ اس کی کالی ٹنٹھی کے آگے سنسار کی ساری فحشی پیچھے ہے۔
 میں نے ساری عورت دہوی دیکھ کر اس سے من لگا تھا، پرتو اب کیا حال میں
 پھنس گیا تھا اور سب کچھ میرے من سے نکل گیا تھا، بے شک یہ تو اس
 کا ایمان تھا۔ میں نے ایک ہی پس سب کو بھلا دیا تھا، اور اس بات کی سزا
 تو مجھے ملنی ہی چاہی تھی، اس لیے مجھ کو آج کس حال میں ہوں
 ”مجھ کو بہادری دوست!“ میں نے پوچھا۔
 وہ پھر شرموگیا۔

”تو پھر رونا۔“ عورت بولی اور میں سب کچھ بھول کر اس کے
 ساتھ چل پڑا۔ عورت مجھے لیے ہوئے سنسار راستوں سے گزر کر غل میں جا رہی
 تھی اور میرے من میں پلٹنے پھوٹ رہے تھے۔ اس لمحے مجھے سب وہ حسین
 آنکھیں یاد آئیں ان کے سوا کچھ بھی یاد نہیں تھا۔
 تھوڑی دیر کے بعد ہم دونوں محل کے چھپے کے حصے میں پہنچ گئے
 رانی منو کا مکمل طور پر اپنی تھی۔ سب کے سب اس کے رازدار تھے۔ کسی
 کی مجال نہیں تھی کہ وہیں کوئی اور میں منو کی خواب گاہ میں پہنچ گیا۔ جہاں
 وہ میری راہ تک ہی تھی۔ میں نے سانس نہ لیا۔
 میں اس کے اور میرے سوا کوئی نہ تھا۔ وہ مجھے پریم کی باتیں کرنے لگی اور
 میں دل ہی دل میں خوش ہوتا رہا۔

پھر جب اس نے مجھے گناہ پر آمادہ کیا تو نہ جانے کہاں سے میرے من
 میں پاپ اور پاپ کا خیال آگیا۔ میری پہچن سے اب تک کی تپسیا بھرائی اور
 میں منبعل گیا۔
 ”رانی منو!“ میں نے اسے مخاطب کیا۔

”ہوں!“ وہ مجھ کے لیے بولی۔ وہ مسہری پر میرے نزدیک لیٹی
 اٹھوایاں لے رہی تھی۔

”میں..... میں پاپ نہیں کروں گا!“ میں نے اس کے پاس سے
 اٹھتے ہوئے کہا۔ اور اس نے میری کمر کپڑی۔ پھر وہ پرست بولی۔

”کیا ہو گیا تمہیں؟“
 ”میں پاپ نہیں کروں گا رانی! تم دو مسہری کی استری ہواؤ تو رانی
 ہوں نہیں تو میں تم سے واواہ کر لیتا، جھگڑان کی ہو گند میں تم سے پریم کرنے دگا

ہوں۔ مگر..... میں پاپ نہیں کروں گا!“
 ”کیا سوچا کر کہہ رہے ہو۔ یہ کیا تمہارے بھاگ نہیں رہے کہ تمہیں نہیں
 اتنا بڑا جیڑا ہے، بے تکی باتوں سے ہمارا من میلاد کرو؟“
 ”نہیں رانی! میں پاپ نہیں کروں گا!“ میں نے فیصلہ کن لمحے میں کہا۔
 ”تم میرا ایمان کر رہے ہو؟“ وہ غرائی۔
 ”نہیں، مگر میں پاپ کسی طور نہیں کروں گا!“
 ”تب تم جہنم میں جاؤ۔ رکھی! تم نے اپنے لیے کاٹے ہوئے ہیں؟“
 ”کچھ بھی ہو مجھے جو کوئی تھا میں نے کر لیا۔ تم اتنی سہجہ ہو کر اندر سے
 اتنی میلی ہوئے مجھے معلوم نہیں تھا۔ پریم تو سنسار کی سب سے اعلیٰ چیز ہے۔ ہم
 دیویوں دیوتاؤں سے پیار کرتے ہیں۔ اس میں شری کی کھٹ ٹھیک میں ہے۔
 ”دیشو!“ اس نے غصہ۔ تاک لہجے میں آواز دی اور ایک خوفناک
 شکل کا آدمی میرے پاس آگیا۔ اس کی شکل دیکھتے ہی میرے حواس خراب
 ہونے لگے تھے۔ ”اسے لے جاؤ! آٹھارہ اور جادو منڈلی میں قید کر دو!“ کاٹے
 رنگ کے بھوت نے میری گردن اس زمرے پر لڑی کر میں بے ہوش ہو گیا اور
 ہوش آتا تو یہاں قید تھا۔ دن بھر میں بھوکا سا سا بندہ تھا۔ یہ میں نے من میں سوچ
 لیا تھا کہ اگر وہ مجھے جان سے بھی مارے تب بھی میں اس کی بات نہیں مانوں گا۔
 دوسری رات وہ سچ بن کر یہاں آئی۔ اور اس نے وہی باتیں شروع
 کر دیں۔ ”اب کہو مہاراج! اب تمہارے من میں کیا ہے؟“
 ”میں پاپ نہیں کروں گا دہوی! میں نے تجھ سے پریم کا فیصلہ ہی غلط
 کیا تھا، تو اگر پرتے اہل مکر اندر سے کاٹی ہے تیرا من بھلا ہے۔“
 ”اور تو پاگل ہے؟“ وہ دانت میں کر بولی۔
 ”میں اب تجھ سے نفرت کرتا ہوں۔“ میں نے کہا۔

”میں تیرا مان ٹھیک کر دوں گی۔ جب تک تو اپنے من سے مجھے نہ
 پکڑے گا، اب جب تک تو خود میرے پیروں پر گر کر میرا اس بن جائے گا
 میں تجھے مانت نہیں کروں گی!“ اس نے کہا اور پھر اس نے ہاتھ اوپر کیا اور
 دھار والا جگڑا کے ہاتھ میں آگیا۔ اس نے چکر چھڑک کر میری طرف پھینکا اور
 میری گردن کٹ کر نیچے جا گری لیکن میں ہوش میں تھا۔ مجھے کوئی تکلیف
 نہیں ہوئی تھی۔ میں سوچ سکتا تھا، سمجھ سکتا تھا، سن سکتا تھا، دیکھ سکتا تھا
 لیکن میرے سر کا بیڑے شری سے اب کوئی ناٹھ نہیں رہا تھا۔ اس نے
 میرے سر کو اس دیوار پر لٹکا دیا اور میرے شری کو پتھر کے اس صندوق میں بند
 کر دیا۔ اس کے بعد وہ دوسرے تہہ کے پاس آئی اور میرا
 خوب مذاق اڑاتی رہی۔ وہ پاپ کی باتیں کرنے لگی اور میرے پاس لائی
 اور میرے سامنے اس سے من کا لٹکا کر میں کیا کر سکتا تھا، کیا کر سکتا تھا اس
 کا کہنا تھا جس دن میں اس کی بات ملتے پر تیار ہو جاؤں گا، وہ میرے سر میرے
 شری سے جوڑے گی، پر میں اس زمانہ اور اب تو اس نے معیضوں سے
 چھوڑ دیا ہے اور میں اسی طرح لٹکا ہوا ہوں۔“
 تو پروفیسر سریندر کی عجیب کہانی میں نے کئی اور انھیں پھاڑ کر

گیا۔ دیوار پر لٹکا ہوا ہوتا سر میرے لیے بے حد عجیب تھا لیکن عجیب تو
 بے شمار چیزیں تھیں کس کس پر حیرت کرتا۔ کافی دیر تک میں خاموش کھڑا
 اسے دیکھتا رہا اور پھر ایک لمبی سانس لے کر بولا۔
 ”میں تمہارا کیا کر سکتا ہوں دوست؟“
 ”مدد۔ میری۔ تم کیا کر سکتے ہو؟“ وہ بایو سے بولا۔ ”مگر تم خود
 کون ہو؟“
 ”بس یہ سوال مت کرو۔“ میں نے جواب دیا۔

”اس کے شکار ہو گئے۔ اس کے علاوہ کون ہو سکتے ہو مگر ایک
 بات بتاؤ کیا اس کے ساتھ وہ کوئی بڑا سلوک نہیں کرتی جو اس کی بات مان
 لیتے ہیں؟“

”میں اس کا شکا نہیں ہوں دوست لیکن ابھی میں اس سے جنگ کی
 کوئی ترکیب نہیں تلاش کر سکا ہوں۔ بہر حال شکست اسی کی ہوگی۔ اسے بھی ابھی
 تک میرا یہاں کوئی نہیں ملا ہوگا۔“ میں نے پر خیال انداز میں ہاتھ ملنے ہوئے کہا
 ”پھر میرے ذہن میں ایک خیال آیا ہے تم اس کی بات کیوں نہیں مان لیتے؟“
 ”کون سی بات؟“

”صورت شکل کی پری نہیں ہے اس کے علاوہ عورت بھی ہے
 اس کی بات مان لو اور یہاں سے نکل جاؤ پھر زندگی بھر اس کا پاپ کا
 پر وچھت کرتے رہنا۔“

”اس سے میری عمر تیرہ سال تھی جب ایک گیانی مہاراج نے میرا
 ماں کا ہاتھ پکڑے ہوئے کہا تھا کہ اسی سال کی عمر میں میرے اوپر ایک مصیبت
 آئے گی۔ اگر میں اس مصیبت سے بچ سکوں گا تو مجھے بڑا گیان ملے گا اور اگر کا یا
 جال میں پھنس گیا تو پھر بہن نشٹ ہو جائے گا اور کسی کام کا نہیں رہوں گا۔“
 ”تو تم گیان حاصل کرنے کے چکر میں کسے ہوئے ہو؟“

”ہاں مہاراج! اور ابھی ہمت نہیں ہارا ہوں۔“
 ”کیا مطلب؟“

”جب من دھو کر جائے گا تو اس کی بات مان لوں گا اور یہ سوچ
 لوں گا کہ گیان حاصل کرنا میرے بھاگ ہی نہیں تھا۔ ابھی تو میں اس
 طرح بہت دن گذار سکتا ہوں مہاراج!“ اس نے منکر کر کہا اور میں نے
 گردن ہلا دی۔ مجھے اس نوجوان سے بہرہ دی ہوئی تھی جو بینکوں کی طرف
 جانے کے لیے بدی کا ظلم برداشت کر رہا تھا۔

”میں تمہارا جدم تو دیکھوں اس کی کیا کیفیت ہے؟“ میں نے پتھر
 کے صندوق کی طرف بڑھتے ہوئے کہا اور دیوار میں لٹکا ہوا سر ہٹنے لگا۔
 ”لیکوں، ہنس کیوں ہے ہو؟“ میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

”تمہارا مذاق نہیں اڑا رہا دوست بلکہ تمہاری ناچھی بہنیں رہا ہوں۔
 یہ جادو کا صندوق ہے۔ اگر پیاس کو دمل کر کھلی اسے کھولنے کی کوشش کریں
 تو نہیں کھول سکتے ہیں۔ سریندر کی بات پر گردن ہلائی اور پھر میں صندوق
 کو کھول کر دیکھا۔ مضبوط پتھر کا صندوق تھا جس کا ڈھکنا بھی بہت موٹا تھا۔ میں

نہ انگلیوں کی قوت سے ڈھکنے کو تھوڑا سا اٹھایا اور جب میری انگلیاں اس
 میں پھنس گئیں تو میں نے پوری قوت صرف کرنے کے ڈھکنے کو اٹھا اور اٹھا کر دھوڑ
 پھینک دیا۔

دیوار میں ملنے ہوئے سریندر کا چہرہ ایک دم سڑک گیا۔ اس پر عجیب سے
 اضطرابی جذبات نظر آئے۔ ”اے۔ اے۔ یہ تو کھل گیا۔“ اس کے منہ سے
 نکلا لیکن میں اس کی طرف متوجہ نہ ہوا اور دوبارہ اس بلیڈ سر کے لٹکانے جسم کو
 دیکھنے لگا جو بالکل فراخ نہیں ہوا تھا۔ تب میں نے اسے احتیاد سے صندوق
 سے نکال لیا۔

”مہاراج! مہاراج! ابے مہاراج جلدی کرو۔ مجھے دیوار سے نیچے
 اٹاؤ۔ مجھے اس کے ساتھ جوڑ دو۔ ممکن ہے جھگڑان نے تمہیں اسی لیے
 بھیجا ہو۔“

سریندر کے جسم کو زمین پر رکھ کر میں اس کے سر کی طرف بڑھا۔ سر
 دیوار سے چپکا ہوا تھا۔ میں نے اس پر تھوڑی سی قوت صرف کی اور اسے دیوار
 سے جدا کر لیا لیکن دیوار سے جدا ہوتے ہی سریندر کی آنکھیں بند ہو گئیں۔
 اس کے چہرے سے زندگی کی چمک چھٹی جا رہی تھی اور پھر اس کی زبان
 بھی بند ہو گئی۔

”سریندر۔ سریندر!“ میں نے اسے کئی آواز دی لیکن اسے خاموش
 ہو گیا تھا۔ اب اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا کہ میں اس سر کو کسے ہونے
 بدن سے جوڑ دوں اور میں نے نہایت احتیاد سے سر کو کھینچی ہوئی گردن پر
 رکھ دیا لیکن اسے جوڑوں کی چیز سے؟

لیکن میں نے محسوس کیا کہ اس کی گردن کی گس خود بخود دوسری لوگوں
 سے مل گئی۔ اوس نے سکون کی سانس لی۔ اس کا رد عمل دیکھنے لگا وقت
 گذرتا رہا۔ مجھے غصہ تھا کہ کس کم بہت منو کا اس بارے میں معلوم نہ ہو جائے۔
 سچ بات تو یہ ہے پروفیسر تم نے اندازہ لگایا ہو گا کہ یوں ترین زندگی میں
 اس وقت میں جن حالات دوچار ہوا تھا ایسے حالات سے کبھی واسطہ نہیں

پڑا تھا اور میں اس لیے ایمان عورت کی قدر خوفزدہ ہو گیا تھا۔ جہاں تو سب
 تو میں ہر چند غلط سنا تھا خواہ کسی ہی ہو لیکن یہ سب کچھ میری سمجھ سے باہر تھا۔
 پھر جب میں نے سریندر کے بدن میں سانس دوڑائی محسوس کی تو
 میرے بدن میں خوشی کی لہریں دوڑ گئیں اور میں نے زمین پر بیٹھ کر اس کا
 سر اپنے زانو پر رکھ لیا۔ سریندر کو میری آغوش میں ہی ہوش آیا تھا وہ تھوڑی
 دیر تک کھٹی لگا کر میری شکل دیکھتا رہا اور پھر اس کے ہر نٹوں پر مسکرت
 پھیل گئی لیکن پھر وہ سوک گیا۔

”اے۔ کیا۔ کیا۔ کیلے جھگڑان!“ اس نے لگا ہی سچی کہیں اور
 اپنے بدن کو دیکھنے لگا۔ پھر اس نے ہاتھ ہلانے کی کوشش کی اور اس کا ہاتھ
 اٹھ گیا۔ ”بے جھگڑان!“ اس نے کہا اور دوبارہ آنکھیں بند کر لیں۔ وہ گہری
 گہری سانس لینے لگا تھا۔

”سریندر!“ میں نے اسے جھنجھوڑا اور اس نے دوبارہ آنکھیں کھول دیں۔

”میں ٹھیک ہو گیا۔ میں ٹھیک ہو گیا۔ میں تو بدن کو حرکت دینا ہی بھول گیا۔ مجھے سب کچھ یاد دلاؤ۔ میں کھڑا کیسے ہوں۔ میں تو بدن کی ساری حرکتیں بھول گیا۔“ خوشی سے اس کی کیفیت عجیب ہو گئی تھی میں نے اسے سہارا دے کر کھڑا کیا اور پھر سہارا دے کر کئی قدم چلایا بھی۔ وہ خوشی سے پھولا نہیں سہارا تھا اور اس کے چہرے سے مترشح پھوٹ رہی تھی پھوٹی دیر کے بعد وہ ٹھیک ہو گیا اور پھر اس نے حسان مندانہ انداز میں میری طرف دیکھا۔

”میں کس منہ سے تمہارا شکریہ ادا کروں؟“ وہ آہستہ سے بولا اور میرے ذہن میں ایک خیال آکا۔ شاید اسی طرح تھی کہ زندگی بھی کتنی ہیکی اس میں اور اس نوجوان کے معاملے میں بہت فرق تھا۔ چھٹی کہتہ سے انسان بنانے کی کوئی ترکیب سمجھیں نہیں آتی۔

”کیا اب بھی تم اپنے باپ سے نہیں بناؤ گے میرے محسن؟“ سریندر نے کہا۔

”میں تمہیں کیا بتاؤں سریندر۔ میری اور تمہاری کمائی میں تھوڑا سا فرق ہے۔ میں بھی بلدیہ امند آیا تھا لیکن میری استری میرے ساتھ تھی۔ منور نے مجھے دیکھا اور دم دو دونوں کو یہاں بلالیا۔ پھر اس نے مجھ سے کہا کہ میں اپنی عورت کو کچھ روزوں اور اسے اپناؤں۔ میں نے انکار کر دیا تو۔ اس نے میری عورت کو پتھر پٹا دیا۔“

”پتھر پٹا دیا؟“ سریندر چونک پڑا۔

”وہ مجھے میں بدل گئی اور اسی جگہ موجود ہے۔“

”ہے بھگوان!“ سریندر نے نفسی ناک لہجے میں کہا چند لمحے خاموش کھڑا رہا پھر بولا: ”پر اب تم کیا کرو گے بھائی۔ اب کیا کر سکتے ہو؟“

”بس یہاں سے نکلنے کی کوشش کرتے ہیں! اس کے بعد جو ہوگا دیکھا جائے گا۔“

”اوہ! ہاں۔ اس سے پہلے کہ وہ یہاں دوبارہ واپس آئے؟“ ہمیں یہاں سے نکل چلنا چاہیے۔

”کیا تمہیں باہر جانے کا راستہ معلوم ہے؟“ میں نے چونک کر پوچھا۔

”نہیں۔ ہم دونوں مل کر تلاش کریں گے۔“

”اوہ! کوشش کرتے ہیں۔“ میں نے کہا حالانکہ شیطان صفت منورا کے باپ سے میں اندازہ لگانے کے بعد یہ بات کسی جاسکتی تھی کہ راستہ تلاش کرنا آسان کام نہیں تھا پھر بھی ہم چل پڑے۔ ”تم نے تو یہی یہاں سے فرار ہونے کی کوشش نہیں کی تھی؟“ میں نے بے خیالی میں پوچھا۔

”میں کیسے کرتا؟“ سریندر بولا اور مجھے اپنے سوال پر خود ہی اُسی۔

”ہاں۔ میں نے سوچا شاید اس نے تمہیں ویسے ہی تیر دکھا ہو۔“

”نہیں! بس اس نے تو میرے ساتھ ہی سلوک کیا تھا مگر تمہاری استری کی بات پر مجھے بہت دکھ ہوا ہے۔“

”اوہ! ہاں۔ بے چاری لڑکی۔ میں بے خیالی میں بولا: ”دائل میری

لگاؤں اس سمت کا جائزہ لے رہی تھیں جہاں ایک خوبصورت پردہ چڑھا ہوا تھا۔ سریندر! میں نے سریندر کو آواز دی۔

”مہاراج!“ سریندر جلدی سے بولا۔

”او۔“ دیکھیں اس پرے کے دوسری طرف کیا ہے؟“

”آئیے مہاراج! بھگوان کے ہم اس باپن کے ظلم سے نکل جائیں سریندر نے کہا اور ہم اس پرے کی طرف چل پڑے۔ ابھی تک میں نے یہاں جو کچھ دیکھا تھا اس کے تحت تو مجھے بھروسہ نہیں تھا کہ راستہ مل سکے گا۔

بہر حال کوشش تو کرنی ہی تھی۔ ہم نے پرے کے قریب پہنچ کر اسے سرکلانے کی کوشش کی لیکن پھر ایک گہری سانس لیکر رہ گئے۔ دور سے دروازہ اور پردہ نظر آنے لگی چہرے تھوڑے پیمانے کی طرح تھی۔

”دھوکا ہے مہاراج!“ سریندر نے بھاری۔

”اوہ۔ میں یہاں دروازہ بنا کر نالوں گا۔“ میں نے کہا اور میں نے اس ظلمی دیوار سے پشت لگا دی اور پیش اپنے صدیوں کے پہلے بدن کی قوت صرف کرنے لگا۔ سریندر کی نگاہوں میں عجیب سی کیفیت ابھر آئی اس میں ہلکے سے خوف کا عنصر بھی شامل تھا جیسے وہ سوچ رہا ہو کہ چانک میرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔

لیکن سیدھا سا دافو جان بے چارہ میرے باپ سے کچھ نہیں جانتا تھا۔ اس دیوار کی حیثیت ہی ایک تھی پتھر اپنی جگہ چھوڑنے لگے چوکوروں سے دیواریں تعمیر کی گئی تھیں ان کے چوکور ٹکڑے اور پوری دیوار دوسری طرف جا پڑی۔ خاصا زوردار دھماکہ ہوا تھا اور اس کے ساتھ ہی سریندر اچھل کر پیچھے ہٹ گیا تھا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔

”او۔“ میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور پھر پتھروں کو پھیلانے لگے۔ دوسری طرف نکل گئے۔ یہ ایک لمبی سی راہداری تھی جو تاحہ نگاہ چلی گئی تھی۔ اس ظلم خانے کی تعمیر عجیب تھی۔ کوئی طرز: کوئی رنگ ہی نہیں تھی۔ بس جہاں جوں جا یا بنالیا گیا تھا۔ بہر حال ہم راہداری میں آگے بڑھتے رہے اور پھر اس کا سرانظر آیا۔ ایک چوکور رخسہ تھا جس سے دوسری طرف کا حصہ نظر آرہا تھا۔ ہوا کے جھونکے بھی اندازے تھے جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ واقعی ہم باہر نکلنے والے راستے تک پہنچ گئے ہیں اور ہماری رفتار تیز ہو گئی۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم اس سرنگ نما راہداری کے لانے سے نکل آئے اور دوسری طرف کھلا آسمان اور درخت دیکھ کر سریندر خوشی سے اچھل پڑا۔

”مہاراج۔ مہاراج! ہم باہر نکل آئے۔“

”شاید۔“ میں نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ چھوٹے چھوٹے درخت چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے عجیب بے رونق سا جنگل تھا بہر حال عمارت پیچھے رہ گئی۔ ہم نہایت تیز رفتاری سے آگے بڑھ رہے تھے۔ سریندر میری بدست زیادہ خوش تھا اس کے چہرے سے مسرت کی کڑیں پھوٹ رہی تھیں۔

درختوں کا سلسلہ طے ہوتا رہا۔ ہم نے سیدھا راستہ اختیار کیا تھا

اور پھر تھوڑی دیر کے بعد درخت پیچھے رہ گئے۔ اب سرخ زمین کا ایک صحرا تھا جہاں بے آب و گیاہ سرخ چٹانوں کے سوا کچھ نہیں نظر آرہا تھا۔

”سریندر!“ میں نے سریندر کو مخاطب کیا۔

”جی مہاراج!“ سریندر جلدی سے بولا۔

”پہلے تم اس علاقے میں آئے ہو؟“

”اس طرف نہیں آیا مہاراج!“

”ظاہر ہے یہ علاقہ ہرے مان سے زیادہ دور نہیں ہوگا؟“

”ہاں مہاراج! ابھی ہم چلے ہی کتنا ہیں۔“

”کیا خیال ہے سیدھے چلتے رہیں یا کوئی اور سمت اختیار کریں؟“

”سیدھے ہی چلتے ہیں مہاراج۔ ہرے مان سے جتنی دور نکلا جاسکتا ہے نکل جائیں تاکہ سرخ رانی کو ہماری خوشبو بھی نہ مل سکے۔“

”تم اس سے بہت ڈرتے ہو سریندر؟“ میں نے سرکھاتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں مہاراج! میں دوبارہ اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتا۔ بھگوان نے ہماری سہانگی ہم نکل آئے۔ اگر اس کمینی کو معلوم ہو جائے تو وہ ہمارا دیکھا کرے گی۔“

”تمہارے خیال میں یہ راستہ کہاں جاتا ہوگا؟“ میں نے پوچھا۔

”میں اس کے باپ سے کچھ نہیں جانتا مہاراج!“

”تمہاری اپنی کیا کیفیت ہے؟“

”بالکل ٹھیک ہوں۔“

”اپنے جسم میں تمہیں کوئی تبدیلی محسوس ہو رہی ہے؟“

”بالکل نہیں مہاراج۔ میں نے خود بھی غور کیا ہے۔“

”بھوک وغیرہ بھی نہیں لگ رہی ہے۔“

”ابھی تک نہیں لگی!“ سریندر نے جواب دیا اور میں گردن ہلانے لگا۔ چند لمحوں میں سوچنا رہا اور پھر میں نے بھی سریندر سے اتفاق کیا ہرے مان سے جتنی دور نکل جایا جائے ٹھیک ہے۔ رہ گئی تھی کی بات تو اس کے لیے میں نے پہلے ہی صبر کر لیا تھا اس لیے چاروں کی زندگی یہیں تک تھی۔ اس کے بعد میں اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ ہاں منور سے انتقام کی بات تھی اس نے جو کچھ کیا تھا اس کا جواب میں لے کر دینا چاہتا تھا لیکن۔

ابھی میرے پیشے شکل تھیں وہ علم نہیں جانتا تھا جو وہ جانتی تھی۔ وہ میرا کھانا نہیں کھاتی تھی لیکن میں بھی اس کا کچھ نہیں دیکھ سکتا تھا۔

اور پھر پروباری میرے ذہن پر پاؤں ڈالنے لگی۔ انتقام کی خواہش کو وہ دینا ہی ٹھیک ہے ابھی اس علم کے باپ سے میں معلومات حاصل کرنا چاہیے۔ ہاں اگر حاصل ہی ہو سکے تو کیا بات ہے، لطف آجائے گا ویسے میں نے ایک بات محسوس کی تھی! ابھی تک اس علم کے دو پروبار میری نگاہوں میں آئے تھے۔ ایک تو وہ بڑا حراگ تھا اور دوسری منور! لیکن دونوں شیطان صفت تھے۔ وہ اپنے ظلم سے اچھے کام بھی کر سکتے تھے لیکن جو کچھ انھوں کرکھا یا تھا وہ شیطان ہی پر مشتمل تھا۔

میں خیالات میں ڈوبا ہوا تھا کہ سریندر کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

”مہاراج!“ اس نے مجھے آواز دی اور میں اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”کیا بات ہے سریندر؟“

”کس سوچ میں ڈبے ہوئے ہو؟“

”کوئی خاص بات نہیں سریندر۔“

”تم ہمیں اپنا نام بھی نہیں بتاؤ گے مہاراج؟“

”اوہ! جو تمہارا دل چاہے کہہ دو سریندر۔ ویسے تم مجھے انونی کہہ سکتے ہو۔“ مجھے چھٹی یاد آئی۔ یہ نام اسی معصوم لڑکی نے مجھے بتایا تھا۔

”انونی! مہاراج؟“ سریندر نے کہا۔

”ہاں۔ اسی سے انونی بتا ہے۔“ میں نے سر دھجے میں کہا۔

”بڑا سناؤ نام ہے مہاراج تم خود بھی بڑے سندر ہو۔ کہاں کے رہنے والے ہو؟“

”یہ ساری باتیں ہم اس وقت کریں گے سریندر! مجھ میں یقین ہو جائے گا کہ ہم اس کے سچکے سے نکل چکے ہیں۔“ میں نے کسی قدر اُچھٹے ہوئے کہا۔ سریندر کی باتوں کا جواب جتنا اس وقت مجھے پسند نہیں تھا۔ سریندر خاموش ہو گیا اور دوسری راہ طویل میدان پار کرنے میں کافی وقت لگ گیا تھا اور پھر مجھے محسوس ہوا کہ سریندر غیر معمولی طور پر خاموش ہے۔ شاید اسے میری جھلکا ہٹ کا احساس ہو گیا تھا یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی میں نے اس لیے جانے پر ایسے ہی جھلکا ہٹ کا اظہار کیا تھا۔ وہ تو خود زندگی اور موت کی کش مکش سے بچا تھا۔ چنانچہ میں نے خود ہی اسے مخاطب کیا۔

”اب تم خاموش ہو گئے سریندر!“

”نہیں مہاراج! ہم تو صرف اس لیے خاموش ہیں کہ تم سوچ میں ڈبے ہوئے ہو۔“

”اوہ۔ میں کوئی خاص بات نہیں سوچ رہا۔“

”نہیں انونی جی۔ میں معلوم ہے کہ تمہارا من دیکھی ہے۔“

”اے۔ کیوں؟“ میں نے تعجب سے پوچھا۔

”استری جیون بھری سا تھی ہوتی ہے۔“

”استری۔ اوہ۔ تم اس کی بات کر رہے ہو جسے پتھر بنا دیا گیا؟“

”ہاں مہاراج!“

”ہاں۔ مجھے اس کا فحش ہے سریندر! بڑی معصوم لڑکی تھی۔“

”بھگوان! اس کے پاس عورت کا۔ تم دیکھ لینا مہاراج! وہ کتنا کی موت ماری جائے گی۔“

”تھک تو نہیں گئے سریندر؟“

”اب کچھ نکل لگ رہی ہے مہاراج!“ سریندر نے کہا۔

”اوہ۔ وہ سامنے دیکھو۔ درخت نظر آ رہے ہیں۔ ممکن ہے وہ کوئی اچھی جگہ ہو۔ ہمیں وہاں تک چلنا چاہیے اس کے بعد ہم رات اسی جگہ

گزاریں گے۔

”ٹھیک ہے ہمارا ج!“ سریند نے کہا اور ہم نے رفتار نہ کر دی۔
غٹوڑی دیر کے بعد ہم درختوں کے جھنڈ کے پاس پہنچ گئے پھل دار
درخت تھے اور درختوں کے دوسری طرف ایک چھوٹی سی ندی بھی
نظر آ رہی تھی۔

”اوہ عمدہ جگہ ہے۔ میں نے سکرانے ہوئے کہا۔

”ہم اس طرف بھی نہیں آئے ہمارا ج!“

”بہر حال قیام کے لیے یہ عمدہ جگہ ہے۔ میں نے ندی کے
کنارے کے چند درختوں کے نزدیک کی جگہ کا انتخاب کیا اور بالآخر ہم
نے ایک درخت کے نیچے ڈیو ڈال دیا۔

”اب تو ہم اس حادو غمیری سے کافی دور نکل آئے ہیں ہمارا ج!“
”ہاں۔ کافی فاصلہ طے کر لیا ہے۔ کچھ کھاؤ گے؟“

”درختوں میں پھل تو بہت ہیں ہمارا ج۔“

”پانی بھی ہے۔ ٹھہرو۔ میں پھل توڑتا ہوں۔“ میں نے کہا اور
انٹھڑا ہوا اور پھر میں ایک درخت کا انتخاب کر کے اس کے قریب
پہنچ گیا تب میں نے درخت پر دونوں ہاتھ رکھے اور اسے زور زور سے
ہلانے لگا موٹے تنے کے درخت کو ہلتا دیکھ کر ایک بار پھر سریندر
حیرت کا شکار ہو گیا۔ زمین پر بے شمار پھل گر پڑے تھے لیکن سریندر ان
کی طرف پلٹنے کے بجائے مجھے جھجھکا رہا تھا۔ جب کافی پھل ہو گئے تو میں
نے اس کی طرف دیکھا۔

”انھیں جمع کرو سریندر!“ میں نے کہا۔

”اوہ۔ ہاں۔“ وہ پھلوں کی طرف لپکا اور پھر وہ خاموشی سے پھل
جمع کرنے لگا۔ غٹوڑی دیر کے بعد ہم ندی کے کنارے بیٹھے تھے اور
عمدہ اور خوش ذائق پھل کھا رہے تھے۔

”ایک بات کموں انو پی جی!“ پھل کھاتے مجھے سریندر نے کہا۔
”منور کو!“

”آپ مجھے عام انسانوں سے الگ لگتے ہیں۔ آپ نے وہ دیوار
آسانی سے توڑ دی تھی اور اب آپ نے اتنے موٹے درخت کو کھجور کرکھ دیا
اس کے علاوہ آپ نے پتھر کا وہ صندوق بھی آسانی سے کھول لیا تھا جس کے
بالے میں مندرمانے کا تھا کہ پاس آدمی بھی مل کر اسے نہیں کھول سکتے۔“

”اوہ۔ ہاں سریندر! میں عام لوگوں سے زیادہ طاقتور ہوں۔“

”دعوت طاقتور بلکہ بہت زیادہ طاقتور!“

”یہی کچھ لوگوں نے کہا ابھی میں سریندر کو اپنے بالے میں تھیل نہیں
بتانا چاہتا تھا۔ چھوٹی عقل کا معصوم سا انسان تھا۔ اس کا ذہن میری باتوں
کو تو سمجھ سکے گا اور نہ قبول کر سکے گا اور پھر ہر جگہ سٹی سے فائدہ بھی کیا اس
لیے میں نے ٹال جانائی مناسب سمجھا پھل کھانے کے بعد ہم نے ندی
سے پانی پیا اور سر ہو گئے۔

رات ہوئی تھی۔ آرام کرنے کے لیے بھی یہ جگہ بری نہیں تھی چنانچہ
درخت کے نیچے ہی ہم دونوں لیٹ گئے۔ اب میں نے ذہن سے اسے نظرات
جھٹک دیے تھے اور پھر یوں بھی مجھے نگرانی تھی کچھ کھا چکا تھا اور
اب میں پھر ایک آزاد انسان تھا۔ بس دل میں ایک خواہش بار بار سرکھانے
لگتی تھی مندرمانے کو اس کے غور کی مرادی جانے لیکن عقل مطمئن کر دیتی تھی ابھی
یہ اس کا وقت نہیں ہے۔

”سریندر!“ میں نے خاموشی سے اٹنا کر اسے آواز دی۔

”انو پی ہمارا ج!“

”کیا سوچ رہے ہو؟“

”گھر والے یاد آ رہے ہیں ہمارا ج۔“ سریندر نے بھاری آواز میں کہا۔

”کیا تمھیں اس کی تیزیں طویل عرصہ یاد آ رہی ہے؟“

”ہاں ہمارا ج! بہت دن ہو گئے۔“

”ٹھیک ہے اب تم گھر چلے جانا۔“

”آپ ہمارے ساتھ نہیں چلیں گے ہمارا ج؟“

”میں؟“

”ہماری خواہش ہے کہ آپ ہمارے ساتھ ہی چلیں۔ آپ کا گھر کہاں
ہے ہمارا ج؟ کیا آپ کے ماما پاپا اور بہن بھائی نہیں ہیں؟“ معصوم سریندر
نے پوچھا۔

”نہیں سریندر۔ تمھارے پسے پڑے سناسی میر کوئی نہیں ہے۔“
”اے!“ سریندر نے فوس بھرے لہجے میں کہا۔ ”کہاں چلے گئے

سب کے سب؟“

”پتہ نہیں۔“ میں نے سکرانے ہوئے کہا۔

”کیا مطلب؟“

”بس میں نے کبھی کسی کو دیکھا ہی نہیں۔ میں اکیلا ہوں۔“

”تنب پھر چہنا نکریں ہمارا ج۔ ہم آپ کے ہیں۔ جگہ کو ان سو گند
ہم آپ کو اکیلا ہونے کا احساس نہ ہونے دیں گے۔“ سریندر کے لہجے میں بید
خلوص تھا۔ مجھے سی اگئی۔

”ٹھیک ہے سریندر۔“ مجھے کوئی چہنا نہیں ہے لیکن میری دوست
میں ایک لالہ بالی انسان ہوں۔ آوارہ گرد ہوں۔ بس بول بھجوں تو تمھارے
ذہن کا ہوں بھی نہیں۔ نہ جانے کہاں کہاں کی سیر کرتا ہوا یہاں تک آ گیا ہوں۔
”یہ تو اور اچھی بات ہے۔ ہم یہاں سے گھر گئیں گے اور پھر باز آؤ
چلیں گے۔ مجھے بھی پڑے ہندوستان میں گھوم کر یا تار کرنے کا شوق ہے ہم
ساری جگہیں دیکھیں گے۔“

”ہوں۔ ٹھیک ہے سریندر! گمیں تمھیں بتا چکا ہوں کہ ہندوستان
کا پٹنہ والا نہیں ہوں۔ مجھے یہاں کی باتوں کے بالے میں کچھ بھی نہیں معلوم۔
مجھے معلوم ہے آپ چہنا نکریں انو پی جی۔“ سریندر نے کہا۔ اس
بے چارے کے ذہن میں یہ سوال ہی نہیں آیا تھا کہ پھر میں کہاں کا پٹنہ والا ہوں۔

”اس کے علاوہ میں تمھارے پیش کے اس علم کے بارے میں
جانتا چاہتا ہوں جسے حادو کہتے ہیں۔“

”اوہ! حادو! جگہ جگہ میں گئے۔ یہ پانی بڑے بڑے جاپ کر کے
بیر بہرت قبضے میں لیتے ہیں اور پھر ان سے کام لیتے ہیں۔“

”اور یہ اور بہت کیا ہوتے ہیں؟“

”گندری رو میں ہوتی ہیں جو جگہ جگہ پھرتی ہیں مرنے کے بعد
یہ بھوت بن جاتے ہیں اور پھر سارے کام کر سکتے ہیں۔“

”اوہ!“ میں نے گردن ہلاتی حالانکہ بات میری سمجھ میں آئی تھی
اس کے بعد میں خاموش ہو گیا اور پھر ہم سونے کی کوشش کرنے لگے رات
کے نہ جانے کون سے ستے میں مجھے نیند آ گئی۔ سریندر بھی کوٹ لیے خاموش
بیٹھا تھا۔ نہ جانے سو گیا تھا یا اپنے گھروالوں کے بالے میں سوچ رہا تھا ہر حال
میں نے اسے مخاطب نہیں کیا تھا۔

دوسری صبح سورج بھی نہیں نکلا تھا کہ آنکھ کھل گئی۔ ایک سُری آواز
باتی جس نے جگایا تھا میں نے چونک کر اُدھر اُدھر دیکھا پھر بہت سی
لوہیوں کی آوازیں سُنائی دیں اور اس بار ان کی سمت کا اندازہ ہو گیا سریندر
بے خبر بڑا سو رہا تھا میں نے آواز کی طرف دیکھا۔

ندی کے کنارے دو ٹین لمبا سوں میں لمبوس لوہیوں کا پورا
گروہ موجود تھا۔ ان کے ہاتھوں میں تانبے اور پیتل کے کلسے تھے جن میں
وہ پانی بھر رہی تھیں۔ میں خوش ہو گیا۔ شاید کوئی ترقی ترقی اور لوہیوں
پانی بھرنے آئی تھیں۔ ان سے ان کی ترقی کے بارے میں معلوم کروں میں
نے سوچا اور ان کی طرف چل پڑا۔

لوہیوں! آپس میں ہنسی مذاق کر رہی تھیں۔ پھر ان میں سے کسی نے مجھے
دیکھ لیا اور اس نے دوسری لوہیوں کو میری طرف متوجہ کیا سب کی سب
شرارت بھری نظروں سے مجھے دیکھنے لگیں۔

تازہ ہواؤں اور سرسبز بھیتوں کی یہ مخلوق کافی دلکش تھی ہندوستان
کا روایتی حسن ان کے چہروں سے جھلک رہا تھا۔ ایک سے ایک بڑھ کر حسین
تھی انھوں نے لٹکے اور چولیاں پہنی ہوئی تھیں اور ان کی اوڑھنیاں ڈھلکی
ہوئی تھیں۔ میری نگاہوں نے کافی خوشگوار کیفیت محسوس کی اور میں ان
کے بائیں قریب پہنچ گیا۔ ان سے گفتگو کرنے کے لیے میں نے ان کی زبان
کے مناسبات الفاظ تلاش کیے اور پھر میں نے انھیں مخاطب کیا۔

”سندر پو!“

”مسافر ہو۔ پانی پیو گے کیوں؟“ ایک شوخ سی لڑکی نے طنز بہ

لہجے میں کہا۔

”غمیرہ صبح ہی صبح تمھیں پیاس کیوں لگ اٹھی؟“ دوسری نے کہا۔

”کیا رات بھر سو کر تھکے ہو؟“ تیسری بولی۔

”اری تو نہ جانے ندی کے کنارے ناریوں کو دیکھ کر ان سارے

مردوں کو ایک دم پیاس لگنے لگے ہے۔“

”غمیرہ ہے کون؟“

”اس کا کھچ کیا پایا ہے، سونے کی طرح۔“

”تم کون ہو ہمارا ج؟ کیا آکاش سے آئے ہو؟“

”یاس ندی میں سے نکلے ہو۔“

”یاد تھیں یں آگے ہو؟“ ایک لڑکی نے کہا اور سب کھلکھلا کر

ہنس پڑیں۔

نئی نئی جوان ہوئی تھیں۔ ادھنگ بھرے دل تھے۔ انگ انگ میں
شرارت تھی۔ سب کی سب تیر تھیں اور اپنی دانست میں انھوں نے میرا
مذاق اڑا کر مجھے بدحواس کر دیا تھا۔

لیکن میں خاموشی سے ان کی مستازا اور ان کے خاموش ہونے کا
انتظار کرنے لگا۔

”اے کچھ تو بولو تو کئی کے مادھو!“ ان میں سے ایک مجھے خاموش

پاکر چند قدم آگے بڑھا آئی۔

”تم لوگ خاموش ہو کر کچھ بولو۔“

”چلو ہم خاموش ہیں۔“ اس نے سینہ تان کر کہا۔

”غمیرہ! تمھاری سی ہی یہاں سے کتنی دُور ہے؟“ میں نے سوال کیا۔

”اتنی دُور کہ تم کوئی حرکت کرو اور ہم پہنچ کر چلنا چاہیں تو
پوری سی دُور ہے۔ لیکن تم نے کہا کہ تمھاری ہنسی بولنے کی!“ اس لڑکی نے جواب دیا۔
اور مجھے ہنسی آ گئی۔

”غمیرہ جب ہو گا نا، جب میں کوئی حرکت کروں گا یا پھر تم ویسے
بھی پیچ پیچ کر لو گی؟“

”اب جلدی سے مطلب بتاؤ اور اسے نالو۔ لوہیوں کو دیکھا تو
کھڑے ہو گئے ان سے باتیں بنانے۔“

”میں یہی بات جواب ہی نہیں دیتا۔“

”بس غٹوڑی دُور ہے۔ ہم پانی بھرنے یہاں آتے ہیں۔“

”کیا نام ہے تمھاری تہی کا؟“

”رکمنی!“ لڑکی نے جواب دیا۔

”ہم مسافر ہیں۔ دیکھو میرا دوسرا ساتھی وہ درخت کے نیچے سو رہا
ہے۔ ہم نے رات یہاں چٹائی ہے۔ کسی تہی کی تلاش میں تھے۔ اب تم لوگ
نظر آئی ہو تو جان میں جان آئی ہے۔“

”آئے ہائے! کئی نا جان میں جان۔ دیکھا میں نہ تھی۔“ لڑکی
شرارت سے بولی۔

”بس کرو مالتی۔ اب اور زیادہ پریشان نہ کرو بے چارے کو۔“ ایک

لڑکی نے ہمدردی سے کہا۔

”چلو ٹھیک ہے غمیرہ سے بتا دو مدھو کہ تہی میں قدم نہ رکھے ورنہ

جو جان میں جان آئی ہے پھر چلی جائے گی۔“ مالتی نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔

”ہاں مسافر! تم ہماری تہی میں قدم مت رکھنا!“

”کیوں؟ میں نے حیرانی سے پوچھا۔

”بس یہ تھا کہ ہی جیسے کے لیے ہے۔ تمہاری کوئی ضرورت پوری نہیں ہوگی۔ درختوں سے پھل کھاؤ اور ندی سے پانی پیو۔ لوکیوں نے اپنے اپنے کلمے اٹھائے۔ تقریباً سب نے پانی بھر لیا تھا۔ ”دھو“ میں نے اس ہمدردی کو مخاطب کیا اور وہ کھینکی گاہوں سے مجھے کھینکے۔ ”کیا یہی نہیں بتاؤ گی کہ تم نے ہمیں اپنی بستی میں آنے سے کیوں منع کیا ہے؟“

”ہاں ہاں کے مدد کی مسافر کو اپنی بستی میں نہیں آنے دیتے۔ وہ مسافروں سے نفرت کرتے ہیں اور اگر کوئی مسافر بستی میں داخل ہو جائے تو اسے مار کوٹ کر پھینک دیتے ہیں۔“

”گراں کی وجہ؟“

”بس میں اس سے زیادہ سننے میں ہوں میرے پاس اس نے خوشی کہا اور پھر وہ سب محکوموں پر مل پڑیں میں انہیں جاتے دیکھتا رہا۔ ان کے راستے میں نے بستی کی سمت کا اندازہ لگایا اور جب وہ لگا ہوں سے اچھل کر گئیں تو میں پلٹ آیا اب جہاں سریندر اب بھی اسی طرح سوتا تھا۔ نہ جانے کب کا تھا کہ ہوا تھا میں اس کے قریب بیٹھ گیا اور اس کے جاگنے کا انتظار کرنے لگا۔ کافی دیر اسی طرح گزری پھر سریندر نے کوٹ بدلی اور پھر وہ جاگ گیا۔ اس کی آنکھوں میں دیرانی تھی۔ چند لمحوں تک وہ میرا چہرہ دیکھتا رہا۔ میں اس کی کیفیت سمجھ رہا تھا۔

پھر اچانک اس کے چہرے کی رونق لوٹ آئی۔ وہ اچھل کر بیٹھ گیا۔ ”اے، اے، آہ۔“ میں تو ٹھیک ہوں۔ اے ہاں لوں بھول ہی گیا تھا، انوی ہمارا ج! اس نے خوشی سے لڑتے لہجے میں کہا۔

”ہاں ہاں! انگو۔ جاگ گئے سریندر! میں نے نرم اور پیار بھر سے لہجے میں کہا۔

”ہاں ہمارا ج! ایند بھی کیا چیز ہوتی ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے میں صدیوں کے بعد سویا ہوں۔“

”ہاں۔ تم بہت دن کے بعد سکون کی تیند سوئے ہو گے؟“

”بڑے سکے کے بعد ہمارا ج!“

”پچھا اب انگو، چلو ندی پر منہ بٹھ دھو لیں۔“ میں نے کہا اور وہ سعادت مندی سے میرے ساتھ چل پڑا۔ ندی پر جا کر ہم نے منہ دھوا اور پھر شام کے بچے ہوئے بھیلوں کا ناشہ کیا۔ وہ اب بالکل پرسکون تھا۔

”سریندر! میں نے ایک گہری سانس لی کہ اسے آواز دی۔

”جی ہمارا ج!“

”ابھی تھوڑی دیر پہلے جب تم سوئے تھے یہاں ندی پر کچھ لوکیاں پانی بھرنے آئی تھیں!“

”یہاں؟ سریندر اچھل پڑا۔“

”ہاں۔ اس ندی پر میں نے ان سے گفتگو بھی کی تھی۔“

”مگر وہ کہاں سے آئی تھیں انوی جی ہمارا ج؟“

”ظاہر ہے اپنی بستی سے۔“

”اوہ! اوہ! تو اس کا مطلب ہے ان کی بستی زیادہ دور نہیں ہے۔“

”ہاں یہ خیال ہے درختوں کے اس جھنڈے دوسری طرف۔“

”تب تو پھر میں وہاں چلنا چاہیے ہمارا ج۔ وہاں سے ہمیں معلوم

ہو جائے گا کہ ہم کہاں ہیں اور ہمیں کس طرف جانا چاہیے اور پھر وہاں سے ہمیں کھانے پینے کی چیزیں بھی مل جائیں گی۔“

”لیکن ان لوکیوں نے کچھ اور ہی کہلے سریندر۔“

”کیا؟“

”میں انہیں بتا چکا ہوں میری ان سے بات چیت ہوتی تھی۔

بڑی شوق لوکیاں تھیں۔ اپنی دانست میں انھوں نے مجھ سے خوب مذاق

کیا۔ پھر میں نے ان کی بستی کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا ان کی بستی

درختوں کے اس پار ہے لیکن ہم ہاں آنے کی کوشش کریں ان کے مدد

مسافروں کو نہ وہ نہیں چھوڑتے۔“

”کیوں؟“

”بس اس سے زیادہ انھوں نے کچھ نہیں بتایا۔“

”تھوڑا کیا ہوگا ہمارا ج! پورے ہندوستان میں ایسے لوگ کہیں

نہیں پائے جاتے جو مسافروں کے ساتھ یہ سوچ کر کہتے ہوں ضرور ان ضرور

لوکیوں نے ٹھونک لیا ہوگا۔ چلیں ہمارا ج! بستی والے ہماری سہا تیار ضرور

کریں گے۔“

”تم مناسب سمجھتے ہو تو ضرور ملو۔“ میں نے نشانے ہلاتے ہوئے کہا

اور ہم دونوں بستی کی طرف چل پڑے۔ درختوں کا جھنڈا زیادہ دور نہیں تھا۔

میں سریندر کے ساتھ اسی راستے پر چل رہا تھا جب دھڑکنے سے ان لوکیوں

کو جاتے دیکھا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم درختوں کے جھنڈے کے نزدیک پہنچ

گئے۔ جھنڈہ بہت گھنا نہیں تھا۔ ہم اس کے دوسری طرف نکل گئے لیکن

اس کے بعد کچھ نہیں تھا۔ دوسری طرف گھاس کا ایک میدان پڑا تھا۔

میں حیران رہ گیا۔ سریندر بھی چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔

”یہاں تو کوئی بستی نہیں انوی جی!“

”لیکن لوکیاں اسی طرف آئی تھیں۔“ میں نے حیران انداز میں کہا۔

”سامنے ہی دور دورے کی بستی کے آثار نہیں ہیں۔“

”ہوں۔“ میں پریشان انداز میں بولا۔ حقیقت بڑی عجیب چیز بات

تھی۔ درختوں کے اوپر اوپر کا ماحول بھی صاف تھا۔ یہ بھی نہیں سوچا جاسکتا

تھا کہ بستی کسی اور طرف ہوگی اور جتنی دور تک ہم کھدکتے تھے اتنی دور تک

کوئی بستی نہیں تھی! اس سے زیادہ دور سے لوکیاں پانی بھرنے نہیں

آسکتی تھیں۔

سریندر پریشان لگا ہوں سے چاروں طرف دیکھتا جا رہا تھا۔

”ادھر تو کوئی بستی نہیں ہے ہمارا ج! اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

”ہاں سریندر! لیکن لوکیاں اسی طرف آئی تھیں۔ ظاہر ہے میں

غلط بھی نہیں کہتا۔“

”نہیں ہمارا ج! مگر یہ ہو کیا ہے؟“

”میں نہیں کہہ سکتا۔ بہر حال ہم ان لوکیوں کو تلاش کریں گے۔“

میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں کہا۔

”مگر کہاں ہمارا ج؟“ سریندر نے پوچھا۔

”بس چلیے رہو۔“ انھیں گے وہ لوکیاں کہاں سے آئی تھیں۔“

اور سریندر نے گردن ہلا دی اور ہم نے سامنے کی سمت سفر شروع کر دیا

لیکن میدان دومیدان سوچ کر سر پک گیا اور پھر گزرتے ہی گیا لیکن بستی کا کوئی

نشان نہیں ملا۔ میں بھی پریشان تھا۔ سریندر بدستور میرا ساتھ دے رہا تھا۔

ظاہر ہے اتنی طویل مسافت سے وہ تھک گیا ہوگا لیکن اس کے چہرے

سے کسی بچہ جیسا حس کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔ پھر میں ہی رک گیا اور میں نے

مسکراتے ہوئے سریندر کی طرف دیکھا۔ سریندر بھی مسکرایا۔

”کیا خیال ہے سریندر؟“

”جو ہمارا ج کا!“

”اس سے زیادہ دور سے تو کوئی پانی بھرنے نہیں آتا؟“

”نہیں ہمارا ج! ہم تو بہت دور نکل آئے۔“

”اب کیا خیال ہے؟“

”ہمارا ج جو کہیں!“

”واپس چلنا بھی یہ کار ہے لیکن میں سخت حیران ہوں۔ آخر لوکیاں

کہاں گئیں۔“ میں نے پریشان انداز میں کہا۔ بہر حال اب اس چلنا بیکار ہے،

ہمیں آگے بڑھتے رہنا چاہیے کہیں نہ کہیں تو پہنچ ہی جائیں گے۔“ سریندر

نے میری بات سے اتفاق کیا تھا اور ہم دونوں آگے بڑھتے رہے۔ سوچ

اپنا آخری سفر طے کر رہا تھا اور تھوڑی دیر کے بعد اس نے منہ چھپا لیا۔ تازگی

پھیل گئی تھی۔ ہم نے میدان میں ایک مناسب جگہ قیام کا بندوبست کیا

تھا اور پھر ہم آرام کرنے لیٹ گئے۔ اس چیل میدان میں کھانے پینے کا کوئی

بندوبست ممکن ہی نہیں تھا اس لیے اس گفتگو کا آغاز ہی نہیں کیا گیا۔

سریندر خاموش تھا۔ ہم دونوں صاف تھری جگہ لیٹے ہوئے تھے۔

کافی دیر خاموشی سے گزرتی تو میں نے خاموشی توڑنے کے لیے سریندر کو

مخاطب کیا اور اس نے طویل سانس لیکر میری طرف دیکھا۔

”اس بارے میں کوئی تبصرہ نہیں کرو گے سریندر؟“

”میں کیا کہوں ہمارا ج!“

”بہر حال اس میں کسی دھوکے کا ناواکان ہی نہیں ہے۔“

”پھر بستی کہاں تھی؟“

”ایک بات بتاؤ سریندر؟“

”جی ہمارا ج!“

”مگر وہاں کھانے پینے کا علم تو میری کیا ہوگا؟“

”اوش ہمارا ج! وہ بڑی چالاک ہے۔“

”تو وہ اس کی حرکت تو نہیں سمجھتی؟“

”ہو سکتی ہے۔“

”اگر یہ بات ان کی جانے تو اس کا مطلب ہے کہ مگر ہمارے

پیچھے لگی ہوئی ہے۔“

”بھگوان! بکھلے ہمارا ج! وہ بہت بڑی جادوگر بنی ہے۔“

”تب پھر خیال رکھنا پڑے گا۔“ میں نے پریشان انداز میں کہا اور

ہم اچانک چونک پڑے کہیں دوسرے سازجے کی آواز سائی دی تھی۔

دھول اور عیروں کی آواز تھی۔

ہم دونوں اٹھ کر بیٹھ گئے۔ سریندر غور سے آواز سن رہا تھا۔

کافی صاف تھی اور پھر اس میں گانے کی آواز بھی شامل ہوئی۔

”آؤ سریندر۔“ دیکھیں۔“

”خزرو کوئی گڑبڑ ہوگی ہمارا ج!“

”وہ تو ہوگی ہی۔“ دیکھیں تو سی۔“

”چلیں ہمارا ج!“ سریندر کی آواز سہی ہوئی لیکن اگر میں اسے

یہاں چھوڑ بھی دیتا تو کوئی فائدہ نہیں تھا۔ ہمارا اتفاق یہاں تک کیا گیا

تھا۔ سریندر کو اس جگہ بھی پکڑا جاسکتا تھا اس لیے میں نے اس کے خوف

کی پرواہ نہیں کی اور وہ میرے ساتھ چل پڑا۔ آواز صاف آرہی تھی اور پھر

ایک جگہ روشنی دیکھ کر ہم نے اس سمت کا تعین کیا اور چل پڑے۔

فاصلہ بہت زیادہ نہیں تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم شعلوں کے

نزدیک پہنچ گئے اور یہ دیکھ کر مجھے سخت حیرت ہوئی کہ وہاں بہت سی

جھوڑیں ہاں بڑی ہوئی تھیں۔ گویا کوئی بستی تھی۔

لیکن دن کی روشنی میں یہ بستی کہاں غائب ہو گئی تھی۔ ہم نے دن

میں اسے نہیں دیکھا تھا، حالانکہ ایسی پوشیدہ جگہ بھی نہیں تھی کہ نظر ہی نہ آ سکے۔

بہر حال ہم اس انسانی کرۂ کے پاس پہنچ گئے جو شعلوں کی روشنی

میں گامبارہا تھا۔ سادہ لوح دیہاتی تھے جو دن بھر کی مشقت کے بعد گامبار

دل بہلا رہے تھے۔ درمیان میں دو تین لوکیاں نفس کر رہی تھیں۔ دو لوکیاں

ایک دیہاتی کا ناگاری تھیں اور بہت لوگ تھے۔ یہ چار یا پانچ ہر بیٹھے

ہوئے تھے۔

رات ہونے کے باوجود دہر سال ہم ان سے پوشیدہ نہ رہ سکے۔

ہماری موجودگی کا احساس ہوتے ہی ناچ گانا بند ہو گیا اور سب گڑبڑیں اٹھا

اٹھا کر بھاگنے لگے۔ بہت لوگ چار یا پانچوں سے نیچے آکر کرکھڑے ہو گئے

تھے۔ سادہ لوح انسانوں کے چہروں پر خوف کے آثار نظر آ رہے تھے۔

پھر ایک بوڑھا آدمی ایک نوجوان دیہاتی کے ساتھ آگے بڑھا ہمار

قریب آگلاس نے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔

”پالاگ ہمارا ج!“ بوڑھے آدمی نے کہا۔

”پالاگ! سریندر بھی اسی کے انداز میں ہاتھ جوڑ کر بولا۔

”تم کون ہو مہاراج؟“ بوڑھے نے پوچھا۔

”مافرجی بابا!“

”اتنی رات گئے کہاں سے آئے ہو؟“

”بس سفر کر رہے تھے۔ شام ہو گئی، میں نے گے بڑھ کر کہا۔“

”کہاں جا رہے تھے؟“

”راستہ بھٹکے ہوئے میں مہاراج۔ یہ کون سی جگہ ہے؟“

”مرنگی تھی کھلائی ہے۔ اب رات کہاں جاؤ گے، آؤ بیٹھو۔ ہمارے“

مہمان رہو۔“

”بڑی کرپا مہاراج!“ میں نے عاجزی سے کہا اور بوڑھے نے

میرے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ وہ مجھے دوستانہ انداز میں آگے لے جا رہا تھا۔

سریندر بھی میرے پیچھے پیچھے تھا۔

”بیٹھو بیٹا! اے جلوسے۔ مہمانوں کے لیے محل پانی لاؤ۔ کھانے

کا بندوبست کرو۔“ بوڑھے نے پُر اخلاق لہجے میں کہا اور دونوں جوان اٹھ کر

ایک طرف چلے گئے۔

ہم توں کو ایک چار پائی پر بٹھا دیا گیا۔ نفس کرنے والی لڑکیاں

خاموش کھڑی تھیں۔ سازبانی نے اے بھی چپ بیٹھے تھے سب کی نگاہیں

ہماری طرف تھیں اور احوال میں ایک عجیب کی ٹھن پیدا ہو گئی تھی۔

”بس پونی کا بچا ہے۔“ دن بھر کی تھکن کے بعد ہمارے کمرے

سے طبیعت خوش ہو جا رہی ہے۔“ بوڑھے نے کہا۔

”بہت اچھی بات ہے۔ ہیں افسوس ہے آپ کو ہماری وجہ

سے رگنا پڑا۔“

”اے۔ اس میں افسوس کی کیا بات ہے۔ تم بھی سنو۔“ بوڑھے نے کہا۔

”ہاں ہاں کہیں نہیں۔ بالکل۔“ میں نے کہا اور بوڑھے نے

لڑکیوں کی طرف دیکھ کر کہا: ”ناچو رچی چھو لو۔ مسافروں پر بھی خوش ہوں گے۔“

اور اچانک سازبھر بجنے لگے اور وہاں ہاتھی اور شیرازوں نے نفس

شروع کر دیا۔ ذہن میں مٹنی اچھن جتی دور ہو گئی اور ہم دونوں ان ہاتھی انسانوں

کی خوشی میں شریک ہو گئے، ان کے سادہ نفس میں کھو گئے میں تو بس سریندر

بھی ساری باتیں بھول گیا تھا۔

اور پھر ہمارے لیے کھانا آ گیا۔ باجرے کی روٹیاں، کھن، دو دھاد

ساگ کی ترکاری۔ بہت بڑی نعمت تھی، میرے ہو کر کھائی۔ ساتھ ہی رقص کا

لطیف بھی اٹھا رہے۔ بوڑھا اکر رہا تھا۔

”میں اس گاؤں کا کھیا ہوں بس چھوٹی سی سی ہے اپنی۔“

”بہت خوبصورت لڑکی ہے۔“ اچھے لوگ ہیں۔“ میں نے کہا اور

بوڑھا ہنسنے لگا تبھی کسی طرف سے ایک لڑکی چھن چھن کرتی آئی اور میں کے

کمرے میں پانی ہمارے سامنے رکھ دیا۔

”کیا ہے رتنا؟“ بوڑھے نے پوچھا۔

”جل لائی ہوں مہمانوں کے لیے،“ خوبصورت آواز ابھری اور جانے

کیوں یہ آواز مجھے جانی پہچانی محسوس ہوئی میں نے چونک کر گردن اٹھائی۔

گورات کا وقت تھا لیکن میں نے اس لڑکی کو پہچان لیا۔ یہ بھی نندی

پر پانی بھرنے والی لڑکیوں میں شامل تھی اور میں چونک پڑا لیکن میں نے سریندر

وغیرہ سے کچھ نہیں کہا۔ لڑکی نے پانی ہمارے سامنے رکھا۔ اس کی سکراتی

آنکھیں میرے اوپر جھکی ہوئی تھیں اور پھر اس نے آہستہ سے ناک پر ٹھائی۔

بڑی پیاری اداس تھی میں اسے جھکاتا رہا۔ اس نے ایک بار پھر گہری نگاہوں

سے مجھے دیکھا اور ایک طرف جلی گئی۔

”میری بیٹی ہے۔“ بوڑھے نے کہا۔

”اوہ!“ میں سنبھل گیا۔ بہر حال غصے سے آداب ضروری تھے۔

اس طرح لڑکی کو کھٹکھٹ کر دیکھنا بھی مناسب نہیں تھا لیکن ایک بے بسی سی

میرے ذہن میں پیدا ہو گئی۔ یہ سب کچھ مجھے پراسرار لگ رہا تھا۔ نہ جانے کیوں

اس ماحول کو ذہن قبول نہیں کر رہا تھا اور پھر حالات بھی عجیب تھے۔ اتنا

طویل فاصلہ جس میں پورا دن صرف ہو گیا تھا، اٹے کے لیے لڑکیاں پانی لینے

گئی تھیں یہ کیا ٹمک ہے لیکن اس بات کا جواب کس سے ملتا۔ خاموشی کے

سواچارہ نہیں تھا۔ ہاں میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ دوسرے دن میں اس

بائے میں معلومات حاصل کروں گا۔ یہ رات خاموشی سے گزار لی چاہیے۔

خاصی رات گئے، نیک ہنگامہ جاری رہا اور پھر سب تھک گئے۔

”بس چلی۔“ اب ختم کرو، نیند آ رہی ہے اور پھر مسافر بھی تھکے ہوئے ہوں گے، آؤ

ہنگامہ ختم ہو گیا۔

”اے منور!“ بوڑھے نے کسی کو کوازدی۔

”جی کھیا چاہا!“

”مہمانوں کے لیے بندوبست کر دیا ہے۔“

”کر دیا چاہا!“

”کہاں کیا ہے؟“

”رکھا کی کٹیا خالی کر لی ہے۔“

”تب پھر مہمانوں کو وہاں پہنچا دے۔“

”ہو گیا چاہا! آؤ بھتیجا۔“ نوجوان نے کہا اور ہم دونوں اس کے

ساتھ چل پڑے۔ جتنی چھوٹی سی تھی جس جھونپڑی میں ہمارے لیے بندوبست کیا

گیا تھا وہ زیادہ دور نہ تھی۔ چھوٹی سی مضبوط اور صاف تھری جھونپڑی، جس

میں ایک مثل روشن تھی۔ دو صاف تھری بستر تھے۔

”اکرام کو بھتیجا۔“ پالاگ! ہمارے راجہ نے کہا اور وہاں پلٹ گیا۔

سریندر بھی خاموشی سے بستر پر بیٹھ گیا اس کے چہرے پر بھی غور و فکر کے

آثار تھے۔

”کیا سوچ رہے ہو سریندر؟“

”بس انوپی مہاراج۔ دماغ پکڑا ہوا ہے۔“

”کیوں؟“

”یہی دن ہیں کیوں نہیں نظر آتی تھی؟“

”ہاں۔ تعجب کی بات ہے۔“

”اب ہم ایسے اندھے بھی نہیں ہیں کہ اسے نہ میں دیکھ نہ کیس۔“

”تھا تو کیا خیال ہے؟“

”میرا تو کوئی خیال نہیں ہے انوپی جی، بھگوان ہی جانے۔“ سریندر

ایک گہری سانس لیکر بولا۔

”میں ایک بات بتاؤں سریندر؟“

”جی مہاراج!“

”کھیا کی لڑکی پانی لائی تھی؟“

”ہاں!“

”یہ لڑکی بھی ان لڑکیوں میں شریک تھی جو مجھے نندی پر تھیں۔“ میں

نے کہا اور سریندر پھل پڑا۔

”اے! وہ منہ چلا کر بولا۔“

”ہاں میری آنکھوں کو دھوکا نہیں ہوا۔ میں نے اسے اچھی طرح

پہچانا ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ وہ اتنی دور پانی بھرنے گئی ہوں؟“

”نا ممکن ہے مہاراج!“

”پھر یہ سب کیا کہہ رہے؟“

”میری ماں مہاراج، تو یہ سب بھی منور ہی کا پکڑ ہے۔ خاموشی سے

یہاں سے نکل چلو۔ نہ جانے کیا حالات پیش آئیں۔“ سریندر نے لوزنی

آواز میں کہا اور میں ہنس پڑا۔

”میں کب تک ہاں ہوں مہاراج۔ میری بات مان لو۔“

”لیکن سریندر، پر کہاں ملیں۔ تم غور تو کرو۔ وہ یہاں تک ہمارے

پچھے لگی ہوئی۔ ہم یہاں سے چلیں بھی تو وہ ہمارا پیچھا نہیں چھوڑے گی اور

ہمارے ساتھ گئی ہے۔ گ اور میں نے بھی نہیں معلوم کہ کہاں جا رہے ہیں۔“

باقاعدہ آبادی کتنی دور ہے ایسی صورت میں اگر ہم سفر کرتے ہیں تو اس

سے فائدہ؟“

”تو پھر مہاراج؟“ سریندر نے پریشانی سے پوچھا۔

”جو ہووے ہمارے اس میں خاموشی تماشائی بنے ہو سریندر۔“

”اور۔“ اور اگر مہاراج، ہم۔“ ہم دوبارہ اس کے چنگل میں

پھنس گئے۔“

”تو دیکھا کھائے کا چنگل میں تو اب بھی ہیں۔“ میں نے کہا اور سریندر

خاموش ہو گیا۔ وہ سمجھ گیا تھا لیکن اس حقیقت سے انکار بھی نہیں کیا جاسکتا

تھا۔ یہ تو کچھ عجیبے حد پر اسرار تھا۔ سریندر گلاس کی طرف سے آنکھیں بند

کرنا تو عادت تھی اگر یہ صرف اتفاق ہے تو ٹھیک ہے اور اگر۔ منور ہی کا

پہلا ہوا کوئی پکڑ ہے تو پھر اس سے باخبر رہنا ضروری ہے۔ سریندر خاموش

ہو گیا تھا۔ سونے کا ذخیرہ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ اسے تو خوف کی وجہ سے

چاندی نہیں آسکتی تھی۔ بہر حال وہ اسی انداز میں لیٹا تھا جیسے سوچا ہو۔

میں نے بھی کوٹ بدل لی اور ان حالات کے باوجود سوچنے لگا۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ مجھے ان معاملات سے کوئی خوف نہیں تھا۔ پچھی تو لڑکھ

سے جا چکی تھی۔ اب کس بات کی فکر تھی۔ وہی حق منور! تو وہ بھٹکانے کے استعمال

کرتی ہے میرا کیا لگا سکتی تھی۔ ہاں یہ بے خوف سریندر پریشان کر رہا تھا۔ اس

کی زندگی کا بوجھ خواہ مخواہ کندھوں پر کڑا تھا۔ بہر حال اب تو اس بوجھ کو

سنبھالنا ہی تھا۔ خاصہ یہ ہے کہ کسی زندہ انسان کو مجبور انسان کو موت کے حوالے

نہیں کر سکتا تھا۔ ہاں اگر موت کی سمیت اگر اسے بوجھ لے تو دوسری بات

ہے اس بائے میں میں نے بس تھا لیکن کم از کم اس وقت تک۔۔۔

رات گذرتی رہی اور پھر آنکھوں میں غنودگی آنے لگی تھی کہ اچانک ایک

ہلکی سی آواز سنائی دی۔ یوں لگا تھا جیسے کسی نے کسی کو مخاطب کیا ہو۔

میں نے گردن اٹھا کر دیکھا۔ جھونپڑے کے دروازے میں کوئی کھڑا

تھا۔ میں چونک کر سنبھا رہا گیا۔ گواندہی اشارہ کیا مگر ہاتھ نشی کی آواز

دوبارہ سنائی دی اور میں نے سریندر کی طرف دیکھا۔ اس بے چارے کو شاید

نیند ہی آگئی تھی۔

بہر حال میں اٹھ بیٹھا اور پھر میں جھونپڑے کے دروازے پر پہنچ گیا۔

باہر چاندنی پھیل ہوئی تھی میں نے رتنا کو پہچان لیا۔ یہ بوڑھے کھیا کی بیٹی

رتنا تھی۔

”مہاراج!“ وہ آہستہ سے بولی۔

”ہوں!“

”مجھے پہچانتے ہو؟“

”ہاں۔ تم رتنا ہو!“

سپنس ڈائجسٹ کا مشہور سلسلہ

میں نے ان کے لیے ایک نیا سلسلہ شروع کیا ہے جس میں ہر کتاب ایک نیا اور دلچسپ موضوع پر مشتمل ہے۔

سب سے پہلی کتاب "جیوتنا" ہے۔

قیمت: ۵ روپے ۵۰

ڈاک خرچ: ۲۳ روپے ۵۰

کتابی شکل میں تیار ہے

اپنے قریبی بک اسٹال سے طلبہ ذرا توجہ یا ہم سے براہ راست منگائیے۔

کتابیات سپہی کی شین

پوسٹ بکس نمبر ۲۳ - کراچی ۱

”اے انگریز! تم نے تمہیں اپنا نام تو نہیں بتایا تھا؟“
”کھانے کے بعد ان کا نام بتایا تھا، اس وقت جب تم میرے لیے پانی لائی تھیں۔“

”اوہ! تم نے اس سے پہلے بھی تو مجھے دیکھا تھا؟“
”ہاں! ندی پر“ میں نے جواب دیا۔
”ٹھیک! تمہارا کیا نام ہے ہمارا ج؟“
”انوپ!“
”کیا تمہارا ساقی سو گیا ہے؟“
”ہاں!“
”میری ایک بات مانو گے؟“
”کہو!“

”باہر چاندنی چٹکی ہوئی ہے۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے۔ بڑا ہی ستر لگ رہا ہے باہر کا موسم۔ ٹھوڑی دیر میں سے باتیں کر دے گا۔“
”مقررہ“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور اس کے ساتھ باہر نکل آیا۔ اس نے اپنے نازک ہاتھ میں میرا ہاتھ لے لیا اور ایک طرف بڑھنے لگی۔ پھر وہ مجھے تہی سے کافی دیر لے گئی۔ یہاں کچھ کھنڈرات نظر آئے تھے۔ چاندنی میں لکھوری، انٹوں کا یہ ڈھیر بڑا عجیب لگ رہا تھا لیکن یہ کھنڈرات بھی میرے لیے حیرت انگیز تھے۔ آخر وہ کی روشنی میں یہ سب کچھ کہاں غائب ہو گیا تھا! اس وقت مجھے یہ کھنڈرات بھی نہیں نظر آتے تھے۔
”یہ جگہ بھی ہے۔“ رتنہ نے رک کر کہا۔
”ہوں۔“ غمگینی سے کافی دور رہے۔

”اس کی چستانہ کرو۔ میں یہاں اس لیے آئی ہوں کہ تہی کے دوسرے لوگ ہیں پریشان نہ کریں۔ یہاں کوئی نہیں آئے گا۔“ ڈیڑھ جاؤ۔
اور میں ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔ میں غور سے رتنا کو دیکھ رہا تھا۔ چاندنی رات میں وہ بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔ وہ بھی میرے سامنے ایک پتھر پر بیٹھ گئی۔

”کیا بات ہے رتنا؟ میں نے پوچھا۔
”انوپ!“ اس نے حیرت آواز میں کہا۔
”ہوں!“

”تم! اس سے مجھے اچھے لگے تھے جب میں نے تمہیں ندی کے پاس دیکھا تھا اور اس سے تو تم بہت ہی سندر لگے جب چائپلے پاس چارپائی پر بیٹھنا دیکھ رہے تھے۔“ اس نے کہا اس کی آواز میں ایک شرمیلی سی کپکپاہٹ تھی۔ میں اسے غور سے دیکھنے لگا۔ اس سے زیادہ وہ کیا کہتی۔ میں نے ایک لمحے کے لیے کچھ سوچا اور پھر میں اٹھ کر اس کے قریب پہنچ گیا۔

”خوبصورت تو تم بھی ہو رتنا!“
”سچ!“ اس نے میری گونگیوں میں ہانپیں ڈال دیں۔

”ہاں رتنا۔“ تم کافی خوبصورت ہو اور اس وقت بھی بہت اچھی لگ رہی ہو۔“ میں نے جواب دیا اور رتنا نے میرے سینے سے سر ٹکالیا۔ لیکن ایک بات مجھے پریشان کر رہی ہے۔“

”کیا؟ اس نے مجھاری لمحے میں پوچھا۔
”وہ ندی تمہاری تہی سے کافی دور ہے۔ تم تہی دور پانی بھرنے کیسے گئی تھیں؟“
”تم نے دیکھا ہوگا یہاں سے کافی دور دور تک پانی نہیں ہے۔ تہی کی دوسری سمت ایک چوڑا راستہ ہے ندی کی طرف جانے کا ہم سب اسی کھنڈر سے گزرتے دوسری طرف جاتے ہیں۔ ایک چھوٹی سی مریگ ہے جو پتھروں کے اس طرف لگتی ہے۔“
”اوہ! اس کھنڈر میں راستہ ہے؟“

”ہاں انوپ!“
”لیکن یہ سب کچھ بڑا عجیب ہے۔ خیر ہوگا۔ میں ان باتوں میں وقت نہیں ضائع کرنا چاہیے۔“ میں نے اسے بازوؤں میں بٹھنی لیا اور وہ کسمسے لگی۔

”ہمارا ج!“
”ہوں!“
”چاندنی چٹکی ہوئی ہے۔ آؤ! اندر چلیں۔“
”آؤ۔“ میں نے جواب دیا اور ہم دونوں کھنڈر میں داخل ہو گئے۔ کھنڈرات میں تاریکی چھلی ہوئی تھی۔ وہ بڑے پر اسرار لگ رہے تھے لیکن میں دلچسپی سے انھیں دیکھ رہا تھا۔ پھر رتنا ایک دروازے سے اندر داخل ہو گئی۔
”یہاں تو بڑا اندھیرا ہے رتنا۔“ میں نے کہا۔

”میں ابھی روشنی کرتی ہوں ہمارا ج!“ رتنا کی آواز ابھری اور پھر کچھ گڑبڑ کی آواز سنائی دی اور پھر روشنی پھیل گئی۔ میں نے دیکھا دیواروں کی ایک شکل روشن ہو گئی تھی لیکن اس کی روشنی آہستہ آہستہ تیز ہوئی جا رہی تھی۔ تیز کر یہ جگہ بے حد صاف نظر آنے لگی۔ میں نے حیرت سے شکل کی طرف دیکھا اور اسی وقت پیچھے سے بے شمار نقشے ابھرے اور میں پلٹ پڑا۔

”ہائے! دم۔“ چند لمحوں کے بعد وہ کچھ دیکھ رہا تھا۔ یہ سب وہی لڑکیاں تھیں جن میں نے ندی کے کنارے دیکھا تھا۔ میں ایک طویل سانس لیکر رہ گیا۔ یہ شکل کی سفید روشنی میرے لیے اب بھی حیرت انگیز تھی۔ میں نے ایک بار پھر اس کی طرف دیکھا۔ بالکل سوج کی مانند سفید۔ تیز روشنی والی شکل تھی۔ پھر میں نے پلٹ کر ان شریروں کی طرف دیکھا۔

اور سچی بات یہ ہے پروفیسر کہ ایک لمحے کے لیے میں پٹٹا گیا تھا! ابھی چند لمحات قبل میں نے انھیں دیکھا تھا تو وہ سب کی سب ہی ننھی تھیں اور خوب اچھے لباسوں میں تھیں لیکن اب ان کی شکلیں اس قدر بھیانک ہو گئی تھیں کہ ان پر نگاہیں جمانا مشکل تھا۔ بھڑکے ہوئے بال!

چوٹی چٹکی سفید نکھیں! بسے بسے انت! زبانیں باہر نکلی ہوئی تھیں اور پھر وہ سب بھیانک انداز میں منسنے لگیں۔

میں وحشت زدہ انداز میں پلٹا اور میں نے ان کی طرف دیکھا میرا خیال تھا کہ وہ خوف سے بے ہوش ہونے والی ہو گئی لیکن رتنا اس کی شکل تو ان سے زیادہ بھیانک تھی۔ میں اسے گھونٹے لگا۔ تب رتنا نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور منٹاتے ہوئے بولی۔

”بڑی ہی چند لمحوں میں یہ سب کی سب انوپ! آؤ! ہم دوسرے کمرے میں چلیں۔ آؤ! میری جان!“ اس نے بڑے بھیانک انداز میں مسکراتے ہوئے کہا اور میں اچانک ہی بھٹ گیا۔ میں نے دل میں سوچا ابھی تک ہے دیکھوں گا تم کو کتنے پانی میں ہو اور دوسرے لمحے میں بھی مسکرا پڑا۔
”ہاں! آؤ!“ میں نے بھی کہا اور اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اس طرف بڑھ گیا، جہاں اس نے اشارہ کیا تھا! اس طویل وعرض مال میں ایک اور دروازہ تھا۔ رتنا مجھے لیے اس دروازے سے اندر داخل ہو گئی۔ دوسری طرف بھی وہی دیکھی جتنی لیکن اس روشنی میں مجھے ایک اور وجود نظر آ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر میں نے ایک گہری سانس لی۔ منو! کوہنپنا شکل کام نہیں تھا۔

”خوب!“ میں مسکرایا اور منو! ابھی تھیں آمیز انداز میں مسکرائی۔
”بھگوان کی سوگند! بڑے ہی دل گرنے لگے ہو!“
”کیسی ہورانی منو! پڑا!“
”اچھی ہوں مگر تم سے خوش نہیں ہوں۔“
”اوہ۔“ کیوں؟“ میں نے پچھتے ہوئے کہا۔

”اے! اب تم کیا کر رہی ہو۔ جاؤ۔“ منو! اگر ختم لےجی میں رتنا سے بولی۔

”اس نے مجھے اس شکل میں بھی مان لیا تھا رانی!“ رتنا ٹھٹھکتے ہوئے بولی۔

”اچھا۔ تو۔ تو اسے چاہتی ہے؟“
”آج کی رات۔ صرف آج کی رات نے سو۔“ رتنا نے کہا اور منو! نے اچانک ہاتھ لہرایا۔ شریخ دیکھا وہ ایک کوراز رتنا کی طرف بڑھا اور اس کے بدن سے پلٹ گیا۔

”ہائے میں مری۔“ ہائے میں چلی۔ وہ دلدوز جینیں مار رہی ہوئی باہر نکلا گئی اور پھر رتنا اچھا گیا۔ منو! پھر بھی لگا ہوں سے مجھے پچھنے لگی۔
”تمہیں ان ساری باتوں سے ڈر نہیں لگا؟“ منو! نے پوچھا۔
”ڈر کیا ہوتا ہے؟“

”اسی لیے کہ تھا کہ بڑے دل کر دے کے مالک ہو۔ تمہارا کیا خیال ہے ایک پل کے لیے بھی میں تمہاری طرف سے انجان رہی ہوں۔ میں تمہاری ایک ایک حرکت دیکھتی رہی ہوں انوپ!“
”مجھے یقین ہے۔“

”تم دیواروں میں لٹکے ہوئے سر کو دیکھ کر بھی خوفزدہ نہیں ہوئے، بلکہ تم نے اس کی سہا سنا بھی کی۔“

”تم نے اس وقت مجھے رٹنے کی کوشش کیوں نہیں کی منو! پڑا؟ میں نے پوچھا۔

”مجھے اس پانی سے اب کوئی لگاؤ نہیں رہا انوپ!۔ تم نے اسے ٹھیک کر دیا، میں نے کوئی پروا نہیں کی۔“

”اور یہ سب کیا تھا؟“
”کس کی بات کر رہے ہو؟“
”میری! ندی! لڑکیاں! سنی وغیرہ؟“
”کھیل۔ پسند نہیں آیا؟“ منو! مسکرا کر بولی۔
”پسند تو بہت آیا ہے منو!، لیکن تم سے خوش نہیں ہوں۔“
”کیوں ہمارا ج؟“
”پچھنے کے ساتھ تم نے بہت برا سلوک کیا ہے۔“

”اوہ! میں جسے پسند کرتی ہوں اس کے دوسری عورت کے ساتھ نہیں دیکھتی اور پھر تم تو بہت ہی انوکھے ہو میں نے جہوں پھر میں تمہیں جان نہیں دیکھا اور شریاں کرو، اگر تم میرے ہوجاؤ تو پھر میں کسی اور کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھوں گی۔“

”میں ایک شرط پر تمہاری بات مان سکتا ہوں منو! پڑا!“
”کیا؟“

”تم مجھے کٹھیک کرو دو میں اسے خود سے الگ کر دوں گا! اس کے لیے کوئی مقول بندوبست کر دوں گے تاکہ وہ باقی زندگی آگے سے لبر کرے اور پھر میں تمہارے ساتھ رہوں گا۔ دوسری شرط یہ ہے کہ تم مجھے اپنا یہ حیرت انگیز علم سکھاؤ گی کی میں تمہارے اس انوکھے علم سے بہت متاثر ہوا ہوں جسے تم جا دو کہتی ہو۔“

”پہلی بات تو اب میرے سر میں بھی نہیں ہے۔ ہاں میں تمہیں اپنا علم ضرور سکھا دوں گی۔ چونکہ دینی ہوں مگر پچھنے کو اب میں بھی ٹھیک نہیں کر سکتی۔ وہ سدا کے لیے پتھر بن گئی ہے۔“

”اوہ۔ ذہیل عورت۔“ کیا تو نے یہ اچھا کام کیا ہے؟“ مجھے عقیدہ لگا۔
”تم اس کے لیے مجھے گالیاں دے رہے ہو۔ میں تمہیں جلا کر خاک کر دوں گی۔“ منو! عترائی۔

”نہیں منو! میں تمہیں کے ساتھ ہونے والے سلوک کو نہیں بھول سکتا۔ میں تم سے انتقام لوں گا۔ میں تمہیں موت کے گھاٹ اتار کر ہی دم لوں گا۔ میں نے تو خوار لےجی میں کہا اور درحقیقت پروفیسر۔ میں نے اس سے جو کچھ کہا تھا، ٹھیک کہا تھا۔ مجھے اس علم سے دلچسپی تھی میں اسے سیکھنا چاہتا تھا پچھنے کے بارے میں میں نے سوچا تھا کہ اگر وہ پھر سے انسان بن گئی تو اس کے لیے کوئی بندوبست کر دیا جائے گا لیکن پچھنے کی دشمنی کو اس کی قاتل کو صرف اس لیے معاف کرنا میرے ضمیر کے خلاف تھا کہ اس

سے علم کھتا۔ یہ خود غرضی تھی اور جس بات کو میرا دل پسند کرے میں کسی قیمت پر اسے تسلیم کرتا تھا۔

”تم میرا کچھ نہ لگاؤ دلوں کے لونی“

”یہ تو آئے والا وقت بتائے گا!“

”جتنا وقت گزرتا جائے گا اتنا سے لیے بڑا ہوگا ابھی اتنا سے لیے میرے میں اب نفرت نہیں جاگی۔ تم اتنے ہمارے ہو کر میں بخاری ساری باتیں درگزر کرتی ہوں۔ سچ تو یہی ہے۔ میں بہادر اور طاقتور مردوں کی دیوانی ہوں اور پھر پھر لاکھوں کوئی جواب ہی نہیں ہے۔“ منو کا لہجہ نرم ہو گیا۔

”لیکن میں تجھ سے محبت نہیں کر سکتا منو۔ تو نے مجھے کے ساتھ بہت بڑا سلوک کیا ہے۔“

”تو کوئی لونی ہی! میں اتنا علاوہ حشر کروں گی کہ تم مجھے کچھ بول کر اپنی خیر مناؤ گے۔ سنا۔ تم سارا جہول ان جنگوں میں جھٹکتے رہو۔ اگر کبھی کوئی گھر کوئی عمارت نظر آئے تو بے شک اس کے اندر آنا۔ یہ راستہ میرے گھر کا راستہ ہوگا اور اندر صرف میں ہوں گی تم سارا جہول میرے تنگل سے نہ نکل سکو گے۔“ منو نے ان بات پر ہنسے ہوئے کہا اور اس سپاٹ لگا ہوں سے اسے گھونٹنے لگا اور پھر میں نے سر دھجے میں کہا۔

”بڑے قوت رانی! میں پھر سے سر جھوڑ رہی ہے جس زندگی کے بالے میں تو کہہ رہی ہے۔ خود تجھے اس کے بالے میں کچھ نہیں معلوم۔ اگر تیرا علم بتا سکتا ہے تو اس سے میرے بالے میں پوچھ نہیں بتا سکتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ مکمل نہیں ہے اور اگر بتائے تو خود ہی شرمندہ ہو جا۔ سوچ کر تجھے کیا نقصان پہنچا سکتی ہے۔“

”کیوں؟ تم دیوتا ہونا چاہتا ہے اس نے نظر بھرے لہجے میں کہا اور میں ہنسنے لگا۔ ”تو دیوتا ہی! ابھی جتنی کوئی آواز نہیں دیتے۔ جاؤ اسے آواز دو اور یہاں سے نکل جاؤ۔“

”بڑی پاگل ہے تو منو! ٹھیک ہے میں یہاں سے نکل جاؤں گا مگر تو میری بات سن۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور وہ میری طرف دیکھنے لگی۔ ”قریب آؤ منو! میں نے نرم لہجے میں کہا اور وہ نزدیک آگئی۔ میرے اس انداز پر وہ حیران رہ گئی تھی کہ وہ میرے قریب آئی میں نے ایک کمرے پر گھومنے کی کوشش کی مگر بڑی سخت ناکامی ہوئی تھی پروفیسر میرے ہاتھ پہلے کی طرح اس کے بدن سے نکل گئے تھے۔ وہ کم سخت تو انسانی وجود ہی نہیں رکھتی تھی میں نے اس بالاس کے بالوں پر ہاتھ ڈالا لیکن کچھ بھی نہیں تھا۔

منو نے میری کیفیت دیکھی اور پھر اس نے ایک زبردست قہقہہ لگایا۔ ”اوہ! چالاکی کر رہے ہو لونی! مجھے قتل کرنا چاہتے ہو۔ مار ڈالنا چاہتے ہو مجھے لیکن اطمینان رکھو۔ تم مجھے کسی کی بات نہیں ہے۔ جھٹکتے رہو۔“ وہ باتوں میں اور کئی لوگ ان کا کوئی وجود نہیں ہے۔ ایسی زمین ہے میری تیار کی ہوئی۔ ساری عمر اس میں جھٹکتے رہو گے۔ میں جب تیار سے

میں یہ احساس جاگ اٹھے کہ تم مار گئے تو اپنی شکست کا اعتراف کرنے کی بجائے دروازے میں گھس کر آنا جو تمہیں نظر آئے کیونکہ اس طلسم خانے کے سامنے دروازے میری طرف آتے ہیں۔“ منو نے کہا اور جھجھکی۔

”ہاں۔ میں اسے جھٹکنا ہی کہوں گا۔ وہ اس طرح غائب ہو جاتی تھی جیسے کسی جلتے ہوئے چراغ کا شعلہ بجھ گیا میں اس کی تلاش میں نہ نکھیں پھاڑا مارا لیکن اس کا کوئی نشان نہ ملا۔ تب میں گہری سانس لے کر واپس اس دروازے کی طرف چل پڑا جس سے اندر آیا تھا۔ باہر کا ہوا بول دیے ہی خاموش تھا۔ ہر چیز حوں کی توں تھی کسی ذی روح کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ میں کھنڈرات سے ہی نکل آیا۔

چاندنی سیلی ہو گئی تھی چاند پر روشنی کا بارہ چڑھنے لگا تھا اور وہ بے نور ہوتا جا رہا تھا۔ اپنی پہلا ہٹا کھڑا ہمارا تھا۔ گریبا سح ہونے لگی تھی میں اس بستی کی طرف چل پڑا میرے ذہن میں سینکڑوں خیالات تھے لیکن میں پریشان نہیں تھا۔ پریشان ہوں ہوتا۔ میری زندگی کا کون سا شے تھا جس میں لگاؤٹ پڑی تھی کچھ وقت یہاں بھی سہی منو بڑی ہوجائے گی اور پھر سہی سہی بے کسی کا احساس ہوگا۔ میں جوں کا توں رہوں گا۔ میں ہوں توں رہوں گا۔ کافی دور نکل آیا۔ اندازے کے مطابق میں اب بستی کے قریب تھا۔

لیکن بستی۔ بستی کہاں گئی۔ یہاں تو کچھ نہیں تھا۔ جھونپڑی کیا اور سخت کیا کسی تپتے کاشان نہیں تھا۔ معاً مجھے سریندا کا خیال آیا اس غریبے ساتھ کیا بستی ہے میں نے اس کی تلاش میں چاروں طرف لگا دیں دوڑا میں اور تھوڑی دیر پر ایک پتھر بل جگہ پر وہ زمین پر گروٹ لیے نظر آیا۔

”اوہ! میرے منہ سے افسوس کی آواز نکلی اور میں دوڑتا ہوا اس کے پاس پہنچ گیا۔ جھک کر دیکھا تو وہ گروٹ لیے منہ سے سو رہا تھا۔ غائب ہونے کی گہری سانس لی۔ اسے کوئی حادثہ نہیں پیش آیا تھا۔ بس غائب ہونے والی چیزیں غائب ہو گئی تھیں اور سریندا کو ان احساس بھی نہیں تھا۔

میں نے اسے جگا دینا ہی مناسب سمجھا اور اس کے قریب بیٹھ کر اسے آوازیں دیں۔ دوسری تیسری آوازیں وہ جاگ گیا اور انکھیں ملتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

”جھٹھو۔ پریشانی کوئی بات نہیں ہے۔“

”صبح ہو گئی۔“ سریندا نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور پھر اس نے چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں اس پر وہی رد عمل ہوا جو ہونا چاہیے تھا۔ وہ بڑی طرح اچھل پڑا۔

”اے۔ اے۔ اے۔“ اس نے مختصر انداز میں چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”کیا ہوا؟ میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”وہ۔ وہ سچی۔ ہم تو رات کو۔ رات کو سیتی تھے اور۔“

اور ایک جھونپڑے میں سوئے تھے!“

”وہ اچھی جگہ نہیں تھی۔ ہم وہاں سے نکل آئے۔“ میں نے کہا۔

”لگ۔ کیا مطلب؟“

”میں چلے آئے وہاں سے۔“

”مگر کس طرح؟“

”اے تو کیا میں تجھے اٹھا کر نہیں چل سکتا!“

”اور میری آنکھیں کھلی ہیں؟“

”تم بہت گہری بند سوئے ہو۔“

”اوہ۔ کیا کروں۔ نہ چلنے کب کا جاگا ہوا ہوں مگر کیا بات تھی۔

اس کی ضرورت کیوں پیش آئی؟“

”بس ہو گئی۔“ میں نے کہا۔ سریندا چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ پریشان لہجے میں بولا۔

”لیکن لونی ہمارا؟“

”ہوں!“

”یہ جگہ تو یہی ہے میرا مطلب ہے بالکل وہی جگہ۔“

”واقعی؟“

”ہاں ہمارا۔ میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں۔“

”اگر یہ وہی جگہ ہے تو درخت کہاں گئے؟“ میں نے پوچھا۔

”ایں۔ ہاں درخت نہ چلے کہاں گئے۔“

”جھونپڑیاں بھی نہیں ہیں اور نہ ان میں رہنے والے وہ جو رات کو جاگ رہے تھے۔“

”بھگوان ہی جانے ہمارا؟“

”ہوگا سریندا۔ تم اس کے لیے پریشان کیوں ہوتے ہو لیکن یہ

جھونپڑیاں ہی یہاں سے کہیں چلی گئی ہوں۔ ان کے رہنے والوں نے یہ

ملاقات بھی چھوڑ دیا ہو۔“

”اور وہ درخت بھی اٹھا کر لے گئے؟“ سریندا نے ایسے لہجے میں

کہا کہ مجھے سنہی آگئی۔

”ان کی چیز تھی لے گئے۔ ہم کیا کر سکتے تھے۔“ میں نے ہنستے

ہوئے کہا۔

”بھگوان کے لیے لونی ہمارا؟ میں پاگل ہو جاؤں گا۔ میری

آنکھیں تو کچھ بھی نہیں آ رہی۔“

”درازا سی بات پر پاگل ہونے کی باتیں مت کیا کرو سریندا۔ مجھے

بڑی بالکل پسند نہیں ہے۔ تم حالات سے اس قدر خوفزدہ کیوں ہو جاتے

ہو۔ سنا۔ ہمارا بھی تک نہ ہوتا ہے۔ وہ بستی جادو کی بستی تھی۔ یہ زمین

جادو کی زمین ہے۔ اب خوف سے مر جاؤ۔ میں نے جھلائے ہوئے لہجے

میں کہا اور سریندا کھپکھپاتی آنکھوں سے مجھ دیکھنے لگا۔ اس کے پھر سے

پریشانی کا اثرات تھے۔ کافی دیر تک وہ خاموشی سے مجھے دیکھتا رہا پھر

ایک گہری سانس لیکر بولا۔

”شکار دو ہمارا؟“

”کوئی بات نہیں ہے سریندا لیکن یہ تو سوچو، ہم موت کو

ہی مرجائیں۔“

”میں اب نہیں ڈروں گا۔ اس نے عاجزی سے کہا اور مجھے

اس پر ہنسی آگئی۔

”ڈرنا یہاں ہے سریندا! ہم کوشش کرتے رہیں گے۔ ویلے

میں تمہیں ایک بات بتا دوں۔“

”کیا ہمارا؟“

”بخاری زندگی کو اب کوئی خطرہ نہیں ہے۔“

”کیوں؟“

”منو! اب کو اب بخاری ذات سے کوئی لہجہ نہیں رہ گئی ہے۔“

”اوہ! تمہیں کیسے معلوم؟“

”ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ میرے پاس سے گئی ہے۔“

”تمہارے پاس سے؟“ سریندا اچھل پڑا۔

”ہاں۔ رات بھر اس نے بڑے کھیل کھیلے۔“

”اوہ!“ سریندا نے کہا اور میں نے اسے مختصر تفصیل سنائی۔

سریندا غور سے پوری کہانی سن رہا تھا پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے

کہا۔ ”ٹھیک ہے ہمارا، غراب کیا کر رہا؟“

”غراب کرنے کی ضرورت نہیں ہے سریندا۔ ہم کوشش کرتے

رہیں گے۔“

”اب مجھے کوئی پشیمانی نہیں ہے ہمارا۔ تم ٹھیک ہی کہتے ہو۔

بھاگوں میں اگر اس کے کچھلنے سے لکھنا اچھا ہے تو کل جاؤں گے اور اگر

اس جادو ٹکری میں موت لگتی ہے تو پھر کون روک سکتا ہے۔“

”یہ ہونی ہمارا ہی بات۔ آؤ۔ اب اس جگہ چھوڑ دو۔“

میں نے کہا اور سریندا تیار ہو گیا تب ہم وہاں سے آگے بڑھے لیکن اس

طرف جہاں کھنڈرات تھے اور اس ایک ہلکا سا خیال ہی میرے ذہن میں

آیا تھا کہ ممکن ہے بستی کی طرح کھنڈرات بھی یہاں نہ ہوں لیکن یہ خیال غلط

نہیں تھا۔ چاروں طرف پتھر کی زمین کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں تھی۔

کھنڈرات کا کہیں نشان نہیں تھا۔

اس بالے میں میں نے سریندا سے کچھ نہ کہا ضرورت بھی کیا تھی

ہم آگے بڑھتے تھے۔ جادو کی زمین درگزر کھیل ہوئی تھی۔ نہ جانے یہ

زمین کبھی یا صرف خیال، نظری دھوکا کہ ممکن ہے ہم ایک چھوٹے سے

دام سے میں ہوں! اسی میں چاروں طرف گھوم کر مختلف مناظر دیکھ رہے

ہوں لیکن خوب تھکا رہا۔ سب کچھ۔ درحقیقت میری طویل زندگی کا سب سے

انوکھا دور میری صدیوں کی زندگی کا ہوں گے۔ یہ سب سے عجیب منظر۔!

درحقیقت سریندا بالکل غائب ہو گیا تھا۔ وہ خاموش رہتا تھا۔ بہت کم

بات کرتا تھا لیکن اب نہ وہی بات سے اٹھتا تھا اور نہ کسی سے خوفزدہ ہوتا

تھابلس میرا ساتھ دیتا تھا۔ دائرے کا سفر جاری تھا لیکن منازعہ سے بچنے کے لئے وقت گزرتا جا رہا تھا۔ میں نے بھی نہ رکنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ بس اگر پریشانی تھی تو صرف اس حق سریندا کی جس کی وجہ سے میں بھی سوچ میں پڑ جاتا تھا۔ فیصلہ پر فیصلہ اس خاصہ عرصے میں بھی کسی ترکیب نہیں سوچ سکا تھا۔ ان ہوتا رات ہو جاتی۔ نہ جانے کتنے دن گزر چکے تھے اس کے بعد نہ تو کوئی نئی نظریاتی، نہ کوئی جاندار۔ یوں لگتا تھا جیسے کائنات پھر سے ویلان ہو چکی ہو اور اب اس پوری زمین پر صرف دو انسانوں کے علاوہ کوئی باقی نہ رہا ہو۔ تب ایک رات میں ایک پہاڑی ٹیلے پر بیٹھا سوچ میں مگمگ تھا۔ مجھے سے تھوڑے فاصلے پر سریندا کوٹ بدلے سو رہا تھا۔ اب وہ بھڑکی کی نیند سونا تھا۔ اس کی کیفیت عجیب ہو گئی تھی، ہر بات سے بے پرواہ۔ اگر میں اسے چھوڑ بھی دیتا تو شاید وہ احتجاج بھی نہ کرنا، شکایت بھی نہ کرتا۔ خاموشی سے دیں رہ جاتا جہاں میں اسے چھوڑنا۔

لیکن انسانی ہمدردی بھی کوئی چیز تھی جس میں اس سے اور تنازعہ ہو گیا تھا۔ اب میں اسے کوئی تکلیف نہیں دے سکتا تھا سوچوں میں مگمگ میں کافی دیر تک ٹیلے پر بیٹھا رہا اور پھر لیٹ گیا میری نگاہیں آسمان کی طرف اٹھ گئیں۔ اوپر تارے مسکرا رہے تھے۔ مجھ سے نگاہ ملتے ہی میں پڑے اور میں چونک پڑا۔

اوہ! انسانی ذہن بھی بعض اوقات کس انداز میں سوچتا ہے۔ میں اپنے دوستوں کو بھول ہی گیا تھا۔ میرے وہ دوست جو ہر دور میں ہر ماحول میں مہر جگہ میرے ساتھ رہتے تھے، میں نے ان سے معذرت کی کہ اپنی بھول کا اعتراف کیا اور انھوں نے خوشی سے مجھے معاف کر دیا۔ بڑے فراخ دل تھے وہ۔ سو میں نے ان سے وقت کی بات کہی اور انھوں نے میرے اوپر طنز سے بھر پور لنگاہیں ڈالیں۔

یوں لگتا ہے جیسے تم نے صدیاں گنوائی ہیں۔ وقت کی ایک بلیا یہ مخلوق تھیں بے بس کوڑی ہے، جبکہ تم تمھارے محن، تمھارے رہبر موجود ہیں۔ ستارے بولے۔

”ہاں میں بھول گیا تھا میرے ازل شناساؤ لیکن تم اس بات کو درگزر کرو اور مجھے بتاؤ، کیا اس مشکل کا بھی کوئی حل ہے؟“ کو کس ستاروں نے کہ یہ بھی کوئی مشکل ہے۔ زمین کے بسنے والے ایسے ہی علم آتش ہوں ان کی حیثیت کچھ بھی نہیں اور نہ ہیبت ہی معمولی بات ہے لیکن سوچی نہیں تو کہ وہ تیری توجہ کی طالب ہے اور تیرا تجربہ وسیع تر تو کیا یہ ممکن نہیں کہ تو اسے اپنے بدن کے جال میں پھاس لے اور اس وقت تو وہ روشنی کے لباس میں نہ ہو جب تیری آغوش میں ہوگی اور عورت ہر دور کی کیساں ہے اور اپنی غفلت بدلنے پر تیار نہیں اور تیری آتش بدن اس کے احساسات کو کھلا دے گی اور سوئی ہوئی عورت کو گہری نیند ملا دینا کوئی مشکل کام تو نہ ہوگا۔ کسی آسان بات ہے، تمہارا ستاروں نے اور میں چونک پڑا۔

ہاں۔ سیدھی سی بات ہے واقعی۔ افہ بعض اوقات تل کی اوٹ پہاڑ آجاتا ہے۔ میں کون سے اقدار کا قائل تھا۔ اگر ایک ایسی ہی کوئی دھوکا نہ دیتا، جو ہر دھوکا تھی تو کون سی شکل پیش آتی اور بہت پہلے ہی ایسا ہوا تھا۔ اب ہو جاتا تو کیا حرج تھا۔

لیکن وقت کی بات بھی ہوتی ہے اور ستارے میرے رہنما ہیں۔ تو اس وقت کی صبح میرے لیے کافی روشن تھی۔ سچ بات ہے ذہن پر کیا نیت کی گودھی جوتا روں کی دوستی سے صاف ہو گئی تھی اور سریندا نے بھی میری بدلی ہوئی حالت محسوس کی لیکن اس سے کوئی ذکر ضرور تھا۔ ہاں مجھے تو اس دردانہ کی تلاش تھی جس کے بارے میں منوٹا نے کہا تھا اور ضروریات کے فارغ ہو کر دوائے کی تلاش میں چل پڑے۔

دائرے
ہ سفر جاری رہا لیکن اب شکل بدل گئی تھی۔ اب مجھے ان دروازوں میں سے کسی ایک کی تلاش تھی جن کے بارے میں منوٹا نے کہا تھا سریندا کو میں نے اس بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ وہ بے چارہ بدستور میرا ساتھ نہ لے گیا لیکن اس کے چہرے سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ مستقبل سے مایوس ہے اور قطعاً امید نہیں ہے کہ وہ منوٹا کے جال سے نکل سکے گا۔ ہر حال ہم چلتے تھے اور پھر ایک شام ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جو گہری نگاہ سے دیکھنے پر قدرتی معلوم نہیں ہوتی تھی۔

بہت چھوٹے سے دائرے کی چھوٹی سی جھیل جس کے کنارے وہ درخت سر جوڑے کھڑے تھے۔

”مہاراج! اب کب تک چلتے رہیں گے؟“ سریندا نے مایوس جہ میں کہا۔

”تھک گئے سریندا؟“ میں نے مسکرا کر پوچھا۔

”ہاں مہاراج! منزل کا کوئی پتہ ہو تو آدمی اس کو تلاش کرنے کے لیے جوں جوں چھپ سکتا ہے، پھر اس جادو منڈل میں گھومتے رہنے سے کیا فائدہ؟ کتنے ہی چلتے رہا اس سے نہ نکل سکے گا۔“

”لنگھنا چاہتے ہو سریندا؟“ میں نے سر دھجھ میں پوچھا۔

”تو اب کیا کرتے ہو؟“ میں نے پوچھا، ”کیا تم نے پہلے نکلنے کی کوشش نہیں کی؟“ سریندا نے عجیبے لہجے میں کہا۔

”ٹھیک ہے سریندا، اب ہم بہت جلد اس جال سے نکل جائیں گے۔ فی الحال قیام کے لیے یہی جگہ مناسب ہے۔ رات ہمیں گذاری جائے گی۔“ میں نے کہا اور سریندا نے سر ہلاتے ہوئے ملادی۔

سرگوشیاں کرتے ہوئے ہم نے درختوں کے نیچے ڈیو ڈال لیا۔ سریندا واقعی طور پر بھوکا تھا۔ بلی کی خواہش مجھے بھی تھی لیکن تم جانتے ہو یہ فیصلہ انسانی زندگی کی ہر ضرورت میرے لیے معمولی حیثیت رکھتی ہے۔ میں خوراک کے لیے بے چین نہیں تھا لیکن مجھے سریندا کا خیال تھا۔ یہ کہ وہ شخص خوراک کے بغیر زیادہ دیر زندہ نہ رہ سکے گا لیکن اس جادو کے جال میں شکار بھی تو مشکل

تھا اور پھر یہ حق لوگ گوشت کھاتے بھی نہیں تھے اور میں اس کے لیے کیا کرتا۔ چنانچہ میں نے بھی خاموشی اختیار کر لی۔ سوچ چھپ چکا تھا، تاریکی بڑی سے بھینٹتی جا رہی تھی۔ ہم دونوں آرام کرنے لیٹ گئے۔ درختوں کی جڑوں کی نیکی کا کام نہ رہے تھی۔ سریندا بالکل خاموش تھا، میں بھی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا کہ کچھ سریندا کی آواز سنائی دی۔

”مہاراج! مہاراج!“ اس کی آواز میں ایک عجیب سی لرزش تھی۔

”کیا ہے سریندا؟“
لیکن پھر سریندا کو کچھ بولنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ میری نگاہ بھی چھوٹی سی جھیل کے پانی کی سطح پر جا پڑی۔ آسمان پر چاند نہ تھا چاروں طرف کا ماحول تاریکی میں چھپا ہوا تھا لیکن پانی کی سطح پر چمکے اور دائرے بھر رہے تھے۔ روشنی کے بلے ایک جگہ سے چھوٹے اور ایک دائرے کی طرح پھیلتے چلے جاتے۔ تب ان دائروں نے چاند سے چہرے اُگل دیے۔

اپسروں نے پانی سے سر نکالا اور پھر بلند ہوئی جلی گئیں۔ جنم دنوں حیرانی سے اس جھیل کی مخلوق کو دیکھ رہے تھے جو باقاعدہ لباس میں ملبوس تھی۔ ان سب کا ہاتھ میں چھوٹے چھوٹے تھال تھے اور ان تھالوں میں مختلف چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔ پانی سے نکل کر وہ ہمارے نزدیک آئیں۔ اور انھوں نے تھال ہمارے سامنے رکھ دیے۔

سریندا کے تو حواس گم تھے لیکن مجھے ایک ذراہ نظر لگ گیا تھا۔

”اٹھو سریندا! بھوج کر لو، میں نے منوٹا سے پوچھا۔“

”مم۔ مہاراج!“ سریندا بھلائی ہوئی آواز میں بولا۔

”تم بھوکے ہو نا اب اگر چاہو تو ان لڑکیوں کو بھی کھا سکتے ہو۔“

میں نے کہا اور سریندا بولکھلائے مجھے انداز میں ان کی طرف دیکھنے لگا۔

”مگر یہ کیا؟“ مہاراج؟ وہ سرسراتی آواز میں بولا۔

”تھکے سامنے ہی پانی سے نکلے ہیں۔ میسے اگر تم چاہو تو ان سے پوچھ سکتے ہو۔“

”مم۔ منوٹا۔ یہ سب منوٹا کی داسیاں ہیں۔ تمہیں ان کے بارے میں کیسے معلوم مہاراج؟“ سریندا حقاقتاً انداز میں گفتگو کر رہا تھا لیکن میں نے ان میں سے ایک لڑکی کو اشارہ کیا اور وہ بلا عرض میرے نزدیک آگئی۔

”تمھارا کیا نام ہے؟“

”کمپتی!“ لڑکی نے جواب دیا۔

”کیا تم رانی منوٹا کی داسی نہیں ہو؟“

”ہاں مہاراج!“ اس نے دونوں ہاتھ ہوا کر عقیدت سے نکھیں بند کر لیں۔

”ہم سب مہمان رانی کی داسیاں ہیں۔“ اور میں نے سریندا کی طرف دیکھا۔ وہ ابھی منہ چاٹے بیٹھا تھا تب میں نے تھال اپنی طرف سرکائے اور پھر سریندا کا انتظار کیے بغیر کھانا شروع کر دیا۔

”آج وہ سریندا، وردہ کھائیں رہو گے۔“ میں نے اس سے کہا

اور سریندا کے حواس بھی کسی حد تک بحال ہو گئے۔ وہ میرے ساتھ کھانے

میں شریک ہو گیا اور تھوڑی دیر کے بعد ہم کھانے سے فارغ ہو گئے۔ جھیل سے نکلنے والیاں قطار بنائے کھڑی تھیں اور بڑی دلچسپ نگاہوں سے ہمیں دیکھ رہی تھیں۔

”رانی منوٹا سے ہمارا شکریہ ادا کر دینا۔“

”ہمیں کیا ملے گا؟“ مہاراج نے ہم سب کی طرف اشارہ کیا۔ ایک خوبصورت لڑکی بولی۔

”دیکھو بھئی۔ کیا خیال ہے؟“ میں نے سریندا سے کہا اور سریندا لہجے میں

بھٹکنے لگا۔ ”پسند ہے ان میں سے کوئی؟“

”نہیں مہاراج!“ اس نے بولکھلائے مجھے انداز میں کہا۔

”افسوس لڑکیو، میرا دوست تو تم میں سے کسی کو پسند نہیں کرتا رہی

میری بات تو میں رانی منوٹا سے ملنا چاہتا ہوں۔ میرا پسندیں منوٹا کو دے دو۔“

لڑکیاں چونک پڑیں۔ وہ ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگیں۔

”کیا ایک سچ کہہ رہے ہیں مہاراج؟“

”ہاں بالکل سچ!“

”تب تو۔۔۔ تب تو کہتے ہیں نیا جیون نے یہ ہم بڑی خبر رانی

منوٹا کو دی گے اور وہ۔۔۔۔۔ آؤری کھو۔۔۔۔۔ وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر

بھاگ پڑیں اور غراپ غراپ کر کے اہل جھیل میں کود گئیں۔ سریندا متعجب

لگا ہوں سے انھیں دیکھ رہا تھا اور جب لڑکیوں کا کوئی نشان نہیں رہا تو اس نے میری طرف دیکھا۔

”یہ آپ نے کیا کہا مہاراج؟ کیا آپ۔۔۔؟“

”ہاں سریندا! میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ اب ہم اس جال سے نکل جائیں گے۔“ میں نے آہستہ سے کہا۔

”مگر۔۔۔ مگر مہاراج۔ کیا آپ۔ کیا آپ انی منوٹا کی بات مان لیں گے؟“

”اس کے علاوہ کیا کیا جا سکتا ہے سریندا۔ تمھارے ذہن میں اور

کوئی ترکیب ہے۔ جب ہم اپنے طور پر کچھ نہیں کر سکتے تو ہمیں اس کی بات مان لینی چاہیے۔“

”مگر میں تو نہیں مانوں گا مہاراج میں نے تو ہر طرح کے کشت

بھوگئے کا فیصلہ کر لیا تھا میں پھر نہ کیسے تیار ہوں پر بھنگوان کی سوگند میں

اس کی بات نہیں مانوں گا۔“

”میرا خیال ہے اب وہ تمہیں پریشان نہیں کرے گی سریندا۔ وہ

پوری طرح میری طرف متوجہ ہے اور تمھاری جان بچا گئی ہے۔ یہ میری بات

تو سریندا! میرا تو کوئی دھرم ہی نہیں ہے۔ تمھارا دھرم تمہیں میرے کاموں

سے روکتا ہے مگر میں کسی دھرم کی بات نہیں مانی ہے میں تو صرف وقت

کا دوست اور وقت کا پیر و کار ہوں۔“

سریندا عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا لیکن اس کے بعد کچھ

بولنے کی گنجائش نہ رہی! اچانک جھیل روشن ہو گئی۔ پانی چاندی کی طرح چمکنے

لگا چاروں طرف روشنی پھیلی گئی پھر پانی ہر ایک تخت اچھا تخت پر چڑھ

39

طوفان حسین داسیاں ہاتھ باندھے کھڑی تھیں۔ درمیان میں ایک حسین اور متبع سنگھاس پر نزل آیا۔

سولہ سنگھار کیے پچھتے زیورات سے لدی ہوئی، ہمرے پر تلے چپکے ہوئے تھے اور سر پر ایک حسین تاج رکھا ہوا تھا۔ ہیروؤں کے زیورات کی شاہکار اس کے چہرے پر پڑی تھیں اور انھوں نے اسے سینکڑوں رنگ دے رکھے تھے۔ بلاشبہ اس تاریک رات میں اگر کوئی ذی روح اس احساس عالم میں کچھ لیتا تو اس کاغذ نہ کر سکتا۔

میں لگی دیکھی سے اسے کھنکھاتا اور مایہ ذہن میں خیال آیا، آخر منو بامیں کیا برائی ہے اسوئے اس کے کہ وہ جادوگر کی ہے مگر مجھے اس سے کیا عورت ہے اور ایک خوبصورت عورت ہے۔ اگر اس عورت سے مجھے اس کا راز سرا اور علم مل جائے تو کیا حرج ہے۔ بحیثیت عورت بھی وہ بڑی نہیں ہے۔

لیکن انوکھے حالات کا شکا نہ کرنے کے باوجود پروفیسر میرے اندر بھی ایک ضد وجود تھی۔ ایک ایسی ضد جسے تم کوئی نام دے لو میں اسے کوئی نام دے سے اس قدر کڑا کرنا چاہتا ہوں دوسرے لمحے میں نے سوچا کہ منورما کی فتح ہوگی اور میری شکست۔ وہ سوچے گی کہ بالآخر میرے حواس درست ہو گئے اور پھر صدمیاں مجھے ملامت کریں گی۔ میرے سامنے علوم مجھ سے متفرق ہو جائیں گے۔ وہ مجھے ملامت کریں گے کہ بالآخر صدموں کا تجربہ ایک عورت کی بحیثیت چڑھ گیا۔ ایک عورت نے صدموں کو شکست دے دی اور پروفیسر یہ صدمیاں ہی تو میری ہمت تھیں۔ ادوار گذر جاتے ہیں کردار گذر جاتے ہیں لیکن صدمیاں میری معاون رہتی ہیں میرے رازوں کی امین، میرے راستوں کی معاون!

منو کا تخت آہستہ آہستہ کنائے کی طرف آ رہا تھا، یہاں تک کہ وہ کنائے سے اٹکا۔ تب وہ کھڑی ہو گئی اس کی جھلک رانگاں میں چھوڑ گئی تھی۔ "انوی مہاراج!" اس کی آواز گونجی اور اس کے بڑھ گیا۔ میری داسیوں نے مجھے آپ کا سندس پر لیا تھا کیا وہ سندس ٹھیک ہے؟

"ہاں منو!" میں نے پوچھا تو انداز میں جواب دیا۔ "لیکن مہاراج۔ آپ تیار کیسے ہو گئے؟" وہ سکرانی ہوئی بولی اور میری آنکھوں میں غصے کی کیفیت اُبھر آئی۔ میں اسے گھونٹنے لگا۔ "کیا تو میری زبان سے شکست کا اعتراف چاہتی ہے؟" میں غرا۔ "اے نہیں نہیں مہاراج۔ شام چاہتی ہوں بس یونہی پوچھ لیا تھا۔ بہر حال آپ تیار ہیں تو آئیے۔ اس تخت پر آجائے، اس نے مجھے جگہ دیتے ہوئے کہا اور میں نے اپنے پیچھے کھڑے سر نہ کر دیا۔

"اسے نہیں بچنے دینا مہاراج!" منو بام ارادہ سمجھ کر بولی۔ "اس کا کیا ہوگا منو!" میں نے پوچھا۔

"اس پانی سے اب مجھے کوئی سروکار نہیں ہے تم اس کے لیے کیا چاہتے ہو انوی مہاراج؟"

"اسے اس جادو منڈل سے نکال لیا جائے" میں نے کہا اور منو بام نے اس کی طرف ہاتھ اٹھالیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے سر نہ میری نگاہوں کے سامنے سے غائب ہو گیا۔

میں نے حیرت چاڑھ اس طرف دیکھا اور پھر منو بام کی طرف دیکھنے لگا۔ "اس کے بالے میں پھنسا کر میں مہاراج۔ اب وہ اپنے گھر والوں کی پہنچ جانے گا میں نے آپ سے پریم کا پہلا ثبوت یہی لیا ہے۔ میں آپ سے کوئی دھوکا نہ کروں گی!"

"ہوں!" میں نے گردن ہلائی۔ "آئیں مہاراج!" وہ پھر بولی اور اس کے بڑھ کر اس کے تخت پر پہنچ گیا۔ منو بام نے محبت سے انداز میں میرا ہاتھ پکڑ لیا تھا اور پھر وہ پیار بھری نگاہوں سے مجھے دیکھتی ہوئی اپنے سنگھاس کی طرف چل پڑی اور اس کا بڑا آہستہ آہستہ کنارہ چھوڑنے لگا۔ میں خاموش اس کے ساتھ اس کے نزدیک بیٹھ گیا۔

جھیل کے دیوان پہنچ کر پھر آہستہ آہستہ نیچے بیٹھنے لگا میرا خیال تھا اب وہ پانی میں غراب ہو جائے گا لیکن پانی کہاں۔ ہم تو کسی عمارت میں اترے تھے اور جس جگہ ہم اترے وہ ایک بہت بڑا ڈال تھا۔ اس کی سجاوٹ کا ذکر طویل ہو جائے گا بس یوں بکھلیں پروفیسر وہ بے حد متین فکری۔ منو بام کی طرح عجیبی رہی۔ وہ بے حد خوش نظر آ رہی تھی پھر اس نے میری طرف دیکھا۔ "ناج رنگ ہوگا مہاراج؟"

"جو رنگ چاہو" میں نے آہستہ سے کہا اور راج کنول نے ہاتھ بلند کر دیا اس کے بعد فحش شروع ہو گیا۔ وہ جادوگر کی ہوجھ کر دکھائی وہ کم تھا۔ ایسے ایسے حسین نقش و نگار کیسے گئے جو میں نے کبھی نہ دیکھے تھے۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ قص تو ان لوگوں کے دھرم کا ایک خیر و خفا نہ لڑکیاں اور حقیقت دنیا کے منتخب حسن کی مالک تھیں۔

خاصی رات گئے تک قفس و سرور جاری رہا۔ پھر منو بام نے ہاتھ اٹھا دیا۔ اب ہم آرام کریں گے۔ آؤ مہاراج! اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور اس کے ساتھ چل پڑا۔

چند ساعت کے بعد ہم ایک دروازے سے اندر داخل ہو گئے۔ منو بام کے ہونٹوں پر کامیابی کی سکرا ہوا تھی مگر رخ رنگ کے ایک چھپرے کا ہراس نے مجھے بھاریا اور خود میرے سامنے ایک جگہ بیٹھ گیا اب وہ عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ پھر وہ آہستہ سے بولی۔

"مہاراج!"

"ہوں!" میں نے بھی یونہی بے خیالی کے سے انداز میں کہا۔ "اس سے میں اس لیے خاموش ہو گئی تھی کہ داسیوں کے سامنے تم میرے سوالوں کو اپنا سمجھتے۔"

"کیا مطلب؟"

"میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں مہاراج!"

"ہوں۔ کہو۔ کیا کہنا چاہتی ہو؟" میں پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"تم بڑے ہی سندر ہو انوی، بڑے ہی من موزن، تمہاری صولت کچھ لوگوں پر قابو پانا بڑا ہی مشکل ہوتا ہے۔ پھر میری بات اوی ہے۔ میں عام عورتوں سے الگ ہوں۔ میں اندر باہر دونوں طرف دیکھتی ہوں اور میرے بہت بہت ضروری ہے مہاراج۔ تم تو بڑے ہی فحش تھے بڑے ہی گھوڑے تھے۔ تم کیسے ہو گئے؟"

"واقعی تو بہت چالاک ہے منو بام۔ لیکن خود تیرا کیا خیال ہے؟" "تمہارے بامے میں کچھ نہیں کہہ سکتی مہاراج! جس طرح میں عام عورتوں سے الگ ہوں اسی طرح سنساریں تمہارے لیے بھی کم ہوں گے۔ مگر ان کی سگند میں جسے چاہوں میرا داس بن کر جیون پٹانے پر تیار ہوں گے۔ مجھے دشواری ہے کہ تم نے مجھ سے پنہاں کیا ہے۔" "تیرا یہ خیال غلط ہے منو بام!" میں نے کہا۔

"کیا مطلب مہاراج؟" منو بام عجیب سے مجھ میں بولی۔ "بحیثیت عورت تو اتنی سندر ہے کہ کوئی ایک نگاہ مجھے دیکھ کر کمال ہو سکتا ہے۔"

"پر تم نہیں مجھے تھے،" منو بام نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہاں میں کمال نہیں ہوا تھا لیکن میں نے ہی دل میں تجھے اندر دھونے دیا تھا۔"

"پھر کھلے کیوں ہے مہاراج؟"

"پہلے تو میں نے سوچا کہ تو کیسے ہاتھ لے ال نہیں ہے میں نے تجھے پنہاں ضرور کیا تھا مگر تجھے حاصل کرنے کے سنے نہیں دیکھے کیونکہ تو واقعی اور میں ایک معمولی انسان۔"

"پھر جب میں نے تجھ سے کہا ہے منو بام۔"

"تب تو نے شرط لپی رکھی تو میرے لیے قابل قبول نہیں تھی۔"

"کہوں! تجھی تمہارے لیے مجھ سے زیادہ تھی؟"

"یہ بات نہیں منو بام، بلکہ تجھے معلوم ہے وہ کتنی بد نصیب لڑکی تھی۔"

"تو اس سے پریم بھی نہیں کرتا تھا بس مجھے اس سے بھڑی تھی اور پھر ہم کہہ کر دونوں تنہا رہے اس لیے میرے اتنے قریب آئی۔"

"پھر بھی تم نے میرے ساتھ بہت بلاسلوک کیا۔"

"مجھے آج بھی کافوس ہے اور تو نے مجھے نہ لڑائی تھی جس کی وجہ سے۔"

"مگر پھر تمہارا من ہم کیوں ہوا مہاراج؟"

"صاف بات ہے منو بام! میں تیرے طعنے سے نہیں نکل سکا اور یہاں تک کہ انسان سے بھڑی ہے مجھے تیری طرف جھکا یا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"تو نے انسان سے بھڑی ہے؟"

"سر نہ! وہ غریب زندگی سے بایوس ہو گیا تھا۔"

"تو میرا پر عراب بھی تمہارے من میں نہیں پیدا ہوا؟"

"پنہاں میں کتنا بھی کرتا ہوں پر نہیں کرتا۔" میں نے کہا اور منو بام سوچ میں ڈوب گئی پھر اس نے گہری سانس لیکر کہا۔

"یہ بھی بڑی بات ہے مہاراج کہ تم بھی بول رہے ہو لیکن اس بات کا بھی کیا ثبوت ہے کہ تم اس حد تک بک بول رہے ہو؟"

"میرا ایمان کرنا چاہتی ہے منو بام؟"

"نہیں مہاراج۔ صرف دشواری چاہتی ہوں۔"

"کیسا دشواری؟"

"یہی کہ اب تم من سے میرے پاس آئے ہو؟"

"یہ تیری بے وفائی ہے منو بام! مجھے بتا چکا ہوں کہ میں مجبور۔"

نیرے پاس آیا ہوں۔ تو نے کہا تھا کہ جب تمہیں میرے پاس آنا ہو تو کوئی دروازہ تلاش کر کے میرے پاس آ جانا کیا تو نے یہ بات اسی لیے کہی تھی کہ اس کے بعد تو میری بے بسی کا مذاق اڑائے؟"

"نہیں مہاراج! شام چاہتی ہوں اگر تم عام انسان ہوتے تو مجھے کوئی چندا نہ ہوتا۔ میں تو اپنے قمار کے لیے ہوجھنا چاہتی ہوں۔"

"مطلب کیا ہے تیرا؟"

"میرے ساتھ دھوکا تو نہیں کرو گے مہاراج؟"

"کیسا دھوکا؟"

"اب میں تمہیں کیا بتاؤں، منو بام! کسی حد تک اس بھڑی کافی دیر تک سوچتی رہی پھر بولی۔ مجھے عورت کی کھنکھان مہاراج، منو بام! منو بام! جاکچا ہے۔ اب وہ میرے قفسے میں نہیں ہے مہاراج۔ اب کچ بول دو من سے میرے ساتھ رہو گے یا۔ یا۔ دھوکا کرو گے؟ کچ بات بتا دو۔"

اور مجھے یہی گئی میں کئی سال اس کا ساتھ دے سکتا تھا طویل تر زندگی میں پہلی بار میں کسی کے سامنے بے بس ہوا تھا۔ صدموں کا غرور خاک میں مل چکا تھا میں سے معاف کر سکتا تھا لیکن میرے دست ستاروں نے مجھے گاہ کر لیا تھا! انھوں نے بتایا تھا کہ اس انوکھے علم کے سامنے میں کافی بے بس ہوں اور اس عورت کو کسی دوسرے طریقے سے زیر کرنا خاصا مشکل کام ہے۔

چنانچہ میں یہاں بھی اپنی فطری امیری سے کام نہیں لے سکتا تھا میں اس سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس سے نفرت کرتا ہوں۔ ہاں جھوٹی دہنای مناسب تھا۔ یہ اور بات ہے کہ میں خود کچھ وقت اس کے ساتھ گزارنا نہ کر سکتا تھا۔

"میں تجھے دھوکا کس طرح دے سکتا ہوں منو بام؟" میں نے کہا۔

"میں تمہیں تیار کی ہوں کہ میں تمہیں من سے چاہنے لگی ہوں۔ اگر تم میرے ہو گے اور پھر مجھ سے دُور جانے لگے تو۔ تو میں بن مروت معاویہ گی۔"

پھر میں تمہیں بھول سکوں گی مہاراج!"

"ان خیالات کو ذہن سے نکال دے منو بام!"

"تمہارے من سے کچھ کا خیال لے لیا ہے مہاراج؟"

"مجھے اس کے ساتھ ہونے لے سلوک کا دکھ ہے لیکن میں اس کا

عاشق نہیں تھا میرے لیے وہ ایک عام لڑکی سے زیادہ نہیں تھی۔ میں نے بول دیا۔
”اب بھی دیکھ ہے ہمارا ج“

”ہاں۔ اگر تو اسے ٹھیک کرنے تو ہم اسے کہیں دھڑکے دے گے جہاں وہ اپنی مرضی سے زندگی گزارے گی۔ مجھے پھر تیرے اوپر کوئی غصہ نہیں ہوگا۔“
”نہیں ہمارا ج۔ میں سو گندہ کھا کر گئی ہوں اب میں خود بھی اسے ٹھیک نہیں کر سکتی۔“ منو بولی۔

”ہوں۔“ میں نے ایک گہری سانس لی۔ ٹھیک ہے منو! تو نے ایک ایسی زندگی بردہ کی ہے جو جیسے کی رزومندی مچھلی سے جھلس بات کا پیشہ دکھ ہے گا۔“
”یہ نہ کہو ہمارا ج۔ میں آج بھی شادی کی بات نہیں کر رہی ہوں۔ میں اس کی مجال ہے جو اس چیز کو حاصل کرے جسے میں چاہتی ہوں۔ تم بھی کا خیال اس سے نکال دو۔ میں اس سے قریب و شواش کر سکتی ہوں۔“ منو نے بولنے کا انداز بدل گیا۔ وہ پھر فرعون کی گئی تھی۔ اسے پھر اپنی توجہیں یاد آگئی تھیں۔

اوپر وہ فیملی کا کیا انداز دیکھا جس کی محبت پر مائل کر سکتا تھا۔ بلکہ کہنا تو یہ چاہیے کہ میرے دل میں جو ایک خیال آیا تھا کہ میں اس حسین عورت سے دوہرا فائدہ اٹھاؤں یعنی بحیثیت عورت بلکہ بحیثیت ایک دلکش عورت، وہ میری آغوش کی زینت بنی بیٹے اور اس سے اس کا علم بھی ہے لوں لیکن یہ خیال اب بھی کوئی غلطی نہیں تھی۔ میں نے اس کا خیال اس کے الفاظ نے اسے ذہن سے بالکل مٹا دیا اور میں جو صدیوں سے خارج رہا تھا اور بیچ و تاب کھا رہا تھا اس عورت کے پراسرار علم پر اس علاقے کے جادوئی ماحول پر اور میں جو بے بس ہو گیا تھا سو میری بے بسی ایک عام بات نہ تھی میں چاہتا تھا کہ صدیوں کی کتاب سے ایک ایسے باب کو مٹا دوں جس میں میں نے ایک بے بس انسان کی زندگی کے خیر کی تھی، سو میں منو کا اس جادوئی گواہی سے موت مارنا چاہتا تھا جس سے میری عظمت کی عورت چمکتی رہیں اور انتقام کی سنہری روشنی جس پر دھند چھا کر تھی، حصول علم کی دھند پھر سے چمک اٹھی، تو میں نے سوچا کہ اس عورت اپنی حیثیت نہ بھولے مجھے لے گی بہت جلد سمجھ لے گی کہ تو اور تیرا علم کیا ایسے انسان کے سامنے اڑا ہے جو ہر جہے عظمت طاقت کا اور بالاتر تو منہ کے بل نیچے گسے گی اور اس کی گسے گی کچھ اٹھنا نصیب نہ ہوگا۔

رانی منو! ان آنکھیں جیسے میرے ذہن کو توڑ کر اندر داخل ہونے کی خواہش مند ہوں گویا وہ میرے چہرے کی کتاب پر طرہ پڑی تھی لیکن ان آنکھوں کی روشنی تیرے ذہنی سوچنے سے سوچا کہ اس بات جس میں میں نے واسطہ پڑا ہے وہ علم کی ایک غلطی گنبد نہیں چھپا ہوا ہے اس کی جہاں ساخت کمزور ہے لیکن گنبد مضبوط سماں گنبد کو توڑنے کے لیے قتل کے مضبوط چھیا در کا درہوں کے اور یہاں بھی لڑکی کی چال ٹھیک ہے کہ شیر کی ہڈی اس غلطی سے دیوار سے پڑنے ہوگی اس کو کوئی حرج نہیں ہے کہ دشمن کو زیر کرنے کے لیے غلطی کی گردن جھک جائے۔ گویا دشمن اپنے قدمے اور

تلوار کا کاری و اداسی وقت کا گروہ ہو سکتا ہے جب تھوڑا سا جھکا جائے۔ سو میں نے تسلی سے لی اپنے دل کو کہ کوئی ٹھیک ہے اور اپنے چہرے پر ایسے آثار طاری کر لیے کہ جیسے میں اس سے معزوب ہو گیا ہوں۔

”تم نے کیا سوچا ہمارا ج؟“
”مجھے تجھ سے زیادہ خوبصورت نہیں تھی منو! تو جانتی ہے لیکن مرد ہمیشہ عورت پر حاوی رہا۔ تو اگر مجھے اپنا غلام بنا کر رکھے گی تو میں خوش رہ سکوں گا لیکن اگر تو یہی چاہتی ہے تو ٹھیک ہے۔“

”میں یہ نہیں چاہتی ہمارا ج، میں بس یہ شوش چاہتی ہوں کہ میرا پرہیز صرف میرا ہے۔“
”تو پھر تو مجھ کو سہارے۔“
”یہ نہیں ہمارا ج۔“
”پھر کیا چاہتی ہے؟“
”ثبوت! منو نے کہا۔

”اؤ میرے ساتھ۔“ لیکن عورت نے کہا اور میری گہری سانس لیکر اس کے پیچھے چل پڑا۔ کچھ کم محنت عورت اب کی کل حلاق ہے۔ ویسے اس انوکھے ماحول نے میرے حواس کم کر رکھے تھے۔ کیسے ممکن تھا کہ ساری زمین کیساں ہو گئی ہو یعنی منو! مجھے لگا کہ روائے سے اندر گئی تو میں نے دیکھا کہ وہی سرنگ تھی جہاں میں پہلی بار آیا تھا پھر کا پتھر پلا بستی اسی جگہ موجود تھا۔

میں حیران رہ گیا لیکن اب حیرانی کی کون سی بات تھی کون سی چیز غلط تھی۔ یہ تو سارا ماحول ہی غلطی تھا منو! مجھے اسے قریب پہنچ گئی اور پھر وہ رکی اس نے بھی نگاہیں اٹھائیں اور مسکرا کر بولی۔
”یہ بخاری تھی ہے۔“

مجھے کو دیکھ کر میرے ذہن پر پہلی سی دھند چھا گئی منو! وہ رات یاد آئی جب وہ سم کہ مجھ سے پلٹ گئی تھی۔ بارش میں بھیگی جوانی ایک ایسی لڑکی جس کا بدن چٹکے شعلوں میں سلگ رہا تھا، میرے ہاتھوں نے اسے زندگی دے دی اور اس نے مجھے اپنا سب کچھ دیا۔
لیکن خیالات کے یہ سلسلے آسمان کے اس بادل کی طرح ذہن سے گزرتے تھے سو سوچ کے نیچے سے گزرتے تھے پناہ کا سا کس چھوڑنا ہوا آگے بڑھ جاتا ہے۔

میں ایک ہوشیار ناگ کے سامنے تھا اور اس کی تیز آنکھیں نماں میں پھر کھینچے بر خیال کو جاننے کی خواہش میں سو میری صدیوں کا تجربہ اس عورت کے ہاتھ تو نہ لگ سکتا تھا میں نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

”یہ بخاری تھی ہے ہمارا ج،“ منو نے دوبارہ طنز بے انداز میں کہا۔
”حق! اب نہیں ہے۔“
”مگر میں تو اب بھی اسے اسے کا پتھر بھتی ہوں میں تھکے ساتھ یہاں تنہا رہنا چاہتی ہوں کسی اور کا خیال بھی تھکے ذہن میں آیا تو مجھے

ادراشت نہ ہوگا۔“

”کیا مطلب؟“ میں نے لی ہی دل میں کھولتے ہوئے پوچھا۔
”میں بتا دیتی ہوں ہمارا ج! منو نے کہا۔ پھر وہ ایک طرف بڑھی اور پتھر کا ایک زنی گزرا تھا کہ میرے نزدیک پہنچ گئی اس نے گزیرے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔

”اپنے ہاتھوں سے لپٹی کے اس بُت کو توڑ دو۔“
تڑپ گیا تھا پر وہی سر گھومتا تھا کہ اب وہ ایک پتھر کے سوا کچھ بھی نہیں ہے! جان پتھر مسلم ہے باؤلٹ جانے لپٹی لپٹی کے پتھر نے نقوش اب بھی مسکرا رہے تھے اس امید میں کہ اسے پہلے کی مانند چلاؤں گا اسی طرح جس طرح اس کے لوگ اس کے کادیدہ شوہر کے ساتھ آگ میں جلا کر مٹی کرنا چاہتے تھے اور میں نے اس کا جیون بچا لیا تھا۔ آج اس کی آنکھوں میں امید کی وہ چمک نہ تھی لیکن سکون کی کیفیت ضرور تھی جس کی

لپٹ کو دیکھ کر پیدا ہو جاتی ہے۔
لیکن یہ صرف میرے جذبات تھے، میری سوچ تھی کتنی ہی لسانیں ان پتھر کی آنکھوں سے منسوب کرو دو صرف میری اختراع تھی۔ حقیقتاً پتھر بڑھتا۔

”کیا سوچ ہے ہر ہمارا ج؟“
منو! اواز نے مجھے چونکا دیا۔

”کچھ نہیں منو! ا!“ میں نے گہری سانس لیکر کہا۔
”مجھے کچھ پریم میں جہاں ہے کیا؟ منو! طنز بے انداز بولی۔
”نہیں منو! ا!“ میں نے لی ہی دل میں بیچ و تاب کھلتے ہوئے کہا۔

”سوچو! سوچو! میرے ذہن پر پہلی سی دھند چھا گئی منو! وہ رات یاد آئی جب وہ سم کہ مجھ سے پلٹ گئی تھی۔ بارش میں بھیگی جوانی ایک ایسی لڑکی جس کا بدن چٹکے شعلوں میں سلگ رہا تھا، میرے ہاتھوں نے اسے زندگی دے دی اور اس نے مجھے اپنا سب کچھ دیا۔
لیکن خیالات کے یہ سلسلے آسمان کے اس بادل کی طرح ذہن سے گزرتے تھے سو سوچ کے نیچے سے گزرتے تھے پناہ کا سا کس چھوڑنا ہوا آگے بڑھ جاتا ہے۔

”اؤ ہمارا ج!“ منو نے میرا بازو پکڑا اور ایک طرف لے گئی میں اس کے ساتھ ہٹا رہا تھا ایساں تک کہ وہ دونوں ایک ایسے کمرے میں پہنچ گئے جہاں میں پہلے بھی نہیں دیکھا تھا۔

”ہاتھ کے خوبصورت مجھ سے آواز سے عجیب غریب چیزوں سے گویا“ منو نے کہا کہ ہے۔“ منو نے ایک خوبصورت مہری پر بیٹھتے ہوئے کہا اس نے مجھے بھی بازو سے پکڑ کر اپنے ساتھ بٹھا لیا تھا۔
”میں اب تو کچھ نہیں دیکھ رہی ہوں اب تو کچھ بڑھتا تھا

وہ ہو چکا تھا“ مجھے سب کچھ بخول کر اس معزور عورت کے وجود کو ٹھانے کی کوشش میں مشغول ہو جانا تھا اور میں نے خود میں تبدیل پیدا کر لی۔
”پس نہ کیا ہمارا ج میرا کہو؟“

”بہت خوبصورت ہے۔“ میں نے مصنوعی مسکراہٹ سے کہا اور پھر جیسے میں نے چونک کر پوچھا! لیکن منو! ایک بات تو میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔
”کیا ہمارا ج؟“

”راجا ہی چند کو تھکے ہالے میں کچھ نہیں معلوم ہے۔“
”میں پسے ہوئی تباہی میں کڑوہ میرے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ میں جب تک جاؤں وہ راجہ ہے اور جس سے میں اس سے نظریں پھیر لوں اس کی حیثیت غلطی میں آوارہ پھر لے لے کتے سے زیادہ نہیں ہے۔“
”اس کا مطلب ہے راجا ہی چند صرف بخاری وجہ سے اجڑے۔“

”ہاں۔“ وہ غرور سے سینہ تان کر بولی۔
”وہ تم کے لیے بلے میں پوچھنا ہی نہ ہوگا؟“
”اس کی کیا مجال ہے ویسے میری شہی اسے کچھ سوچنے بھی دے گی۔“

”کیا مطلب ہے؟“
”منو! ا!“ منو نے خود اپنے آپ کو آواز دی۔ دروازہ کھلا اور ایک خوبصورت عورت اندر آگئی لیکن میں اسے کچھ کر دنگ رہ گیا کہ وہ ہو ہو منو! تھی۔ منو! منو! کرا کراؤ۔ رانی منو! نے اڑنے کی کوشش کی اور اڑنے والی منو! دروازے کی طرف مڑی۔

”تم سب اندر جاؤ!“ اس نے کہا اور میرا دل چاہا کہ سر کے بل کھڑا ہو کر تھکے لگاؤں۔ کمرے میں تقریباً بیس لڑکیاں اندر آگئیں اور ان میں سے کوئی ایک دوسرے سے مختلف نہ تھی۔ رانی منو! اگر خود مختلف لباس میں نہ ہوتی اور ان میں شامل ہو جاتی تو کوئی دیکھنے والی آنکھ یہ فیصلہ نہیں کر سکتی تھی کہ اصل منو! کون سی ہے۔

”اور دیکھو گے ہمارا ج!“ منو! مسکراتی ہوئی بولی۔ ”اگر تم چاہو تو اس لڑکی کی ہی کہ عورت صرف منو! کا روپ دھارے ہے۔“

”نہیں منو! ا!“ اس کا کافی ہے۔“ میں نے مٹھائی ہنستے ہوئے کہا۔
”جاؤ تم سب!“ رانی ہاتھ اٹھا کر بولی اور اڑنے والیاں مسکراتی ہوئی باہر نکل گئیں اس کم محنت عورت کی ہر حرکت میرے ذہن میں جیسے خیالات پیدا کر دیتی تھی۔ کاش یہ بری اور ناپسندیدہ نہ ہوتی، کاش میں اس کے لیے میں اچھے انداز سے سوچ سکتا تو اس کا یہ ادھکا علم کیسا دلکش، کیسا جیتا جاگزا تھا لیکن نہیں۔ وہ میرے لیے مجبور نہیں ہو سکتی تھی اس نے مجھے اس حد تک بے بس کرنا تھا کہ وہ لڑکی جس کی زندگی بچانے کے لیے میں نے بے شمار زندگیاں ختم کیں خود میرے ہی ہاتھوں ریزہ ریزہ ہو گئی۔
”کو کچھ بھی منو! ا!“ میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا۔
”نہ جانے تم کہاں کھو جاتے ہو ہمارا ج!“ منو! کے لیے میں جب تباہ

کی لڑائی تھی۔

”تھکادی اس سے بڑا وقت کے بالے میں سوچنے لگا ہوں منوہا۔
اب تک تو میں خود کو دنیا کا سب سے اٹھانٹا ہوا شخص سمجھتا تھا تو بڑی اونٹنی ہو۔
”کچھ بھی ہو میری، تمہیں تو جانتی ہی ہوں“ منوہا نے اسے کھسک کر بولی
اور میں نے محسوس کیا کہ اب عورت عقل سے خالی ہوتی جا رہی ہے اور اس پر
غضب لگانے کا بہترین موقع میری تو ہے لیکن ذرا ہوشیاری سے۔ عورتوں
کی بھی مختلف قسمیں ہوتی ہیں۔ بعض عورتیں ان اوقات میں مرد کو گھٹا سمجھتی
گتی ہیں اب صرف پاپائی اپنی سمجھ ہے کہ کون جنابت کے لیے ہیں بہرہ کر
گدھا بن جاتا ہے۔

سو پروفیسر اب تمہیں یہ بتانے کی ضرورت ہی نہیں کہ عورت کی حیثیت
عورت میرے لیے کیا تھی۔ صدیاں گواہ تھیں۔ میں نے عورت کا کون سا
روپ نہیں دیکھا سو یا حق جادو گرانی اپنے شمن سے مجھے کیا متاثر کر سکتی
تھی۔ ہاں لیکن اس وقت میری ذہانت کو اور جلا کی ضرورت تھی پنا پنا
میں نے بے اختیار ہونے کے سے انداز میں اسے اپنے بازوؤں میں سیٹ لیا۔
”ہاں! مجھے اپنی اس خوش بختی پر ناز ہے کہ سنا کر کی اتنی طاقتور
عورت مجھ سے پریم کرتی ہے۔“

چند ہی ساعت کے بعد منوہا اٹھال ہو گئی اس وقت اس کی
ساری قوت میرے شے میں تھی اور میں قدم بہ قدم اس کے گھر بڑھ رہا تھا منوہا کی
ساری کشتی میرے آتشیں بدن کے نیچے بگنی تھی اور اس کی سانسیں تیز
سے تیز تر ہوتی جا رہی تھیں۔ یہاں تک کہ منوہا اپنی ساری شخصیت بھول گئی۔
اب صرف وہ مجھے جانتی تھی اس کے بچنے کے لیے ہاتھوں سے صرف
انوی کا نام نکل رہا تھا اور پروفیسر اگر قبول کر تو اس حقیقت کو قبول کر لو کہ
وقت طور پر ہی سہی لیکن میں نے اس عورت کو فتح کر لیا تھا۔ جذبات کا طوفان
ڈھل گیا تو منوہا جاگ اٹھی اور حیران لگا ہوں سے مجھے دیکھنے لگی پھر اس نے
مجھے دونوں بازوؤں سے پکڑ کر اپنے نتھے سے سینے سے لگایا۔

”انوی ہمارا، انوی ہمارا، ایس بھاری داسی ہوں“ اس نے
سکھتے ہوئے لیجے کہا۔

”جلد بازی نہ کرو منوہا۔ خود کو روک کر تم کیا کہی ہو۔ ابھی تم ہوش
میں نہیں ہو۔ ہوش میں آؤ اور سوچو کہ میری کیا حیثیت ہے!“
”اب تو سننا صرف تم ہو انوی۔“ بے جھجھک میں تو ماری گئی۔
وہ دونوں طرف گردن جھٹکتے ہوئے بولی اور میں اسے غور سے دیکھنے لگا۔ انوی
انوی الجھنوں کے لیے اپنے من سے سارے کردہ نکال دے۔ تم مہمان
ہو۔ تم۔ انوی تم۔“

میں نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھا۔ ”ہوش میں آؤ منوہا تم بہت
جذباتی ہو گئی ہو۔“ میں نے کہا اور وہ عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔
پھر ایک گہری سانس لیج کر ہنسنے پر زبان پھیرنے لگی۔

”ہوش میں آؤ منوہا۔ اٹھو!“ میں نے کہا اور وہ میرا سارا لے کر

اٹھ گئی۔ وہ اب بھی گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔

”جس اب تھکے بالے میں کچھ نہیں کہوں گی جھگڑان کے لیے
مجھے شاکر کرو۔“ میں تم سے بے پناہ پیار کرنے لگی ہوں ہمارا ج۔ جھگڑان کی
سوگند اب تھکے بنا ایک بل بھی میرے جیون پر بھاری ہو گا۔“

”منوہا! تم خود اپنا پانا توڑ رہی ہو۔“

”کی ایسے کے سانس نہیں ہوا اس قابل نہ ہو، منوہا نے جواب دیا۔

”لیکن میں خود تو تم سے کتر سمجھتا ہوں۔“

”تمیں انوی۔ اب تم مجھ سے کم نہیں ہو۔ پر تم میرے ہوا اور

سدا میرے رہو گے۔“

”اس سے پہلے میں کسی کے سامنے بے بس نہیں ہوا تھا منوہا!“

”میں شرمندہ ہوں انوی۔ جو کچھ میں نے کیا اس کے یہاں کوڑا

”چونٹیک ہے۔“ میں نے گہری سانس لی۔ شکار جاں پر کھس گیا

تھا لیکن یہ تو میری کوشش تھی۔ اب اس سے مصالحت کا سوال ہی نہیں

پیدا ہوتا تھا ایسے فوری طور پر میں نے اس سے کچھ پوچھنا مناسب ہی نہ سمجھا۔

اور اس کے بعد پروفیسر منوہا بھی میرے لیے ایک عام عورت سے زیادہ نہیں

رہی۔ وہ صرف تمہاری کس ان لمحات کے لیے جینے لگی جب وہ میری آغوش

میں ہو۔ یہ قرب سے مجھ سے اور نزدیک لانا تھا۔

ویسے مجھے ای چند پر حیرت تھی اس بے وقت کو کب سے منوہا کی ضرورت

ہی نہیں تھی۔ ایک رات میں نے منوہا سے اس بلے میں پوچھ لی لیا۔

”منوہا! کیا امی چند کو معلوم ہے کہ میں تھکے پاس ہوں؟“

”نہیں انوی اسے کیا کسی کو نہیں معلوم۔“

”لیکن وہ تمہاری کسی نہیں محسوس کرتا ہے۔“

”تمہیں تو معلوم ہی ہے ہمارا ج!“

”کیا ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”میں نے تمہیں دکھایا ہے میرے کتنے روپ ہیں امی چند کے سامنے

سینکڑوں منوہا میں جا سکتی ہیں۔ اس پاگل کو تو فیر ہی نہیں کہ ان میں مل

کون ہے۔“

”کچھ ہی ہو منوہا، تھکے پاس انوکھے علم کا بیڑا سے قائل ہوں۔“

”پر میرے علم بھی تو مجھے تمہارا دیوانہ بنانے سے نہ روک سکا۔“

”وہ دوسری بات ہے۔“

”نہیں انوی۔ جھگڑان کی سوگند مجھے بتاؤ کیا تم سنا کے میرے

عجیب شش نہیں ہو جو کیا تھکے صبا کوئی دوسرا ہی ہو گا؟“

”اپنے علم سے پوچھو۔“

”میرے سارے علم اس بلے میں خاموش ہیں۔“

”تب پھر شاید تمہارا خیال ٹھیک ہو۔“

”میں تو ایک بات سمجھتی ہوں ہمارا ج!“

”کیا ہے۔“

”تھکے شری میں آگ ہی آگ بھری ہے اور آگ۔ آگ بیکساری
ہو یا ہم کو کشتی ہے تھکے شری میں آگ ہی میرے کو موم کو دیتی ہے اور
کے میرا علم میرا ساتھ نہیں دیتا۔“

میرے پسے بدن کی سستی دور گئی تھی شاید وہ مقصد مل ہو گیا تھا

اس کے لیے میں کسی مناسب موقع کا انتظار کر رہا تھا۔ ہاں شاید منوہا وہ بات

توڑ کر دے گی تھی جس کا میں انتظار کر رہا تھا میں نے یہ بات گویا میں باندھ ل

اور اس نے بے اختیار کمری تھی میں نے فوری طور پر اس کی تو جراس طرف

سے ہٹادی۔

”کیا سوچنے لگیں منوہا؟“

”کچھ نہیں ہمارا ج۔ بس تھکے بلے میں سوچ رہی ہوں۔“

”کیا سوچ رہی ہو؟“

”پتہ نہیں ہے میں نے مجھے معاف کر رکھی ہے یا نہیں؟“

”کی بات کی منوہا! بس تم نے شروع میں میرے ساتھ اچھا

لوگ میں کیا تھا لیکن خیر اب وہ پرانی بات ہے تم بھی اسے بھول جاؤ۔“

”تھکے بلے میں میرا علم کہیں خاموش رہتا ہے ہمارا ج؟“

”کیا مطلب ہے؟“

”کچھ۔ میں بڑی حیران رہ جاتی ہوں۔“

”کس بات پر؟“

”انوی ہمارا ج! سننا میں جتنے مشق ہیں ان کی رکھا میں ہوتی ہیں

دھاک پڑتی ہیں ان رکھاؤں کا پتہ میں کب جاتا ہے۔ پر تو دھاک پڑتی تھکے

بلے میں خاموش کیوں رہتی ہے؟“

”میں اس چیز کے بلے میں جانتا ہی نہیں تمہیں کیسے بتاؤں۔“

”اوہ! دھاک پڑتی تھکے منوہا! ایک شہد ہے۔ ہم اس میں مشق کی

رکھا میں تلاش کرتے ہیں جیسے تم ہو۔ میں دھاک پڑتی پر نہ پڑھتی ہوں

اور اس مشق کا نام نہیں ہوں جس کے بلے میں مجھے معلوم کرنا ہوتا ہے۔

دل کا چرسا پر آ جاتا ہے اور پھر وہ من کے سارے بھید گل دیتا ہے۔ اس

کا نام پر مشق نہیں آتا جو مرکا ہو یا پیدا ہی نہ ہوا لیکن مرنے

کا لہ لہ کا لہ لہ دوسرے طریقے سے بلایا جاسکتا ہے۔ ہاں وہ جو پیدا

ہی نہیں ہوا اور جس کا کوئی وجود نہیں ہے اس پڑتی کچھ بھی نہیں آتا اور

ہمارا ج! جھوٹ نہیں بولوں گی میں نے کسی بار پڑتی پڑتھکے من کا بھید

حالہ کی کوشش کی ہے مگر تم اس پر نہیں آتے، وہ الجھے ہوئے

ہوں بولی۔

اور میں نے دل ہی دل میں اس پڑتی کا شکریہ ادا کیا جس نے مجھے

بھلا دیا تھا۔

”کیا تم مجھے نہیں بتاؤ گے ہمارا ج! کیا لیا کیوں ہوتا ہے۔ وہ کون

کا وقت ہے جس نے تمہاری رکھا میں آکا ش میں چھپا رکھی ہیں؟“

”تم تم میرے بلے میں کیوں جانتا چاہتی ہو منوہا؟“

”چاہتی تو پہلے بھی پھر اب بات دوسری ہے۔ اب تو میرا تمہارا
ساتھ جیون بھر کا ہے اور اپنے جیون ساتھی کے بلے میں کون نہیں جانتا
چاہے گا۔“ منوہا نے حال کی سے کہا۔

”تمہارا بہت تو تمہیں معلوم ہے منوہا!“

”ہاں ہمارا ج! لیکن وہ باہر دوسروں کے لیے نہیں۔ لوگ تو

یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ ہمارا ج کے ساتھ جو جیون ہے وہ مسلسل

میں کون ہے۔“

”ٹھیک ہے لیکن تمہارا اپنا خیال میرے بلے میں کیا ہے؟“

میں نے پچھی سے پوچھا۔

”صرف ایک بات جانتی ہوں۔“

”کیا ہے؟“

”کوئی جتن سے ضرور کہاں چھپا کر رکھا ہے۔ دوسرا جتن ہے کیونکہ

میرا جتن بھی اس کا کھون نہیں لگا سکا۔“ منوہا اس کے ہونے بولی اور میں

ہنس پڑا۔ جتن منہ کی بات کر رہی تھی جتن کہیں کی بہر حال چند لمحے اسی

طرح گذر گئیں۔ پھر میں نے ایک طویل سانس لیکر کہا۔

”کیوں نہ منوہا! علم اپنی شش کے بلے میں ایک دوسرے کو بتاؤں

تم مجھے بتاؤ، تم کہاں تک ہوا میں تمہیں بتاؤں۔“

”میں تو اب کئی کتاب ہوں ہمارا ج تھکے سامنے۔ جو کچھ ہوں

تم دیکھ چکے ہو میرے ستر میرا جیون ہیں اور انہیں کے بل پر میں جیون کاٹ

رہی ہوں اور اپنی مرضی سے کاٹ رہی ہوں۔“

”ہوں میری بات دوسری ہے منوہا!“

”کیا ہے؟“

”شاید تمہیں بتا چکا ہوں کہ میرا دھرم وہ نہیں ہے جو تیرا ہے۔“

”ہاں! تم بتا چکے ہو ہمارا ج!“

”نہ میری کشتی دھبے جو تیری۔“

”میں نہیں سمجھتی ہمارا ج!“ منوہا نے میری جانی سے کہا۔

”میرے پاس کوئی منہ نہیں ہے نہ ہی میرے پاس کوئی شکستہ ہے

سو لاس کے کہیں تمہاری مانند نہیں ہوں۔ دھرم کے بلے میں میں

کہہ چکا ہوں میرا کوئی دھرم نہیں ہے میں تو صرف کھنے والوں میں ہوں!

جو صدیوں سے بدلتے اور دیکھا آ رہا ہوں میں نے دھرم بھی دیکھے ہیں۔

کچھ ایسے دھرم جن کے پروان کے سچے اصولوں پر چلتے تھے کچھ ایسے جن

کے دھرم تو اچھے ہوتے تھے لیکن ان کے ماننے والے بڑے۔ سو میں تو دیکھنے

والوں میں سے ہوں۔ ہاں میری ماہیت تم سے جڑا ہے۔ منوہا اب بات جب

سجائی کی ہے تو کچھ سنو اسے ماننا نہ ماننا تمہارا کام ہے کیونکہ انے اوقات

سب بڑا گواہ ہوتا ہے اور مجلس گواہ کی کست رفتاری سے کوئی شکایت

نہیں ہے۔ سو میں نے پہلے ہی ایسے ہی زندگی گزار دی ہے۔ بلاشبہ تم اپنے علم

کے ساتھ دوسروں سے کچھ مختلف ہو لیکن مختصر حد کے اندر میں تھکے بدن

کے حال میں ایک طویل عرصہ گزار سکتا ہوں لیکن وہ عرصہ تھا کہ اس لیے طویل ہو گا میرے لیے نہیں۔ تو دوسری جہاد کو اٹھائے اندر تبدیلیاں آجائیں گی لیکن میں یونہی رہوں گا پھر حرم زمیں میں واپس چلی جاؤں گی اور کسی کسی اور جہان کی تلاش میں۔ سو یہی فرق ہے میری اور فطاری شکستیں۔ اگر تم مجھ اپنے شیعہ کی مثال میں پھاڑتی رہو تو میرے لیے کوئی فرق نہیں۔ ماں فرق اس کے لیے تھا جو چھ لکھا۔“

اس کے شمعے زندگی بجھتے ہیں۔ ہاں اس کے لطیف شعلوں کا جوہر میرے بدن کے مسامات کو زندگی کی حرارت بخشتا ہے۔ کیا تمھاری دوستی گمراہ مسندوں سے بھی نہیں ہے؟“

عوارض کو شش کرتا تو وہ اپنے بدن کو مچل کر روشنی میں تبدیل کر سکتی تھی اور یہیں اس روشنی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا لیکن ایک بات، صرف ایک والا یہی تھی میں، اگیا تھا جو اس نے نادانستگی میں افشا کر دیا تھا۔

باپ بھی جانتا تھا اور انتقام کی آگ میں جل رہا تھا لیکن وہ خاموش رہا۔ اور جب باپ بڑی تیرہ سال کی ہو گئی تو اس کے باپ نے اس کی ماں سے انتقام لیا اور باپ بڑی نام نہاد باپ یعنی اس شخص کی ہوس کا نشانہ بنی، اور اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے

میں ادھر کچھ جانا چاہیے۔

لیکن منورہ خاموشی سے مجھے گھورتی رہی، اس کی آنکھوں کا رنگ اب ہلکا گلابی ہو گیا تھا اور چہرے پر کسی قدر خوف کے آثار نظر آتے۔ آہستہ آہستہ وہ پُرسکون ہو گئی۔

”اگر اٹھنا ہے تو رات میں آہستہ سے سکرانی۔“

”اوہ۔ اب تو کوٹ بدل رہی ہے۔“ میں نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

”کیا مطلب؟“

”بیکار بات ہے۔ تو میری بات کا مطلب خوب جانتی ہے۔“ میں نے کہا۔

”دل میلانا کرو انوی! میرا لہر ان ہونا لازمی تھا؟ منو مانے کہا۔“

”صرف حیران ہونا کس کی؟“

”میں نے تمہارا استادوں کا علم مان لیا ہے۔“

”شکر ہے۔“ میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

”اور خوب ہے جھگوان کی سوگند خوب ہے۔ میری یہ کہانی اب اتنی

گہری دفن ہو گئی ہے کہ کوئی اسے نہیں جانتا لیکن اب تم جاننے والے ہو گئے ہو۔“

”تیرے اوپر اس سے کیا فرق پڑے گا؟“

”کوئی نہیں مہاراج! تم جانتے ہو نہ میں میری ٹھٹھی میں ہوتی ہیں۔“

”ہاں! اچھی طرح۔“ میں نے ہنوتے جواب دیا۔

”پھر بھی مجھے خفا نہیں ہے میری کہانی جاننے والا کوئی نہیں ہے۔“

”بیشک! بیشک! میں نے گون ہلائی۔ لیکن منورہ کے چہرے سے خفا

ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بے ایمان ہو گئی ہے۔ اسے اب سکون نہیں رہا ہے۔

”چلو مہاراج! یہاں سے چلیں۔“ اس نے کہا۔ ”اب میں تمہیں کچھ آسمان

کی چھت کے نیچے نہ آنے دوں گی، یہ سنا ہے تو بہت بُری باتیں کرتے ہیں۔“

”اوہ، تو تم مجھے اپنے طلسم خٹنے کی قید کر دو گی؟ میں نے پوچھا۔

”قید۔ جہاں میں تمہاری سیوا کے لیے موجود ہوں تم اسے قید خانہ سمجھتے

ہو۔“ اس نے غیورانہ انداز میں کہا۔

”سنو! کلاٹ نہ مجھے آواز دی۔“ اور وہ دھڑکھڑا۔ ادھیر نے آسمان کی

طرف دیکھا۔ ”اتنی عورت چال چل رہی ہے اس نے اپنے دل پر پتھر رکھ لیا ہے۔“

”کیا مطلب؟“ میں نے پوچھا۔

”اب وہ تمہاری موت کی خواہاں ہے۔“

”اوہ۔“ میں نہیں پڑا۔ ”اور کیا وہ کامیاب ہو جائے گی؟“

”میرے اس سوال پر ستارہ ہنس پڑا۔“ یہ کیسے ممکن ہے؟“

”پھر؟“

”تم اسے اس کی کوشش سے باز نہ رکھ سکر گے۔“

”کیا کرے گی وہ؟“

”تمہیں تمہارے دواؤں سے مارے گی۔“

”یہ؟“

”تمہیں آگ میں جلا کر خاکستر کرے گی۔“

”نہیں!“

”تب پھر اس میں تمہارا کیا قصور؟ حالات ہی ایسے تھے اور تمہیں نوب اس کا ضرور ملنی چاہیے۔ ظاہر ہے میں کسے تمہارے بالے میں بتانے جا رہا ہوں اور اس کو بتانے سے تمہارا نقصان بھی کیا ہے۔ کوئی تمہارا لگاؤ بھی کیا سکتا ہے؟“

”کیوں نہیں کیوں نہیں۔“ منورہ نے مجھ سے نگاہیں ملائے بغیر کہا۔

”لیکن انوی! کسی دوسرے کے کانوں تک یہ بات جانا بیسے اچھا بھی نہیں ہے۔“

”آخر کیوں؟“

”اوہ۔ میں یہ نہیں بتا سکتی۔“ وہ جھلک کر بولی اور پھر شعل کی سرکھٹنے

”لیکن مجھے پریشانی نہیں ہے کیونکہ تم بہر صورت قابل پھر ہو۔“

”ہاں! ہاں منو! اور اب تو تم جانتی ہو کہ میں تم سے بے پناہ محبت

کرتے ہیں۔“ بات میں تمہارا نقصان ہو میں وہ کیوں کرنے لگا۔

”منو! اپنی ذات کی کیفیت عجیب سی تھی لیکن اس نے بڑی حد تک اسے

بھٹکانے کی کوشش کی اور پھر خود کو لاپرواہ ظاہر کرنے کے لیے دھڑکھڑکی

”اس نے کہنے لگی۔ میں بھی دوبارہ اسے اس موضوع پر نہیں لایا تھا۔ اب اتنا بھی

امنی نہیں تھا۔ پھر لیکن جلد باز عورت تھوڑی دیر میں رگ نہ کی کہنے لگی۔

”ستاروں سے تمہاری یہ دوستی بڑی انوکھی ہے۔“

”ہاں! لیکن وہ قابل اعتماد دوست ہیں۔ ہمیشہ کچھ کہتے ہیں۔“

”کون ملے گا اس بات کو؟“

”تم نے مانا۔“

”ہاں! میں تو مان گئی اور اس بات پر حیران ہوں کہ تمہاری یہ شگفتگی

میرے بہت کمزور ہوں پھر یہی ہے کہ انوی! مہاراج! تم نے اگن والی جو بات کی

ہے وہ کی طور میں سے نہیں نکلتی۔“

”اچھا! میں نے سنا کہ تمہارے ہونے کہا۔“

”ہاں! اتنم خود ہی بتاؤ اگن تو سارے منتر بھیم کر دیتی ہے اس کے

اندیش کے پاس نہ شرم ہے نہ جانتا ہے اور نہ ہی لگھکتی۔“

”ٹھیک ہے منورہ! لیکن میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ میں نے یہ شگفتگی

ملاؤں سے نہیں حاصل کی۔ مسئلے صدیوں سے زمین دیکھ رہے ہیں۔ ان

کی ناکا ہوں میں زمین پر بسنے لگے کہ تمیں اور پھر دھول میں مل جاتے ہیں گویا

صدیوں کی کہانی ان کے سامنے لکھی جاتی ہے اور زمین پر پتھر سے حروف ان کی

لکھائی کے سامنے یہ معدوم ہو جاتے ہیں لیکن میں زمین کے اوپر صدیوں سے

اس کا ساقی ہوں۔ وہ مجھ پہنچاتے ہیں اور مجھ سے اسیت کہتے ہیں۔“

”تمہاری یہ بات بھی عجیب ہے۔ تم نے کئی بار کی گہری سمجھ بھائی۔“

”کون سی بات؟“

”یہی کہ تم امر ہو۔“

”ہاں! یہ بھی سمجھنے کی بات ہے۔“

”کیا تم نے امرت جمل پیلا ہے مہاراج؟“

”نہیں! ایک کوئی بات نہیں ہے۔“

”پھر کیا بات ہے؟“

”میں خود بھی نہیں بتا سکتا۔“

”اچھا! ایک بات بتاؤ۔ تم نے زمین کے سارے کونے دیکھے ہیں؟“

”یہ تو نہیں کہہ سکتا لیکن جب زمین وجود میں آئی ہے تب سے میں

اس پر بوجھ بنا ہوا ہوں۔“

”بلنے! ام! اتنم تو صدیوں بڑھتے ہو۔ منو! اس پر پڑی۔“

”یہی سمجھو۔“

”پرلے سنہ! اتنے جوان! آخر کیسے؟“

”بس! اس بلے میں میں کیا کہوں۔“

”اور وہ اگن والی بات؟“

”وہ بھی ستاروں سے مختلف نہیں ہے۔ تم جانتی ہو اگن! پانی پویشی

یہ بھی صدیوں سے لہریں اور اگن نے ہمیشہ قوت بھٹکنا ہے! پانی میرے بدن سے

مانوس ہے اسی طور پر میں۔ تو دوست تو دوستوں کو نقصان نہیں پہنچایا

کرتے۔ یہ سب میرے صدیوں کے ساقی ہیں۔“

”میں اب بھی نہیں مانوں گی۔“

”اس سے زیادہ میں کیا کہوں کہ تم ستاروں کی بات مان چکی ہو۔“

”وہ سب کچھ تو میرے سامنے ہوا۔“

”جس جس بات میں شہر ہو اسے آزماؤ۔“

”سچ؟“ منورہ نے کہا۔

”ہوں ہوں۔“ میں نے طنز پر انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ جلدی

کہنے سے اتنی عورت بوجھ میں ہے اسے کہنے کے لیے یوں گھٹا پھل چڑھ کر

کرتی ہے۔

”میں تمہیں آزماؤں گی مہاراج!“

”جتنی بار چاہو۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

یوں منورہ بالآخر اپنے ارادے میں کامیاب ہوئی گئی یعنی وہ کچھ کہنا

چاہتی تھی میں نے اس کے لیے آسان بنا دیا اور پھر اسے پورا پورا موقع دیا کہ وہ

کچھ کہنا چاہتی ہے سکون سے کہے۔ ہاں رات کو وہ میرے پاس ہوتی تھی

اور پھر لیٹر پر کہنے کے بعد میری عورت مصمم ہو جاتی ہے۔ نہ بھی تو مجھنا

یہی چاہیے اور اس کا اظہار بھی کرنا چاہیے کیونکہ وہ بہر حال فروزہ ہے۔

سنو! ماکو ایک رات بھی یہ احساس نہ ہو سکا کہ میرے دل میں اس کی

طرف سے کوئی بات ہے۔ ہاں! آخری رات خود منورہ ہی پریشان تھی! بس رات

بستر پر بھی اس کے جذبات سر دے اس کا ذہن سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا۔

غالباً میرے غم البدل کے بلے میں سوچ رہی تھی یا پھر ممکن ہے اس کے ذہن

میں کوئی اور خیال ہوا یا پھر وہ میرا نقصان کرنے کو تیار نہ ہو کیونکہ بہر حال وہ

مجھ پسند کرتی تھی لیکن فیصلہ کچھ ہوا اس کا اعلان اس نے اس رات کی

”ہاں! یہ بھی سمجھنے کی بات ہے۔“

”اگن منڈل تیار ہو گیا ہے مہاراج۔ اب بھی سوچ لو جو کچھ تم نے کہا ہے وہ ٹھیک ہے، کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ تم نے سنا ہی ہو جائے؟“ اور مجھے جلائے؟ میں نے سنا تو نہیں تھا۔

”ہاں ہاں منڈل کی بات اور ہے۔ آکاش پر چلتے چرائے ہوئے کتے مالک ہوتے ہیں لوگ ان دیوی کے کشتی ہے۔“

”دیکھیں گے بھی اس کی دوستی میں کوئی فرق آیا کہ نہیں؟“ میں نے کہا اور پھر میں نے ان جملوں کا رد عمل منڈل کے چہرے پر دیکھا۔ یوں جالو ایک کھلی کتاب تھی جس کا ہر صفحہ صاف نظر آ رہا تھا۔ ”حق انسان ایسے شک تیرے بعد مجھے تعجب ہیساں نہ گاہا۔“

”ہاں ہاں تیرے بدن کی گرمی میرے وجود کو بچھا دیتی ہے۔“ ہاں تیرا اس آکاش کی سیر کر دیتا ہے لیکن اس سے جی اہم اس دھرتی کی بات ہے۔ جیون ہی نہ رہتا تو جیون کے دوسرے لوگ کہاں رہیں گے۔ میں تو بھل جانے لگا تو نہ ہی تھے سے کچھ سمجھ لیکن تیری موت تھے آواز نہ رہی ہے تو میں تجھے کیسے روکوں گی۔ لیکن تیرے تیرے ہیرو بھی تو ہو سکتے تھے۔ انھوں نے تجھے نہیں بتایا کہ انی منڈل کا کچھ چٹا کونہ جانا چاہیے جو اس کے بائیں میں جان لے گا لے زندہ رہنے کا کوئی دھوکا نہیں؟

”میں نے لے لیا؟“ دیوی منڈل انغم غلط سوچ رہی ہو میں نے سوچ ہی کہا کہ آگ میری دوست ہے اور یہ کتنی ستاروں کی آوازیں تلاش کر دینا چاہیے تھا۔ تو تم نہیں سن سکیں لیکن تم نے جیون کی حقیقت تسلیم کی اور جو کچھ انھوں نے کہا میں نے لے لیا۔ وہ کاسٹ تھیں بتا دیا لیکن دیوی جی رہی نہ جوت کی عورت اس تارے کے کچھ اور بھی تو کہہ سکتے تھے۔ جب وہ تھا اباضی اندھے کیزی سے نکال سکتی ہیں تو کیا وہ تھکے من کی بات مجھے نہیں بتا سکتے، ہاں آکاش تھکے من تھکے ایسے دست ہوتے جیسے کہ میرے دست ستارے۔ سو

تھیں بھی آئے لے وقت کے بائیں میں کچھ معلوم ہو جاتا۔ یوں تم دھوکا کھا گئیں نادبوی منڈل۔“

”تو پروفیسر نے طبع منڈل دیوی مجھے اس اگن منڈل کی جانب جواس نے نہ جانے کتنی محنت تیار کر لیا تھا۔ اور دیکھا میں نے وہ آتش لگا کر جس کے نوٹے بار بار میری نگاہوں میں آتے تھے کتنی مہر کے یوں لگوں میں کبھی ہریان کے مہدوں میں اور کبھی بابل وغیرہ کے مہلات میں۔ سو سب نے ایک ہی

گوشش کی تھی کہ آگ اتنی تیز کیوں اتنی بلند کیوں کہ شعلوں کا پیٹ اور ان کی بلندی وسیع سے وسیع تر ہو جائے۔ وہ چہنچہن جو جلتے والوں کے حلق سے آزاد ہوں آگ کی تیز جھنجھٹ میں گم ہو جائیں نہ دھواں اٹھے نہ جھلنے ہوئے گوشت کی بدبو کہ ذہن کو پرانہ بھی کرتی ہے اور سرخ غراش بھی ہوتی ہے۔ یعنی جوں ہی مجھ جیسے جگہ کا انسان اگن میں داخل ہوا آگ کی زبانیں اسے اس طرح لپک لپک جیسے کوئی پیسا بڑا سا جانور پانی کے ایک قطرے کو۔ تو میں نے دیکھا وہ آتش کہ جس میں میری روح کی بابلنگ سلگ بھی تھی اور شہر اٹھادی ہونے لگا میرے عصا، پڑ کر بھی اٹھ منڈل اور شہر غراش میں کلاس کاراز

چند لمحات کے بعد شعلوں کی آغوش میں سوجا گئے۔ وہ زبان کو کھینچے بدل جلنے لگی جو اسے آتشا کرتی ہے۔

شعلوں کی تپش دور دور تک پھیل رہی تھی لیکن ناک دیوی منڈل اس آخری وقت میں اتنی دھڑک میرے ساتھ آئی جہاں تک اس کے علم اس کے تن کی حفاظت کر سکتے تھے لیکن پیش سے اس کا برا حال تھا۔ اس نے گویا والو ایسے نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور میرے تاسف کیا کہ اسے احمق انسان دیکھ ستاروں کی دوستی تھے کہاں لے آئی۔ شاید یہ دلیل تھی کہ میں نے بھڑا اور شاید منتقل میں ہوئے مان کا راجہ تو ہی بن جاتا، ہاں میری ایک مہربان چہنچہن یہ کام جس قدر آسانی سے کر سکتی ہے تجھے اس کا اندازہ بھی نہیں ہو گا لیکن افسوس تو اس قدر جانتا ہے جس قدر کسی ذی روح کو نہیں معلوم ہونا چاہیے میں تجھے زندگی کس طرح دے سکتی تھی۔ ناممکن۔ تیرے لیے زندگی کی طور مناسب نہیں ہے۔ ہاں تیرے لیے زندگی کی طور مناسب نہیں ہے۔

”ہاں وہ احمق ہی سوچ رہی تھی کہ اب زندہ رہنا میرے لیے ناممکن ہے۔ اس نے میری جانب دیکھا اور مسکرایا۔ میں بھی مسکرانے لگا تھا۔

”انہی مہاراج؟“ وہ کسی قدر طنز پر انداز میں بولی۔

”مہاراج منڈل؟“ میں نے پیار بھرے لہجے میں کہا۔

”اگن تھاری متر تھاری صدیوں کی ساتھی۔ کیوں۔ یہی اگن ہے یا تم کسی اور آگ کی بات کر رہے تھے؟“

”منا کی بات کر رہے تھے؟“

”منا کی بات کر رہے تھے؟“

”منا کی بات کر رہے تھے؟“

”منا کی بات کر رہے تھے؟“

”منا کی بات کر رہے تھے؟“

”منا کی بات کر رہے تھے؟“

”منا کی بات کر رہے تھے؟“

”منا کی بات کر رہے تھے؟“

”منا کی بات کر رہے تھے؟“

”منا کی بات کر رہے تھے؟“

”منا کی بات کر رہے تھے؟“

”منا کی بات کر رہے تھے؟“

”منا کی بات کر رہے تھے؟“

”منا کی بات کر رہے تھے؟“

”منا کی بات کر رہے تھے؟“

”منا کی بات کر رہے تھے؟“

”منا کی بات کر رہے تھے؟“

”منا کی بات کر رہے تھے؟“

”منا کی بات کر رہے تھے؟“

”منا کی بات کر رہے تھے؟“

”منا کی بات کر رہے تھے؟“

”منا کی بات کر رہے تھے؟“

”منا کی بات کر رہے تھے؟“

”منا کی بات کر رہے تھے؟“

”منا کی بات کر رہے تھے؟“

”منا کی بات کر رہے تھے؟“

”منا کی بات کر رہے تھے؟“

”منا کی بات کر رہے تھے؟“

”منا کی بات کر رہے تھے؟“

”منا کی بات کر رہے تھے؟“

”منا کی بات کر رہے تھے؟“

”منا کی بات کر رہے تھے؟“

”منا کی بات کر رہے تھے؟“

”منا کی بات کر رہے تھے؟“

”منا کی بات کر رہے تھے؟“

”منا کی بات کر رہے تھے؟“

”منا کی بات کر رہے تھے؟“

”منا کی بات کر رہے تھے؟“

”منا کی بات کر رہے تھے؟“

”منا کی بات کر رہے تھے؟“

”منا کی بات کر رہے تھے؟“

”منا کی بات کر رہے تھے؟“

”منا کی بات کر رہے تھے؟“

”منا کی بات کر رہے تھے؟“

”منا کی بات کر رہے تھے؟“

”منا کی بات کر رہے تھے؟“

”منا کی بات کر رہے تھے؟“

”منا کی بات کر رہے تھے؟“

”اوہ پھر“

”پھر کلاٹ لے لہا کہ منوٹا سوچ رہی ہے کہ تھکے جھوٹ سے ہی تھکے جہن کا خاتمہ کیا جائے اور پھر اس نے کہا کہ تھکے لیے ضرور اگلی منزل تیار کر لے گی تو یہ سب کچھ میرے لیے آغا نہیں تھا منوٹا!“

”اوہ!“ منوٹا تھک کر نکل رہی تھی۔
”لیکن میں نے سوچا کہ عرصہ ہے منوٹا کو یہ بھی کیا جائے۔
حالانکہ میرے دوست ستائے اس سے پہلے بھی مجھ سے بہت کچھ کہ چکے تھے۔“

”کیا؟“ منوٹا نے سرسرا کر آواز میں کہا۔
”ان دنوں۔ ان دنوں منوٹا، جب میں تھکے طلسم کے تنگی میں بھٹک رہا تھا، ایک رات میں نے اپنے دوستوں سے ملاقات کی اور بڑا ہی شریڑ بڑا ہی چالاک ہے کہ کلاٹ بھی تو نہیں تو آئی عود تاجا ہے کس۔ اس نے کہا منوٹا کو شکست دینے کے لیے ضروری ہے کہ اس سے دوستی کر لی جائے۔“

”پھر پھر انہی؟“
”اور میں نے اس کی بات مان لی اور وہ پہلا دروازہ جو تم تک آنے کا ملا، میں اسی سے اندر داخل ہو گیا۔“

”تو۔ تو انہی تم۔ تم مجھے شکست دینے آئے تھے؟“

”ہاں منوٹا، اس کے علاوہ اور کوئی ترکیب نہیں تھی کلاٹ نے

مجھے بتایا تھا کہ اگر تھکے مشروں کا ٹوڑ ہے اور میں نے تھیں تھکے ہی

داؤسے ملنے کا فیصلہ کر لیا لیکن۔“

”لیکن کیا منوٹا کا سانس پھوٹنے لگا۔“

”تم میرے ہی کو بھاگتی تھیں منوٹا۔ تم میرے منہ میں تھکاری

منہ کے حال میں چھس گیا۔“

”اوہ!“ منوٹا کے ہر منٹوں پر سکون کی مسکراہٹ پھیل گئی۔

”بالآخر تم مجھے یہاں تک لے آئیں تم تو مجھے مردہ سمجھ کر ہو گئی منوٹا؟“

”ہاں انہی لیکن۔“

”میں نے تم سے کوئی جھوٹ نہیں بولا منوٹا۔ اور بالآخر۔ وہ

وقت آ گیا جب میں نے کلاٹ کی بتائی ہوئی ترکیب چل کر لے کر فیصلہ کر لیا۔“

”کون سی ترکیب؟“ منوٹا نے بھونک کر پوچھا۔

”یہی کہ تھیں تھکے داؤسے مارا جائے، اچانک میں نے منوٹا

کو بازوؤں میں اٹھالیا منوٹا کے چہرے پر ایک بار پھر وحشت نمودار ہوئی

لیکن دوسرے لمحے میں نے آگ میں پھلاں لگا دی۔

منوٹا کی جھجکی سی تھی جیسے بے شمار روجوں نے مل کر چینیوں

ماری ہوں اس نے میری گرفت سے نکلنے کی زبردست جدوجہد کی اور اگر

وہ میری گرفت نہ ہوتی تو محال تھی کسی کی جوتے بوجے رکھتا اس کے بدن

میں کسی طاقتور جینے کی قوت تھی۔ آگ مسک کر دوست تو نہیں ہو سکتی تھی

اس نے منوٹا کے بدن کو لپیٹ لیا اور دھماکے سے گئے۔ یوں گے ہاتھ جیسے

آتش گیر مادہ پھٹ رہا ہو۔ آگ کے شعلے بلند ہوئے تھے اور میں سرست سے

قہقہے لگا رہا تھا۔

منوٹا کی آواز پھٹ کر بھاگ رہی تھی۔ اب اس کے بدن میں کوئی سکنت نہیں رہی لیکن ایک بات میں نے محسوس کی تھی اس کے بدن کا گوشت جلنے کی کوئٹھیں بھیل رہی تھی اس کے اندر خال سیاہ ضرور ہو گئے تھے لیکن مع نہیں رہے تھے پھر وہ جان ہو گئی اور میں نے اسے چھوڑ دیا۔

پھر مجھے لگا جیسے باہر کی دنیا میں زلزلہ آ گیا ہوتا ہے جوں میں ہل رہی تھیں۔ آگ بھی اس سے متاثر ہو رہی تھی میری توجہ ہٹ گئی اور میں بتی ہوئی زمین پر غور کرنے لگا۔ تبھی اچانک مجھے کچھ عجیب سی آوازیں دیں۔ میں نے

چونک کر دیکھا منوٹا کا سیاہ جسم اس جگہ سے اٹھا اور پھر اس کی آواز سنائی دی

”پاپی۔ پتھلیکے۔ ٹوٹے۔ ٹوٹے۔“

”کامیاب ہو گیا۔ ٹوٹے۔ ٹوٹے۔“

”میرے الی نہیں ہوں۔ میری آتما۔ میری آتما جو تم پر پہنچا ہے۔“

جہاں بھی ملے گا میں تیرے پیچھے ہوں گی۔ میں۔ مجھے ایسے ایسے چرکے

دونوں کی کہ تو مجھ کو بھرا دے گا۔ کٹھن۔ مجھ سے غلط ہو گئی۔ میں تیرے

جال میں پھنس گئی۔ میں تیرے پر جال میں پھنس گئی۔ ورنہ۔ تو تو مجھ کو بھی

میرے اوپر ہاتھ نہیں ڈال سکتا تھا۔ اور پھر سیاہ چڑیل آگ سے نکل کر بھاگ گئی

میں سرکھاتا رہ گیا تھا۔ واہ۔ واہ۔ یہ تو کربھی زندہ ہے۔ خوب

ہے یہ کالا مادہ بھی۔ میرے جی اٹھ کر بھاگ رہا ہے۔

لیکن میرا برا نقصان ہو گیا تھا۔ وہ ہاتھ سے نکل گئی تھی اور میں اس

کے اس آؤکھ علم کے بلے میں کوئی خاص بات نہیں جان سکتا تھا۔ بہر حال

آگ سے اچھی طرح سیراب ہو گیا تھا اس لیے باہر نکل آیا لیکن واہ۔ باہر کی

دنیا بھی خوب تھی۔ بس آتش کو تھوڑا اور اس کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ دودھ

تک کسی عمارت کا وجود نہیں تھا۔ ہر چیز نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تھی۔ سب

کچھ غائب ہو گیا تھا اور نہ جانے یہ کون سی جگہ تھی۔

میں نے ایک گرمی ماسا لی۔ بدن پر لباس بھی نہیں رہا تھا لیکن

لباس کی پڑا کہے رہی تھی۔ مجھے تو یہ تو دن کی لباس ہی پسند تھیں۔ دنیا والا

کی خوش تھی جس کے لیے لباس پہن دیتا تھا مگر اب رُخ کس طرف کا لیا تھا

کیا میرے مان کا وجود بھی مٹ گیا ہے؟

لیکن تھوڑی دیر میں نے بعد ہی اس خیال کی تردید ہو گئی۔ دودھ

بلند و بلند نظر رہا تھا۔ منہ پر نہ بہت بلند تھا اس لیے دور سے ہی نظر آ جاتا

تھا میں نے اس طرف کا رخ کیا لیکن بہر حال منہ تک جانے کے لیے آباوی

سے گزرا نہ ہوا تھا اور آباوی کا پہلا شخص ایک بوڑھا آدمی تھا۔ میں اچانک

اس کے سامنے آ گیا تھا۔ بوڑھا مجھے کچھ کہتا رہا۔ گویا۔ پھر اس نے بے رحم

”راہ۔ کہہ کر دونوں آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیے۔

”اے۔ اے۔“ تھاری آنکھوں کو کیا ہو گیا ہے میاں؟“

”اے تم تنگ ہو ماراج۔ کیا مگر پھر گیا ہے؟“ بڑے میاں بولے

”ہاں!“ میں نے پھل کر بڑے میاں کو دبوچ لیا اور بڑے میاں

”ہائے۔ رام۔ بچاؤ۔ بچاؤ۔“

”وہ چپے لیکن میں نے انھیں دبوچ لیا اور پھر تھوڑی دیر کے بعد بڑے میاں کے بدن پر بھی کچھ نہ تھا۔

”اے۔ اے۔ اے۔“

”اے۔ اے۔ اے۔“

”اے۔ اے۔ اے۔“

”اے۔ اے۔ اے۔“

”اے۔ اے۔ اے۔“

”اے۔ اے۔ اے۔“

”اے۔ اے۔ اے۔“

”اے۔ اے۔ اے۔“

”اے۔ اے۔ اے۔“

”اے۔ اے۔ اے۔“

”اے۔ اے۔ اے۔“

”اے۔ اے۔ اے۔“

”اے۔ اے۔ اے۔“

”اے۔ اے۔ اے۔“

”اے۔ اے۔ اے۔“

”اے۔ اے۔ اے۔“

”اے۔ اے۔ اے۔“

”اے۔ اے۔ اے۔“

”اے۔ اے۔ اے۔“

”اے۔ اے۔ اے۔“

”اے۔ اے۔ اے۔“

”اے۔ اے۔ اے۔“

”اے۔ اے۔ اے۔“

”اے۔ اے۔ اے۔“

”اے۔ اے۔ اے۔“

”اے۔ اے۔ اے۔“

”اے۔ اے۔ اے۔“

”اے۔ اے۔ اے۔“

”اے۔ اے۔ اے۔“

”اے۔ اے۔ اے۔“

”اے۔ اے۔ اے۔“

”اے۔ اے۔ اے۔“

”اے۔ اے۔ اے۔“

”اے۔ اے۔ اے۔“

”اے۔ اے۔ اے۔“

”اے۔ اے۔ اے۔“

”اے۔ اے۔ اے۔“

”اے۔ اے۔ اے۔“

ختم ہو گئی تھیں اور میں نے کان پکڑے تھے کہ اب یہاں کی کسی عورت کو ساتھ نہیں لگاؤں گا۔ فی الحال یہ منہ مناسب جگہ تھی لیکن میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اب خاموشی سے میرے مان سے نکل جاؤں گا۔ منوٹا پر شاد بڑا انسان نہیں ہے۔ وہ مجھے یہاں رکھنے کی کوشش کرے گا کیونکہ کافی عقیدت رکھتا ہے مجھ سے لیکن اس نے چاہے کہ دھوکا دینا پڑے گا۔

جی بھر کر آکر کیا۔ منوٹا نے دو ہڈت میری خدمت پر مامور کر دیے تھے۔ دیے اس نے میرے علم کی تیس بھی کی تھی اور ابھی تک کسی نے مجھے پریشان نہیں کیا تھا۔ اس دوران میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ خاموشی سے یہاں سے نکل جاؤں گا اور پھر میں نے ٹاسی پڑھ لی۔

”جی رات ہوئی اور اس کے ہنگامے سرد پڑ گئے۔ میں نے اپنا کچھ چھڑ

دیا اور خاموشی سے باہر نکل آیا۔ میں نے منہ کی عقبی سمت کا رخ کیا تھا۔

لیکن باتریوں کے خیمے چاروں طرف گئے تھے۔ میں جہاں تک ممکن

ہو سکا تو لوگوں کی نگاہوں سے بچتا ہوا چلنے لگا لیکن بالآخر کڑا گیا عقب سے

اٹھنے والی ایک آواز نے میرے قدم روک لیے تھے۔

”ہماراج۔ انہی ہماراج!“

”لغت ہے۔ میں نے لی میں سوچا اور کوئی میرے قریب آ گیا۔

لیکن اسے کچھ گرمی ہو چھلا ہٹ مسکراہٹ میں بدل گئی۔ ”اے۔ سریندر“

میں نے سرست سے کہا۔

”تو یہ تم ہی ہو ماراج؟“ سریندر بھی خوش ہو کر بولا۔

”ہاں مگر تم کہاں سریندر؟“

”ابھی یہیں ہوں ہماراج!“ سریندر نے کہا۔

”کمال کے انسان ہو تھیں تو بتی جلدی ہوتا یہاں سے بھاگ

نکلنے کی کوشش کرنا چاہیے تھی۔“

”ہاں ہماراج! اچا جیسے تو ایسا ہی تھا۔“ سریندر مسکرانے لگا۔

”پھر؟“

”بس ہماراج! من نہیں چاہا۔“

”بلدیائی عقیدت نے جوش مارا ہوگا؟“

”یہ بات نہیں ہے۔“

”پھر کیا بات ہے؟“ میں نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

”آپ جا کہاں رہے تھے ہماراج؟“ اور۔۔۔“

”میں یہاں سے بھاگ رہا تھا اور تھیں بھی شور مچا دیتا ہوں کہ یہاں

سے نکل جاؤ۔“

”اوہ! کوئی خاص بات ہو گئی ہے ہماراج؟“ سریندر نے چونک کر پوچھا۔

”نہیں۔ کوئی خاص بات تو نہیں ہے لیکن۔“

”آپ میرے خیمے میں آئیں گے ہماراج۔ بیٹھ کر باتیں کریں گے۔“

”ایک شرط پر۔“

”جی؟“

”جی؟“

”جی؟“

”جی؟“

”جی؟“

”جی؟“

"میں راتوں رات یہاں سے نکل جانا چاہتا ہوں۔"

"میں بھی چلوں گا مہاراج! اگر آپ پسند کریں؟"

"ہاں۔ ہاں۔ کوئی حرج نہیں ہے۔ میں نے شرانداذ میں کہا۔"

بہر حال سریندر ایک اچھا سا مٹی ثابت ہو سکتا تھا۔ وہ بڑا انسان نہ تھا۔

"تو چھوڑ جائیے تو سہی۔ سریندر نے کہا اس کا نتیجہ ہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔ میں خاموشی سے اس کے ساتھ اس کے پیچھے میں داخل ہو گیا۔"

"خوب! تم نے تو یہاں باقاعدہ ڈیرہ ڈالا ہے۔"

"میں ابھی انسان ہوں مہاراج۔ میرے فیصلے کی شکست ہوئی ہے۔"

"اے! کیوں؟"

"بس نہ جانے کیوں۔ میں پریشان تھا۔ کسی بات میں میں پہنچ رہا تھا۔"

"کس بات سے؟ یہ تو نہیں ہو گیا؟ میں نے سکتے ہوئے پوچھا۔"

"بھگوان کے لیے بھگوان کے لیے اس کا نام بھی نہیں میرا شریہ کا بننے لگتا ہے۔"

"اتنے خوفزدہ ہو گئے اس سے؟"

"اس سے بھی کہیں زیادہ۔ سریندر نے گہری گہری سانسیں لیتے ہوئے کہا۔"

"بہر حال اب اس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"اوہ۔ اوہ۔ کیوں مہاراج؟"

"میں کہانی ہے۔ بتا دوں گا۔ میں نے لاپرواہی سے کہا۔"

سریندر خاموشی سے میری شکل دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے ایک گہری سانس لیکر کہا "اس سے آپ کے لیے جیل بانی نہ پیش کر سکوں گا مہاراج۔"

"اوہ، سریندر! اس کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ میں تو بس ایک بات کہوں گا یہاں سے نکل جائیں۔"

"صبح کا انتظار بھی نہیں کریں گے مہاراج؟"

"نہیں سریندر! میرے لیے ممکن نہیں ہے۔"

"تو پھر کون سی سامان کی گٹھری ہمارا جی چاہیے؟"

راستے میں ہی باتیں کریں گے، سریندر نے کہا اور میں تیار ہو گیا۔

"ہاں ہی ٹھیک ہے۔ اور پھر ہم دونوں جنوں کی سٹی سے خاموشی سے دور نکل گئے۔ ہرے مان کے آخری سرے پر پہنچ کر ہی ہم نے دم لیا اور پھر یہ جادو کا شہر پیچھے رہ گیا۔ کافی تیزی سے سفر ہو رہا تھا۔ رات کا دوسرا پہر بھی گزر چکا تھا۔ سریندر خاموشی سے میرے ساتھ چل رہا تھا اور اس طویل سفر میں ہم نے جو خاموشی اختیار کی تھی وہ حیرت انگیز تھی۔ نہ جانے کیوں سریندر بھی چپ ہو کر رہ گیا تھا۔ بالآخر میں ہی اس طویل خاموشی سے اکتا گیا۔"

"تم تو بالکل ہی خاموش ہو گئے سریندر؟"

"بس مہاراج! سوچ رہا تھا جب آپ سب سمجھیں گے تو بات کروں گا۔"

"میرا خیال ہے ہم ہرے مان سے کافی دور نکل گئے؟"

"ہاں مہاراج! اگر یہ بھی منسا کا جادوئی جنگل نہ ہو؟"

"منسا کی حیثیت کھو چکی ہے سریندر! میں نے اُستے کہا۔"

"میں اس کے بارے میں جانتے کو ہے کہ یہاں ہوں مہاراج!"

"میں نے اس کا غور تو کر دیا۔"

"وہ ہے کہاں انہی مہاراج؟"

"نہیں!"

"ہے بھگوان! نہ جانے آپ کی بات کا کیا مطلب ہے؟"

"جو کہہ رہا ہوں وہی مطلب ہے سریندر!"

"تو کیا وہ گم ہو گئے مہاراج؟"

"یہ تو نہیں کہہ سکتا کیونکہ مرنے کے بعد بھی اس نے مجھے دھمکیاں دی تھیں۔"

"کک۔ کیا مطلب ہے؟"

"میں نے کہا نا سریندر! یہی کہانی ہے۔ اپنے بارے میں اس نے نہیں بتا دیا۔"

اس نے اتنا سا اضافہ کر دیا کہ میں نے جیوش بھی جانتا ہوں اور اکثر تنہائی میں ستاروں سے باتیں کرتا ہوں۔ تو میرے دست ستاروں نے اس وقت مجھے شہرہ دیا جب میں منسا کے جادو کے جنگل میں بھاگ رہا تھا انھوں نے کہا کہ عورت ہر دور میں ایک ہی ذہن کی مالک رہی ہے۔ بے شک وہ ان کے انوکھے روپ دکھاتی ہے لیکن جب اس کے بدن سے لباس اترتا ہے تو وہ صرف عورت ہوتی ہے۔ تو یہ اشارہ تھا منسا کی طرف کہ اس کو قابو کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے اندر کی عورت عریان کر دی جائے اور میں نے یہی کیا تھا اور ہم تھیں بہت سی باتوں کی اجازت نہیں دیتا۔ بس میں تو بے رحم انسان ہوں۔ حالات وقت سمجھو یہ وہم ہیں جو کہ وہ چاہتے ہیں جو کہ وہ کہتے ہیں وہی کرتا ہوں۔ سو میں نے منسا کی بات مانی اور منسا کو اپنے حال میں چھوڑ دیا۔ میں نے آزادی مل گئی تھی۔ بڑا مقصد تھا اور اس کے بعد میں نے منسا کو اسی کی آگ میں جلا دیا۔ اس دیوانی نے بالآخر من کے پیچھے کھول دی ہے۔ تھے اس کے مانع میں نہ تھا کہ جس بات کو اس نے بولی رواداری میں کہہ لیا ہے وہی اس کے لیے موت کا پھندا بن جائے گی؟"

"کون سی بات مہاراج؟ سریندر نے پچھی سے پوچھا۔"

"اس نے کہا تھا کہ صرف اگن دیوی اس کے سامنے نہ رہے۔"

"کرتی ہے؟"

"ہاں مہاراج! یہ تو جادو کا سب سے بڑا اصول ہے۔"

"کیا ہے؟ میں نے پوچھا۔"

"جادو پالتا میں بھی سمجھتا ہوں جھوٹا لیکن اگر انسان آگ سے جلتے تو پھر اس کے اوپر کوئی جادو اثر نہیں کرتا۔ تو جس طرح وہ آدنی جادو کے زور سے جلتا ہے جس پر جادو کیا گیا ہو اسی طرح جادو گر کے منتر کی

"نہیں مہاراج۔ جو جادو جیون میں اس نے سمجھا تھا وہ تو اس کے مرنے کے ساتھ اگن میں بس ہو گیا۔ اتنا تو خوراک کی شکی ہے اب صرف اس کے پاس مرنے کے بعد جو شقی ہوتی ہے وہی ہوگی۔"

"گو جادو نہیں ہوگا؟"

"نہیں مہاراج! وہ تو تم ہو گیا۔"

"اوہ۔ تب دیکھ لیں گے۔ مردوں سے جنگ کا بھی ایک تجربہ ہو گیا۔"

"بھگوان کہہ رہا ہے مہاراج۔ سریندر نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔"

"اب تم بتاؤ تو یہاں کیوں روک گئے؟ میں نے کہا۔"

"بس مہاراج۔ اس دشمن نے جب میری جان چھوڑ دی تو میں نے خود کو ہرے مان کے ایک ٹکڑے میں پایا۔ پہلے تو میرا من چاہا کہ میں چپ چاپ یہاں سے چلا جاؤں۔ سچ مہاراج مجھے یقین نہیں کہ یہاں تک کہ اس ہتھیار کے جنگل سے نکل گیا ہوں لیکن پھر مجھے ہتھیار اُٹھایا۔ کیا میں رو رہا تھا کہ میں نہیں اکیلا چھوڑ کر گیا لیکن یہ سب کچھ میرے بس میں نہ تھا۔ مہاراج میں تو تھا کہ یہ کچھ بھی نہ کر سکتا تھا۔ میں نے سوچا اب میں کہاں جاؤں۔ میرے سامنے ٹھکانے کے لیے میرے لیے کارخانے میں اس سناہ سے اوکھٹا تھا۔ تب میں سکون حاصل کرنے کے لیے بلدیو مانڈا گیا۔ یہاں مجھے بڑی شامی ملی مہاراج! میں جانتا تھا کہ اب مجھے یہاں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ تم نے یہ اچھا اپنے کندھوں پر لے لیا ہے اس لیے میں نے سوچا تھا کہ کچھ روز یہاں گزار کر پھر کہیں اور یا توڑا چلا جاؤں گا۔"

"گو جادو تھا یا نہ تھا مجھے جاننے کا کوئی ارادہ نہیں ہے؟"

"گھر۔ سریندر ہنسنا۔ مہاراج! یہ پورا سناہ میرا گھر ہی تو ہے۔ جوگی جب اپنے ٹھکانے سے نکل گئے اور بھگوان کی تلاش میں چل پڑے تو تب اس کا کوئی گھر نہیں ہوتا۔"

"تمہیں اپنے لوگ یاد نہیں آتے؟"

"سنسا میں کوئی اپنا نہیں ہوتا مہاراج۔ رشتے ناتے مش کے من سے ہوتے ہیں اور مش کا من بھگوان کی امانت، بھگوان کی چہرہ بھگوان کے لیے ہوتے دی جانے تو یوں بھگوان سے کیا ہوا وعدہ پورا کرنا ہوتا ہے اور مش اگر یہ وعدہ پورا کرے تو اس سے بڑی بات کون سی ہوگی اتنا کی شناسی کے لیے۔ سریندر نے گہری سانس لیکر کہا اور میں اس کی باتوں پر غور کرنے لگا۔ بہر حال پاس کی سوچ تھی مجھے کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ یہ باتیں میری لچھی کی بھی نہیں تھیں۔ چنانچہ میں خاموش ہو گیا۔ لوگ ہم بتو سفر کر رہے تھے۔ سریندر بھی عام حالات میں ایک جھٹکاں انسان تھا۔ اس نے ایک بار بھی تھکن کا اظہار نہیں کیا تھا، یہاں تک کہ صبح کی روشنی نمودار ہو گئی۔ اور اس وقت تک ہم ہرے مان سے بہت دور نکل گئے تھے۔ دور دور تک کوئی سٹی نہیں تھی لیکن میں اس بات کی کوئی پروا نہ تھا۔ میں تھیں مادھو لوگ تھے جہاں طریقہ ڈال لیا وہیں آبادی ہو گئی۔ یہ آب و گیاہ چٹانیں تھیں جہاں کھانے کو بھی کچھ نہیں تھا لیکن کھانا ضروری تو نہیں تھا۔ ہم

نے ایک سالے دارچٹان منتخب کرلی۔

”کیسی جگہ ہے ہمارا ج؟“ سریند نے سنا کرتے ہوئے پوچھا۔

”زمین ہر جگہ کیساں ہوتی ہے سریند! میں نے طویل سانس لیکر

کہا اور ہم نے پٹان کے نیچے آرام سے ڈیرہ ڈال لیا۔

”سوؤ گے ہمارا ج؟“

”تھیں نیندا آ رہی ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”کوئی خاص نہیں“

”میری وجہ سے تمہاری رات بھی غراب ہوئی ورنہ آرام سے اپنے

خیمے میں سو رہتے ہوتے“

”ایسی باتیں نہ کریں ہمارا ج! سریند نے دکھ سے کہا۔

”کیوں؟“

”آپ کی وجہ سے میرا سر میرے کندھوں پر موجود ہے ورنہ میں

تو دیوار سے لٹکا ہوا تھا اور میرا شریر ایک صندوق میں بند تھا جسے کوئی

نہیں کھول سکتا تھا“

”اوہ!“ میں جس پڑا پھر میں نے کہا۔ ”لیکن سریند! یہ جادو

ہے خوب چیز“

”بھگوان ناس کرے ان پاپیوں کا!“ سریند دانت نکوس کر بولا۔

”اے کیوں؟“

”بڑے ہی ظالم ہوتے ہیں یہ جادوگر“

”ایک بات بتاؤ سریند!“

”جی ہمارا ج!“

”کوئی بھی علم ہوا وہ تو سید کو سندا بنا دیتا ہے۔ کشادہ اور دین

یہ لوگ تو انسانوں کے لیے بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ اپنی شکتی سے کام لے کر

انسان کی بھلائی کے لیے بے شمار کام کر سکتے ہیں، یہ جانو کیوں بن جاتے ہیں؟

”انسان کا ذہن بہت کمزور ہے ہمارا ج۔ پانی تو اسی شکتی

مل جاتی ہے تو آپے میں کہاں رہتا ہے، سالے سنار کو اپنے بیروں میں

دیکھنا چاہتا ہے“

”میں نے دو جادوگر دیکھے ہیں، دونوں ایک جیسے تھے۔ کیا یہ

ضروری ہے کہ جادو دیکھ کر آدمی درد نہ ہی بن جائے؟“

”نہیں ہمارا ج! یہ بات میں۔ جیچھوے لوگ ہوتے ہیں ورنہ

بڑے بڑے شکتی مان ہوتے ہیں۔ ایسے ایسے جوا کاش کی خبر لے آئیں مگر وہ

سنار کے کوئی نہیں ہوتے اور اپنے گیان کے ساتھ جھاڑوں کی گھٹاؤں میں

چھپے بھگوان کی تپ تپ کرتے رہتے ہیں“

”اوہ! ہوتے ہیں ایسے لوگ؟“ میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

”کیوں نہیں ہوتے ہمارا ج۔ پروہ کالے جادو کے ماہر نہیں ہوتے۔

”اچھا۔ جادو کی قسم بھی ہوتی ہیں؟“

”ہاں ہمارا ج۔ کالا جادو بھوت پریت کے لیے ہوتا ہے۔ کالے

جادو کے ماہر کے پاس بھی بڑی شکتی ہوتی ہے مگر وہ گندی شکتی ہوتی ہے

جیکر سادھنوں کے پاس دیوی دیوتاؤں کی شکتی ہوتی ہے۔ کالے جادو

کی اس شکتی کے سامنے کچھ نہیں چلتی“ سریند نے بتایا۔

میں نے سریند کی بات بڑی دلچسپی سے سنی تھی۔ میں بھی ایسے ہی

جادو کی تلاش میں تھا۔

”سریند!“ میں نے پُر خیال انداز میں کہا۔

”ہاں ہمارا ج!“

”مجھے جادو دیکھنے کا بڑا شوق ہے“

”اوہ!“

”کیا مجھے کوئی ایسا گیانی مل سکتا ہے جو مجھے کچھ سکھائے؟“

”ناممکن نہیں ہے ہمارا ج! مگر آپ کی گونج سنی ہو تو“

”کیا مطلب؟“

”میں بتا چکا ہوں ایسے لوگ سنار کے کوئی نہیں ہوتے۔ اگر وہ

سنار کے لوگوں کے سامنے بھی آتے ہیں تو ایسے روپ میں کہ انسان انھیں کوئی

حیثیت ہی دے۔ وہ لوگ انسانوں سے خود کو کھینچتے ہیں ہمارا ج“

”کیوں؟“

”بس وہ اپنی تپ تپ کیا کوسنار مایوں کے ساتھ رہ کر بے تک نہیں

کرنا چاہتے“

”اوہ۔ وہ تارک الدنیا ہوتے ہیں؟“

”ہاں ہمارا ج!“

”مگر ایسے لوگوں کو کہاں تلاش کیا جائے؟“

”جھاڑوں میں یا تراؤں میں۔ میں آپ کے ساتھ ہوں ہمارا ج

آپ بھی بہت کچھ ہیں۔ اگر کسی منت کی نگاہ آپ پر پڑ گئی تو آپ کا کام

ہو جائے گا“

”ہوں۔ تم میرا ساتھ دو گے سریند؟“

”جی ہاں ہمارا ج! میں تو آپ کا داس ہوں“

”تو سنو سریند! میں تمہارے اوپر کوئی پابندی نہیں لگا رہا

میری خواہش ہے کہ تم جب تک تمہارا دل چاہے میرے ساتھ رہو جب

تمہارا دل مجھ سے الگ ہونے کو چاہے تو مجھے بتا کر جہاں چاہو مجھے

لیکن اس وقت تک جب تک تم میرے ساتھ ہو مجھے ایسی ساری باتیں

پہلے چلو جہاں ایسے سادھو مل سکیں۔ باقی کام میرا ہے“

”بڑی خوشی سے ہمارا ج۔ خود میرا من بھی یہی چاہتا ہے میں نے

بھی اسی لیے گھر بار چھوڑا ہے ہمارا ج۔ بھگوان کی سونگد میں بڑی خوشی

سے تیار ہوں“

”بہت بہت شکریہ سریند! کیا تم یقین کرو گے میرے دوست

کراس بات سے مجھے بہت خوشی ہوئی ہے ورنہ میں ابھی بھاڑا تھا“

”میں دل وجان سے تیار ہوں ہمارا ج!“

”بس ٹھیک ہے۔“ میں نے کہا اور پھر ہم سونے کی کوشش کرنے

لگے۔ نیند کہاں نہیں آتی پروفیسر اور پھر وہ بھی مہمبے آوارہ گردوں کا جن

کی شام کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوتا۔ سریند بھی آوارہ وطن تھا اور میں۔ میں تو

جو کچھ ہوں تھیں معلوم ہے۔ بہر حال ہم سونے اور خوب سونے۔ چٹان بہت

کی دیوی تھی اس نے میں سونے کی تپیں سے پہلے رکھا۔ ٹھنڈی ہوا میں

ہلکے دبی رہی اور جب سونج ڈھلا تو ایک بے قوت، بلکہ سمان نواز غروش

نے میں بگایا۔ وہ دوڑتے دوڑتے جھونکیں ہمارے سینوں پر چڑھ گیا تھا۔

آنکھ کھلنے پر ہم نے اسے خود سے حقوڑی دور دیکھا تھا۔

”جھاگ گئے سریند؟“

”ہم سونے تھے ہمارا ج؟“ سریند نے حیرانی سے کہا۔

”کیوں، کیا جھاگ بے تھے؟“

”نہیں۔ مگر۔ اے۔ دوپہر ڈھل گئی!“

”ہاں!“ میں ایک انگڑائی لیکر اٹھ بیٹھا۔ سریند بھی اٹھ کر بیٹھ گیا

تھا۔ ہم دونوں دور دور تک آداس ویرانے کو دیکھتے رہے پھر سریند

کھڑا ہو گیا۔

”چلیں انوی ہمارا ج!“

”چلو!“ میں نے گہری سانس لیکر کہا اور دونوں چل پڑے سریند

کچھ زیادہ ہی آداس اور نہال نظر آ رہا تھا اور میں اس کی وجہ جان گیا۔

وہ بھوکا پیاسا بھی تھا۔ بہر حال اس اہق کے لیے میں کچھ بھی نہیں کر سکتا

تھا۔ وہ تو گرجت بھی نہیں کھاتا تھا ورنہ میں قدیم طرز پر پیروں سے شکار

کرنے کی کوشش کرتا۔ خود اپنے لیے میں کچھ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ بہر حال

سریند ضبط کرنے والوں میں سے تھا اس نے برابر میرا ساتھ دیا۔

سونج اب بالکل چھپ گیا تھا۔ دور سے ایک پیادہ نظر آئی اور

سریند اچھل پڑا! ”ہمارا ج!“ اس نے خوشی سے کہا۔

”کیا بات ہے سریند؟“

”وہ دیکھو۔ پیادہ ہے“

”اوہ۔ ہاں۔ پانی ہے وہاں؟“

”ہاں ہمارا ج!“ سریند کی رفتار خود بخود تیز ہو گئی اور میں مسکرا

پڑا۔ بہر حال مجھے اس پر رحم آ رہا تھا۔ بے چارہ انسان ہی تو تھا۔ تقریباً

دوڑتے ہوئے ہم پہاڑ پر پہنچے۔ وہاں تھکے ایک بڑے برتن میں پانی

موجود تھا۔ قرب وجوار میں کوئی کنواں نہیں تھا۔

سریند نے پہلے پانی چھینے میں کیا اور ان لوگوں کے مخصوص انداز

میں قرب جان گیا تھا۔ چنانچہ دونوں ہاتھوں کے پیالے میں پانی

پیا اور سریند کو پلا۔ سریند تازہ دم ہو گیا تھا! ”قرب ہی کوئی بستی ضرور

ہے ہمارا ج!“ اس نے خوشی میں ڈول کر آواز میں کہا۔

”کیسے اندازہ کیا؟“ میں نے سریند سے پوچھا۔

”یہاں کنواں نہیں ہے“

”پھر؟“

”پانی کہاں سے آیا ہمارا ج۔ ضرور کوئی پانی یہاں تک پہنچا تھا ہے“

سریند نے کہا اور میں نے اس سے پورا اتفاق کیا۔ یقیناً بستی نہیں قریب

ہی تھی۔

”اگر یہ بات ہے سریند تو ٹھیک ہے۔ مگر میں بستی تلاش کرنے

چاہیے۔“ میں نے کہا اور سریند نے گردن ہلا دی لیکن بھوک سے اس کی حالت

خیر ہونے لگی تھی۔ وہ دوپہر قدم چلا اور پھر ڈھنگا گیا اور پھر اس کی کوئی

آواز نہ گئی۔

”مم۔ ہمارا ج۔ میں۔ میں۔“ یہ کہتے ہوئے وہ زمین پر گرنے لگا۔

اور میں نے اسے سنبھال لیا۔

”کیا بات ہے سریند! کیا ہو گیا تھیں؟“

”نہ جانے۔ نہ جانے کیا ہمارا ج۔ نہ۔ جانے۔ وہ بالکل ہی

بے سرو ہر گیا اور پھر اس کی آنکھیں بند ہو گئیں میں نے اس کا پورا وزن

سنبھال لیا اور پھر اسے زمین پر لٹا دیا۔ سریند شاید بے ہوش ہو گیا تھا اور اس

کی یہ حالت میرے خیال میں بھوک سے ہوئی تھی۔ بہت سخت بھوکا تھا۔ طویل

رستہ طے کیا تھا اس نے اور پھر غالی پیٹ پر پانی سے نقصان پہنچا گیا لیکن

اب اس کو انسان کی زندگی کے لیے فوری طور پر غذا کی ضرورت تھی کسی

طرح دودھ یا کوئی اور چیز اس کے ملنے سے سترنی چاہیے۔ نہ جانے بستی

کتنی دور ہے۔

میں نے اسے وہیں چھوڑا اور بستی کی تلاش میں چاروں طرف نگاہیں

دوڑائیں۔ اگر کسی سمت مل جڑوں اور وہ بستی کی سمت نہ ہو تو سریند کی زندگی

کو زیادہ سے زیادہ خطرہ لاحق ہو گا اس لیے پہلے ہی کی صحیح سمت کا اندازہ ضروری تھا

اور تھوڑی دور پر جانک مجھے کوئی چہرہ متحرک نظر آئی۔ میں نے غور

سے دیکھا۔ ایک لمبی گاڑی تھی جس میں دو دیوتا متیل جتے ہوئے تھے۔

لگے تھے میں ایک مرد بیٹھا ہوا تھا۔ گاڑی کا رخ اس طرف تھا میں نے زور

سے ایک آواز نکالی اور اسے دونوں ہاتھوں سے اشارہ کرنے لگا۔

لیکن وہ تو آپ اس طرف رہا تھا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ ہمارے قریب

پہنچ گیا۔ سیاہ رنگ کا ایک دیہاتی جوان تھا تو ہی پہلے مجھے چوڑے بدن کا

مالک۔ اس نے عجیب کی نگاہوں سے ہم دونوں کو دیکھا۔

”کیا بات ہے ہمارا ج؟“ اس نے کھر کھرانی آواز میں پوچھا۔

”بستی یہاں سے کتنی دور ہے؟ میرا سامنے ہی بارہو گیا ہے۔“ میں نے

اس سے پوچھا۔ وہ پریشان سی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا اور جیسے ہی خیال

میں کھو گیا تھا میں پھر اسے میری بات کا خیال آگیا اور وہ چونک پڑا۔

”بستی۔ بس یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔“ اس نے جواب دیا۔

”کیا تم بستی میں جا رہے ہو؟“

”ہاں ہمارا ج!“

”تو اسے پیار آدمی کی مذکورہ۔ اپنی گاڑی میں اسے بستی لے چلو“

”بھئی سیدھے کھڑے ہو۔ دندنہ اپنے ساتھی کے برابر بے ہوش ہوئے۔ ٹھاکر ہنسنے لگا۔

”تو میرا ساتھی باپنی کر بے ہوش ہوا ہے؟“
 ”ہاں.... ستوڑے کے بیچ ہوتے ہیں، بس بے ہوش کر دیتے ہیں، نقصان نہیں پہنچاتے۔“

”افسوس۔ ہمارے پاس تمہیں کچھ نہیں ملا۔“
 ”جو تیرے ہی تو پٹے کے سرے تک کے تھے، کتنی بار کہا کہ صرف کام کے کامیوں پر ہاتھ ڈالو، مگر ایک بھی کام کا آدمی جو لایا ہو، اس نے کہا امداد چھوڑ کر بولا۔“
 ”مگر تمہارا ہر گاہ کیا مہاراج؟“
 ”کیا مطلب؟ میں نے پوچھا۔“

”اب تو یہاں سے کسی لٹی میں جاؤ گے اور دوسروں کو ہمارے بلے میں بتاؤ گے، ٹھاکر نے تشویشناک لہجے میں کہا۔“

”اے نہیں ٹھاکر۔ ہم جنگلوں کے باسی، اول تو بستی میں جائیں گے نہیں، چلے بھی گئے تو یہاں کی برسی کہہ کر کسی کو تمہارے بلے میں تیل نہ پھریں۔“
 ”بس بس۔ آگ نہ جلاؤ۔ اتنا بھاری پیٹ نہیں ہوگا تمہارا مگر میں تمہارا کروں کیا؟ اگر مار ڈالوں تب بھی بڑے۔“

”تم اطمینان رکھو ٹھاکر! ہم چون چیتے ہیں کسی کو تمہارے بارے میں نہیں بتائیں گے۔“

”میں نہیں مانتا تمہارے دین کو۔ نہیں جانی، ابھی یہیں رہاں سے کچھ نہیں ملا۔ تمہیں چھوڑ کر جھینسا تھوڑی ہے؟“

”پھر کیا ارادہ رکھتے ہو ٹھاکر؟ میں نے پوچھا۔ اس وقت اس کا ساتھی دھندھنٹک چلے اور دوسری چیزیں لے آیا۔ اس نے ساری چیزیں میرے سامنے رکھ دیں۔“

”کھاؤ مہاراج! کھاؤ پیو۔ میں تمہارے بلے میں سوچ رہا ہوں۔ اس نے کہا، اور میں مسکرا کر ان چیزوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔“

”پھر میں نے اس سے پوچھا جو چیزیں سب لایا تھا۔“
 ”میرا ساتھی ہوش میں آ گیا؟“

”ہاں مہاراج! ہم تیرے اطمینان دلا رہے۔“
 ”ٹھیک ہے، تو جاؤ۔ ٹھاکر بولا۔ اور وہ چلا گیا۔ ٹھاکر بھی تک سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ پھر اس نے گون آٹھا کر کہا۔ ”نہیں مہاراج! تمہیں جیتا چھوڑنا خود موت کے منہ میں جا رہا ہے۔ بس میں نے فیصلہ کر لیا۔“

”تم اپنی طاقت کے بل پر ان لوگوں کے سرواڑے ہو ٹھاکر؟ میں نے پھل کھلتے ہوئے پوچھا۔“

”ہاں۔ کیوں؟“
 ”مجھے دوست بناؤ، ورنہ کیا فائدہ ان میں تمہاری ساکھ بگڑ جائے۔“

”اگر میں ان کے سامنے تمہاری چٹائی کروں تو یہ کیا سوچیں گے؟ میں نے اطمینان سے کہا، اور ٹھاکر کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ وہ خونی لگا ہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔“

ٹھاکر

خونی لگا ہوں سے مجھے گھورتا رہا اور پھر اس نے گردن ہلائی۔ ”یہ تو پتہ چل جائے گا بیٹے، کھانی لو۔ میں بھوکا مارنے کا عادی نہیں ہوں۔“

”میرے ساتھی کو بھی قتل کر دو گے؟ میں نے پھل کھاتے ہوئے پوچھا۔“
 ”تم دونوں کو کتنے کی موت مار دوں گا تمہیں معلوم نہیں میں ٹھاکر ہوں اونچی ذات کا تم نے بھی کہا تھا کہ تم مجھے مارو گے۔“

”ہاں ٹھاکر! میں تمہاری بڑیاں پسلیاں توڑ دوں گا۔“ میں نے اسی اطمینان سے کہا اور دودھ کا برتن منہ سے لگا کر سے بڑھ گیا۔ میں نے ٹھاکر کے سرخ چہرے کی طرف بھی دیکھنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ ٹھاکر میرے الفاظ اور میرے اطمینان پر بیچ و تاب کھاتا رہا اور دیکھ بھل کر تمام بولا۔

”اونچی ذات کا ہوں مہاراج! اس لیے کھاتے ہیں وار نہیں کروں گا۔ جلدی کھاؤ تاکہ میں تمہاری گردن کاٹ کر چیل کوڑوں کے سامنے ڈال دوں۔“

”ٹھاکر نے آج تک کسی کو اتنی ہمت نہیں دی۔“
 ”میرے ساتھی کو بھی کھانے کے لیے لایا گیا؟“

”ہاں ہاں۔ لی گیا ہے اسے۔ ہم تیرے کینے ہی نہیں ہیں جلدی کرو ورنہ۔ ورنہ۔“ ٹھاکر کسی خوفناک جھپٹ کے اندر غرارہ تھا۔ میں نے پھل رکھ لیے اور کھڑا ہو گیا۔

”تمہیں بہت جلدی ہے ٹھاکر؟“
 ”ہاں۔ اپنی موت تم نے ہی قریب ہلائی ہے۔“

”کیا تم اپنے آدمیوں کے ہاتھوں سے مجھے قتل کرو گے؟ میں نے پوچھا۔“
 ”اب نہیں۔ اب میں خود تجھے جان سے مار دوں گا۔ یہ کام بڑے بڑے گلیے۔“

”اگر تم مجھے ڈمار کے ٹھاکر؟“
 ”تو پھر تیری ہر بات انوں کا ہمارے یہاں بڑا وہ ہے جو طاقت میں بھی بڑا ہو عقل میں بھی بڑا ہو۔ میں تجھے مار ڈالوں گا ورنہ پھر تیرا غلام رہوں گا۔“

ٹھاکر غصے سے کانپ رہا تھا۔
 ”تب پھر آہاؤ۔ میں نے کہا۔“

”تو پیٹ بھر کھائے۔“ ٹھاکر بناوٹ سے بولا۔
 ”بعد میں کھاؤں گا ٹھاکر۔ تجھے زیر کرنے میں کتنی دیر لگی گی۔ میں نے لاپرواہی سے کہا۔“

”تب باہر چلو سونا۔ تاکہ تیرے ساتھی بھی دیکھ سکیں۔“
 ”تیری مرضی ٹھاکر؟“ میں نے کہا اور ہم باہر نکل گئے تب ٹھاکر نے بیچ بیچ کر اپنے آدمیوں کو پکالا اور ذرا سی دیں سب اس کے گرد جمع ہو گئے۔

”سنو بھائیو۔ ٹھاکر تمہارا سزا کر رہا ہے؟“ ٹھاکر نے پوچھا۔
 ”تو ہم میں سے کب بڑا ہے ٹھاکر! سبے جیالا ہے سب طاقتور ہے۔“

”اور اگر کوئی مجھے تمہارے سامنے پھینکا دے؟“
 ”تب پھر تو نے جو رمان اور بگڑت گیتا کی سو گند کھا کر چونچیا ہے اس کی روت سے تجھے سزا دی چھوڑنی پڑے گی۔ تو کوں سے جواب دیا۔“

”نہیں پھر تو، سادھو مہاراج کا کنا ہے کو وہ مجھے ہلاک کر دیں گے وہ مجھے جنگ کر کے بچا دکھائیں گے۔ تو میرے بھائیو! اگر مہاراج اپنی بات پوری کر دیں تو سنو، انھیں اپنا سزا مان لینا۔ یہ میرا کنا ہے۔“
 ”سادھو مہاراج! تجھے جان سے مار دیں گے ٹھاکر! ان میں سے کوئی ہنس پڑے۔“

”ان کا ہی کنا ہے۔ ممکن ہے ان کے پاس ایسا کوئی گیان موجود ہو۔ آڑا نے میں کیا عرض ہے بھائیو۔ مہاراج کا گیان بھی دیکھ لیتے ہیں۔ آؤ مہاراج! اس نے کہا اور دونوں ہاتھ سیدھے کر کے کھڑا ہو گیا۔

”کتنی لڑو گے ٹھاکر؟“ میں نے پوچھا۔
 ”یہی ٹھیک ہے مہاراج۔ ورنہ جب میرے ہاتھ میں تلوار آجاتی ہے تو پھر میں سالے وچن بھول جاتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں تمہارے من میں کوئی آرزو نہ ہے۔“

”میں تجھے اجازت دیتا ہوں کہ تلوار لے لے یا پھر میری مرضی کرلو۔ محسوس کر کے کچھ ہاتھوں سے مارنا ممکن نہیں ہے تو بیشک تلوار لے لینا۔“

”آؤ۔ آؤ مہاراج! ابھی تو تلوار دیکھو تیل کی دھار دیکھو! اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور میں دل ہی دل میں مسکرا پڑا۔

”تو میرے لیے نیا انسان نہیں ہے۔ روتے زمین پر سب تھوڑے سے رد و بدل کے ساتھ کیسا کہتے ہیں سب ایک ہی انداز میں سوچتے ہیں سب اپنی طاقت اپنی عقل زیادہ محسوس کرتے ہیں۔ سو ٹھاکر تو کچھ بھی ہے ابھی اپنے من سے کہنے کا مجھے کہنے کی کیا ضرورت ہے، سو میں ڈھیل بادن چھوڑ کر کھڑا ہو گیا اور ٹھاکر مجھے لٹکانے لگا۔“

”آؤ مہاراج! کیا ہوا۔ اپنے گیان کو آواز دو۔ روتے کی کیا ضرورت ہے۔ آہاؤ! موت تو آئی ہی ہے ایک دن۔ آج کیا کل کیا۔“

”تو ہی آج ٹھاکر! ستون اپنی جگہ سے نہیں ہلتے۔ میں تو ستون ہوں۔ ہلاکتا ہے تو بولا دیکھ۔ میں نے سکون سے مسکراتے ہوئے کہا۔“

”اوہ! آپ ستون ہیں مہاراج! ٹھاکر نے ہنسنے ہوئے کہا تو بھائیو اس کا مطلب ہے میں نرمی ہوں۔ یقین نہیں آتا تو دیکھو میں ابھی اس پہاڑ کو اٹھا کر لٹکانا چاہتا ہوں۔“ ٹھاکر کے بڑھا پیسے وہ محتاط تھا کہ شاید اس کے قریب پہنچنے پر کوئی داؤ لگا دوں لیکن میں نے دونوں ہاتھ اور نیچے کر لیے تھے اور ٹھاکر نے جب کچھ تیری سے میری کرکٹوں اور چھوڑا اس نے ہے بڑے نکل کا فائدہ لگا کر زور لگا باور لگا تا رہا۔ اگر وہ اس ستون میں ملے گی لہجہ میں پیدا کر دیتا تو پھر تو کو ستون کتنا حماقت تھی۔

ٹھاکر سرخ ہو گیا اور پھر سفید پڑ گیا اس کی گرفت ڈھیل ہو گئی اور اس نے مجھے چھوڑ دیا۔ چاروں طرف دیکھا، پھر زمین پر پیٹھ کر سیر ایک پاؤں اگے پر اٹھا، پھر ورسا اور ٹھاکر دیکھا اور پھر آہستہ سے بڑھ گیا۔

”اور دنیا بھی زمین کے اندر نہیں ہے۔“ مجھے اس کی بات پر ہنسی آگئی۔ ”ایک دفعہ اور کوشش کروں مہاراج!“ اس نے کہا۔

”سودھو ٹھاکر!“ میں نے سنس کر کہا۔

”نہیں۔ میں ایک دفعہ اور۔“ ٹھاکر نے کہا اور اس بار وہ میری ٹانگوں میں گھس گیا تھا لیکن تیرہویں ہوا جو پیسے تھا۔ مجھے اپنی جگہ سے ہلانا آسان کام نہیں تھا۔ وہ تیرہویں پر ہی مجھے گیا تھوڑی دیر تک ہانتا رہا، پھر اپنے ساتھیوں کی طرف رخ کر کے بولا۔ ”بھائیو! میں ہونانی نہیں ہوں تم میں سے کوئی ہے تو کوشش کرے۔“

”ایک نہیں ٹھاکر۔ ان میں سے دس بارہ سے کم ہو ممکن ہے کہ کامیاب ہو جائیں۔“

”دس بارہ سے مہاراج؟“
 ”ہاں ہاں۔ میری طرف سے اجازت ہے۔“ میں نے کہا۔

”آؤ۔ آؤ۔ ایسے آؤ۔ دیکھو تو سہی۔ گیان کے روپ دیکھو۔“ ٹھاکر نے بچوں کے سے انداز میں کہا اور پروفیسر میرا کچھ مناجا کے کارہے سونے اس کے کہ وہ بھی ناکام رہے۔ انھوں نے میری کوشش کی لیکن ستون بھی نہیں ہتے ہتے ہیں تو گوجاتے ہیں۔ سب ہٹ گئے۔ تب ٹھاکر نے میرے پاؤں چھونے اور بولا۔

”کچھ بھی کہو مہاراج! میں اسے خش کی کشتی لٹانے کو تیار نہیں ہوں۔ ہاں اس سے پہلے میں نے گیان نہیں دیکھا تھا۔ ہم اسے گیان کی کشتی کہہ سکتے ہیں۔ بس تم نے مجھے گیان کا قائل کر لیا اور۔ مہاراج! آج سے میں دھوؤں کی عزت کروں گا کبھی ان کے منہ نہیں آؤں گا۔“

”اب کیا ارادہ ہے ٹھاکر؟“
 ”میں وچن ڈار گیا ہوں مہاراج! کوئی بھی شتی ہو تو تم مجھے شکست تو دے ہی ہے۔ اب تم ماک ہو۔ ٹھاکر بیچ ذات نہیں ہے کہ وچن سے پھر جائے۔“

”اب اس گروہ کا سزا کروں ہے؟“ میں نے پوچھا۔
 ”تم ہر مہاراج! بھگوان کی سو گند تم ہو۔“

”تم لوگوں کا کیا خیال ہے ورنہ؟“ میں نے دوسرے لوگوں سے پوچھا۔
 ”تم مہمان ہو مہاراج! تم ہمارے سزا ہو۔“

”ہوں۔“ میں نے گردن ہلائی۔ ”اگر تم بات مان گئے تو ٹھیک ہے مگر وہ تو سزا تو کھا کر ہی رہے گا۔ ہم سادھو کو میں۔ ہم یہ کام نہیں سمجھا لے سکتے۔ اب تم ہمارے جانے کا بندوبست کرو۔“

”کہاں جاؤ گے مہاراج! بھگوان کی سو گند تم تمہاری سوا کریں گے۔ ہم تمہیں یہاں کوئی تکلیف نہیں ہونے میں گے۔ بس تم ہمیں رہو۔“

”نہیں ٹھاکر! سادھوؤں کی کوئی منزل نہیں ہوتی۔ ہم تو گیان کے رستے پر چلتے رہتے ہیں گیان کی تلاش میں۔ تم ہمارے لیے گھوڑے متیار کرو اور کھانے پینے کی کچھ چیزیں۔ بس یہی تمہاری مرمانی ہوگی۔“

”جو گیا مہاراج!“ ٹھاکر تیار ہو گیا سریندر کو بھی میرے پاس پہنچا دیا گیا اور اس کے بعد وہ وہ قسم کے گھوڑے جن پر سامان کے خیلے لٹک رہے تھے۔ ہم گھوڑوں پر سوار ہو کر وہاں سے چل پڑے۔ سریندر کو چپ لگ

گئی تھی اس دوران اس نے ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔
 جب ہم وہاں سے کافی دور نکل آئے تو سریندر نے گہری سانس لی۔
 اس کا گھوڑا میرے گھوڑے کے بائیں برابر چل رہا تھا۔ "تقدیر ہی تھی مہاراج جو ہم نکل آئے۔"
 "کیا مطلب ہے میں نے سنا ہے ہوئے کہا۔"
 "بس میری تو سمجھ ہی نہیں آ رہا، یہ سب کیا ہو گیا، کیسے ہو گیا۔"
 اے یہ سب کے سب ڈاکو تھے۔ سریندر نے کشاف کیا اور میں نے جمل سہی وکی۔
 "واقعی؟ میں نے سنا تھا انداز میں کہا۔"
 "بھگوان کی سوگند مہاراج! بڑے ہی گھوڑے تھے میں پانی منہ کے جبریل کی توان کی نگاہ کوئی قدر ہی نہیں ہوتی۔ نہ جانے انھوں نے یہ کیوں چھوڑ دیا۔"
 "تھیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ ڈاکو ہیں؟"
 "میں نے بات کی تھی مہاراج۔ بڑے ہی چالاک ہیں پانی پیاؤ کے پانی میں بے ہوش کی دوا ملا رکھی ہے۔ ہم رام کوڑنے کے کیسے گڑنگا لے ہیں انھوں نے۔ پر نہ جانے کیا ہوا انھوں نے تو ہمیں گھوڑے بھی لیے اور ان تھیلوں میں نہ جانے کیا ہے پر نہ جانے بھی نہ دیکھو مہاراج۔ ان سے جتنی دور نکل جائیں اچھلے۔"
 "چلو گھوڑوں کی رفتار تیز کر دو۔" میں نے کہا اور سریندر نے مجھ سے اتفاق کیا گھوڑے تیز رفتاری سے چل پڑے۔ مجھے سریندر کی سادگی پر تہی آ رہی تھی۔ اس نے چال کے کچھ نہیں معلوم تھا۔ گھوڑے سارا دن سفر کرتے رہے۔ پھر شام ہوئی اور ہم نے ایک جگہ قیام کیا قیام کر لیا۔ سریندر جگہ تھی۔
 "کیا خیال ہے سریندر، یہ جگہ بہت اچھی ہے۔"
 "ہاں مہاراج! ٹھیک ہے۔"
 "تم کسی سوچ میں ڈوبے ہوئے ہو سریندر؟"
 "ہاں مہاراج! "
 "کیا سوچ رہے ہو؟"
 "ہم گیل بھول گئے ہیں مہاراج اور جنگلوں میں بٹھتے جا رہے ہیں۔ نہ جانے ہم کدھر جا رہے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ جنگلوں میں ہی مالے مارے پھرتے رہیں؟"
 "اس سے کیا فرق پڑتا ہے سریندر؟"
 "اے تو کیا سارا جہیز جنگلوں میں ہی بتا دیں گے؟ سریندر نے پریشانی سے کہا اور میں منہ نہ لگا۔
 "اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟"
 "میں انسان کے بالے میں سوچ رہا ہوں سریندر! اپنی کار فرم تھی کی طرف ہی ہوتا ہے۔ تم نے بنا چھوڑ دی ہے۔ تم خود کو تباہی سمجھتے ہو اپنے جنگلوں سے لو لگانا چاہتے ہو جیسا کہ انھارا خیال ہے جو کہ بھارتی سوچ ہے کہ وہ تو یہ بات نہیں کہتی کہ تمام انسانوں میں رہو بلکہ انسانوں کی جہی میں تو انھیں زیادہ ہوتی ہیں۔ انسانوں سے دور رہو کہ جنگلوں سے لو لگاتے ہیں

زیادہ لطف آتا ہے لیکن تمام انسان ہوا اور انسانوں سے دور بھاگنے کی کوشش کے باوجود ان کا قرب جانتے ہو۔ ہر حال یہ فطری بات نہیں ہے۔"
 سریندر سوچ میں ڈوب گیا۔ کافی دیر تک خاموش رہا اس دوران وہ اپنے کاموں میں مشغول رہا گھوڑوں کو اس نے ایک درخت سے باندھا اور پھر ایک گہری سانس لے کر میرے پاس گیا۔
 "تم میرے لیے سنا کہ سب حیرت انگیز مشن ہو مہاراج! "
 "خوب! " میں نے سنا کہ ہوئے کہا۔
 "میں تمھارے بالے میں ہی سوچتا رہا ہوں مہاراج۔ جو کچھ تم کہتے ہو وہ معمولی کام نہیں ہے۔ نہ جانے تم نے کتنی بڑی جادوگری کے سنتوں کو کس طرح توڑ دیا۔ میں نے تو یہ دیکھا ہے مہاراج کہ جہاں تم ہوتے ہو وہاں پر کوئی کچھ نہیں رہتا اور پھر تمھاری باتیں۔ تمھاری باتوں سے کیا گیان جھلکتا ہے جنگلوں کی سوگند، تمھاری تو باتیں بھی میں دیکھ جلاتی آ رہی ہیں۔"
 "تھیں کیسے اندازہ ہوا سریندر کہ تم آدمیوں سے دور نکل آئے؟"
 "کوئی جہی نہیں لی مہاراج، حالانکہ استیاں اتنی دور دور نہیں ہیں۔ جتنا راستہ ہم چلے گئے ہیں اس میں تو بہت سی باتیں مٹی چاہیے تھیں۔"
 "اوہ! یہ بات ہے۔"
 "ہاں مہاراج! " سریندر نے کہا۔
 "ٹھیک ہے سریندر۔ ہم تو تیزی میں اور ضروری نہیں ہے کہ انسانوں کی تیار کی ہوئی مندروں کی عمارتوں کو تلاش کریں اور ان میں بھگوان کو ڈھونڈیں۔ یہ جنگل دریا بہاؤ بھی تو تھا کہ کتنے کے مطابق جنگلوں کی نہ جانے ہیں۔ ان میں سے ہر چیز کی یا تو جنگلوں کی یا تار ہے۔"
 "راہے شیاں۔ راہے شیاں! " سریندر عقیدت سے بولا۔
 "انھیں دیکھو اور جنگلوں کو یاد کرو۔"
 "جنگل کہا مہاراج۔ جنگل کہا۔"
 "اطمینان ہو گیا؟"
 "ہاں اور یقین بھی! "
 "یقین کیا ہے؟"
 "یہی کہ تمھارے اند کوئی مہمان گہرا چھپا ہوا ہے۔ تم ظاہر ہو مہاراج یا نہ ظاہر ہو اور یہ کچھ بھی ہے گیانی خود کو چھپا کر رکھتے ہیں، سو تم بھی خود کو چھپائے ہوئے ہو۔ پرنت اب سریندر کو تمھارے بالے میں معلوم ہو چکا ہے۔ اب تمھاری سیوا کر کے گیان حاصل کرے گا۔"
 "یہ تو تم بھی کہتے ہو سریندر! " میں نے ہنستے ہوئے کہا۔
 "نہیں مہاراج! اب تو سریندر تمھارا واس ہے۔" سریندر نے کہا اور میں خاموش ہو گیا۔ اب میں اس بے چالے کا دل نہیں توڑنا چاہتا تھا کچھ ذہن کا مالک تھا، اپنا پھر اس کی ذہنی پہنچ ہی یہاں تک تھی اس لیے اس نے بھی زندہ رہنے کے لیے سہالے کی ضرورت تھی۔ رام پر سوال تو کیا آدمیوں کی تلاش تو مجھے بھی تھی لیکن ضروری نہیں تھا کہ آدابیاں فوراً ہی مل جائیں اس پرلے علاقے کو کھانا بھی

وہی سے خالی نہیں تھا اور سب سے بڑی بات تو یہ تھی کہ مجھے یہاں کی ایسے عالم کی تلاش تھی جو مجھے ہر اسرار معلوم سکھائے جسے خدا کو دکھانا ہے۔
 سریندر نے قہقہے کھائے۔ ان میں نے شمار نہیں کیا تھا اس نے عمدہ ٹوراک تیار کی اور ہم دونوں نے پیٹ بھر لیا گھوڑوں کے لیے بھی سریندر نے چارواکھا کر لیا۔ پانی بھی مل گیا، چنانچہ گھوڑوں کو کھلا پلا کر درخت باندھ دیا گیا اور ہم بھی آرام نہ لیت گئے۔
 دوسری صبح بے حد خوشگوار تھی پیرلوں کی حسین چھپا ہٹ نے جگا دیا۔ سریندر بھی اٹھ گیا۔ صبح کا چہرہ میں منظر ہم دونوں کو بے حد پسند آیا اور سریندر نے گانے گانے لگا۔ وہ ایک عجیب گار بھاؤ اور اس کے معصوم بول پیرلوں کی آواز سے ہم آہنگ ہو کر بہت پیارے لگ رہے تھے۔ پھر وہ خاموش ہو گیا۔
 "بھونگ تیار کروں مہاراج؟"
 "تمھاری مرضی۔" میں نے سکڑ کر جواب دیا۔
 "ایسی تو تریم میں نے بھی نہیں دیکھی مہاراج! " اس نے گہری گہری سانسیں لیتے ہوئے کہا۔
 "مجھ جنگل میں رات نہیں گزارے؟"
 "گزارے ہے مہاراج! پرنت ایسا سو ادھی نہیں آیا۔"
 "محسوس نہ کیا ہوگا؟"
 "یہ بات نہیں ہے مہاراج! "
 "پھر؟"
 "گیانوں کا ساتھ بھی بڑی بات ہوتی ہے۔"
 "اوہ! اچھا یہ بات ہے۔" میں نے سکڑ کر کہا میں اب اس کی ان باتوں کی تردید مناسب نہیں سمجھتا تھا۔ اگر وہ دھوکے میں ہے تو مجھے کیا۔ میں اس کا دل کیوں توڑوں۔
 روشنی اور بھول گئی اور سریندر ناشہ تیار کرنے میں مصروف ہو گیا پھر ہم دونوں نے ناشہ کیا اور گھوڑوں پر سوار ہو کر چل پڑے۔ یہ پورا دن بھی سفر میں گذر گیا اور مجھے سریندر کا خیال ہی درست محسوس ہونے لگا۔ ہم جنگلوں کے کسی طویل سلسلے میں نکل آئے تھے۔
 لیکن علاقہ بہت حسین تھا۔ ہر جگہ سبزہ پانی دستیاب تھا جنگلی پھلوں کی بہتات تھی میں نے اتنا خوبصورت علاقہ پہلے نہیں دیکھا تھا۔ بہت علاقے تھے، وہ بھی کافی خوبصورت تھے لیکن ہندوستان کے یہ علاقے بہت نفیس تھے اور میں دلچسپی سے انھیں دیکھ رہا تھا۔
 پھر تیرنے کا سفر بھی حسب معمول تھا۔ دن بھر کے سفر کے بعد جب ہم نے گھوڑے رکے تو شام کا چھٹا چڑھ رہا تھا۔ قیام کے لیے ایک جگہ کا انتخاب کیا گیا لیکن گھوڑوں سے اتنے ہی تھے کہ میں دوسرے ایک آواز سنائی دی جنگل کے تنائے میں بیا آواز صاف سنائی دی تھی۔
 سریندر چونک پڑا۔ وہ غور سے آواز سننے لگا اور پھر اس کے چہرے پر شوش کی لہر نظر آئی! اس نے میری طرف دیکھا۔

"میں نے یہ ہے مہاراج؟"
 "کیسی آواز ہے؟" میں نے پوچھا۔
 "سنکھ کہہ رہی ہیں۔ غور کر کہی آبادی کے قریب ہیں مہاراج! "
 "اوہ! " میں نے گہری سانس لی۔ درحقیقت یہ آواز کافی سناتھی، لیکن اس وقت سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ سریندر کے کہنے سے مجھے یاد آ گیا گہرے زور میں بجا رہا ہے۔ اس کا مطلب تھا کہ قریب ہی کوئی مذہب موجود ہے اور اس کے ساتھ ہی میں نے سریندر کی آنکھوں میں خوشی کی چمک بھی دیکھی تھی۔
 "اب کیا خیال ہے مہاراج؟ آواز زیادہ دور سے نہیں آ رہی۔ سریندر بولا۔
 "آؤ! " میں نے اس سے کہا اور ہم نے گھوڑوں کو گے بڑھا دیا۔ سنکھ کی آواز ہماری ماہر تھی۔ سنکھ کی آواز جواؤں کے وش پر دور تک پہنچتی تھی۔ کافی فاصلے کرنے کے بعد ہمیں روشنی نظر آئی چاروں کسی ادھی جگہ چل رہا تھا۔ بہر حال غور کی کے بعد ہم اس جگہ پہنچ گئے۔
 کچی مٹی کی ایک لٹلی لاٹ لٹھری ہوئی تھی جس کے اوپری حصے میں چراغ روشن تھا۔ چاروں طرف سرمئی مٹی کا احاطہ تھا اور اس کا دروازہ کھڑی سے بنایا گیا تھا۔ میں اور سریندر کھڑے دروازے کے پاس پہنچے پھر اندر داخل ہوئے۔ اندر سفید دھڑکیوں میں لمبوس گئے سرے لگے موجود تھے جگہ جگہ مٹی کے بنے تھے عجیب الخفقت، بُت الیاد تھے اور پجاری ان کے سامنے دوڑا ہوئے۔
 لیکن تاریکی اتنی گہری نہیں تھی کہ ہم ان کی شکلیں نہ دیکھ سکتے۔ ان کے چہرے ہندوستان کے دوسرے باشندوں سے کسی قدر مختلف تھے۔ چچی چٹی ناکیں اور کسی حد تک چھوٹی آنکھیں۔ چہرے زیادہ سفید نہیں تھے بلکہ ان پر کسی حد تک زردی کھنڈی ہوئی تھی۔
 ابھی تک ہماری طرف کسی نے توجہ نہیں دی تھی۔ سنکھ اب بھی رچ رہا تھا، گھنٹوں کی آواز بھی ابھی تھی۔ پھر کافی دیر کے بعد پوجا ختم ہوئی اور چند لوگ ٹھانی ادھیلوں کے تھاں لیے لوگوں کے میاں گھسنے لگے۔ شاید ابھی تک انھوں نے ہماری شکلیں نہیں دیکھی تھیں اور ہم اپنیوں میں ہی سمجھ رہے تھے لیکن تھاواں کی ٹھانی بانٹتے ہوئے وہ ہمارے پاس پہنچے تو پھر ہماری شکلیں دیکھ کر چونک پڑے۔
 ان میں سے ایک نے ہم سے کہا کہ لیکن ابتداء میں اس کے الفاظ نہیں سمجھ سکا اور نہ سریندر۔ سریندر میری شکل دیکھنے لگا۔
 "کیا کہہ رہے ہیں یہ سریندر؟"
 "میں نہیں سمجھ سکا مہاراج! "
 "یہ علاقہ دوسرا معلوم ہوتا ہے؟"
 "ہیں تو یہ ہندو دھرم سے ہی مہاراج! گمان کی تو صورتیں ہی ہم سے الگ ہیں اور ان کی بھاشا ہماری سمجھ میں نہیں آ رہی۔"
 اس دوران وہ لوگ ہم سے بہت سوالات کر چکے تھے اور ہماری طرف سے جواب نہ پا کر آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ میں نے اپنی انسانی انی کو آواز دی اور ان پر غور کرنے لگا۔ صدیوں کی کتنی ہونے تو ت، ستم

کرنے سے مجھ ان کی گفتگو سمجھنے میں آسانی ہوگئی اور میں ان کی گفتگو پر غور کرنے لگا۔

وہ کہہ رہے تھے "صورت سے گمانی معلوم ہوتے ہیں۔"

"پھر یہ ہماری باتیں کیوں نہیں سمجھ رہے؟"

"یہ اکثر کے باشندے معلوم ہوتے ہیں۔ ہاں دوسری زبان بولی جاتی ہے۔ صورتیں بھی ہم سے الگ ہیں۔"

"پر اب کیا کیا جائے؟"

"اے کیا کیا جائے، ان کے غم نے کانینڈہست کرو۔ مہمان تو بھگوان کا اتار ہوتا ہے۔ ہم ان کی سوا کریں گے۔"

"ٹھیک ہے مگر ہمارے ہاں سے کیسے کریں؟"

"میں کوشش کرتا ہوں۔" ان میں سے ایک نے کہا اور پھر وہ میرے سامنے آگیا اس نے اشاروں میں نیاز مندی کا اظہار کیا اور اپنی اور اپنے ساتھیوں کی خوشی کے ہالے میں بتانے لگا۔ درمیان میں وہ الفاظ کا سہارا بھی لے لیا تھا لیکن غیر انتیاری طور پر البتہ اس کے الفاظ جو کچھ بولتا تھا۔

جب وہ اپنا مافی الضمیر بتا چکا تو میں نے سکون سے کہا "تمہارا شکریہ دوستو! تمہاری سستی کا نام کیا ہے؟"

"سوالات! اس نے مجھ کو کہا اور پھر چونک پڑا۔"

"اے اے! تم ہماری زبان بول سکتے ہو؟"

"ہاں! میں بول سکتا، میرا ساتھی نہیں۔"

"پھر اب تک کیوں نہیں بولے تھے؟"

"بس تمہاری سن رہا تھا۔"

"تم کہاں سے آئے ہو ہمارا؟"

"کسی ایک جگہ کا نام نہیں لے سکتے۔ ہم تو پہاڑوں اور جنگلوں میں بھٹکنے والے ساڑھوں ہیں۔ کبھی یہاں کبھی وہاں۔ میں نے جواب دیا۔"

"ہم تمہارے آگے سے بہت خوش ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم کچھ دن ہمارے ساتھ رہو۔"

"ایک بار پھر تمہارا شکریہ۔ میں تمہارے ساتھ رہنا منظور ہے۔" میں نے کہا۔ دوسرے سالے لوگوں نے بھی خوشی کا اظہار کیا تھا۔

اور پھر ان لوگوں نے ہماری خاطر ملازمت میں کمی نہ ٹھاکھی۔ وہ کچھ مکانات بنا کر بننے کے عادی تھے۔ سادہ سادہ سے مکانات تھے۔

ایسے ہی ایک مکان میں ہم نے قیام کیا، جہاں ہمارے لیے ساری سہولتیں مہیا کر دی گئی تھیں۔ بہت دن کے بعد ایک آرام دہ رات گزاری۔ سرینڈو کو اس بات پر بھی شدید حیرت ہوئی تھی کہ میں ان کی زبان جانتا ہوں لیکن

بہر حال اب وہ میرے بہت بڑے گمانی ہونے پر یقین کر چکا تھا اس لیے اس نے خود کو مطمئن کر لیا تھا۔

دوسری صبح آنکھوں میں روشنی آگئی۔ ہمارے لیے دو دھوپل اور ایک خاص قسم کا پکا ہوا کھانا لیکر جوڑوں آئی وہ بہت خوبصورت تھی۔ خدا حال تو

اس کے بھی دوسرے لوگوں کی مانند تھے لیکن چہرے کی ملازمت جان لیا تھی۔ آنکھیں چھوٹی لیکن بہت پرکشش تھیں۔

میں نے سرینڈو کو گھوکا دیا اور وہ اچھل پڑا۔

"کلم۔ کیا ہمارا؟" وہ جلدی سے کھڑا ہو گیا۔

"لو کی! میں نے کہا۔"

"ہے رام۔ یہ۔ یہ کیا ہے کسی ہے۔ ہم۔ میں نہیں سمجھا ہمارا؟"

"بیٹھ جاہیل۔ گدھا کہیں کا؟" میں نے اسے بازو سے پکڑ کر کھینچا اور وہ گر پڑا۔ بڑی طرح زور سے ہو گیا تھا بے قوت کہیں کا۔

لو کی تھاں اٹھانے میرے پاس پہنچ گئی اور اپنی زبان میں بولی۔

"مجھ کو لائے ہیں ہمارا؟"

"اؤ۔" میں نے کہا اور وہ قریب آگئی۔ پھر اس نے تھاں رکھ دیا۔

"کیا نام ہے تمہارا؟"

"لاکھی! اس نے جواب دیا۔"

"بڑا خوبصورت نام ہے۔ تمہارے چہرے کی طرح۔ تمہارے بچے کا کیا نام ہے؟"

"میاہ نہیں ہوا ابھی ہمارا۔ اس نے شرم کا جواب دیا۔"

"اوہ اکب ہوگا؟"

"کیا معلوم؟ کا کا کو معلوم ہوگا؟"

"تمہارے کا کا کیا نام ہے؟"

"بچن!"

"یہ مجھ کو کس نے بھیجا ہے؟"

"کا کا نے!"

"اور کیا کہا ہے؟"

"کہا ہے تمہاری سوا کریں۔" لو کی نے جواب دیا اور میرے دل میں عجیب سی گڑبڑ ہونے لگی۔ کیا وہ میری ہر قسم کی سوا کر سکتی ہے حالانکہ سوچنے کا یہ انداز

ٹھیک نہیں تھا پر فہم۔ وہ لوگ میرے ساتھ اچھا سلوک کر رہے تھے۔ ان محسنوں کو دھوکا دینا بڑی بات تھی لیکن نہ جانے اسے دیکھ کر کیوں ذہن پرستور سا طاری ہو گیا تھا۔ بہت دنوں سے عورت سے دور تھا اور پھر عورت بھی جوتے میں

آئی تھی وہ ایسی دلکش تھی کہ دل میں امتیاز مل گیا تھا۔

"تو کیا تم یہاں رہو گی؟ میرے پاس؟"

"مگر کون تو رہے گی؟"

"ہوں۔" میں نے اسے فوراً دیکھتے ہوئے کہا اور پھر ہم دونوں نے ناشتہ کیا اور وہ تھاں اٹھا کر اپنے گلی "لاکھی! میں نے اسے مخاطب کیا۔"

"ہاں! وہ رگ گئی۔"

"اب کب آئے گی؟"

"سوچو چڑھے۔ دوپہر کا بھوجن لیکر۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے گون ہلا دی اور پھر سرینڈو کی طرف دیکھنے

لگا "کیا حال ہیں سرینڈو؟ ناگھنچ؟"

"ٹھیک ہوں ہمارا؟"

"یار تجھے عورت سے کوئی لکھی نہیں ہے؟"

"نہیں ہمارا؟ کچھ مالو تو میں عورت سے ڈرتے لگا ہوں۔"

"ادو۔ کیوں؟"

"بس اسے نونا کے روپ میں دیکھ کر۔"

"اوہ۔ بے قوت آدمی۔ ہر عورت نونا تو نہیں ہوتی۔"

"پھر تو کچھ مالو ہمارا؟ مجھے ہر عورت کو دیکھ کر نونا یاد آ جاتی ہے۔"

"وہ کیا تم شادی ہی نہیں کر گئے؟"

"مروں کا تو یہ کہہ گی۔"

"کیوں؟"

"میں اس کا بچہ ہی نہیں بن سکتا عورت کو دوسرے دیکھ کر ہی بڑاں کا بننے

لگتا ہے۔ جب وہ میرے قریب آئے گی تو میں کسی قابل ہی نہیں رہوں گا۔"

"اچھی ہے پورا۔" میں نے بڑا سامنے بنا کر کہا اور سرینڈو ہنسنے لگا۔

پھر بولا۔

"یہ لو کی کیا کہہ رہی تھی ہمارا؟"

"کہہ رہی تھی تمہارا ساتھی بہت خوبصورت ہے۔ میں اس سے پریم رکھتی۔"

"نہیں ہمارا۔ ہم سے کہیں زیادہ سند اک ہیں۔ وہ یہ نہیں کہہ رہی تھی۔"

"پھر تمہارے خیال میں کیا کہہ رہی ہوگی؟"

"مزدور وہ آپ سے پریم کرنے لگی ہے۔"

"تمہارا کیا خیال ہے سرینڈو؟ لو کی کسی ہے؟"

"بہت سند ہے ہمارا۔ پر تو ایک بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔"

"کیا ہے؟"

"آپ اتنے بڑے گمانی ہو کر ستری حال میں کیوں پھنس جاتے ہیں؟"

"تم بھی سمجھو ایک بات بتاؤ سرینڈو! یہ اتنے بڑے بڑے گمانی کیسا خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں۔ انھیں بھی کوئی عورت ہی جہم دیتی ہے اس کا مطلب

ہے کہ عورت بڑی چیز نہیں ہے۔"

"بڑی چیز تو نہیں ہے ہمارا مگر۔۔۔"

"ہاں۔ مگر کیا ہے؟"

"گمان حاصل کرنے کے لیے برہمچاری ہونا ضروری ہے۔"

"میں تو نہیں ہوں۔"

"ہاں۔ آپ پہلے ساڑھوں ہمارا؟ جسے میں نے استری کے قریب

لوگ ناراض ہو گئے تو؟"

"دیکھا جائے گا سرینڈو! میں نے کبھی ان باتوں کی پروا نہیں کی ہے۔ میں نے کہا اور سرینڈو کافی دیر تک انھیں میں گرفتار رہا اس کے چہرے پر عجبیب سے تاثرات تھے۔"

مختصر یہ کہ لاکھی دوپہر کو آئی پھر شام کو بھی وہ آئی۔ شام ڈھلے ہم مندر میں پوجا کرنے لگی گئے اور مندر میں ہی ہماری کافی آؤ بھٹکت ہوئی۔ پہلے روز لاکھی سے بس بے تکلف ہونے کی کوشش ہماری ہی۔ میں نے محسوس کیا

کہ اس کے انداز میں کچھ تبدیلی پیدا ہوگئی ہے اس کی آنکھوں میں بھی روشنی پیدا ہوگئی ہے اور دوسری طرف میں نے پلاگ قدم اٹھالیا۔ لاکھی صبح کا بھوجن لائی تو

میں نے باہر جانے میں ہی اس کا استقبال کیا۔ جوئی اس نے تھاں رکھا میں نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ دیے۔ لاکھی..... لاکھی..... لاکھی.....

غیر ہوگئی اس کا نفس بڑھ گیا، انھیں سرخ ہو گئیں اور چہرے سے تپش اٹھنے لگی۔

"ہمارا؟ ہمارا؟! یہ تم نے کیا کر دیا ہے۔ ہمارا تو سارا بدن ٹوٹنے لگا۔ ہمارا۔ ہمارا۔ ہمارا۔ نہ جانے کیا ہو گیا ہے۔"

"بھگنا چاہتی ہے؟ میں نے پوچھا۔"

"ہاں! اس نے مصمومیت سے گردن ہلا دی۔"

"تنب پھر۔ رات کو جب میرے لیے بھوجن لائے تو دوسرے جانا۔ یاد بارہ آمانا۔ غمناک تجھے میری حرکت بہت اچھی لگی ہے؟"

"ہاں ہمارا۔ بس پورے بدن میں اٹھن ہوگئی ہے۔ نہ جانے کیوں۔"

اس نے کہا۔ اس وقت اندر سے سرینڈو باہر نکل آیا۔ ہم دونوں کو دیکھ کر وہ ٹھٹھک گیا، پھر اتنی بدحواسی سے پٹاکر بڑی زور سے بندروانے سے ٹکرایا

اور پھر سر پکڑ کر میں بیٹھ گیا۔

"جالا کھی! رات کا چن یاد رکھنا۔" میں نے اس سے کہا اور وہ لڑکھانے قدموں والیں چلی گئی "کیا ہو گیا سرینڈو ہمارا؟ کیا تم زندہ ہو؟"

"مگر کیا ہمارا۔ بڑی زور سے لگی ہے۔"

"عورت کا اپنا کر گئے تو ایسا ہی ہوگا، پھر بھوجن کرو۔ میں نے سنتے ہوئے کہا اور ہم دونوں نے ناشتہ کیا اور پھر گھٹنے منکل آئے۔ ایک طرف سے ہمارا

اوتار میں سمت میں سبزہ نازوں سے گھری ہوئی اس بچی کی آبادی بہت مختصر تھی۔ ساڑھ سے زیادہ مکانات نہیں تھے۔ سیدھے سادے لوگ بھتی باڑی کرتے

شہر چورنگ ویلوٹ جوبیت چیزیں گرافندہ مادہ پر مبنی ہے

نک ویلوٹ کی چوہاں

ان چیزوں کی دیکھ کر کہنا آسان ہے

وہ تمام کھانے پینے کی چیزیں جو کہ

کتابیات پبلیکیشنز

پوسٹ بکس نمبر ۲۳۳ کراچی ۱

تھے اور اپنے سائل آپ مل کر تھے کیونکہ دور دور تک کوئی اور آبادی نہیں تھی۔
 نہ جانے یہ اس دور دراز خطے میں کیوں آئے تھے اور دنیا سے الگ تھک زندگی
 گزار رہے تھے۔ ہندو دھرم کے پیرو تھے اور شاید بدھ مت سے دھرم کی پابندی
 کی بجائے تھی۔ تھوڑی دیر میں ہم نے ساری سستی گھم لی اور واپس آ گئے۔
 ”کب تک یہاں رہو گے ہمارا چہ؟“ سریندر نے پوچھا۔
 ”جب تک دل نہ چھوڑے“ میں نے جواب دیا۔
 ”کب تک دل چھوڑے گا ہمارا چہ؟“

”کیوں؟ تم یہاں آتا ہٹ مسوس کر رہے ہو؟ میں نے چونک کر پوچھا۔
 ”اے نہیں ہمارا چہ۔ ہماری کیا ہے کہیں بھی جیون پتا سکتے ہیں۔
 اگر کوئی دھان یا تار ہو تو توں خوب لگتا تھا۔“ سریندر نے جواب دیا۔
 ”پھر وہی بات سریندر میں کہتا ہوں گی ان میں دھیان لگا یا ہے تو
 اس کے لیے چنگ کی قید نہیں ہے۔“

”وہ تو ٹھیک ہے ہمارا چہ پر تو۔“
 ”یا پھر نہیں ہے ہمارا دل میری طرف سے ہٹ گیا ہو؟“
 ”ایسا کیوں سوچتے ہیں ہمارا چہ؟“ سریندر جلدی سے بولا۔
 ”کوئی بڑی بات نہیں ہے سریندر۔ تمھارے دھرم میں گیلیاں بہت
 پوتر ہوتا ہے۔ اسے سنا کر کوئی کو بھ نہیں ہوتا لیکن میرے ساتھ یہ بات نہیں ہے
 میں نے تمھیں پہلے بھی دھوکے میں نہیں رکھا سریندر میں تمھارے ان گیلیاں میں
 سے نہیں۔ یہ تو دھرم ہی وہ نہیں ہے جو تمھارا ہے۔ اگر تم مجھے گیان دینا چاہتے
 ہو تو یہ تمھاری بھول ہے۔ اب بھی میری بات مانو تو اپنے لیے ٹھیک راستے کا
 انتخاب کرو۔“

”آپ۔ آپ ناراض ہو گئے ہمارا چہ؟“ سریندر افسردہ سے بولا۔
 ”نہیں میرے دوست۔ یقین کرو! اسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں
 نے تو تمھیں حقیقت بتائی ہے۔ اگر تم مجھے جڑا ہو جاؤ گے تو میں تمھیں تھوڑا
 نہیں ٹھہراؤں گا کیونکہ میرا اور تمھارا مسلک الگ الگ ہے۔“
 ”کچھ بھی ہو ہمارا چہ! اب میں آپ کو نہیں چھوڑا جا رہا ہوں۔“
 ”تب پھر۔ میرے معاملات میں دخل نہیں دو گے سریندر۔ جو
 کچھ ہو اسے دیکھو۔ یا آنکھیں بند کر دو۔“ میں نے خشک لہجے میں کہا۔

”میں چن چن ہوں ہمارا چہ! آئندہ ایسا ہی ہوگا۔“ سریندر نے کہا اور
 میں اس احمق انسان کے عقائد غلوں پر ہنسنے لگا۔ گیان کی تلاش میں بیٹھتا
 ہوا ایک غلط راستہ پر آگیا تھا۔ بھلا میرے ساتھ اسے کیا ملتا اسوئے غلط باتوں
 کے جن کا دھرم سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔

دوپہر کو لاگھی چڑھی! اس میں غایاں تبدیل نظر آ رہی تھی غور کو جانے
 کے لیے اس نے جگے سے زیور اور آرائش کی دوسری چیزیں استعمال کی تھیں۔
 اس کی آنکھوں میں بے پناہ چمک نظر آ رہی تھی۔
 ”اے لاگھی! کیا بات ہے۔ تو تو بڑی خوش ہے؟“ میں نے کہا۔
 ”کیا میں کچھ خوش ہوں ہمارا چہ؟“

”ہاں۔ تیرا تو روپ ہی بدل گیا ہے۔“
 ”سب ہی کہہ رہے ہیں۔ جو دیکھ رہے ہیں کہ یہی کہہ رہے ہیں۔ اب میں کسی کو
 کیا بتاؤں کہ مجھے کیا ہو گیا ہے۔ کشور وار تو مجھے ہی پرگئی۔“
 ”کشور ہے؟“
 ”میری سخی ہے ہر میں نے اسے بھی کچھ نہیں بتایا۔“
 ”ہاں لاگھی۔ ان باتوں کو توں میں چھپانے رکھا چاہیے کسی کو کچھ بتانا
 ٹھیک نہیں ہوتا۔“ میں نے کہا۔

”تو میں کوئی پاگل تھوڑی ہوں جو کسی کو کچھ بتا دوں گی۔ اب میں جانوں؟“
 ”ہاں۔ رات کو آئے گی نا؟“
 ”ہائے رام۔ رات ابھی کیوں نہیں ہو چاقا!“ لاگھی نے حسرت کہا اور
 میں نے اس کے گال پر پیار سے تھپکی دی۔

”اتنی جلد بازی ابھی نہیں ہوتی لاگھی۔ بس اب جا۔ رات کو میری
 انتظار کروں گا۔“ اور وہ گئی! اس کے جانے کے بعد میں نے ایک گہری سانس
 لی اور سریندر کی طرف پل بڑا۔ مجھے بھی رات کا انتظار تھا اس کے ساتھ ہی میرے
 بدن میں خوشگوار لرز دوڑ رہی تھیں۔

پھر رات ہو گئی۔ آسمان ابرا کو دکھا۔ نہ جانے کیوں یہ رات کافی انسان ہی
 تھی! ابھی تک رات کا کھانا نہیں آیا تھا۔ شاید لاگھی نے جان بوجھ کر دیر کی تھی تاکہ
 پھر آرام سے میرے ساتھ رہ سکے۔ میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔ کافی دیر ہو گئی۔
 سریندر بھی کھانے کے انتظار میں تھا۔

”کیا بات ہے ہمارا چہ! لاگھی نہیں آئی؟“
 ”آج وہ آئے گی تو۔ پھر صبح کو جگے گی۔“ میں نے کہا۔
 ”اوہ۔ کہہ گئی ہے کیا؟“
 ”ہاں!“
 ”ٹھیک ہے۔“ سریندر نے ایک گہری سانس لی۔
 ”کیوں کیا سوچتے گے سریندر؟“

”کچھ نہیں ہمارا چہ۔ آج میں سوچ رہا تھا کہ رات کے بھو جن کے بعد
 باہر کی میرونگوں کا رات کو چند لمحوں کے نیچے میرے کمرے کی دیوار گذر گئے۔“
 ”ہاں۔ ہاں ضرور۔ تم ایک اچھے دوست! اچھے ساتھی ہو۔“ میں نے
 سریندر کی بوکھا ہٹ بھانپتے ہوئے کہا اور سریندر لب لباب جھانکنے لگا۔ اس وقت
 باہر قدموں کی چاپ سنانی دی اور پھر کئی دن رواہ کھولا۔ لاگھی کھانا بنا کر آ گئی
 تھی۔ اب وہ بے دھوک اندر آجاتی تھی لیکن اس وقت شراب ہی تھی شاید۔
 ”اندھا آ جاؤ لاگھی۔“ میں نے کہا اور وہ اندھا آئی لیکن لاگھی نہیں تھی۔

”جس چونک پڑا کون ہو تم؟“ لاگھی کہاں گئی؟ میں نے پوچھا۔
 ”ہم سستی ہیں ہمارا چہ! کھانا لائے ہیں۔“ لڑکی کی سہمی آواز سنانی دی۔
 ”لاگھی کہاں گئی؟“
 ”مرگئی ہمارا چہ! اس نے بسکی لی اور میں پھل پڑا مجھے اپنے کانوں
 پر نہیں آیا تھا۔ سریندر مجھے خوب سے دیکھ رہا تھا۔“

”کیا ہوا اسے۔ کیا کبڑی ہو تم؟“ میں نے کھڑے ہو کر پوچھا۔
 ”لاگھی مر گئی سرکار۔“ سستی نے جواب دیا۔
 ”کیسے؟“ میں نے مارا اسے؟ چالاک میرے بدن کے بال کھڑے ہو گئے۔
 ”چڑیل نے۔“ وہ سسے ہوئے لہجے میں بولی۔
 ”کیا؟“ میں نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔
 ”ہم سے نہ پوچھو ہمارا چہ۔ میں جاتے ہوئے ڈر گئے گا۔“ سستی نے

جواب دیا۔
 ”کیا تو نے کچھ کہا ہے؟“ لاگھی کی سخی مر گئی ہے؟
 ”ہاں ہمارا چہ!“ اس نے جواب دیا۔
 ”تب پھر کھانا رکھنے میرے ساتھ چل۔ مجھے لاگھی کے گھرے چل۔“
 میں نے کہا اور پھر سریندر کی طرف رخ کر کے بولا۔ ”سریندر! ہم کھانا کھاؤ۔“
 میں تھوڑی دیر میں واپس آؤں گا۔“

”معاذ کیا ہے ہمارا چہ! مجھے بھی تو بتائیں؟“
 ”واپس آ کر بتاؤں گا۔“ میں نے کہا اور سستی کے ساتھ باہر نکل آیا۔
 باہر رات تاریک تھی میں سستی کے ساتھ چل پڑا۔ ایک بات بتا سستی! لیکن
 بالکل سچ؟“

”جی ہمارا چہ؟“
 ”لاگھی کو اس کے باپ یا چھائی نے قتل کیا ہے یا اس کے کسی اور
 عزیز نے؟“

”اے۔ وہ اے کیوں اتنے ہمارا چہ! اے تو۔ اے تو۔“
 ”ہاں ہاں بول۔“
 ”ہم تپا کئے ہیں ہمارا چہ۔ ہائے رام ہمارا بدن کیسے کانپ رہا ہے۔“
 ”اسے کس نے مارا ہے سستی؟“

”چڑیل نے۔ سب ہی کہہ رہے ہیں۔“ سستی نے کہا۔ بات میری کچھ
 میں نہیں کر رہی تھی۔ میرا خیال تھا معصوم لاگھی نے کسی کو اپنا راز دار بنا لیا بات
 گھل گئی اور کسی غیرت مند نے اسے ہلاک کر دیا۔ اگر کسی نے ایسا کیا ہے۔ اگر
 کسی نے ایسا کیا ہے تو اسے معاف نہیں کیا جائے گا۔ میں سستی سے سوچا۔
 اور پھر ہم لاگھی کے کچے مکان پر پہنچ گئے۔ مکان میں سناٹا تھا عجیب
 محسوس سامان حول تھا۔ ہمیں داخل ہوا تو بہت سے لوگ نظر آئے۔ خاموش
 خاموش سسے سسے۔ میں نے ایک ایک کی شکل دیکھی۔ کسی کے چہرے پر ایسے تڑپاں

نہیں نظر آئے جو میرے لیے برے ہوتے۔
 ”لاگھی کا باپ کہاں ہے؟“ میں نے پوچھا اور کسی نے لاگھی کے باپ کو
 آواز دی۔ وہ میرے پاس پہنچ گیا۔ اس کی آنکھوں میں کسو بھرے ہوئے تھے۔
 ”مرگئی۔ ہمارا لاگھی مر گئی ہمارا چہ! چڑیل نے اس کی گردن بادی۔“
 ”کیسے چڑیل؟“ کہاں سے آئی تھی؟ میں نے غرا کر پوچھا۔
 ”میری آنکھوں کچھ بات ہے۔ تمھارے لیے بھو جن پروس ہے تھی۔
 بڑی خوش تھی آج۔ صبح سے بات بات پر ہنس رہی تھی۔ نہ جانے کیوں۔“

نہ جانے کیوں۔ پھلاس نے تھاں رکھا اور اسی وقت، ہائے بھگون۔ میں
 نے فوراً دیکھا۔ کالی بھونگ! لال آنکھیں! زبان باہر نکلی ہوئی اور لمبے لمبے
 ہاتھ۔ اے اس نے میری لاگھی کی گردن پکڑ لی اور پھر لاگھی کی چھ سنانی
 دی۔ ہائے رام۔ میں تو کچھ ہی دیر سکا اس کے لیے۔ بس وہ مر گئی۔ اس کی
 ماتا بھی اسے نہ چکا سکی۔ ہائے میری لاگھی مر گئی۔“

”اس کی لاش کہاں ہے؟“ میں نے پوچھا۔
 ”اڑھی بن گئی ہے۔ صبح کو ششان لے جائیں گے۔“
 ”مجھے کھاؤ۔“ میں نے کہا اور لاگھی کا باپ مجھے اس کی اڑھی کے پاس
 لے گیا۔ تب میں نے سنج و انوس کے ساتھ حسین لاگھی کو دیکھا۔ لگتا تھا سوجھی
 ہے۔ چہرے پر عجیب سی سکراہٹ تھی۔ میں جھجک گیا اور پھر میں نے اس کی گردن
 دیکھی نہایت بیدار دی سے ہائی کی تھی کسی ہمت طاقتور ہاتھ کے شیشے نے
 اسے چھینا تھا۔ بات کچھ میں نہیں آتی تھی۔ میں کافی دیر تک اسے دیکھتا رہا۔ زندگی
 کی کوئی برق باقی نہیں تھی۔

میں گہری سانس لیکر بٹ گیا اور پھر میں ہاں نہیں رکھا۔ لاگھی کے
 گھروالوں کے چہرے میں نے فوراً دیکھے تھے۔ اگر میرے معاملے میں لاگھی قتل کیا
 گیا ہوتا تو یقیناً ان میں سے کسی کے چہرے پر میرے لیے بھی نفرت ہوتی لیکن یہی
 کوئی بات نہیں نظر آتی تھی اور پھر اگر ایسی بات ہوتی تو دوبارہ کسی طرح کی کوریسے
 پاس نہیں بھیجا جاتا۔ تب پھر۔ اسی ادھیر میں میں واپس اپنی باتش گاہ
 پر پہنچ گیا۔

سریندر نے جیبتی سے میرا انتظار کر رکھا تھا اس نے کھانا بھی نہیں کھایا
 تھا۔ اے سر۔ رات بھر نہ بھو جن نہیں کیا؟ میں نے پوچھا۔
 ”میں ہی نہیں چاہا ہمارا چہ۔ تم کسی پریشانی میں تھے تھے تم نے مجھے
 کچھ بتایا ہی نہیں اور میں ان باتوں کی زبان نہیں کھتا۔“ سریندر نے کہا۔

”ایک افسوسناک واقعہ ہو گیا ہے سریندر!“ میں نے کہا۔
 ”ہو کیا ہمارا چہ؟“
 ”لاگھی مر گئی!“
 ”ہیں۔ لاگھی۔ پر کیسے ہمارا چہ؟“
 ”کسی نے اس کی گردن بادی۔“
 ”لگ۔ گردن بادی۔ ہرے رام۔ تم کس نے؟ کیا لوگوں کو پتہ
 چل گیا؟“

”میں نے بھی یہی سوچا تھا سریندر! اگر یہ بات نہیں ہے۔ وہ لوگ کہتے
 ہیں کہ کسی چڑیل نے اس کی گردن بادی! اس کا باپ کہتا ہے کہ اس نے اپنی آنکھوں
 سے چڑیل کو دیکھا تھا۔“

”ہج۔ چڑیل۔ ہرے رام۔ ہرے شکر۔ ہرے رام۔ ضرور دیا یا
 ہوگا ہمارا چہ۔ بے بھگون وہی ہوا جس کا خیال تھا۔ ہرے رام۔ ہرے رام۔
 سریندر کانپنے لگا۔
 ”کیا بکواس ہے!“ میں نے سریندر کو گھورا۔

”وہ ہوا دیکھا کر ہی ہے ہمارا ج۔ ضروری اس کا کام ہے۔ تم مانویا نہ
مانو ہمارا ج، منو یا ہائے پیچھے لگی ہوئی ہے۔ میں اکیلا پا کر ضرور مار کرے گی۔“
اور اس سن رہ گیا۔ سریندا کا دماغ خوب پہنچا تھا لیکن ہے وہ حقیقت منو یا
ہی ہوا دریں خاموشی سے سریندا کی شکل دیکھتا رہا۔
”یہ ممکن ہے سریندا۔ اس نے جہن میں لاکھی کو ختم کر دیا ہوگا۔“
”یہ بات ہے ہمارا ج۔ بالکل ہی بات ہے۔“ گریہ تو ابھی
بات نہیں ہے ہمارا ج۔ اب تو ہمارا جیون سخت خطرے میں ہے۔ وہ۔ وہ۔
ضرور ہیں مارنے کی۔ ایک نہ وہ ہمیں بھی ختم کرنے کی۔ سریندا کی آواز خوف
دہشت سے لرز رہی تھی۔
”اوہ کوسا مت کرو۔ وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی۔ جولو۔ کھانا
کھاؤ۔“ میں نے سمجھلائے ہوئے انداز میں کہا اور قہار ساٹنے لکھ لیا۔
”تم کھاؤ ہمارا ج۔ میں نہیں کھا سکوں گا۔ مجھے بھوک نہیں لگے گی۔“
سریندا نے کہا۔
”جتنی جھاؤ۔ مجھے اس کی بڑی پر غصہ آگیا۔ میں نے خاموشی سے
کھانا کھایا۔ دل میں تیر کر لیا تھا کہ اگر سریندا نے اب کوئی حماقت کی بات کی تو
اسے اچھی طرح ڈانٹوں گا میرے ذہن میں شدید غصہ بھڑک رہی تھی۔ منو یا نے
مجھے دوسری بار زبردست چوٹ دی تھی اس نے میری دوسری جگر پر قتل کر دیا تھا۔
کاش وہ کسی طرح میرے ہاتھ لگ جاتی ایسی ہی اذیتیں دے کر مارنا لگا ہو گئی،
لیکن یہ سب کچھ میری قتل سے بھی باہر کی بات تھی۔ میں اسے کہیں بھی نہ لگاؤں
نہیں کر سکتا تھا۔
سریندا کی خوش بختی تھی کہ اس نے اس موضوع پر کوئی بات ہی نہیں کی
اور پھر کھانے کے بعد میں نے ہی اسے مخاطب کیا۔ ”مجھے غصہ ہے کہ تم خوف سے
مروں نہ جاؤ۔“
”یہ بات نہیں ہے ہمارا ج۔ مجھے بھی اس بے چاری کے مرنے کا
افسوس ہے۔“
”کیا منو یا میں اتنی قوت موجود ہے کہ وہ زندہ انسانوں کو قتل کرتی ہو؟“
”گندی ٹی ہے ہمارا ج۔ سب کچھ کر سکتی ہے اس کے ساتھ گندی
رو میں ہوں گی تم۔ تم دوشواش کرو ہمارا ج۔ وہ ہم دونوں کو بھی آسانی سے
مار سکتی ہے اور پھر۔ اور پھر۔“
”ایک بات بتاؤ سریندا۔“ میں نے پوچھی سے کہا۔
”جی ہمارا ج۔“
”اسے اب کس طرح ختم کیا جاسکتا ہے؟“
”بس گیاں سے ہمارا ج۔ اس کے لیے کسی بڑے گیاں سے لینا
ضروری ہے۔ تم کسی بڑے گیاں کو تلاش کرو اور اس سے کہو کہ وہ اس کو ختم
کرنے، دوسری کوئی ترکیب نہیں ہے۔“
”اوہ! گیاں کہاں سے لگے گا؟ میں نے غرا کر کہا۔
”اس ہائے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا ہمارا ج۔“ سریندا نے کہا اور

میں سمجھلائے ہوئے انداز میں خاموش ہو گیا۔ سریندا منڈک لٹ گیا۔
پھر میں نے اسے مخاطب نہیں کیا۔ میں بھی آرام کرنے لیٹ گیا تھا اور پھر بے چاری
لاکھی کی موت پر افسوس کرتے کرتے میں سو گیا۔
دوسری صبح آنکھ جلد ہی کھل گئی طبیعت پر گرائی کی تھی میں نے سریندا
کی طرف دیکھا لیکن سریندا موجود نہیں تھا۔ شاید وہ بھی رات بھر سوئیں رکھا تھا
اور صبح ہی صبح باہر نکل گیا تھا میں غور غور دیر تک باہروں کے سے انداز میں لیٹا
رہا۔ پھر اٹھ گیا اور باہر نکل گیا۔
سریندا نظر نہیں آ رہا تھا۔ نہ جانے میرے ذہن میں کیا خیال آیا کہ میں باہر
نکل آیا اور پھر میں نے ایک گری سانس لی۔ ایک گھوڑا غائب تھا پہلا خیال
جو میرے ذہن میں آیا وہ یہ تھا کہ سریندا مجھے چھوڑ گیا تھا گیاں کی وجہ سے منو یا
کا خیال ہی تھا۔ سریندا عام حالات میں شاید میرا ساتھ نہ چھوڑا لیکن منو یا کے
خوف نے اسے میرا ساتھ چھوڑنے پر مجبور کر دیا اس نے سوچا ہر گاہ گلاب نہ مانی کی تو
میری طرف ہی ہے اور وہ میرے پیچھے لگی ہوئی ہے۔ میرے ساتھ وہ تو بھی مارا
جائے گا اور بہر حال زندگی اتنا عقیدت سے زیادہ قیمتی چیز ہے میرے خیال
میں سریندا نے مناسب فیصلہ کیا تھا۔ مجھے اس کے فیصلے سے کوئی شک نہیں ہوا۔
وہ میرے لیے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا تھا بلکہ ایک طرح سے ایک مفنوں
ساختمی تھا۔ بے صرف غیر و غیر پھپھپ اس کے ساتھ ہونے سے مجھے کوئی خاص
خوشی نہیں ہوتی تھی۔
لیکن اب۔ اب میں کیا کروں۔ میں نے سوچا اور پھر دیر تک سوچتا
رہا۔ یوں تو ہمیشہ بدے ہوئے ادوار کے بدلے ہائے انداز میں نے دیکھے تھے،
ان ادوار میں میری مختلف معشیتیں رہی تھیں لیکن اب اس طرح بے یں نہیں ہوتی
تھی۔ میں نے غور غور کی جدوجہد سے ہر طاقت کو لپیٹا تھا لیکن یہ کہ نہ منو یا
ابھی تک میرے پس میں نہیں آئی تھی۔ اگر اسے ختم کر دیا گیا تو اسی غیر و غیر پھپھپ
ہو جائے گا اور اس کے لیے۔ اس کے لیے ان کا علم کھانا ضروری ہے۔
کچھ بھی ہو کیسے بھی ہو۔
اور پھر میں اس بات سے بیزار ہو گیا اب یہاں مزید کتنا حماقت
ہے۔ چلنا چاہیے۔ یہاں سے چلنا چاہیے اور فیصلہ اس شدت سے میرے
سر ہوا ہو گیا کہ میں نے اسی وقت وہاں سے ہل پڑنے کا فیصلہ کر لیا لیکن اس کے
لوگ شاید لاکھی کی اتنی تشن لپٹا لپٹا تھے کہ اس لیے دور دور تک کوئی نظر نہیں
آ رہا تھا۔ میں نے گھوڑا سنبھالا اور اس کی پشت پر سوار ہو کر ہل پڑا۔
اگاد کا غور غور نظر آئی تھیں لیکن اندر سے کسی نے مجھ سے کچھ پوچھنے کی
جرات نہیں کی اور غور غور دیر کے بعد میں اس بھڑکی سی تہ سے کافی دور نکل
آ گیا۔ بس رُخ کا لٹیکہ تو کیا نہیں تھا، جدھر نہ لٹا تھا قبل پڑا تھا گھوڑا سب کی
سے سفر کر رہا تھا۔
دوہر تک کافی دور نکل گیا اور پھر گھوڑے کو آرام دینے کے لیے میں نے
ایک جگہ تیار کیا۔ گھوڑے کو چھوڑ دیا۔ غور غور کچھ تک پہنچاں تلاش کیے اور
ان سے پرٹ بھرا۔ تقریباً دو گھنٹے تک ٹھہرا کر ان کے بعد میں اور گھوڑا دونوں

تازہ دم ہو گئے اور وہاں سے چل پڑے۔
شام ہوئی اور بھارت ہو گئی۔ جنگ درست ان کے علاوہ کچھ نہیں
تھا۔ ویسے میں نے محسوس کیا تھا کہ گلاب و دشمنوں کا سلسلہ ختم ہوتا جا رہا ہے۔ وہ
چھوٹے چھوٹے ہو گئے تھے۔ رات کے قیام کے لیے یہی جگہ مناسب سمجھی تھی،
سورات گذری اور صبح ہو گئی۔ میں نے وہاں سوچ کے ساتھ ساتھ سفر شروع
کر دیا اور جب سوچ باندی پر پہنچا تو دشمنوں کا سلسلہ ختم ہو گیا اور پہاڑی علاقہ
شروع ہو گیا۔ انسان کی شکل کو ترس گیا تھا اور سوچ رہا تھا کہ شاید اس طرف
انسانوں کا وجود ہی نہیں ہے۔
ایک پہاڑی کے گم میں گھوڑا روکا اور اس کی پشت پر ہاتھ مار کر اسے
بگاد کر اوہ آرام کر لے اور پھر مڑا ہی تھا کہ۔ ایک انسان پر نگاہ پڑی۔
ایک بہت بڑی چٹان کے سامنے پانی مانے آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا۔ تقریباً
تیر ہر ہر۔ بدن پر مٹی کی ہوئی، برے حوال۔ نزدیک ہی کھلنے پھٹنے کی چند
چیزیں پڑی ہوئی تھیں لیکن وہ بھی اتر حالت میں۔
اور میرے ذہن میں ایک خیال آیا لیکن یہ ہے کوئی علم والا ہو۔ سریندا
کے افغان میرے ذہن میں گھسنے لگے تھے۔ ایسے گیاں لوگ سنسار کا کوئی ٹوٹ نہیں
رکتے۔ وہ تو جنگوں اور دیرالوں میں اپنا سکھ بناتے ہیں۔ تو ضرور شخص نہیں
رہتا ہے۔ اگر اس سے کام نہ جائے تو کسی عداوت ہوگی۔ میں اس کے سامنے
پہنچ گیا اس کی آنکھیں بند تھیں اور شاید وہ اتنا کھڑا ہوا تھا کہ اسے میرے
قدموں کی چاپ بھی نہیں سنائی دی اور وہ اسی طرح بیٹھا رہا۔
کھوٹے گا تو کسی آنکھیں اب تک بند کیے گا۔ میں نے سوچا اور اس
کے سامنے اس کے انداز میں پانی مار کر چھڑ گیا۔ میں اسے غور سے دیکھ رہا تھا اگر
سانس کی آمد رفت نہ ہو تو سوچا جاسکتا تھا کہ بیٹھے بیٹھے مر گیا ہے لیکن تنفس
جاری تھا، پکوں میں بھی لرزش ہوتی تھی لیکن وہ آنکھیں نہیں کھول رہا تھا۔
کافی دیر اس طرح گزری اور اب مجھے سمجھنے ہوئے تھے۔ تب میں آہستہ
سے کھٹکا اور وہ اچھل پڑا اس نے جلدی سے آنکھیں کھول دیں اور اس
کی آنکھوں میں خوف ابھرا آیا۔
”ہری کرشن۔ رادھے کرشن۔ ہری کرشن رادھے کرشن۔ وہ جلدی
جلدی الایٹے لگا اس کے ساتھ یہ دیکھ بھی کھٹکا ہوا تھا اور پھر چٹان
سے پشت لگی تو جھج پڑا، پھر چٹان کو دیکھا اور پھر ہم ہوئی لگا ہوں سے
مجھے دیکھنے لگا۔
جوان آدمی تھا۔ کافی دن کی شب ہو چکی تھی اس لیے ٹھیک صبح
اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔
”اے کیا ہو گیا نہیں ہے کیوں تو رہے ہو؟“
”رادھے۔ رادھے کرشن۔ ہری کرشن۔ رادھے۔“ وہ اور زور
سے بولا اور میری طرف نہ کر کے پھٹک لپٹے لگا۔
”ٹھیک ہو جا بھائی بس بہت ہو گئی۔ تم مجھے کھائیں جھاؤں گا۔“
”رادھے شام۔ تم۔ تم بھی تو چاہیں دن اپنے بھی نہیں ہوئے۔“

منگل منگل آٹھ منگل پندرہ اور اکیس اور۔ ابھی تو کسی روز باقی ہیں۔“
”تو بچہ؟ میں نے پوچھا۔
”تم ہمیں سے کہیں آگئے؟ اس نے سے سے ہائے انداز میں پوچھا۔
”جلدی آگیا کیا؟“ میں نے پوچھی سے پوچھا۔
”ہاں۔ ابھی تو باقی دن باقی ہیں۔“
”چلو بار۔ پانی دن سے کیا فری پڑتا ہے۔ میں نے تھیں پانی دنوں
کی رعایت سے دی۔“ میں نے ہنستے ہوئے کہا، حالانکہ اس کی کوئی بات میری
سمجھ میں نہیں آئی تھی۔
”تم بھوکا ہو رہا؟“
”بھوکا، بڑا غیر رومانی نام ہے۔ جلدی ہی سی۔“
”اور تم میری ساری سزا کا منہ نہیں پوری کرو گے؟“
”میں؟“
”ہاں۔ کیا تم میرے داس نہیں ہو؟“
”داس۔ یعنی غلام؟“ میں نے پوچھا۔
”ہاں۔ لک۔ کیا تم۔ کیا تم بھی میرے قبضے میں نہیں آئے؟“
”کھوڑی اپنی جگہ سے کسی ہوئی ہے کیا۔ ایک ہاتھ ماراں گا گون ٹوٹ
جائے گی۔“ میں نے کہا اور وہ اچھل کھڑا ہو گیا اور اس کا وہی سفر دوبارہ شروع
ہو گیا لیکن میں نے محسوس کیا کہ اب وہ نکل جائے گی مگر میں نے اور اسی انداز
میں چاروں طرف دیکھ لیا۔
پھر اس کی نگاہ گھوڑے پر پڑی اور وہ اسے غور سے دیکھتا رہا۔
”بیٹھ جاؤ دوست۔ نہ جانے تمہارے ساتھ کیا حادثہ پیش آیا ہے۔
بڑی مشکل سے تم نے ہو میں تم سے باتیں کرنا چاہتا ہوں۔“
”تم۔ تم غور ہو کر کہو؟ اس نے پوچھا۔
”اگر پھر وہاں غلاماں ہے تو بہر حال میں بھوکا نہیں ہوں۔ ہاں
دوسرے حالات میں تم مجھے اپنا دوست سمجھ سکتے ہو۔“
”اے تو کہنے کہاں سے ہوا کہوں ہو؟“ اب اس کے انداز میں
کسی قدر جھلٹا ہٹ لگئی۔
”بس مسافر ہوں۔ ادھر سے گذر رہا تھا، تم پر نگاہ پڑی تو تھکے پاس
آ گیا۔“
”غش ہو؟ اس نے آنکھیں پھاڑ کر پوچھا۔
”تو نہیں راجش نظر آ رہا ہوں؟“
”اے تمہارا استیاسا۔ تم نے میرا سارا باپ ہٹ کر دیا؟ اس نے
کھٹکا کر کہا۔ ہائے رام مجھے کسدا دھوکا ہوا۔ اے میں تو بن موت مارا گیا۔ وہ انوکھ
لیجے میں بولا میں صبر و سکون سے اس کی شکل دیکھتا رہا پھر میں نے ایک گری
سانس لیکر کہا۔
”ٹھیک ہو گئے ہو تو بتاؤ یا کچھ ٹھیک پیٹ کر سیدھا کرنا پڑے گا؟“
”کیوں میری جان کو آگئے ہو بھائی۔ جاؤ اپنا راستہ پاؤ تم میری مٹی

پلید کردی۔ جاؤ میری بھینس نہیں آ رہا اب کیا کروں۔ اب تو نئے سرے سے جا پ کرنا پڑے گا پونے چالیس دن، ہائے رام میں کٹ گیا۔
 "تم کوئی جا پ کر رہے تھے؟ میں نے پوچھا۔
 "تو کیا جھک مارا تھا یہاں پختیس دن سے!"
 "اور پھر کیا کرتے تھے میں کرنا چاہتے تھے؟"
 "ہاں!" اس نے جواب دیا۔
 "کیا کام لینا چاہتے تھے اس سے؟"
 "بہت سے۔ ہائے مراب کیا ناکہ۔ اب تو ساری گڑبڑ ہو گئی۔"
 "تب پھر کچھ دیکھا جا پ پورا ہو گیا۔"
 "لک۔ کیا مطلب؟"
 "میں بھیرو کی بول۔ تم سے اب تک مذاق کر رہا تھا میں تمہارا اس بول۔
 "ہیں۔" وہ اچھٹ پڑا کھاؤ بھگوان کی سوگند۔
 "بھگوان کی سوگند میں نے کہا اور اس کی باپھیں کھل گئیں۔ وہ عید مسرہ رانگنے لگا تھا خوشی سے اس کی آواز بلند ہو گئی تھی۔ کانی دیواس کی یہ حالت رہی اور پھر اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ میں مضحکہ انداز میں اسے دیکھ رہا تھا ایسے صورت حال کی حد تک میری بھینس آگئی تھی۔ میں نے جسے کوئی مدد لگانی سمجھا تھا، وہ بے چارہ تو خود اپنی آنکھیں کیسے بھیرو کا کتبے میں کرنے کی سکر میں سرگرداں تھا۔
 بہر حال آدمی تو تھا۔ اور دیکھنے نہیں بھجاس وقت کسی آدمی کی ضرورت تھی۔ دیکھنا چاہیے آدمی کی ضرورت میں گھرا ہوا ہے۔ چند منٹ کے بعد میں نے کہا۔
 "اب آنکھیں کھول لو میرے مالک! اور اس نے آنکھیں کھول لیں۔
 "میں اپنے مالک کا ہوجھ سکتا ہوں؟"
 "میرا نام پوچھنا ہے؟"
 "جرا ہی کس نام سے۔ تمہاری منوکا کیا ہے ہمارا ج؟"
 "تو نہیں جانتا بھیرو کا؟" اس نے کہا۔
 "اے بھیرو! تو پاؤں میں رہتا ہے اسے کسی شے کے بالے میں کیا معلوم۔
 تم خود ہی بتا دو ہمارا ج۔
 "بھگوان کی بوند بھیرو کا مجھے مال و دولت کی کوئی چیز نہیں ہے۔
 پرنٹ رکھی کا لٹری باپ ہنسنا بھیرو کا ہے۔ اسے دولت چاہیے اور مجھے رکھی!"
 "ہائے۔ پراپتے ہر ہمارا ج؟"
 "ماں بھیرو! اسے اپنے بچوں سے زیادہ چاہتا ہوں۔"
 "اسی کے؟ جا پ کر رہے تھے؟"
 "ہاں!"
 "تمہاری اپنی مال سے کتنی دور ہے؟"
 "زیادہ دور نہیں ہے ہمارا ج۔ ان پھاڑوں کے دوسری طرف ہے۔
 "کیا نام ہے میری بھینس کی؟"

"دولت نگر۔ وہ بستی دولت رام نے ہی بسائی ہے اس کے پاس بے اندازہ دولت ہے گھر بھی وہ دولت کا بھوکا ہے۔
 "رکھی اسی کی لڑکی ہے؟"
 "ہاں!"
 "تو اس سے دواہ کرنا چاہتا ہے؟"
 "ہاں بھیرو! وہاں سے ہمارے بچوں کی سب سے بڑی منوکا منا ہے۔"
 پھر بھیرو نے جواب دیا۔
 "تب جتنا ذکر پوچھو نیال۔ تیری بھینس کا منا پوری ہر جانے گی اور کیا چاہتا ہے؟"
 "بس بھیرو! اس کے سرا کچھ نہیں۔"
 "ایک بات بتا کیا رکھی تھی تجھے جانتی ہے؟"
 "میں سے ہمارا ج! وہ اپنے لٹری باپ کے خلاف ہے مگر کیا کرے بول بھی تو نہیں سکتی۔ پھر نیال نے فرسوسناک بھینس کہا اور میں اسے تسلیاں دینے لگا۔ دل ہی دل میں میں ہنس رہا تھا۔ خوب فخر ہو رہی ہے۔ اپنا کام کرنے لگا ہوں لیکن اس سلسلے میں کچھ نہیں کر پا رہا اور دوسروں کے مسائل سر پر سوار ہو رہے ہیں۔ بہر حال کچھ کر لینا میرے اختیار میں نہیں تھا۔ حالات بڑھتی ہی چلیک رہے ہیں اس کو اٹھنے ملک نے مجھے بس کر کے رکھ دیا تھا۔ لیکن پروفیسر کی بات بتا رہا ہوں بھوت نہیں بول رہا۔ انسان خود پسند ہے۔ وہ بہر حال یہاں برتری چاہتا ہے۔ میں نے تو بعد یال گذاری تھی۔ کسی دوسرے کسی ماحول نے مجھے مایوس نہیں کیا تھا۔ قریب طور پر یہی کیسے کیسے ہو گیا مگر بہر حال حالات نے میرے لیے جگہ بنادی تھی اور میری عظمت کو تسلیم کیا گیا تھا لیکن یہاں اس پراسرار ملک میں میں بے حقیقت ہو کر رہ گیا تھا۔ اور پروفیسر صرف عورت کے ذہن کی گھنٹا بھٹ تھی ورنہ یہ بے لٹری باپ کی لٹری تھی۔
 پہلے ادوار میں میں نے صرف دوسرے انسانوں کو مقصد کے حصول کے لیے جدوجہد کرتے دیکھا تھا اور میں جس کی مدد کرنا دہ ہو گیا تھا اس کی تقدیر بدل گئی تھی۔ اس دور میں اس ملک میں میں خود اپنے لیے جدوجہد کر رہا تھا میرا مسئلہ میرے سامنے تھا اور میں کسی طور اس مسئلے کا حل نہیں تلاش کر پا رہا تھا۔ میں اپنے مسئلے میں الجھ کر رہ گیا تھا اور جب عورت میرے ذہن پر سوار ہو گئی تو میں اس جدوجہد سے لطف اندوز بھی ہو رہا تھا۔
 "اب ہم کیا کریں بھیرو! کچھ کرنا چاہتے ہیں؟"
 "بس تیری بھینس چلتی ہیں۔"
 "ٹھیک ہے۔ چلو گھر کی طرف؟"
 "جو کچھ کروں گا تیرے جیسے کے لیے ہو گا پھر۔"
 "ماں بھیرو! تو میرا اس نہیں میرا متر ہے بس میرا یہ کام کرنے اس کے بعد تو آزاد ہو گا۔ میں تجھے جیون بھرتے میں نہیں رکھوں گا میں تو محنت مزدوری کر کے کھانے کا قائل ہوں۔"
 "واہ۔ اچھا آدمی ہے۔ دل خوش کرنا۔ میں نے تو لٹری انداز میں کہا۔

"محنت کی روٹی، مستحان کے لیے بھی ٹھیک ہوتی ہے۔"
 "وہاں تیرا گھر بھی ہو گا؟"
 "ہاں۔ سب کے سب میں۔ پھر بھیرو نے بتایا۔
 "تیرے گھروالوں کا کیا خیال ہے تیرے باپ سے؟"
 "پاکل جیسے جس سب کے سب اور بات بھی ٹھیک ہے پھر کا بھیا۔
 ہم میں اور ان میں بڑا فرق ہے۔ ہم مزدور کسان آدمی وہ بستی کا مالک۔ پروفیسر بھی دیکھ بھال کے کیا چاہے ہے۔ پروفیسر کیا کریں؟ میں تو خود بخود پروفیسر ہو گیا۔"
 "خود بخود؟"
 "ہاں بھیا!"
 "وہ کیسے؟"

"اماؤس کی رات" وہ مندر میں چلے جاتے آتی تھی اور خود بھی کوئی جلتا رہا معلوم ہو رہی تھی۔ بس ہر سب سے سوس کر اسے دیکھتے رہ گئے۔ ہر ساری حالت خراب ہو گئی تھی۔ پھر جانے کیسے اس نے بھی ہمیں دیکھ لیا اور بھیا، دیکھتی رہی دیکھتی رہی۔ پھر ہائے پاس آگئی۔ وہاں ہی بکری کٹی کو جانے ہے۔ اس نے ہم سے ہمارا نام پوچھا اور ہم نے بتا دیا۔ کٹی کا ذکر بھی آیا اور وہ مسکرانے لگی۔ چلتے سے اس نے کہا کہ وہ ہائے گھر آئے گی۔ بس پھر وہ آئے گی۔ ہم تو اس کے ہاں جا نہیں سکتے تھے۔ وہ آتی رہی اور پروفیسر جوت لٹی رہی۔ ہم دوسری جگہوں پر بھی ملنے لگے۔ تب ہمارے پروفیسر کا بھانا بھٹ گیا۔ دولت رام نے ہمارے سارے گھروالوں کو بڑا بھلا کر اٹھائیں سستی سے نکلنے کی دھمکی دی۔ تب گھروالوں نے میں گھر سے نکال دیا مگر اس سے کچھ نہ ہوا۔ ہم جنگل میں آ پڑے تو کٹی بھی وہیں آئے مٹی کی اس باپ اور بھائی اسے رکھنے میں ناکام رہے۔ سو سو جن کر کے آتی تھی۔ دولت رام پریشان ہو گیا تو اس نے ہم سے پوچھا کہ ہم کیا چاہتے ہیں۔ ہم نے کہا کہ دواہ۔ تو اس نے کہا کہ اس کی بھینس سے دواہ کرنے کے لیے کوئی حیثیت تو بناؤ اس نے کہا اسے دولت چاہیے۔ اگر تم دولت لے آئے ہو تو میں کتنی شادی کروں گا۔ سو بھیا، ہم نے مان لیا اور وہیں بلانے کے لیے پتیا شروع کر دی۔
 "اوہ" تو کیا میں تمہارے خیال میں دولت کے ڈھیر تھا لے سامنے لگا دوں گا؟"

"ماں بھیا! کیا تم لایا نہیں کر سکتے؟"
 "کر سکتا ہوں۔ مگر یہ کیسے؟" میں نے جواب دیا۔
 "دکنتی؟"
 "زیادہ نہیں۔ میں نے پرفیال انداز میں کہا۔ ان کے نزدیک دولت سونے کے ڈھیر ہوں گے، میں نے بھی اس پر تو تر نہیں دی ورنہ میرے پاس کیا نہیں ہوتا پروفیسر۔ بہر حال اب مجھے سونے کے ذخیرے کی ضرورت تھی اور دولت نگر میں یہ ذخیرہ دولت رام کے گھر کے سوا کہاں مل سکتا تھا۔ وہیں سے کوئی ترکیب کرنی پڑے گی۔
 "رکھی بہت پریشان ہو گئی ہمارا ج۔ ہم اس سے ملے بھی نہیں۔ ہمارا

میں اسے دیکھنے کے لیے تڑپ رہا ہے۔"
 "جنگل میں وہ کہاں تم سے ملے آتی تھی؟"
 "شواہ کے نالے کے پار۔"
 "وہاں کوئی ایسی جگہ تھی جہاں تم پہنچتے تھے؟"
 "ہاں ہمارا ج! وہاں بہت سی گچھیاں پھیلی ہوئی ہیں کہنے میں وہاں کسی گچھیاں جس راج بھائی ہوئی ہے مگر ان کے کسی کو وہ بھائی نہیں۔"
 "یہ کیا ہے؟ میرا مطلب ہے وہ راج بھائی؟"
 "پروفیسر کی بھینس ہے بس پھر وہیں سے سننے آئے ہیں لڑکی کی نہیں ہے۔
 حالانکہ بہت سے شے اسے تلاش کرنے لگے۔"
 "تم نے بھی کوشش کی ہو گی؟"
 "میں نہیں ہمارا ج! اپنی منوکا سنا پوری کرنے کے لیے ہم نے یہ کوشش بھی کی تھی۔"

"نہیں ملی؟"
 "پروفیسر سے سننے آئے ہیں کسی کو نہیں ملی، میں کیا ملتی۔"
 "یہ بھائی غائب ہے؟"
 "ہاں یہی سنا ہے۔"
 "خیر اسے بھی تلاش کر لیں گے پھر نیال۔ پسند تھا راکام کرنا ہے۔
 میں نے پرفیال انداز میں کہا اور پھر اسے اپنے ساتھ چلنے کے لیے کہا۔
 "پرنٹ کہاں چل رہے ہیں بھیرو کا؟"
 "اسی جگہ، جہاں بھائی رکھی تم سے تھی۔ میرا سنا تھا کہ بارے میں خبر کروں گا اور وہ تم سے ملے آجائے گی۔ تم سے ملنے کے لیے میں آتا ہوں دولت کا بندوبست کر رہے ہوں اور بہت جلد اس کے باپ کا مطالبہ پورا کر دوں گے۔"
 "تم بے بندوبست کر دو گے نا؟"
 "بالکل کروں گا۔" میں نے جواب دیا۔
 "تب ٹھیک ہے چلو مگر گھوڑا تو ایک ہی ہے؟"
 "پرواہ مت کرو۔ یہ جا دو کا گھوڑا ہے، ہم دونوں کو آسانی سے لے چلے گا۔" میں نے اسے گھوڑے پر سوار کر لیا اور پھر ہم دونوں چل پڑے۔ سادہ لونا معصوم کے چہرے پر امیدوں کی چمک نظر آ رہی تھی اور اس کے کام کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اسے قیام کے لیے جھوڑ کر میں بستی جلاؤں گا اور پھر وہاں جگر چلاؤں گا۔ ممکن ہے دولت رام بھینس کے ہی مان جائے اس طرح کسی انجمن کے بغیر ہی کام چل جائے گا اور پھر پروفیسر نیال کا ناکامنا بھی پوری ہو جائیگا۔ گھوڑا ہم دونوں کو لے کر سفر کرنا اور پھر گھوڑا کر کے بعد میں جھوڑ کر سب سے پہنچ گئے۔ درحقیقت ہمارا بھینس ہو رہا تھا۔ جھوڑے بڑے شہار جا چاروں طرف پھرتے ہوئے تھے۔ پہاڑی کے امن سے ایک ندر و نال گذر رہا تھا جس کا پانی شفاف تھا۔ ایک مخصوص جگہ پہنچ کر پروفیسر نے رکے کو کہا اور چوڑا نالہ پار کر کے ہم دوسری طرف پہنچ گئے۔
 "یہ گچھا ہے۔ پھر بھیرو نے ایک غار کا طرف اشارہ کیا۔

ہی کافی ہے۔

”مہاراج! کتنی سے دونوں ہاتھ جوڑ دیے اور پھر میں نے لئے جانے کی اجازت دے دی۔ یہ دو کام تو بڑی انجام پائے تھے لیکن ابھی اور مسائل تھے، ان سے بھی نمٹنا تھا اور پھر اپنا مسئلہ۔ میں خود ہی عورت کی پیاس محسوس کر رہا تھا۔ عورت کا حصول بھی زیادہ مشکل نہیں تھا لیکن۔۔۔ لیکن میں کسی اور خوش زندگی سے کھینکنا نہیں چاہتا تھا۔ مجھے نہ جانے کیوں یقین ہو گیا تھا کہ جب تک منوریا کوکل طور سے ختم نہیں کیا جائے گا، کم از کم وہ کسی عورت، تو خیر، غلامت میں نہیں آئے دے گی، اور پروینہ درحقیقت کبھی کبھی تو مجھے اس پر بہت ہی غصہ آتا تھا۔ میں نے ایک طویل و غرض زندگی میں پہلی بار بسے کسی کا مزہ چکھا تھا۔

غرضی دیر کے بعد دولت راکم آگیا۔ اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر مذمت کی اور بولا ”اگن کب سے جلائی جلتے مہاراج؟“

”گلو یاں نکالیں؟“

”ہاں مہاراج۔ میں نے آدمیوں کو بھیج دیا ہے۔“

”نہیں! کتنی تیز ہو گئی دولت رام، اتنی ہی ہمتاری پریشانیوں کو دیکھا اور پھر ان لوگوں کے پاس پہنچا،“ اشوک پڑھ رہے ہو دولت رام؟“

”ہاں مہاراج۔ آگ بہت تیز ہو گئی ہے۔“ دولت رام نے کوئی آواز میں کہا۔

”اگن! کتنی تیز ہو گئی دولت رام، اتنی ہی ہمتاری پریشانیوں کو دیکھا اور پھر ان لوگوں کے پاس پہنچا،“ اشوک پڑھ رہے ہو دولت رام؟“

”اگن! کتنی تیز ہو گئی دولت رام، اتنی ہی ہمتاری پریشانیوں کو دیکھا اور پھر ان لوگوں کے پاس پہنچا،“ اشوک پڑھ رہے ہو دولت رام؟“

دولت رام نے کہا اور میں نے گردن ہلادی۔ وہ واقعی دولت رام تھا لیکن میں اسے ٹھیک کرنے کا شروع چکا تھا، اور مجھے یقین تھا کہ وہ میرے دلا پرچہ پڑھ جائے گا۔

”ٹھیک ہے دولت رام۔ ہم کل کے باپ میں تیری ساری پریشانیوں کا حل تلاش کریں گے۔ مگر ایک بات سن۔ مجھے ہمارے اوپر شواش کرنا چاہیے جو کچھ اگن منڈل سے ہیں انہیں دے دیں گے۔ اگر تو نے ان میں سے ایک بھی بات پر گردن ہلائی تو پھر ہم ہی تیرے سب سے بڑے دشمن بن جائیں گے۔“

”اے نہیں، نہیں مہاراج۔ میری جگہ میں آپ کی بات زمانوں سے جو باپ ہم کر رہے ہیں، تو خود دیکھ لے گا کتنا مشکل ہے۔ اگر ہمیں کہیں اور سے حکم ملتا تو ہم یوں جیون کو خطرے میں ڈالنے پر تیار نہ ہوتے۔“

”آپ کی ٹری میری مہاراج! دولت رام نے کہا۔ بہر حال میں نے اس شخص کو کافی مدت تک سمجھا لیا تھا اور مجھے یقین تھا کہ میں اس سے اپنی مرضی کے مطابق کام لے سکوں گا۔ بہر حال وہ راست گزری اور دوسرے دن صبح سویرے بھی نہیں نکلتا تھا، میں جاگ گیا۔

”اگن! کتنی تیز ہو گئی دولت رام، اتنی ہی ہمتاری پریشانیوں کو دیکھا اور پھر ان لوگوں کے پاس پہنچا،“ اشوک پڑھ رہے ہو دولت رام؟“

”ہاں مہاراج۔ آگ بہت تیز ہو گئی ہے۔“ دولت رام نے کوئی آواز میں کہا۔

”اگن! کتنی تیز ہو گئی دولت رام، اتنی ہی ہمتاری پریشانیوں کو دیکھا اور پھر ان لوگوں کے پاس پہنچا،“ اشوک پڑھ رہے ہو دولت رام؟“

”اگن! کتنی تیز ہو گئی دولت رام، اتنی ہی ہمتاری پریشانیوں کو دیکھا اور پھر ان لوگوں کے پاس پہنچا،“ اشوک پڑھ رہے ہو دولت رام؟“

”اگن! کتنی تیز ہو گئی دولت رام، اتنی ہی ہمتاری پریشانیوں کو دیکھا اور پھر ان لوگوں کے پاس پہنچا،“ اشوک پڑھ رہے ہو دولت رام؟“

”اگن! کتنی تیز ہو گئی دولت رام، اتنی ہی ہمتاری پریشانیوں کو دیکھا اور پھر ان لوگوں کے پاس پہنچا،“ اشوک پڑھ رہے ہو دولت رام؟“

”اگن! کتنی تیز ہو گئی دولت رام، اتنی ہی ہمتاری پریشانیوں کو دیکھا اور پھر ان لوگوں کے پاس پہنچا،“ اشوک پڑھ رہے ہو دولت رام؟“

”اگن! کتنی تیز ہو گئی دولت رام، اتنی ہی ہمتاری پریشانیوں کو دیکھا اور پھر ان لوگوں کے پاس پہنچا،“ اشوک پڑھ رہے ہو دولت رام؟“

”اگن! کتنی تیز ہو گئی دولت رام، اتنی ہی ہمتاری پریشانیوں کو دیکھا اور پھر ان لوگوں کے پاس پہنچا،“ اشوک پڑھ رہے ہو دولت رام؟“

”اگن! کتنی تیز ہو گئی دولت رام، اتنی ہی ہمتاری پریشانیوں کو دیکھا اور پھر ان لوگوں کے پاس پہنچا،“ اشوک پڑھ رہے ہو دولت رام؟“

”اگن! کتنی تیز ہو گئی دولت رام، اتنی ہی ہمتاری پریشانیوں کو دیکھا اور پھر ان لوگوں کے پاس پہنچا،“ اشوک پڑھ رہے ہو دولت رام؟“

”اگن! کتنی تیز ہو گئی دولت رام، اتنی ہی ہمتاری پریشانیوں کو دیکھا اور پھر ان لوگوں کے پاس پہنچا،“ اشوک پڑھ رہے ہو دولت رام؟“

”اگن! کتنی تیز ہو گئی دولت رام، اتنی ہی ہمتاری پریشانیوں کو دیکھا اور پھر ان لوگوں کے پاس پہنچا،“ اشوک پڑھ رہے ہو دولت رام؟“

”اگن! کتنی تیز ہو گئی دولت رام، اتنی ہی ہمتاری پریشانیوں کو دیکھا اور پھر ان لوگوں کے پاس پہنچا،“ اشوک پڑھ رہے ہو دولت رام؟“

”مہاراج! دولت رام بھی اس دوران میرے پاس آنے کی جرأت نہ کر سکا۔ پھر میں نے رکنی کو طلب کیا اور رکنی جلدی سے میرے پاس پہنچ گئی۔ اس کی آنکھوں میں سکڑا ہٹ چل رہی تھی۔

”جی مہاراج! وہ ہاتھ جوڑ کر بولی۔

”کیسی ہو رکنی؟“

”بھیرو کا مہاراج کی دیا ہے۔“ رکنی سکڑا کر بولی۔

”اور اس کا مطلب ہے پربھو دیال سے ملاقات ہو گئی۔“ میں نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

”مہاراج کی کیا ہے۔“

”کیا بات ہوئی رکنی؟“

”میں مہاراج، وہ بہت خوش ہے اور اب تو مجھے بھی وشواش ہے کہ آپ۔۔۔ آپ ہمارا ملاپ ضرور کروا دیں گے۔“ وہ لہجہ کر بولی۔

”ہوں۔ دولت رام کا داس جو ہوں۔“ میں نے طویل سانس لے کر کہا۔

”آپ جو کوئی بھی میں مہمان میں مہاراج۔ آپ نے ہماری جو بہانے کی ہے، ہم اسے جیون بھرتیوں قبول کئے۔“ رکنی نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

لاکھوں قارئین کے دلوں کی دھڑکن

محی الدین نواب

کے ۱۰ سنگتی ہفتی کہانیوں کا مجموعہ

ایمان کا سفر

منگوانے کا پتہ

مکتبہ مفتی

پوسٹ بکس ۹۹۳۳ کراچی

شاخ ہوجا بلڈ

قربانی شالہ علی بی بی لاہور

"میں سمجھتا ہوں کہ دولت نام۔ اپنی دولت کی وجہ سے تو کئی موت مارا جائے گا۔ تیری چٹی اور تیری بیٹی ماری جائے گی۔ اس کے تیری سب سے بڑی دشمن تیری دولت ہے۔"

دولت نام کی حالت بڑی ہوگئی تھی۔ وہ سخت پریشانی کے عالم میں تھا۔ موت کی زندگی اس کے چہرے پر بڑھنے لگی تھی۔ تجھے خطرہ پیدا ہو گیا کہ کہیں اس کے دل کی حرکت ہی بند نہ ہو جائے۔ اور اس کا یہ خوف بجا تھا۔ اس نے اپنی آنکھوں سے میرے دروازے دیکھے تھے۔ اس کے بعد میری بات کو سمجھتے سمجھنا سمجھتا ہی تھی۔ اور اس میں کچھ اور دل اور ضعف اور نقصان اس بات کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ کئی منٹ خاموش رہی۔ پھر وہ لڑتی آواز میں بولا، "پر ہمارا ج۔۔۔ آپ نے کہا تھا۔۔۔ آپ نے کہا تھا آپ میرے سادے کٹھن دور کر دیں گے۔"

"ہاں۔۔۔ لیکن اس کے لیے تجھے بھی کچھ کرنا ہوگا۔"

"میں مر جاؤں گا ہمارا ج۔ میں مر جاؤں گا، جلدی بتائیں۔ کیا میری جان بچ سکتی ہے؟"

"بچ سکتی ہے دولت نام۔"

"کس طرح ہمارا ج۔ کس طرح۔۔۔؟"

"اگر تو اپنی دولت سے ہٹ کر رہ پالے۔"

"ہے نام۔۔۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میں تو ایسے بھی مر جاؤں گا۔"

"دولت نام کھٹکنا نہیں ہوگئی۔"

"ایک اور آپاٹے ہے دولت نام۔ میں نے کہا۔"

"وہ بھی بتائیں ہمارا ج۔"

"تو نے پر ہمدردی کے بارے میں بتایا تھا۔"

"ہاں ہمارا ج۔"

"اپنی بیٹی کی شادی اس سے کر کے ساری دولت اپنی بیٹی کو دے دے۔ اس طرح بھی تیری جان بچ سکتی ہے۔"

"ہائے۔۔۔ اس کو کھٹکے کر۔۔۔ ہائے۔۔۔ ہائے۔۔۔ دولت نام کراہنے لگا۔"

"پھر رکھ میں جا۔۔۔ پھر رکھ میں جا۔۔۔ میں نے بگڑے بچے میں کہا اور دولت نام پہنچ پڑا۔ وہ بڑی طرح گھٹکھٹائیے لگا تھا "نہیں ہمارا ج شراب نہ دو۔ شراب نہ دو ہمارا ج۔ سوچو تو، میں نے یہ دولت بڑی محنت سے جمع کی ہے۔ میں اسے کس طرح دوسروں کے حوالے کر سکتا ہوں ہمارا ج۔"

"تو سن دولت نام، آج سے ٹھیک چوتھے دن تیری دولت جہاں بھی ہوگی اگنی دیوی اسے فاش کرے گی اور اس بات تو بھی آگ میں جلی کر بھسم ہو جائے گا۔ یہ ہمارا شراب نہیں، فاش کی بات ہے۔ یہ بات اکاش سے کہی گئی ہے۔"

"بھسم ہو جاؤں گا؟" دولت نام تھوکر نکل کر بولا۔

"ہاں۔ ایسا کر۔۔۔ جاپانی دولت کے ڈھیر ہو جائیو تاکہ لوگوں کو تیری

اراضی نہ ملے کی ضرورت بھی پیش نہ آئے۔ تیری دولت گھٹل گھٹل کر تیرے بدن سے لپٹ جائے اور لوگ کہیں دیکھو دولت نام تو دولت ختم تھا۔ وہ دولت کے ڈھیر میں جلا ہے۔"

"ہائے نام۔۔۔ ہائے نام۔۔۔ میں کیا کروں؟" کہیں منان پر بڑا وقت بڑھا تھا۔ بالآخر کوئی شخص کے لہجہ بولا "وہی کروں گا ہمارا ج تو تم کہہ کر وہی کروں گا۔"

"نہیں کرے گا تو کتنے کی موت مارا جائے گا۔" میں نے کہا۔

"ارے نہیں۔ ارے نہیں، میں ماننا چاہتا۔"

"تب پھر مرنے کی جگہ ہی ہوا تو موت کو خود سے دُور دیکھ دے۔"

"اپنے دھن کو؟" اس نے کراہا پوچھا۔

"ہاں۔"

"ہائے! مگر کیسے۔ کمری مال ہی اپنے بیٹے سے شادی کرنے کو تیار ہے وہ تو کافی دولت مند ہے۔ مگر۔۔۔ مگر۔۔۔ کتنی مانے تب نا؟"

"کون کھٹکی؟"

"ارے وہی اپنی رکھی۔ وہ تو اپنی پر ہمدردی سے، ہائے وہ تو اسی سے دوا کرنا چاہتی ہے۔"

"اس کے کوکھ میں سے کون سی ریش دولت نام؟"

"ارے تو اب کیا کروں ہمارا ج؟ یہ تو تیرا۔۔۔ دولت نام کی حالت بڑی مضحکہ خیز ہوگئی تھی اس کا رنگ مغیبر لگا تھا۔ ایک طرف موت کا خوف تھا اور دوسری طرف دولت بھی جانے کا ہلکا خیال۔ دونوں خیال ہی موت کے مترادف تھے۔ اور ہر حال وہ ایک فیصلہ کر چکا تھا۔

"پر ہمدردیال کہیں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"نہ جانے کہاں مر گیا پانی۔ تجھے کیا معلوم؟"

"تم اسے تلاش کرو گے؟"

"ارے میں کہاں مارا مارا پھروں گا۔ دولت کا نہ گیا تھا پانی کہیں مر کھ پڑ گیا ہو۔"

"اگر وہ مر گیا ہے تو تمہاری موت بھی یقینی ہے دولت نام؟"

"ارے تو تیار رہو۔ کیا۔۔۔ کیا۔۔۔ اگر وہ مر گیا۔ تو میں نے اسے مار دیا؟ اب بتاؤ میں اسے کہاں تلاش کروں۔ تم ہی بتاؤ ہمارا ج، میں اسے کہاں تلاش کروں؟"

"میں کو کچھ کام تو نہیں ہوا، میں تو تمہاری سہا تانہ لے آیا تھا۔ میں نے تو تمہارے لیے آگ میں کھڑے ہو کر کشت ہو گیا، لیکن تمہاری موت تمہارے سر پر منڈلا رہی ہے۔ جو جہاں میں رہتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔ کوئی اسے نہیں روک سکتا اور میں خود اپنے زہے کروں سے اپنے لیے زہ تیار کر رہا ہوں۔"

"میں اب تمہاری کوئی مدد نہیں کروں گا میں یہاں سے جا رہا ہوں۔"

"میں اٹھ گیا۔ لیکن اس گھر سے نکل کر میرے پاؤں پڑے اور پھر لڑعوں ہی کی طرح روہنے لگا۔ "نہیں ہائے دنوں کا ہمارا ج۔ نہیں ہائے دنوں

"ارے میں ماننا نہیں چاہتا۔"

"دراغ نہیں چاہتا اور میری بات بھی نہیں ماننا چاہتا۔"

"ہاں تو رہا ہوں۔" وہ مدھنے ہوئے بولا اور مجھے ہنسی دیکھ کر شکل ہوگئی۔

"دور درگاہ رہا ہے۔ خوشی سے مان۔"

"اب خوش بھی ہونا پڑے گا؟" بڑی شکل سے مجھ کی تھی۔

"اب دوسرے کی ہوگی۔ ارے مگر میں اسے کہاں تلاش کروں۔ تو ہی میری جان کا ہمارا ج۔"

"ہوں۔" میں نے آنکھیں بند کر لیں اور پھر کروں اٹھا کر بولا "ٹھیک ہو گئے تیار کر رہا میں اسے تلاش کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"پر میں کچھ دوسرے دولت نام نے گھر سے تیار کیا اور دو چار بجے اسے گھر لایا تو میں اسے اس غلام نے لے گیا جہاں پر ہمدردیال موجود تھا۔

"دولت نام اسے دیکھتے ہی چیخا "کیوں بے کلمے، تو اس غلام گھٹا ہوا ہے کہ رہا ہے؟" میں نے تجھے کیا حق دیا تھا تو نے۔ ارے بول یہاں کیا ہے؟"

"دولت نام۔۔۔ دولت نام، یہ تیری بیٹی کا پتی ہے۔"

"ارے اس کا کیا تیا نام۔ اس کے ہر مہمانے ہنگام کرے۔ اور سے اس کی شکل دیکھ کر رہا ہے۔ چل میرے ساتھ۔ مگر اب پس بھی اٹھا سیدھا ہوا تو میرے پران نکال دیں گا۔"

"پر ہمدردیال بدحواس ہو گیا تھا۔ اس نے بوکھلائی ہوئی نگاہوں سے اس کی دیکھی اور میں نے اسے آنکھ کا اشارہ کر دیا۔ اس نے ایک گہری سانس لی۔

"پر ہمدردیال تمہارا نام ہے؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"ہاں ہمارا ج۔" پر ہمدردیال نے جواب دیا۔

"اور تم اس کی بیٹی سے دوا کرنا چاہتے ہو؟"

"ہاں ہمارا ج؟"

"مزدبھوت جانتے تیرا کس دھڑائی سے کہہ رہا ہے؟" ہاں ہمارا ج؟

"اگر وہ کہہ رہا ہے کہ؟" دولت نام نے زہرے ہار کے بولا۔

"ابھی نہیں۔" پر ہمدردیال نے جواب دیا۔

"ابھی نہیں۔" دولت نام پھر اسی طرح مزیدراتے ہوئے بولا۔ اس نے اسے ہنسنے کی باتیں ہو رہی تھی۔

"میں اس سے کب تک تمہاری بیٹی سے دوا نہیں کروں گا جب تک تمہاری لڑکی دولت نہیں دے دوں۔ تم بار بار میرا ایمان کر رہے۔"

"ٹھیک ہے پر ہمدردیال، تو جو کہہ رہا ہے وہی کرنا۔ جلد دولت نام کو دیاں میں جاسے گا تمہاری بیٹی سے دوا دہانے اور اب میں بھی اس کے ساتھ اسے لائیں رہوں گا۔ آج سے ٹھیک چار روز کے بعد تم مر جاؤ گے۔"

"ٹھیک ہے پر ہمدردیال، آرام سے تمہاری بیٹی کے ساتھ دوا کر لے گا۔"

"ارے ارے کیسے ہو سکتا ہے۔ میں میں رہا ہوں گا۔ جیسے چلنا پڑے گا پر ہمدردیال کی سونگہ نہیں چلنا پڑے گا۔"

"تم برابر اس کا ایمان کیے جا رہے ہو اور وہ تمہارے ساتھ جانتے گا۔ تم تو اسے بڑا جھٹکے جا رہے ہو۔"

"ایں۔۔۔ اسے میری موت ہی ماری گئی ہے۔ کیا کروں۔"

"ٹھیک ہے پر ہمدردیال۔ تمہا کر دے، صاف کر دے۔ اب تجھے کچھ نہیں پڑے۔"

"ہاں۔۔۔؟" پر ہمدردیال نے پوچھا۔

"ہاں۔ میرے ساتھ چل۔ میں اپنی بیٹی سے تیرے پیسے کرا دوں گا۔"

"جیسے ہو کر ہمارا ج؟" پر ہمدردیال کہتے ہوئے بولا۔ اور پھر دولت نام کی طرف رخ کر کے کہنے لگا۔ "نہیں نہیں دولت نام میں اس طرح تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا۔ ورنہ تم غصہ دیتے رہو گے کہ میں وچن پورا نہیں کر سکتا۔"

"نہیں دیں گے سبھی غصہ نہیں دیں گے۔" دولت نام اب صبر کر چکا تھا۔ پھر حال پر پھر دیاں بچھ گیا تھا کوئی تیرا نشانہ پر نہیں مل گیا ہے۔ چنانچہ اس نے پہلے تو خوب غصے کیے پھر چل پڑا۔

اور پھر خوب اظہار رہا۔ دولت نام نے اپنی بیٹی کی شادی اس سے کر دی لیکن اس کی حالت بچہ لگوں کی سی تھی اور اپنی دولت کی جابائیاں لینے کے بعد تو وہ ہلنگ پر ہی گر پڑا تھا۔

"اس طرح تو یہ بچہ مر جائے گا۔" پر ہمدردیال نے مجھ سے کہا۔

"یقین اس سے کیا۔ پھر حال اس کی دولت تو نہیں مل ہی گئی۔"

"ہنگام کی سونگہ سمجھو کہ ہمارا ج۔ تجھے دولت نام کی دولت سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں نے تو اس اپنی رکھی کو چاہا تھا سارے مجھے مل گئی۔"

"تب پھر آؤ۔ اس کی دولت کی جابائیاں سے "اپس کر دو۔"

"ہاں۔ ہاں۔ میں تیار ہوں۔"

"کیا کہہ گئے اس سے؟"

"یہ بھی تم ہی بتاؤ سمجھو کہ ہمارا ج؟"

"تم اس سے ہو کر دو دولت کا ٹکڑا دے اور تمہیں اس کی دولت سے کوئی سروکار نہیں ہے۔"

"جرا گیا ہمارا ج۔ پر ہمدردیال نے کہا، اور پھر ہم دولت نام کے پاس پہنچ گئے۔ جو جان کنی کی کیفیت میں مبتلا تھا۔ اس کی بڑی اس کے سونے بیٹھی رہ رہی تھی۔

"کیا بات ہے دولت نام؟" میں نے پوچھا۔

"جا رہے ہیں ہمارا ج۔ کسے آگیا ہے۔ ہائے ہاتھ پاؤں کی جان نکل گئی ہے ساری۔"

"کیوں۔ اپنا کب تمہاری حالت ایسی کیوں ہوگئی دولت نام؟"

"آپ میں نے نہیں چاہا جی۔ آپ کی دولت کا حساب کون رکھے گا؟ یہ جابائیاں سمجھائیے۔ میں نے آپ کی دولت دیکھی تھی بہت ہے۔ آپ اسے دیکھ دیجیے۔" پر ہمدردیال نے کہا اور جابائیاں نکال کر دولت نام کو دے دیں۔

دولت رام نے جلدی سے چایاں ایک لی تھیں۔ اور پھر وہ لاکر بیٹھ گیا۔
 ”مگر کیا مطلب۔ کیا مطلب۔“ اس نے نہ کھانے نہ پینے
 لہجے میں کہا۔

”پھر صوبہ وال کو مختاری دولت نہیں چاہیے دولت رام۔“
 ”وہ رائے رام۔ مگر۔“ دولت رام نے چایاں ایک دم رکھ کر
 ”مگر کچھ میں کیسے بچوں گا؟“
 ”اس کا بھی ایک آپاٹ ہے دولت رام۔“ میں نے کہا۔
 ”کیا۔“ دولت رام نے چایاں پھر ایک لی۔
 ”تم نے اپنی ساری دولت پھر صوبہ وال کو دے دی؟“
 ”ہائے۔“ دولت رام کرا رہا۔
 ”ہاں کہہ دو دولت رام۔“ ہاں کہہ رہا۔
 ”ہاں۔ ہاں ہمارا راج!“

”بس تمھارا کشت ختم ہو گیا۔ اب یہ دولت مختاری نہیں رہی اس لیے
 مختار مرض بھی مل گیا۔ لیکن دولت مختار سے قبضے میں ہی رہے۔ پھر صوبہ وال
 اپنی مرضی سے اسے خزانہ نہیں کر سکے گا۔ تم ہی اسے خزانہ کرو گے۔ یہاں سے اس نے
 مان لیا کہ دولت مختاری نہیں ہے۔ اب مختار سے اوپر کوئی کشت نہیں ہے۔“
 ”پس کبہرے ہو حکومت۔“ اچانک دولت رام کپڑے کی سرخشی
 واپس آگئی۔

”ہاں۔ بات تو پوری ہو گئی دولت رام۔“
 ”مگر یہ پھر صوبہ وال؟“
 ”پھر صوبہ وال مختاری دولت کا لالچی نہیں ہے دولت رام۔ وہ مختار
 آشیر باد چاہتا ہے۔“

”اسے تو میرے گھیر میں نہیں لگتا نہ کبھی؟ اسے تو اب میری شہنائی
 ہے۔“ دولت رام نے پھر صوبہ وال کو گھنچ کر سینے سے لگا لیا تھا۔ ان کی طبیعت اب
 بالکل شیک ہو گئی تھی۔

اور پھر سارے گھر میں ہتھکڑی بٹھنے لگے۔ پھر ہمارے کھانے گئے۔ وہ میرے
 پاس اپنے دھکے لے کر آئے تھے۔ لیکن اب میں انھیں مل رہا تھا۔ ان لوگوں سے
 کوئی ڈپٹی نہیں رہ گئی تھی۔ اب اس ایک بات میرے ذہن پر کافی اور ذہنی
 دھن راج بھجایا۔ میرے لوگ راج میں بھی بٹھنے گئے۔

چنانچہ رات کو میں نے کچھ ڈپٹھوں سے اس کے بارے میں پوچھا جو
 میرے پاس لیگان لینے آئے تھے۔ لاہور یا دھن راج سمجھا ناں کی کرب کے
 صوبہ چپ ہو گئے۔

”ہمارا خود مختار وار میں۔ رات میں اس کا نام نہیں ہے۔“ ایک بڑھاپا۔
 ”کیوں۔“ میں نے حیرت سے کہا۔

”نہیں ہمارا راج۔ جگوان کے لیے نہیں۔ رات کے اڑھے میں سارے
 پریت ادھر ادھر گھوم رہے ہوتے ہیں۔ کون جانے کون کہاں۔“ ایک
 بڑھنے نے کہا۔

”اور تو تم ان کی ہمنامت کرو کا کا۔ مجھے اس کے بارے میں بتاؤ۔“
 ”تم میں سے کسی نے دھن راج سمجھا دیکھی ہے؟“

”میں میں سے کسی نے نہیں دیکھی ہمارا راج۔“
 ”پھر اس کے بارے میں کیا سنا ہے؟“

”بس ہمارا راج۔“ نالے پلکے ہاتھوں میں سے ایک ہتھکڑی
 میں طبیعت پریت رہتے ہیں جس کی کسی نے نہ سمجھا دیکھی تھی۔ مگر جس نے نہ سمجھا
 اسے کوئی نہیں جانتا۔“

”اور، لیکن ہے یہ بھی ایک مفوضہ روایت ہو۔“ میں نے دل میں
 ”مجبور ہے بڑے بڑے اس کے بارے میں کچھ نہیں تھکتے تو پھر اس بات کی
 پرکھے یقین کیا جاسکتا ہے۔“ تاہم میں نے فیصلہ کیا تھا کہ اسے تلاش نہ کروں گا۔
 گا، دیکھوں گا کیا ہے۔ اور پھر اس رات میں نے بہت سے فیصلے کیے
 پھر صوبہ وال کی شکل مل ہو گئی تھی۔ اب یہاں رہنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ یہاں
 پوری بستی کے مسائل تھے۔ اب میں ساری بستی کے مسائل حل کرنے میں تو مصروف
 نہیں ہو سکتا تھا۔ گھر میں ان لوگوں سے کہہ کر کہاں سے جانا تو وہ میرے پیچھے چلا
 اس لیے خاموشی سے مددگار کی ٹھانی اور پھر میں کسی کام میں وقت گزاری کہ تو
 ہی نہیں تھا۔ اس لیے دیکھنے سے ناامید!

جوئی میں نے محسوس کیا کہ اب بستی والے سوچے ہوں گے۔ میں اپنی
 سے باز نہ کر لیا۔ گھوڑا لیا اور پہاڑوں کی طرف چل پڑا۔ پہاڑوں کا دھندلا
 بخوبی ذہن میں تھا۔ پوری بستی گہری غیند سو رہی تھی۔ میں آگے بڑھتا رہا۔
 ٹھونک ٹھونک کر قدم رکھ رہا تھا۔ آخر میں نالے کے پاس پہنچ گیا اور شندیر
 پانی کے اندر سے ٹوڑ کر دوسرے کنارے پر گھوڑے سے اتار لیا۔ گھوڑے کے پائوں
 پر ہاتھ مار کر میں نے اسے آزاد کر دیا اور پھر خود پہاڑی سوراخوں کی ٹھانی
 اب میں سامنے نظر کرنے والے ہر سوراخ کا جائزہ لینے کا تہیہ کر رہا تھا۔

اور پھر وہ ساری رات عجیب گزری۔ غیند میرے لیے ایک خاموش
 رکھتی ہے۔ اب اس وقت، جب فرصت ہو۔ اگر کوئی مصروفیت ہوتی ہے
 تو مجھے رات کو سونے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ میری اصل زندگی کے بارے میں
 تو تم ابھی طرح جانتے ہو۔ سہاٹی اعضاء اور اعضاء کو سکون دینے والی ایک
 دل کش غیند تھی۔ یہ دوسری معنی ہے اور میں ابھی اس کی ضرورت نہیں
 محسوس کر رہا تھا۔

بہر حال رات بھر میں بے شمار سوراخ دیکھ ڈالے عجیب عجیب۔ بہت
 سے سوراخوں میں ساپوں سے بھی ملاقات ہوئی۔ لیکن اس رات میں جسے تو

تھا اس کی کسی سے دشمنی مول نہ لی۔ کسی کی زندگی سے نہ دھمکا اور میری تلاش
 جلدی رہی۔ یہاں تک کہ اچانک پھوٹ آیا۔ گھوڑا نہ جانے کہاں سے کہہ لیا
 چلا گیا تھا۔ مجھے اس کی پرواہ بھی نہیں تھی۔ میں تو اب ان علاقوں کی طرف
 دیکھ رہا تھا جہاں ابھی میں نے تلاش کی تھی۔

بہر حال پہلا دن بھی اسی طرح گزر گیا اور مجھے وہ روایت صرف روایت

تھا۔ ہونے لگی۔ تب میرے ذہن نے ایک بات سوچی۔ دھن راج سمجھا
 کہ کہاں مشہور ہے۔ ہر روایت کا ایک پس منظر ضرور ہوتا ہے۔ لیکن ہے
 اس کی پس منظر جو پوری ہو۔ ان لوگوں نے اسے تلاش کرنے کی کوشش بھی ضرور
 کی ہوگی لیکن اس کے نہ ملنے کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ انھوں نے اسے غلط
 انداز میں تلاش کیا ہو۔ کسی غلط راہ پر بند بھی ہو سکتا ہے۔ کوئی چٹان بھی
 اس کے منہ پر کر رکھ سکتی ہے، اور اس طرح ممکن ہے وہ لگا ہوا ہے۔ پھر
 ہوگی ہو۔ تب میں نے ایسی چٹانوں کو تلاش کرنا شروع کر دیا جو میرے سہارا ہوں

اور آج کا دن اسی صوفیت میں گزار دیا۔ رات ہو گئی اور اس رات میں نے
 پہاڑوں میں ہی آرام کیا۔ رستی کے لیے شاید مجھے تلاش کرنے نہیں تھے۔ تھے تو
 اس طرف میں نے کسی کو نہیں دیکھا تھا۔ لیکن ہے انھیں ادھر کا خیال ہی نہ
 آیا ہو۔

اس رات بہت غور کرنے کے بعد میں نے طے کیا کہ کل دوپہر تک
 کام کروں گا۔ اس کے بعد میں یہاں سے چل دوں گا۔ بلا مقصد ایک
 روایت کے چکر میں پہاڑوں میں سرگرداں نہ کیا فائدہ اچھا نہ میں نے
 کام کیا اور دوسرے دن پھر ان کام شروع کر دیا۔

اور پھر دھن راج! اگر وہ کوئی حقیقت تھی تو مجھ میں سے سر پھر
 کہاں چھپ سکتی تھی۔ ایک بڑی چٹان اس طرح نظر آئی جیسے پہاڑ بننے
 کی وجہ سے وہ اپنی جگہ چھوڑ چکی ہو۔ لیکن ہے اس چٹان کے نیچے میرا گھر
 ہو۔ میں نے سوچا۔ اور میرے بازو اس ذہنی چٹان کو اپنی جگہ
 کھسکانے لگے۔ چٹان کا پہلی بار اپنی بے ذہنی کا احساس ہوا اور وہ خرقہ
 ہوئی گزرتیوں کی طرف چل پڑی۔ اور اس کے نیچے غار دیکھ کر میری
 آنکھیں ترستے سے چمک اٹھیں۔

ممکن ہے ہی ہو۔ اور میں دوسرے لمحے غار میں اتر گیا۔ پہلے
 میں کوئی گھبراہٹ نہ ہوئی۔ پھر زہن سے باؤں تک گئے۔ اور جب
 ہاتھ لگے تو غار کی ہلکا ہلکا ہٹ کا احساس ہوا۔ جگہ جگہ چراغ جل رہے تھے۔
 لیکن میری آنکھوں نے چراغوں کی حقیقت بھانپ لی۔ یہ قیمتی میرے تھے
 محسوس نے پورے غار کو متحرک کر رکھا تھا۔ ایک وسیع وسیع ہال تھا جو
 اگستہ آگستہ لگا ہوا تھا۔ سامنے واضح ہو گیا۔

اور یہ حقیقت دھن راج سمجھا تھی۔ چاروں طرف سنگی مجھے بتاؤ
 تھے عجیب عجیب سی ٹھیکیں بٹھ گئے۔ کہیں جین عورتوں کے روپ میں کہیں
 کہیں بڑے جوگوں کے روپ میں اور کہیں نوجوان لڑکوں کی شکل میں۔ فن
 ملک تراشی کے عالی شان کام۔ میں ان میں سے ایک کے قریب پہنچ گیا۔

اور پھر میں حیران رہ گیا۔ یہ ایک ہندو جوگی کا مجسمہ تھا۔ اس
 کے ہاتھ میں سونے کا لشکر تھا اور گھٹے میں جیتی اور چکر کھڑے موتیوں کی ملا
 تھی۔ یعنی اس کے بعد میں نے ایک ایک مجسمے کو دیکھا۔ جو مجسمے سونے
 اور موتیوں سے تیار کرتے تھے۔ بے پناہ بے اندازہ دولت تھی اس
 غار میں کوئی اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ میں چاروں طرف دیکھتا پھر۔

یقیناً یہی دھن راج سمجھا تھی جسے وہ لوگ تلاش نہیں کر پائے تھے۔ ویسے شاید
 اس کی اصل حقیقت انھیں بھی معلوم نہ ہوگی۔ درجہ طبیعت پریت کے تصور
 کے ساتھ بھی اگر دولت کا تصور نہ ہوتا تو بہت سے سر پھرے جان پر کھیل کر
 اسے حاصل کرنے کی کوشش کرتے۔

میں اب ساری باتیں بھول گیا تھا۔ وقت کا بھی کوئی احساس
 نہیں رہا تھا۔ نہ جانے مجھے یہاں آئے ہوئے کتنی دیر ہو چکی تھی۔ ایک
 ایک مجسمے کو میں قریب سے دیکھ رہا تھا۔ جین اور نوجوان لڑکیوں کے
 مجسمے بھی موجود تھے۔ وہ زیورات سے لدی ہوئی بے حد خوبصورت نظر
 آ رہی تھیں اور پھر ایک انتہائی دلکش صورت کے قریب میرے قدم رک گئے۔
 وہ اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہی تھی، اور مجھے خطر لگتا تھا کہ میں
 اس سے بات کروں گا۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

”افسوس۔“ میں مجھے یاد نہیں کر سکتا! میں نے کہا۔
 ”کیوں۔“ ایک مسکراہٹ میرے کانوں سے لڑائی میں
 اچھل پڑا۔ میں نے چاروں طرف دیکھا اور پھر جین لڑکی کے اس عجیبے کی
 طرف۔ پھر میں اس کے بالکل قریب پہنچ گیا۔

”کیا یہ تم کوئی تھیں۔“
 ”ہاں۔“ پھر وہی لڑکائی آواز ابھری۔
 ”تم کو لگتی ہو۔“ میں نے اس کے بدن کو ٹھیکو کر دیکھا
 سخت پتھر کا بدن تھا۔

”ہاں!“
 ”مگر کیسے؟ تم تو پتھر ہو۔“
 ”میں۔“ میں پتھر نہیں ہوں۔“

”مگر تمھارا بدن۔“
 ”وہ میرے بالوں کی ہڈی کا شکار ہو گیا ہے۔“ آواز آئی۔ مجھے کے
 ہونٹ تک نہیں مل رہے تھے۔ بس ایک آواز تھی جو میرے کانوں سے
 مل کر رہی تھی۔

”بالوں کی ہڈی کا۔“
 ”ہاں۔“
 ”وہ کیسے؟“

”یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ سنو انجانی ایک تم میرے تھیلے میں ہونٹوں کو
 چوم سکتے ہو۔“ تھا یا یہ پیار میرے شرور میں زندگی دوڑا دے گا۔
 بولو۔ کیا تم میری سہاٹی کرو گے۔“

میں اسے گھرنے لگا۔ عقل سے باہر کی بات تھی۔ میری تو کچھ
 میں ہی نہیں کر رہا تھا۔ لیکن بہر حال یہ جادو کی سرزمین تھی اور میں کوئی خوفزدہ
 انسان نہیں تھا۔ چنانچہ میں اس کے اور قریب پہنچ گیا۔ یہاں تک کہ میری
 سانس اس کے بدن سے ٹکرائے لگی۔ میں روک چپ ہو کر نہ جانتا تھا۔
 ”لو انجانی! ان غاروں میں آئے والے تم دوسرے انسان ہو بہت

پہلے بھی کوئی آیا تھا۔ لیکن وہ میری آواز سن کر ہی ڈر گیا تھا۔ وہ وہاں سے نکل بھاگا تھا۔

"کیا میرے چرنے سے تم زندہ ہو جاؤ گی؟"
"میں زندہ تو اب بھی ہوں۔ مگر میرا دل پتھر کا ہے۔"
"تب میں یہ تم پر مزہ کروں گا۔" میں نے کہا اور اگلے ٹرڈ کرسٹ سے پہلے میں نھاس کے ہونٹ چومے۔ سرد اور بے جان ہونٹ۔ اور پروفیسر چھریں ہٹ گیا۔ تب میں نے اسے مسکراتے دیکھا۔ "ہاں اس کے ہونٹ مسکراہٹ کے انداز میں کھینچ رہے تھے۔"
"میرے پورے شریر کو جنوں دے دو اجنبی۔ اس بار سوٹ صاف چلے تھے۔ میں نے انھیں ہلکا کر رکھا۔ بلاشبہ ان میں ایک جوان دفتر کے ہونٹوں کی سی گرمی اور لٹی تھی۔ میں ششدر رہ گیا لیکن اس کو چپ کر دینے میں مکمل کر لینا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں نے اس کی دونوں آنکھیں چومیں اور اس کی پلکیں بھینکنے لگیں۔"

"اجنبی! میں تمہارا یہ احسان جنوں بھر نہ بھوں گی۔" دھکس کر بولی اور پروفیسر پھر میں نے اسے انسان بنانا شروع کر دیا۔ میرے بے شمار بوسوں نے اس کے پورے جسم میں روح پھونک دی۔ اس کے جسم میں جان بڑھتی لائے ہلا کر وہ بے پناہ خوشی کا اظہار کرتی اور میں نے تھوڑی دیر میں یہ کام مکمل کر لیا۔ تب ایک حسین خندہ خال اور حسین مرلہ والی نوجوان دلشیزہ میرے سامنے کھڑی تھی اور میں دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا۔
"میں کس زبان سے تمہارا شکریہ ادا کروں۔" اس نے فرط مسرت سے کہا۔

"کیوں، کیا ابھی تمہاری زبان ٹھیک نہیں ہوئی؟" میں نے ازراہ مذاق پوچھا۔

"نہیں، اب تو میں بالکل ٹھیک ہوں۔"
"ایک بات بتاؤ۔" میں نے کہا۔
"مزدور پوچھو۔"
"کیا یہاں موجود سارے بٹ بٹ بٹ کرنے سے ٹھیک ہو سکتے ہیں؟"
"نہیں۔ یہ ٹھیک صرف مجھ میں تھی۔"
"کیوں؟"

"اس لیے کہ یہاں صرف دھن راج انسان ہے یا میں۔ باقی سب اس کے بنائے ہوئے بٹ ہیں۔"
"دھن راج کہاں ہے؟"
"نہ جانے۔" اس نے جواب دیا۔

"آؤ اسے تلاش کریں۔" میں نے کہا اور اس نے میرا ہاتھ اپنے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ میں نے اسے سہارا دیا اور وہ میرے ساتھ چل پڑی۔
"سینکڑوں سال سے اسی طرح کھڑی ہوں۔ پلٹا ہوا ہوں۔ گئی ہوں۔ کیسا عجیب لگ رہا ہے۔"

"سینکڑوں سال سے؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔
"ہاں سواری سیکڑوں سال سے۔"
"کیا تم دھن راج کا بٹ پہچان لو گی؟"
"کیوں نہیں، وہ میرے پتا تھے۔"
"اورہ، تم دھن راج کی بیٹی ہو؟"

"ہاں سواری! اس نے جواب دیا اور میں خاموش ہو گیا۔ میں یہ پوری کہانی سننا چاہتا تھا لیکن پہلے اس بھاگے فراق کو بھی تلاش کر لینا چاہتا تھا۔ چنانچہ ہم پورے ہال میں پھرتے رہے۔ اور پھر ایک جگہ ایک انسانی ڈھانچہ زمین پر پڑا تھا۔ اس کے قریب اس کا بوسیدہ لباس پڑا تھا۔ لو کی رک گئی۔ وہ اس لباس کو دیکھتی رہی اس ڈھانچے کو دیکھتی رہی اور پھر ہر سسکی سی لے کر بولی:
"یہ۔۔۔ یہ میرے پتا ہیں۔"
"اورہ۔" میں نے ڈھانچے کو دیکھ کر کہا۔

"ہاں۔" دیکھو یہ دھن راج ہے جو۔ امر نہ ہو سکا۔ دیکھو اس کا دھن کی کام نہیں آیا۔"
"اور یہ تمہارا باپ ہے؟"
"ہاں۔"

"آؤ! میں نے اس کا بازو پکڑا اور وہاں سے ہٹا لیا۔
حیرت انگیز لو کی میرے ساتھ آگے بڑھ آئی۔ میں اسے غار کے دہانے پر لے آیا۔
"تم زندگی حاصل کرنے کے بعد یہاں سے نکلنا چاہتی تھیں نا؟"
"ہاں۔ ان پتھروں کے ساتھ میں نے صدیاں گزار دی ہیں، مجھے ان سے بے پناہ اکتاہٹ ہو گئی ہے۔ بھگوان کے لیے مجھے یہاں سے لے چلیں اور میں اسے لے کر باہر نکل آیا۔ اس کے بدن کے زیورات جھل جھل کر رہے تھے۔ لباس بھی پرانی طرز کا تھا۔ باہر کر میں نے اسے غور سے دیکھا۔ حسن بے مثال تھا۔ کم سن اور جوانی کے درمیان نہایت مناسب جسم۔ بالمشبہ اسے حسین ترین کہا جاسکتا تھا۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ چہرہ اٹھا کر گہری گہری سانس لے رہی تھی۔
"میں تمہیں کس نام سے پکارتا ہوں؟" میں نے پوچھا۔
"وڈیا۔" اس نے مترنم لہجے میں کہا "اور تم؟"
"میں۔" میں نے گہری سانس لی "مجھے اپنی پسند کا نام دے دو۔"
"نرمنہ۔"
"بالمشبہ نام ہے۔"

"نہ یاں تمہاری کہانی سننے کے لیے یہ جہیں ہوں۔ کیا تم مجھے اپنی کہانی سنائی؟"
"ہاں۔ میں نے تم سے کہا تھا، لی کہانی ہے لیکن مختصر ہے کہ میرا باپ راج اس علاقے کا راجہ تھا۔ لایا کہ ابھی تھا جس طرح یہی ہوتا

ایا کہ اس نے اپنی پرماکرنگا کر دیا تھا۔ سلا دھن دولت اس کی ملکیت ہوتا تھا۔ بڑے ہی پریشان تھے اس بستی کے لوگ۔ تب اسے ایک گیلی ملا۔ اس نے کہا کہ وہ جو بجا بڑے ظلم و بھار ہے تو یہ لایا کہ کس کام کی جیب وہ میرے گاتو ساری لایا ہیں رہ جاتے گی اور اسی وقت سے دھن راج کو ہنگامہ ہو گیا کسی طرح ایسا ہو جائے کہ جب وہ میرے تو کسی طرح اس کی لایا بھی اس کے ساتھ ہی جائے۔ اس نے کشیش شروع کر دیں۔ بڑے بڑے سپانوں کو لایا، ویدوں، عقائدوں اور جڑی بوٹیوں کے ماہروں کو لایا، اور ان سے اس طرح کے نسخے لے کر لایا۔ اس نے یہ فریاد کیا اور یہاں بٹ تڑپنے اور پھر ماری دولت ان تینوں کو پناہ دی سپانوں نے اسے بتایا تھا کہ اب اس کی عمر کم گئی ہے، اس لیے ایک دن وہ تجھے لے کر اس غار میں گیا۔ میں اس کی اکیلے بیٹی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کی دولت میرے ذریعے بھی باہر نہ جائے اس لیے جڑی بوٹیوں کے ست سے اس نے مجھے پتھر بنا دیا۔ اس کا ارادہ تھا کہ خود بھی رستہ کی راضی پتھروں میں شامل ہو جائے گا۔ اس طرح اپنی دولت کے ساتھ امر ہو جائے گا۔ جتنے لوگ اس کے ساتھ ان غاروں میں آئے تھے۔ ان سب کو اس نے دوش دے کر مار ڈالا اور اب اس غار کا جانتے والا کوئی نہ تھا۔ پھر مجھے نہیں معلوم کہ کس طرح اسے موت آگئی۔ شاید وہ پتھر بننے والا بل نہیں سکا تھا۔

میں پتھروں کی تھی۔ گراس طرح کر بولیں۔۔۔ بستی تھی، بل نہیں سکتی تھی مگر سوزن سکتی تھی، مٹی سکتی تھی۔ پھر میرے من میں خیال آیا کہ میں نے اب تک جو جگہ حاصل کیا ہے اسے وہاں اور میں نے ایسا ہی کیا۔ علم میرے دھیان میں اب بڑھ رہا تھا اور اسی سے مجھے معلوم ہوا کہ اگر کسی پتھر پر جن کے سائنوں کا لکھ میرے شریر کر دیں جاتے تو اس دھاکا شرم ہو سکتا ہے جس نے مجھے پتھر بنا دیا ہے اور میں منتظر کرتی رہی۔ طویل انتظار۔ اور آج۔ آج میں پھر سے زندہ ہو گئی ہوں۔"

"انوکھی کہانی ہے وڈیا۔"
"لو کہی کہانی ہے ہمارا راج۔ دیکھو، دھن راج اپنی لایا کے ساتھ کس طرح بڑھا ہے۔"
"ہاں انسان عجیب عجیب طاقتوں کا خالق ہے۔" میں نے پرنیال انداز میں کہا "وہ خیر و اب تمہارا کیا ارادہ ہے وڈیا؟"

"میرا۔۔۔" وہ عجیب سے لہجے میں بولی چند ساعت غامض رہی۔ پھر کہنے لگی "میرا کیا ارادہ ہو سکتا ہے کہ ششوی۔ میں تو اس نے سنار کے دل سے کچھ نہیں مانجی۔ میں تو اس کے لیے بالکل اجنبی ہوں۔"

"پتھر کیا چاہتی ہو؟"
"میں کیا چاہوں گی۔ اگر تم مجھے چھوڑ دو گے تو۔۔۔ میں سنار میں اجنبی لوگوں کے درمیان بستی چوں گی۔ مگر کیا تم مجھے چھوڑنا چاہتے ہو کہ ششوی؟"

"نہیں وڈیا ایسی بات نہیں ہے۔ میں تمہیں چھوڑنا نہیں چاہتا۔ اگر تم میرے ساتھ رہنا چاہتی ہو تو ٹھیک ہے۔ میں نے کہا "مگر تمہیں کچھ باتیں مزید بتاؤں گا۔"
"بتاؤ کہ ششوی؟"

"میرا کوئی گھر نہیں ہے۔ میں ایک آوارہ گرد ہوں۔ آج یہاں نکل وہاں۔ کیا تم میرے ساتھ آدھرا دھو گھر چھوڑتی رہو گی؟"
"تم جانتے ہو کہ ششوی میری بھی کوئی منزل نہیں۔ میرا بھی کوئی نہیں ہے اور پھر میں بھی تو اس بدلے ہونے سنار کو دیکھنا چاہتی ہوں۔"
"جب پھر ٹھیک ہے۔ ہمارا تمہارا ساتھ خوب رہے گا۔"
"میں ہر طرح تمہارے ساتھ خوش رہوں گی۔ اگر تم ہاں ہو تو اس غار سے اور دولت بھی لے لو۔ سنار میں ہمارے کام آئے گی۔"

"اورہ نہیں وڈیا۔ میرا تو خیال ہے تم اپنے یہ زیورات بھی انار کر بیس لاناں دو کہ تمہارے لٹھی تکی آقا کر شانتی لے۔ مجھے دولت کی فکر نہیں ہے۔"
"نہیں کہ ششوی۔ اتنا اس پر میرا بھی حق ہے۔" وڈیا نے کہا اور پھر سر دھڑلایا وہاں سے چل پڑے۔ مجھے ایک عورت مل گئی تھی پروفیسر۔ ایک حسین عورت، ایک حسین اور انوکھی عورت۔ اور میں بہت خوش تھا۔ میری تو تقدیر میں ہی انوکھی عورتیں لکھی تھیں۔ سو اس بدلے بھی۔ اور وڈیا کے کم سن بدن کا قصور میرے جذبات میں پھل بچانے لگا۔



دھن راج بھما غارتے نکل آئے۔ دویا میرے ساتھ چلنے پر آمادہ تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ اس حسین دکن دوشیزہ کو لے کر میں کہاں جاؤں۔ یہی دولت نگوارا ابس جانا تو تھا مگر تھی۔ وہاں کے لوگ میرے ساتھ سلوک تو بہت اچھا کریں گے اور پھر وہاں پر پھوٹا ہوا اور کئی تھے دونوں میرے بے حد شوق تھے اور اپنی پرستش زندگی کا کارن سمجھتے تھے، چنانچہ وہاں کو بھگت تو خوب ہوگی لیکن نہ جانے کیوں اب وہاں جانے کو ہی نہیں چاہتا تھا۔ میں نے فیصلہ کر لیا اور پھر حسین دویا کو لے کر چل پڑا۔

دویا کے چھوٹے چھوٹے پاؤں ننگے تھے۔ دودھ کی مانند سفید پاؤں نرم گوشت سے بنے ہوئے۔ ان میں پتھر بھی چھپے ہوئے تھے۔ چنانچہ میں نے اپنے گھوڑے کو رکھا اور پھر دویا کو کرستے اٹھا کر گھوڑے پر بٹھادیا۔ دویا کی آنکھوں میں سکون کا سا لہر مڑنے لگا۔ وہ سکرانی ہوئی گھوڑے پر بٹھ گئی اس نے دونوں پاؤں ایک ہی سمت لٹکا رکھے تھے۔ میں نے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور اسے پھلے ہوئے چلنے لگا۔

”اے کیا تم نہ بیٹھو گے کرشنو؟ دویا چونک کر بولی۔

”جھٹ جاؤں گا دویا! میرے پاؤں تھاری طرح نازک نہیں ہیں۔“

میں نے سکرانے ہوئے کہا اور دویا کی مسکراہٹ بھی گہری ہو گئی۔

”ہم کیسے ویسے نازک تو نہیں ہیں ہماراں!“ اس نے بساط میں ڈبے ہوئے لہجے میں کہا۔

”اچھا۔ بہت مضبوط ہو کر؟“

”تو اور کیا۔ اگر مضبوط نہ ہوئے تو صدیوں تک کھڑے کیسے رہتے۔

ہمارے پاؤں دکھ نہ جائے۔“

”اے ہاں یہ بات تو ٹھیک ہے۔ میں نے اس کی دلیل پر غور کرتے ہوئے کہا۔ لیکن دویا! اس وقت تو تم پتھر کی تھیں؟“

”میں تو پتھر کا نہ تھا ہماراں! آج جاؤ، اس سے کوئی بتایا ہے کہ میں نے دیکھا تھا پتھر کے ان بڑوں کو دیکھتے دیکھتے ہماری آنکھیں پتھر کی تھیں، لیکن ایسے نیربانی تھیں جیسے ساون بھادوں۔ ہم سوچتے تھے جگوان نے ہمیں جہنم ہی بول دیا تھا۔ کیا پتھر بنانے کے لیے۔ ہماری یہ حالت بنانے والا ہمارا پتا تھا اور ہم دیکھ جانے والے آواز میں اپنے تپا کو پکارتے تھے۔ ہم اس سے کہتے تھے کہ دولت کا لہجہ تو تو تھا، ہمیں کیوں اس جہنم میں چھینا دیا، ہم نے تو بری دولت نہیں مانگی تھی۔ ہمیں جواب کون دیتا۔“

”نیک کہہ رہی ہو دویا۔ بڑا دل گھبراتا ہوگا ان غاروں میں؟“

”جے جگوان۔ ہم کیا کہیں۔“

”بہر حال اب تو تم پتھروں سے نکل آئی ہو اب تو خوش ہو نا؟“ میں نے مسکرا کر پوچھا۔

”ہم بہت خوش ہیں ہماراں۔ کیا بتائیں تمہیں۔ دویا نے انکھیں بند

کر کے کہا اور اس رُوب میں وہ کچھ اور بھی حسین ہو گئی۔ میں اسے باکر بہت خوش تھا پر وہی سر۔ اس کا انوکھا پن میرے لیے لائق حیرت نہیں رہتا تھا۔ ممکن ہے کوئی عام انسان اسے پورے طور پر الیے قبول نہ کر پاتا کہ وہ پتھر سے انسان بنی تھی اور اس کا باپ ایک جاوڑ تھا لیکن یہ بات دوسری تھی۔ میں عام انسان تو نہیں تھا اس لیے مجھے دیکھنے کے لیے اس کے پاس سے کوئی دھشت نہیں ہو سکتی تھی لیکن اب چند سوال میرے ذہن میں تھے۔ میں اسے کہاں لے جاؤں؟ اور یہ سوال میں نے دویا سے کر لیا۔

”جہاں بھی کہاں دویا؟“

”میں کیا جانوں ہماراں! اس نے مصرویت سے کہا۔

”کچھ تو کہو۔ میں نے طویل سانس لے کر کہا۔

”ہم کچھ نہیں کہیں گے۔ آپ نے پتھر سے من بنا لیا ہے۔ اب تو ہم آپ کے ہیں۔ جہنم میں کہیں گے جہنم میں رہیں گے۔ یہی تو ہمیں گئے ہیں۔“

”تب ٹھیک ہے۔ میں تو سوچ رہا تھا کہ لایں تو کسی آبادی میں چلنے کی خواہش نہ ہو۔“

”ہاں میں تو اب تمہارے سوا نہیں ہے ہماراں۔ میں سرورہ جگہ پسند ہے جہاں تم ہو۔“ اس نے جواب دیا۔

”تب ٹھیک ہے۔ چلتے رہتے ہیں ہماراں رات ہو جائے گی، بسیرا کریں گے۔ اب کس بات کی فکر ہے۔“ میں نے کہا۔

”تو پھر گھوڑے پر کھینچو ہماراں! آدیا نے کہا میں بڑی کو میرا بہت خیال تھا۔ میں نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور پھر گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ دویا کو میں نے آگے بٹھالیا تھا اور پھر گھوڑا اس کی مٹھی پر چڑھ دیا، ہماراں بھی لیجائے گھوڑا سر پر ڈولنے لگا۔ کانی ٹوٹے ہو گیا۔ دویا غار میں چلی میرے سینے سے وہ ایسے چپٹی ہوئی تھی جیسے برسوں کے بعد انسانی لمس نے اسے بے خود کر دیا ہو۔ میں نے بھی اسے نہیں کھوئے رہنے دیا اور کوئی بات نہ کی لیکن اس خاموشی سے دویا بھی اکتا۔

”کرشنو کا ہماراں!“ اس نے کہا۔

”کیا بات ہے دویا؟“ میں نے کہا۔

”کچھ باتیں کرو ہماراں! تم نے اسے میں تو بتایا ہی نہیں۔“

”اپنے ہاتھ میں تمہیں کیا بتاؤ؟“ میں نے گہری سانس لیکر کہا۔

”کیوں ہماراں؟“ اس نے سے پوچھا۔

”یا تو تمہاری سمجھ نہیں آتا اسے کہ جوت بھڑکی۔“

”نہیں ہماراں! ہماری اہم ہے کہ ہم آپ کی بات سمجھو۔“

”کھیں۔ آپ ہیں اپنے ہاتھ میں بتا۔“

”بس تو پھر لوں مجھ کو جوت طویل سے پتھر بنی دھن راج بھما میں کھڑی تھیں اسی طرح میں صدیوں ملان کے روپ میں روئے زمین

کا راز ہوں۔ میرے لیے موت نہیں ہے اور میں ہر دور کا چشم دید گواہ ہوں۔ میں نے صدیوں کا غور دیکھا ہے۔ صدیوں کی کتابیں دیکھی ہیں۔ زمانے کا یاد رکھتا ہے میں نے دویا۔ جسے میں خود بھی سوچنے بیٹھوں تو ربط نہ سکوں۔ میں نے دویا کو کچھ مختصر مضمون دینا۔ انھوں نے سوا کچھ نہ بکے گا۔ دویا خاموش ہو گئی اور میرے خاموش ہو جانے کے بعد بھی کانی دیر نہیں گزری بولی تو میں نے ایک ہاتھ اس کی گھڑی کے نیچے رکھ کر اس کا چہرہ اظہار کر دیا اور اس کی آنکھوں میں جھانکے لگا۔ خاموشیوں کیوں ہو گئیں دویا؟

”ہم کیا بولیں ہماراں! تم نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ ہماری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔“

”ہاں دویا! میرے ہاتھ میں جاتے کی کوشش مت کرو۔ بس یہ دیکھو۔“

”ہاں ہماراں! تم انکھیں ہو۔ بڑے ہی سندر۔ بڑے ہی من ہو۔“

”تم میرے ساتھ صرف اس لیے جیون گزارو گی کہ میں نے تمہیں پتھر سے انسان بنایا ہے، یا تم میرے ساتھ خوش بھی رہو گی؟“

”ہم تمہارے ساتھ خوش رہیں گے ہماراں!“ اس نے کہنے سے پہلے کہا اور میں نے ایک ہاتھ اس کی کمر میں ڈال کر اسے خود سے پیچھے لیا عورت کا ہاتھ گداز کر لیا۔ میری روح میں گدگدیاں کر رہا تھا۔ کیا میری موت ہی عورت تھی۔ حال وہ محرومی دور ہو گئی تھی جس سے میں طویل عرصے سے دوچار تھا لیکن اب اور خیال میرے ذہن میں کراٹھا رہا تھا اور یہ خیال تشویشناک تھا جیسا کہ میں نے لکھی یاد رکھی تھی۔ لاکھیں برسے مڑنا چڑیل نے ختم کر لیا تھا۔ کیوں دویا اس کا شکار نہ ہو جائے اور اس خیال نے مجھے پریشان کر دیا۔

بہر حال سفر جاری رہا۔ شام ہو گئی اور پھر جب میں احساس ہوا کہ آٹھ بجے ہیں پتھر کو رکھا ہے تو میرے قیام کی غلطی اور ایک سرسبز جگہ کو روک لیا اور اسے چرنے کے لیے چھوڑ دیا اور پھر میں نے دویا پر اپنے ہاتھ کا اظہار کر دیا۔ میں کسی قدر پریشان ہوں دویا!

”کیوں ہماراں؟“ وہ چونک کر بولی۔

”بتاؤں، تم ڈرو گی تو نہیں؟“ میں نے کہا۔

”نہیں ہماراں! ڈر خوف کا تو ہمارے میں میں گزری نہیں ہے۔ ہم صدیوں سال ان خاموش جہنموں کے ساتھ گزرتے ہیں ہر دن ہنسنے ہنسنے کے ساتھ۔“

”میں تو شروع میں ہمارا دل خوف سے دھڑکتا تھا لیکن پھر جہنمناں کے اندر آئے۔ پھر ہمارے میں نے ڈر بالکل نکل گیا اور اب ہم کسی چیز سے نہیں ڈرتے۔“

”اوہ! یہ تو اچھی بات ہے۔ اچھا ایک بات اور بتاؤ دویا؟“ میں نے کہا۔

”وہ بھی کچھ ہماراں!“

”کیا تھا جیون ایک عام منہ کا جہنم ہے؟“

”ہم کچھ نہیں ہماراں؟“ اس نے مجھے ہونے انداز میں کہا۔

”اگر کوئی تمہارے پران لینا چاہے تو آسانی سے لے سکتا ہے؟“

”میں نہیں کہہ سکتی ہماراں! اگر آپ نے یہ بات کیوں پوچھی؟“

”میں نہیں بتانا مناسب سمجھتا ہوں دویا! تم کہیں ہو کہ اب تمہارا دل میں کوئی خوف نہیں ہے۔ کچھ دنوں ایک جاوڑ گئی میرے پیچھے ہو گئی تھی۔ میں نے اسے آگ میں جھونک دیا لیکن وہ چڑیل بن گئی اور میرے پیچھے لگ گئی۔ میرا تو وہ کچھ نہیں لگا سکتی لیکن جوت لڑائی مجھے بہت محنت کرتی ہے وہ اس کی جان لینے کے درپے ہو جاتی ہے اور اسے مار کر ہی دلی پی ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ میں وہ تھاری جان لینے پر بھی نہ مل جائے۔“ میں دویا کی شکل دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر بھی پریشانی کے آثار ابھر آئے۔ چند منٹ وہ خاموش رہی، پھر ایک گہری سانس لے کر بولی۔

”میں نہیں کہہ سکتی ہماراں! کہ وہ میرا کچھ بگاڑ سکتی ہے یا نہیں۔ لیکن میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ میرے پاس بھی کچھ کیا ہے، میرے پاس بھی کچھ شتی ہے جس سے میں نے معلوم کیا تھا کہ میں دوبارہ انسان کیسے بن سکتی ہوں۔“

”اوہ۔ ہاں تم نے مجھے بتایا تھا۔“ میں نے چونک کر کہا۔

”جوت لڑنے کے ہاتھ میں مجھے صرف ایک بات معلوم ہے۔“

”کیا؟“ میں نے دھچکی سے پوچھا۔

”میں کھلی بگم نہیں سونا چاہیے۔ خاص طور سے رات کو۔ رات کو میں کھلے آسمان کے نیچے نہیں ہونا چاہیے۔ چاہے کسی درخت کا سایہ ہی ہو لیکن سایہ ضرور ہو۔ وہ ہمارا کچھ نہیں لگاڑیں کی۔“

”اوہ۔ یہ عہدہ بات ہے۔ بہر حال تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تمہاری حفاظت کروں گا۔“

”میں کچھ کہہ رہی ہوں ہماراں۔ مجھے اس بات سے ذرا بھی ڈر نہیں لگا۔ میں تو صرف اس لیے پریشان ہوئی ہوں کہ وہ پان تھیں کوئی نقصان نہ پہنچائے۔ دویا نے مصرویت سے کہا۔ اس کی آنکھوں میں میرے لیے بے پناہ محبت کے آثار تھے اور وہ میرے لیے فکر مند نظر آ رہی تھی میں نے اس کی گردن میں ہاتھ ڈالے۔

”میرے لیے بالکل فکر مند نہ ہو میری جان۔ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ وہ بھی میرے بدن سے لپٹ گئی۔

”پھر بھی ہماراں۔ کرشنو کا ہماراں! ہم کسی پتھر کے نیچے سوئیں گے اور تم رات بھر مجھے سے الگ نہ ہو گے!“

”میں تو تم کو تو دن میں بھی الگ نہ ہوں۔“ میں نے اسے شرارت سے دیکھتے ہوئے کہا لیکن اس کی آنکھوں میں وہی سادگی، وہی مصرویت نظر آ رہی تھی۔ وہ شاید روکے کی دوسرے رُوب سے آشنا ہی نہ تھی۔ ہو جائے گی۔ پھر شائے کی بھی، لہجے کی بھی، میں نے سوچا اور پھر میں نے ایک سایہ دار درخت تلاش کیا اور اس کے نیچے چھپنے لے گیا۔

”میں تمہارے ساتھ بہت خوش ہوں کرشنو کا!“ دویا میرے سینے سے مڑنا کر بولی۔

”میں بھی میری روح۔ کرشنو۔ تم بھول گئی ہو گی میں تمہارے لیے

”تھیا نند جی امرتھے۔ صدیاں بیت چکی ہیں، پرت مجھے وشواس ہے کہ وہ زندہ ہوں گے۔ ماں میں نہیں کہہ سکتی رندھیرا کا کیا حال ہے۔ ممکن ہے اس علاقے کا نام ہی بدل گیا ہو۔ ہم انھیں تلاش کریں گے کرشنا!“

”مزدکش کریں گے۔ میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ یہ میری سب سے بڑی مڑکا مناجہ۔ میں پر حیرت پر گیاں حاصل کرنا چاہتا ہوں۔“

”میں بخاری سہا سنا گوں گی کرشنا میرے لیے اس سے زیادہ خوشی کی بات کیا ہوگی کہ میں تھلے کام آؤں۔“

”تم نے میرے من میں نئی جوت جگا دی ہے وڈیا۔ ہلے بیرون میرا اب ایک مقصد پیدا ہو گیا ہے۔“ میں نے کہا اور پھر نہ جانے کب تک میں وڈیا کے کان کھاتا رہا۔ میں اس سے طرح طرح کے سوالات کر رہا تھا اور تھیا نند کے لیے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کر رہا تھا اور پھر ہم نے ایک اور رات اسی جگہ گزار لی۔ ہر رات وڈیا کے من میں نئے پھول کھلتے تھے۔ وہ مجھے زیادہ سے زیادہ چاہنے لگی تھی۔

دوسرے دن میں چم چل پڑے اور اب مجھے شدت سے کسی آبادی کی تلاش تھی۔ تیسرے دن میں آبادی کے آثار نظر آئے اور جا خیال درست تھا۔ یہ کرشن پور تھا۔ کچے کچے بے شمار کاناں کا شہر۔ گلیاں اور بازار کشادہ تھے۔ سڑکوں پر گھام گھی تھی۔ ہم دونوں مسافروں کی حیثیت سے اس شہر میں داخل ہوئے تھے۔ ایک دھرم شال میں قیام کے لیے جگہ مل گئی اور میں اپنی اور ستری کی حیثیت سے کہ ایک کمرہ نمونہ لایا۔ مندر کی طرف سے بھوجن مل گیا جب تک من چاہے کھڑو کوئی روک ٹوک نہیں تھی۔

”ہم یہاں زیادہ دیر نہیں کریں گے وڈیا!“ میں نے کہا۔

”میں نہیں سمجھتی منہرا!“ وڈیا پھر بھرے بھرے میں بولی۔

”تم میرے من کی بات جانتی ہو وڈیا۔ میں جلد از جلد تھیا نند تک پہنچ جانا چاہتا ہوں۔“

”بخاری مڑکا منا اوش پوری ہوگی کرشنا! چنتا مت کرو۔ ہم یہاں ٹوک کر رندھیرا کے بلے میں معلوم کریں گے۔ ہم مزدور پہل جائے گا۔“

”یہی میں چاہتا ہوں۔“ میں نے گہری سانس لے کر کہا وڈیا کی حیثیت عورت میرے لیے دلکش تھی لیکن بہر حال میں اپنا کام ہی پورا کرنا چاہتا تھا۔ اس میں جتنی دقتیں ہو رہی تھیں اتنا ہی موشوق بڑھتا جا رہا تھا۔ وڈیا انھی تھی اس لیے کہ مڑکا کا جا دو اس پر نہیں چل سکتا تھا۔ یہ بات تو میں نہیں سوچ سکتا تھا کہ مڑکا نے اسے ایسا ہی کرنا چاہا ہوگا لیکن یقیناً وڈیا کسی پراسرار سستی پر اس کا جا دو نہیں چل سکا ہوگا۔ اسی لیے وڈیا زندہ تھی اور وڈیا کی زندگی بہر حال میرے لیے ممکن تھی لیکن اب وڈیا نے جو کچھ بتایا تھا اس نے میرے دل میں وڈیا سے دلچسپی اور بڑھادی تھی۔ اگر وہ مجھے ایسے کسی آدمی تک پہنچانے میں کامیاب ہوگی تو اس سے عہدہ بات کیا ہو سکتی ہے۔ وڈیا نے بھی پوری طرح میری دلچسپی محسوس کر لی تھی اور وہ بھی اس سے میں پوری پوری خوش کر رہی تھی۔

پھر میں اپنے طور پر اور وڈیا اپنے طور پر اس بلے میں کوشش کرنے لگے اور دوسرے دن شام کو وڈیا نے مجھے ایک خوشخبری سنائی۔ ”کرشنا کا۔“ اس نے مسرورہ میں کہا۔

”کیا بات ہے وڈیا؟“ میں نے پوچھا۔

”کچھ کام بنا ہے وڈیا بولی۔“

”نہیں وڈیا! لوگ اس طرح اس نام کو کہتے ہیں جیسے رتنے زمین پر اس کا وجود ہی نہ ہو۔“

”لوگ کچھ کہتے ہیں کرشنا کا ہمارا!“ وڈیا مسکراتی ہوئی بولی۔

”کیا مطلب ہے؟“

”اگر تم لوگوں سے پوچھو کہ تھیا نند کہاں ہے تو وہ فوراً انھیں اس کے بلے میں بتا دیں گے۔“

”تھیا نند کہاں ہے؟“ میں نے چونک کر پوچھا۔

”ماں! رندھیرا کا نام ہی ہے۔ ہلے یہ کیا نیکیں یہاں کے لوگ بکھوں سے ہی نام جانتے ہیں اور تھیا نند ہمارا جی کج بھی اتنی پہاڑیلا میں رہتے ہیں۔“

”اوہ! لیکن وہ پہاڑی یہاں سے کتنی دُش ہے؟“

”بالکل دور نہیں۔ صرف میں کوں دور۔“

”اوہ! کیا یہ اتفاق نہیں ہے وڈیا؟ میں مسرور ہو کر بولا۔

”ہاں۔“ انھوں نے بات ہے کہ ہم اسی جگہ اٹکے۔“

”مگر تمہیں یہ بات کیسے معلوم ہوئی؟“

”میں ایک جادو دھاری سادھو جی مل گئے۔ میں نے ان سے پوچھا۔

”وہ کون ہے اور مجھے یہ بات بتائی؟“

”پھر اب ہم کب روانہ ہوں گے وڈیا؟“

”جب تم کو مانا تھا!“ وڈیا نے جواب دیا۔

”کل صبح ہم یہاں سے چلے گئے۔“ میں نے کہا اور وڈیا نے گردن جھکائی۔ اس رات میں بہت خوش تھا۔ وڈیا بھی میری خوشی سے خوش تھی اس نے تھیرا انداز میں بتایا کہ تھیا نند ہمارا جی آج بھی اسی طرح پیسے جانتے ہیں۔ لوگ انھیں بخوبی جانتے ہیں لیکن ہم وہاں تنہا نہیں چلیں گے ناغہ آخر میں اس نے کہا۔

”کیا مطلب ہے ہلے ساتھ کون جائے گا؟“

”کسی نہ کسی کو ساتھ ضرور لے جانا پڑے گا۔“ وہ بخیر خیال انداز میں بولی۔

”میں تمہیں سمجھا دیتا ہوں۔“ میں نے اچھے موڑے انداز میں کہا۔

”تم چنتا مت کرو! میں سب ٹھیک کر لوں گی۔ میں تمہیں ورنہ مجھے چاروں گھنٹیں ہمارا آج تھیا نند سے ضرور ملاؤں گی۔ جتنے بڑے گیانی جتنے تے تیا گی وہ ہیں تم بھی طرح جانتے ہو ان سے ملنا آسان بات نہیں ہے بہت کچھ کرنا ہوگا۔“ وڈیا نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔ اگر وڈیا ملے کام سنبھالنے کے لیے تیار بھی تو پھر مجھے اچھے کی کیا ضرورت تھی

وہاں تک میں اس خوفناک پہاڑی کے سب کچھ بھول گیا۔ دوسری صبح وڈیا مجھ سے آگیا لیکن پہلی اور پھر کافی دیر کے بعد وہ اس کی اس کا چہرہ خوشی سے تھکا ہوا تھا۔ اس نے پیار بھرے انداز میں کہا۔

”میں نے تمہیں دیکھا کرشنا!“

”ہاں۔ پھر اب کیا ارادہ ہے؟“

”بس۔“ وڈیا نے کہا اور میں تیار ہو گیا۔ وڈیا اپنے لیے بھی ایک کمرہ لے آئی تھی۔ ہم دونوں گھوڑوں پر سوار ہو کر چل پڑے اور تھوڑی دیر کے بعد شہر سے باہر نکلے۔ وڈیا ایک مخصوص جگہ پہنچ گئی۔ یہاں ایک رتھ لگا ہوا تھا جو چاروں طرف سے بند تھا۔ رتھ میں دو گھوڑے بٹھے ہوئے تھے۔ اندر جانے کو نہ تھا۔ میں نے وڈیا سے اس کے بلے میں پوچھا۔

”اس میں وہ ہیں ہمارا جی جو ہلے ساتھ جائیں گے۔“ وڈیا نے کہا۔

”میں نہیں سمجھتا وڈیا!“ میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

”کرشنا کا!“ وڈیا انتہائی سنجیدگی میں بولی۔ ”ہمارا جی تھیا نند کے پاس ہلے کے لیے کچھ کشت بھرتے پڑتے ہیں کچھ کام کرنے پڑتے ہیں۔ میں ان کے ساتھ کارن وہ سالے کام کر رہی ہوں۔ تم میرے کارن حرف ایک کام کرو اور وہ کہہ دے کہ ان کاموں کے بلے میں کچھ موت پوچھو۔ یہ بہت مفردی ہے۔“

”اوہ! کیلئے خوف کی بات ہے وڈیا۔ گویا میرے لیے یہ سب کچھ ہمارا ہے اور مجھے یہ کچھ نہیں بتایا جائے گا۔“ میں نے کہا۔

”ہاں ہمارا جی ایسی ہی بات ہے۔ بس اب آپ اس بلے میں چلے جائیں۔“ وڈیا نے کہا اور میں اس کی صورت دیکھنے لگا۔ کیا حماقت کی حماقت ہے تو وقت لڑکے نے۔ حالانکہ اس نے ایک عجیب زندگی گزار دی ہے۔ اس کی اس عمر کو تو زندگی میں شامل ہی نہیں کیا جاسکتا جو اس نے اپنی حیات میں گزار دی ہے۔ دوسری حیثیت میں وہ صرف ایک کس لالہ ہے لیکن۔۔۔ نہ جانے کیوں وڈیا کی بعض باتوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ کال ہماندیر ہے اور بعض باتوں کے بلے میں بہت کچھ جانتی ہے۔

بہر حال میں خاموش ہو گیا۔ وڈیا نے اپنا گھوڑا اچھی رتھ میں جوت لیا اور وہ خود رتھ لگنے کی میں اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ وڈیا پہلے سے اچھی طرح معلوم ہو رہی تھی رتھ باندھی ہوئی وہ عجیب لگ رہی تھی۔ میں اس سے سفر کرتا رہا۔ گھوڑے تیز رفتاری سے چل رہے تھے اور میں نے اس کی آواز دھڑکیا دیا تھا۔ اب میں اتنے کچے ذہن کا مالک ہی نہیں تھا کہ رتھ میں کسی کی چڑھتا۔ میں تو اب اس شخص کے بلے میں سوچ رہا تھا جس نے وڈیا کے امت مرحلت میں لیا تھا اور ہمیشہ کے لیے زندہ ہو گیا تھا۔

وڈیا نے کافی دور چل کر ایک جگہ قیام کیا۔ رتھ اس نے ایک درخت کے نیچے میں روک دیا اور پھر خوجی ایک درخت کے نیچے آگئی۔ ہم رات

بیس گزاریں گے ہمارا جی!“ اس نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”دیکھو! آگے نہیں چلو گی! ابھی تو روشنی باقی ہے۔“

”آگے نہ نہیں ایسی جگہ بنائے اور پھر اچھی راستہ تو کافی باقی ہے۔“

”اچھی تو اچھی اتنا ہی سفر طے کرنا ہے جتنا آج کیا ہے۔ پھر چل دیں کیوں کی جائے۔“

”جیسی بخاری مڑی!“ میں نے کہا اور وڈیا مسکراتے لگی۔ پھر اس نے قیام کا مختصر بندوبست کیا اور میرے آرام کے لیے جگہ بنا دی۔ رتھ اسی طرح اٹھا لیا گیا کہ گھوڑے نہیں کھیل گئے۔“ میں نے پوچھا۔

”کھولنے پڑیں گے ہمارا جی!“ وڈیا نے کہا۔

”لیکن یہ خاموش لوگ کون ہیں؟ میں نے ایک بار بھی ان کی آواز نہیں سنی۔“

”ہاں۔ انھیں خاموش رہنے کی ہدایت کر دی گئی ہے۔“

”مجھے ان کے بلے میں بتاؤ وڈیا۔ تم نے خواہ مخواہ کی اچھی بات کہی ہے۔“

”اس میں اچھے کی کیا بات ہے ہمارا جی؟“

”میں جانتا ہوں تم جو کچھ کہیں ہو میرے لیے کر رہی ہو میں کھلے کسی کام میں رکاوٹ تو نہیں ڈالوں گا پھر تم مجھے اس بلے میں کیوں نہیں بستا رہیں؟“

”نہ جانے کی کوئی بات نہیں ہے ہمارا جی۔ بس یہ دیکھتے رہتے ہیں۔ تم انھیں دیکھو کہ تو ان کے بلے میں پوچھو گے اور میں سے بات خراب ہو جائے گی۔ میں تمہیں ان کے بلے میں بتاؤں گی ضرور ہمارا جی لیکن اچھی نہیں کام ہونے کے بعد۔“

”میں انھیں دیکھ بھی نہیں سکتا۔“ میں نے پوچھا اور وڈیا کسی سوچ میں ڈوب گئی۔ پھر اس نے گردن ہلائی۔

”دیکھنے میں کوئی عرج نہیں ہے لیکن اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتے۔ انھوں نے برت رکھا جو اب، بولیں گی نہیں اس لیے تم ان سے بات کرنے کی کوشش بھی مت کرنا۔ آؤ۔ ہم انھیں نیچے اتار لیں۔“ وڈیا نے کہا اور پھر وہ میرے ساتھ رتھ کے قریب پہنچ گئی۔ تب رتھ کا پردہ ہٹا اور میں نے ان چاروں خوبصورت لڑکیوں کو دیکھا جن کے چہرے پہلے پہلے بڑے ہوئے تھے۔ ان فرماں روا لڑکیاں تھیں۔ کسی کی عمر سترہ اٹھارہ سال سے زیادہ نہیں ہوگی۔ ان کے جسموں پر سفید ساڑھیاں تھیں اور بال کھلے ہوئے تھے۔ ایک عجیب خوفناک عجیب سی سوگوار نظر آ رہی تھی ان کے چہروں پر۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ اپنی مرضی سے نہ آئی ہوں۔

”نیچے آ جاؤ سنبھالو!“ وڈیا نے کہا اور وہ سب گرتی پڑتی رتھ سے نیچے آ گئیں۔ میں ابھی ہوں لگا ہوں سے انھیں دیکھا رہا۔ لڑکیوں کی کیفیت سے صاف اندازہ ہوتا تھا کہ وہ خوش نہیں ہیں اور کسی نہ کسی طرح وڈیا کے زیر اثر ہیں لیکن اب میں وڈیا سے ان کے بلے میں کیسے معلوم کروں۔ میری سمجھ میں نہیں آیا۔ نہ جانے کیوں وڈیا میری نگاہوں میں پراسرار ہو گئی۔ اس کے پراسرار ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں تھا۔ پھر سے انسان ہی تھی۔ یہی تو نصیب

کی بتائی تھی لیکن اس کے ساتھ اس نے جو کچھ بتایا تھا اس سے وہ معصوم قرار دی جا سکتی تھی لیکن اب یہ نیا مسئلہ۔

بہر حال میں نے حسب وعدہ اس سے اس بارے میں اور کچھ نہیں پوچھا لیکن ان لوگوں کے لیے میرے دل میں ہمدردی پیدا ہو گئی تھی۔ میں نے تہیت کر لیا کہ موقع ملے تو لوگوں سے ان کا احوال ضرور پوچھوں گا اور میں اس کے انتظار میں رہا۔ لوگیاں خاموشی سے درخت کے نیچے چڑھ چکی تھیں۔ وہاں انھیں چل کھانے کو لیے تو انھوں نے خاموشی سے چل کھالے لیکن ان کے منہ سے کوئی آواز نہیں نکلی تھی۔

پھر رات کو دویا میرے پہلو میں آگئی۔ لوگیاں اسی طرح بیٹھ گئیں۔

”کیا وہ سوئیں گئیں؟“ میں نے دویا سے پوچھا۔

”جب نیند آگے تو سو بھی جائیں گی۔“

”ایک بات تو بتا دو دویا؟“

”انہی کے بلے میں ہوگی؟“ دویا عجیب لہجے میں بولی۔

”ہاں! میں نے جواب دیا۔“

”میں دیکھ رہی ہوں ناخہ، تم بڑی طرح ان میں الجھ رہے ہو۔“

”ہاں دویا! ان کی حالت سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی خوشی سے بھلائے ساتھ نہیں آئیں۔“

”یہ ٹھیک ہے۔ وہ اپنی خوشی سے نہیں آئیں۔“

”ضرورت کے تحت؟“ دویا نے سپاٹ بے میں کہا۔

”کیا ضرورت ہے ان کی؟“ میں نے بھی سمجھ لی۔

”کوشش! اس جو کچھ کہہ رہی ہوں، بھلائیے کر رہی ہوں اور تم۔“

اور تم مجھ سے ایسی باتیں کر رہے ہو۔

”ممنون دویا! میرے پاس طویل عرصے میرے پاس اتنا وقت ہے کہ کوئی کام کروا سوں نہ ہو پائے تو مجھے اس کی کوئی پروا ہے۔ میں اس کے بعد اس سے کہوں گا لیکن اپنے کسی کام کے لیے میں نے ایسی بات نہیں کرنا چاہتا جس سے کسی کو نقصان پہنچے۔“ میں نے کہا اور دویا عجیب ہی لگا بولا سے مجھے دیکھنے لگی۔ اس کے چہرے کے تاثرات بدلتے رہے۔ پھر وہ تھکے تھکے انداز میں مسکرائی۔

”میں جانتی ہوں ناخہ، تم نرم نرم سے کے الگ ہو۔ پر تو میں انھیں کوئی نقصان تو نہیں پہنچاؤں گی۔“

”پھر انھیں کیوں لائی ہو؟“

”یہ سچ ماریاں ہیں۔ منہ دلوں میں ناجاتی ہیں۔ میں انھیں سوا می سنبھالنے کے دواریاؤں کی یہ سوائی ٹھٹھ میں ناچیں گی اور ہمارا راج خوش ہو جائے گا۔ تب ہماری مزہ کا منا پوری ہوگی۔ پھر ہم انھیں واپس پہنچا دیں گے۔“

”اوہ! یہ ضروری ہوتا ہے؟“

”ہاں! کوشش! ان رشتہ مندوں کی بھی کچھ باتیں ہوتی ہیں جو پورا ہی ہوتی ہیں۔ یوں بھگت دیکھتا ہوں تو ہے جو انھیں دی جاتی ہے۔“

”لیکن یہ لوگیاں خوفزدہ کیوں ہیں؟“

”یہ ہمارے ساتھ آنے کو تیار نہیں تھیں۔“

”پھر؟“

”میں انھیں زبردستی لانی ہوں۔ میں نے ان سے کہہ دیا کہ اگر وہ ساتھ چلنے کو تیار نہ ہوں تو ان کی سہارا ہونے کے لیے چھن جائے گی۔ جس دھمکی انھیں لے آئی ہے ورنہ وہ نہ آئیں۔ وہ سوچ رہی ہیں کہ نہ جانے کے ساتھ کیا سلوک ہو۔“

”اوہ۔ تو یہ بات ہے۔“ میں نے سادگی سے اس کے بیان پر بھی لوگوں کے خوف کی وجہ سے یہی کہی تھی۔ آگئی اور دویا کی ضرورت تھی۔ میں نے وہ انھیں لے آئی تھی اس لیے کوئی حرج نہیں تھا اور پھر اس طرح اگر کام تو کیا حرج ہے۔ یہ تو میں دیکھ چکا تھا کہ ناخہ رنگ ان لوگوں کا مذہب ہے۔ ان کی عبادت کا ہر میں ہی کچھ ہوتا ہے۔ چنانچہ میں چھن ہو گیا اور دویا کی سے جو شہادت میرے ذہن میں پیدا ہوئے تھے ختم ہو گئے۔ تب بقیہ کے سکون و اطمینان سے گذری۔ لوگیاں بھی ایک دوسرے پر گرہ لگ کر سو گئیں اور رات کے آخری پہر میں ہم دونوں بھی سو گئے۔ پھر صبح سویرے جرجر جب ہماری آنکھ کھلی۔

چاروں لوگیاں اسی درخت کے نیچے بیٹھیں اور گھبراہٹ میں تھیں۔ ان چہروں پر وہی آوازیں سو گوار تھیں۔ حالانکہ وہ رات میں فرار بھی ہو سکتی لیکن نہ جانے کیوں انھوں نے بھاگنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ناشتے و فارغ ہو کر میں نے رکھ میں گھوڑے جتنے اور دم چلنے کے لیے تیار ہو گئے۔ راستے میں، میں نے دویا سے اس بارے میں پوچھا۔

”میں نے ان لوگوں میں ایک خاص کیفیت پائی ہے کیا اس کی؟“

”کیسی کیفیت؟“

”یہ صبح کو ہمارے جاگنے سے پہلے جاگ گئی تھیں۔“

”ہاں۔ پھر؟“

”اگر یہی گاناچا ہتھیں تو بھاگ سکتی تھیں۔“

”جانتی کہ ان سربراہ اس جنگل میں؟“ اور پھر تھاری دویا کے پاس بھی تو کچھ دیا ہے۔“ دویا مسکرائی ہوئی بولی۔

”اوہ! کیا مطلب ہے؟“

”میں انھیں بتا چکی ہوں براں ناخہ کہ میرے پتلے مجھے کچھ گناہ سکھائے تھے جن کی مدد سے میں نے اپنے نئے حیران کے بلے میں سوار کیا۔“

”ہاں۔ مجھے یاد ہے۔“

”تھوڑی سی شکست میرے پاس بھی ہے، اسی کی مدد سے میں نے۔“

”کے پاؤں باندھ رکھے ہیں۔“

”اور شاید زباں بھی ہے۔“ میں مسکرا کر بولا۔

”کیوں؟ زباں کیوں؟“

”میں نے انھیں بولنے کی نہیں سنا۔“

”ہنگی ہیں سربراہ! خود کو نصیب کا مارا بھگتی ہیں اس لیے ان کے سوا اس بھی غراب ہو گئے ہیں اور اچھا ہی ہے ورنہ ہمارے کان کھا جاتیں۔“

دویا ہنس کر بولی۔

”میں نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور پھر باقی سفر خاموشی سے طے ہو گیا۔ مجھے دویا پر اب کوئی شہ نہیں رہا تھا۔ میں نے باقی راستے میں اس سے کوئی سوال نہیں کیا اور پھر ہم دونوں پہاڑوں کے قریب پہنچ گئے۔ سورج ڈھلان کا سفر طے کر رہا تھا۔ فضا میں دھوپ کی تیزی ختم ہو گئی تھی۔ سارے راستے ہم نے لوگوں کی کوئی آواز نہیں سنی تھی۔ یہ سب کچھ مجھے عجیب لگ رہا تھا لیکن بہر حال میں نے اس وقت اس بارے میں کچھ سوچنا ضروری نہیں سمجھا۔ میں تو اب اس شخص کے بلے میں سورج رہا تھا جس سے مجھے ملاقات کرنی تھی۔

میرا گھوڑا اور دویا کا رکھ پہاڑوں کے قریب پہنچ گیا اور دویا نے رکھ روک لیا۔

”کیا یہی ہماری منزل ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”ہاں۔ سنبھالو! یہی ہے۔“ دویا نے جواب دیا۔

”لیکن پہاڑی سلسلہ تو دور تک پھیلا ہوا ہے۔ ہمیں سنبھالنا کتنا کچھ تلاش کرنا پڑے گی۔“

”شاید نہیں۔“ دویا نے جواب دیا۔

”تمہیں کوئی اندازہ ہے؟“ میرے ذہن میں جھربہ جھربہ لگے۔

”دیکھ کر تنک۔“ دویا پر خیال انداز میں بولی۔ وہ پہاڑوں میں چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ پھر وہ رکھ میں داخل ہوئی اور اس نے رکھ میں لگا ہوا گھنٹہ بجانا شروع کر دیا۔ میں نے اس کی آوازیں پہاڑوں میں گونجنے لگیں۔ دویا کا فی دیر تک گھنٹہ بجانی رہی تھی اور پھر شاید اس نے تھک کر بھی گھنٹہ بند کیا تھا۔

میں خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ قریب و جوار کی پہاڑیوں میں ابھی کوئی حرکت نہیں ہوئی تھی۔ دویا لگ گئی۔ وہ بھی گھنٹے کی آواز کا رد عمل چاہتی تھی اور پھر رد عمل ہوا۔ میں اندازہ بھی نہ ہو سکا کہ وہ دونوں جٹا دھاری سادھو کہاں سے نکل آئے تھے۔ دونوں کر یہ بالکل نظر تھے۔ ان کے جسموں پر نہایت مختصر لباس تھے۔ بدن گورمیں اٹے ہوئے تھے۔ بال بھی ایسے غراب تھے کہ دیکھا نہیں جاتا تھا۔ انھیں انگاروں کی طرح مٹھتے تھے۔ دونوں ہمارے سامنے آگئے اور دویا انھیں دیکھنے لگی۔

پھر اس نے دونوں ہاتھ جوڑ لیے۔ میں اسی طرح کھڑا انھیں دیکھتا رہا تھا۔

”کون ہے تو تار؟ ہمارا سنبھالنا کتنا کچھ پتہ کیوں بھنگ گیا ہے؟“

”تو نے؟“ ایک سادھو نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”میں ہمارا راج سے ملنے آئی ہوں۔“

”کیوں ملنے آئی ہے؟“ سادھو کوک کر بولا۔

”مجھے ان سے ایک ضروری کام ہے۔“

”مگر ہمارا راج کسی سے نہیں ملے۔“ دوسرا سادھو بولا۔

”مجھ سے ملیں گے۔ نظم انھیں اطلاع دو۔“

”اندرون ہے؟“

”سب کچھ ہمارا راج کو ہی بتایا جا سکتا ہے۔“ دویا نے جواب دیا۔

”ہم ہمارا راج کے واس میں۔“

”میں بھی ان کی داسی ہوں۔“ دویا جستہ بولی۔

”اور یہ منوئی کون ہے؟“

”میرا بھائی!۔“ دویا نے جواب دیا۔

”اوہ! تو اپنے بھائی کے ساتھ آئی ہے۔ شاید تم دونوں ہمارا راج سنبھالنا کتنا کچھ چاہتے ہو۔“ ان میں سے ایک نے کہا اور دونوں ہنس پڑے۔

”کیا ہمارا راج نے انھیں اس کا ادھیکار دیا ہے کہ تم دونوں ان سے ملنے آئے والوں سے بھٹکوں کر دے؟“ دویا نے پوچھا۔

”تو نے بات ہی بھٹکوں کی کی ہے؟“ سادھو بولا۔

”کیوں؟ اس میں بھٹکوں کی کیا بات ہے؟“

”ہمارا راج کچھ بارہ برسوں میں کسی منوئی سے نہیں ملے۔“

”اور ناری ہے؟“ دویا نے پوچھا۔

”ہاں ناری سے ملنے میں انھیں کوئی کردہ نہیں ہے۔“

”ٹھیک ہے تو میں ان سے ملوں گی۔“ دویا بولی۔

”اور منوئی کہاں ہے گا؟“

”انہی پہاڑوں میں ہے گا۔ میرا انتظار کرے گا، تمہیں کیا۔“ دویا نے کہا اور میں نے غور سے اس کی شکل دیکھی۔ دویا نے مجھ سے پوچھے بغیر میرے بلے میں فیصلہ کر لیا تھا۔ دونوں سادھو کچھ سوچنے لگے۔ پھر انھوں نے گردن ہلائی اور بولے۔

”رکھیں کیا ہے؟“

”ہاں!۔“ دویا آہستہ سے بولی۔ میں نے اس کے الفاظ پر غور نہیں کیا تھا لیکن میں نے محسوس کیا کہ اچانک دونوں سادھوؤں کا رویہ بدل گیا اور پھر وہ بولے۔

”چلیے دیوی جی۔ بھگوان کرے سنبھالنا ہمارا راج آپ سے طے پر تیار ہو جائیں۔“ تب دویا میرے پاس آئی اور میرے بازوؤں پر ہتھ رکھ کر بولی۔

”میں سنا رہی ہوں سب سے پیاری چیز کی سوگند کھا کر کتنی ہو کر خوش ہو۔“

”کچھ کہہ رہی ہوں بھلائیے کر رہی ہوں۔ تم یہاں میرا انتظار کرنا۔“ میں نے مجھے دیر لگ جائے پرنت میں ہمارا راج کو تیار کر لوں گی۔ آواز تیار کر لوں گی کہ وہ انھیں اپنے پاس ملا لیں اور گیان دیں۔“

”میں یہاں تمہارا انتظار کروں دویا؟“ میں نے کہا۔

”ہاں ہمارا راج! اس نے خوشامدانا انداز میں کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔ سب کچھ بدانت کر رہا تھا، یہ بھی سہی۔ حالانکہ یہ سب کچھ میری کچھ

میں نہیں آ رہا تھا۔ بہر حال بہت سے گورکھ دھند سے ابھی میری کچھ سے باہر تھے اس لیے میں نے دخل نہیں دیا اور پھر وہ دیا۔

سادھوؤں کے ساتھ چل پڑی۔ گھوڑا اس لیے میرے پاس چھوڑ دیا تھا اور خود رتھ باندھتی ہوئی لے گئی تھی۔ دونوں سادھو رتھ کے پیچھے پیچھے پیدل چل رہے تھے۔ گھوڑوں کی رفتار بہت تیز تھی لیکن میں نے دیکھا دونوں سادھو آسانی سے قدم بڑھاتے ہوئے رتھ کے پیچھے جا رہے تھے۔ ان کے قدم میرے زمین پر ٹپک رہے تھے۔

اور اس منظر نے مجھے کسی حد تک مطمئن کر دیا۔ ان لوگوں کی کیفیت دیکھ کر میں نے سوچا کہ ممکن ہے میں بھی یہاں کچھ کچھ جاؤں۔ چنانچہ میں نے پوری دھجی سے ودیا کے انتظار کا فیصلہ کر لیا اور اس وقت تک رتھ کو چلنے دیکھا رہا جب تک وہ گاہکوں سے اوچھل نہ ہو گیا۔ گویا یہاں سے تنہا سوار ماراج کے انتظار کا کافی فاصلہ تھا۔

بہر حال پھر میں اپنے قیام کے لیے مناسب جگہ تلاش کرنے لگا۔ پورا علاقہ ہی مناسب تھا۔ تاہم میں نے مناسب ترین جگہ کی تلاش شروع کر دی۔ میں ایک ٹیلے پر چڑھ گیا اور بلند سی سے چاروں طرف نگاہیں دوڑانے لگا۔ پھر ایک اور زرخیز ٹیلے پر مجھے پھڑوں کے کچھ جھنڈ نظر آئے اور میں نے جھنڈے کے نزدیک کی جگہ پسند کی۔ پھر میں اس ٹیلے سے اس دوسرے ٹیلے پر پہنچ گیا اور پھولوں کی جھنڈی جھنڈی خوشبو سے نزدیک ایک سرسبز علاقے کو میں نے اپنا مسکن بنالیا اور وہاں پر لیٹ گیا۔ کام ہی کیا تھا کسی خاص چیز کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ بس سوچنے کے علاوہ کچھ نہیں۔ شام ہو گئی۔ سورج ڈوب گیا۔ آسمان پر بادلوں کے ٹکڑے جمع ہونے لگے اور انھوں نے روشنی کو دھت سے پسند چھچھادیا۔ تاریکی اس تیزی سے پھیل کر تھوڑی دیر کے بعد ساری پہاڑیاں اندھیرے میں غروب ہو گئیں۔

میں اپنی جگہ لیٹا رہا۔ کوئی خیال ذہن میں نہیں تھا۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں اور ایسے اوقات میں ماضی کی داستانیں میری سب سے بڑی موسیقی تھیں کچھ بھی سوچ لیا جائے دیکھ تھا، دیکھ تھا، بادلوں کے گمان ٹھٹھک لیا تھا اور نہ اپنے دوست ستاروں سے ہی گفتگو کی جاتی۔ طویل عرصہ گزرا تھا۔ ان سے ملاقات کیے ہوئے۔ بہر حال اور اور میرے ذہن میں گردش کرنے لگے۔ وحشیوں کی ہتھیاریں، انسان کی ابتدائی شکل، لاکا، لولیتا، شکار اور نہ جانے کیا کیا۔ پھر فرار خانے کے ربا پھر لوبان کی سطوت اور پھر اس کے بعد کے دور۔ اور یہ مختصر وقت نہیں تھا۔ روشنی کا احساس ہونے پر میں نے بند آنکھوں سے یہ منظر غلطے اور جبر سے اس اجائز بھل جانے ال روشنی کو دیکھا۔ سورج تھا جو اجائز نکل آیا تھا۔ بائبل ناوقت۔

لیکن دھوکا مجھے بھی نہیں ہوا تھا، تھکے تھکے پرندے بھی دھوکا کھا گئے تھے۔ باہر۔ یا پھر واقعی رات چمکے سے گزرتی تھی۔ آہستہ کیے بغیر۔ یا مجھے ہی وقت کے گزرنے کا احساس نہیں ہوا تھا۔ کچھ براہِ راست تھا۔ میں نے صدمہ کی کیا بات نہ کی تھی اور اگر اس کی رفتار تیز نہ ہوتی، اگر واقعات چھلانگیں مارتے نہ

گزرتے تو۔ شاید ایک صدی بھی ایک رات میں پوری نہ ہوتی۔ بہر حال ان نکل آیا تھا اور پھر میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

انتظار۔ تنہائی مجھے زیادہ پسند نہیں آئی میں سوچنے لگا مجھے کیا کرنا چاہیے۔ لاؤ شکار کیا جائے۔ گوشت کھائے ہوئے عرصہ گزرا تھا۔ بہت د معاصرے میں گوشت کھانا جائز نہیں تھا لیکن میں بہر حال گوشت خور تھا بلکہ کیا کیا کھا لیتا تھا، ان لوگوں کے وہم و گمان میں ہی نہیں ہو گا۔ میں نے شکار کے جانوروں کی تلاش میں لگا دیں۔ بہت کچھ تھا۔ خرگوش، تیز اور دوسرے جانور۔ خرگوش ٹھیک ہے گا، میں نے سوچا اور پھر نوکدار پتھر تلاش کرنے لگا۔

میرے مطلوب پتھر پھیل گئے اور میں نے خرگوش کی تلاش میں لگا دیں دوڑا میں۔ کی تو تھی نہیں۔ میرے ہاتھ سے ایک پتھر نکلا اور خرگوش نے تلابازی کھائی۔ پھر وہ کچل چلا گیا۔ اسی طرح میں نے چار خرگوش ہلاک کیے اور پھر آگ تلاش کرنے لگا لیکن اس سرسبز علاقے میں سوچی گھاس کا کوئی وجود نہیں تھا۔ آگ کہاں سے آتی۔ تب میں نے صبر کیا اور پھر کچھ گوشت ہی کھانے کا فیصلہ کیا۔ جھوتے سے گوشت میں کچھ اور لذت پیدا ہو جاتی تھی اس کے علاوہ اور کوئی نقص میرے ذہن میں نہیں تھا۔ بہر حال کچا ہی سی اور میں پتھر بڑھ کر تنوں سے خرگوش کی زخم کھال اڑھیلنے لگا اور تھوڑی دیر کے اندر ان پادوں کو چٹ کر گیا۔ خرگوش کے خون نے ہی پانی کی طلب بھی پوری کر دی تھی ورنہ یہاں قرب و جوار میں پانی نہیں نظر آ رہا تھا۔ اس کے بعد میں زمین پر لیٹ گیا۔ بے کاری کا شغل بھی کیا ہو سکتا تھا۔

اور بیٹھنے کے بعد چانک میرے ذہن میں ایک خیال آیا۔ ودیا کسی مصیبت میں نہ پھنس گئی ہو۔ دونوں سادھو شکل سے ہی شیطان نظر آ رہے تھے۔ کہیں انھوں نے ودیا کے ساتھ کوئی ٹکڑا سلوک نہ کیا ہو۔ اوہ۔ احمق لڑک میری وجہ سے کسی مصیبت میں تو گرفتار نہیں ہو گئی۔ سادھوؤں نے اسے کوئی نقصان تو نہیں پہنچا دیا۔ بہت دوسرے میرے ذہن میں گردش کرنے لگے اور میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ میں نے پریشانی سے گردن کھجائی۔ کیا میں ودیا کو تلاش کروں؟ اس طرف جاؤں جہر وہ رتھ لے گئی تھی لیکن وہ مجھ سے انتظار کرنے کو کہہ گئی تھی اور پھر۔ اور پھر۔ وہ خود بھی کچھ گیان رکھتی تھی اسے آسانی سے قائل نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اگر میں سادھوؤں کے علاقے میں نکل جاؤں تو ممکن ہے ودیا کا کام بگڑ جائے اس لیے ابھی کچھ اور انتظار کر لیا جائے۔ ودیا خود بھی تو میری طرف سے غافل نہیں ہوگی۔ میں نے خود کو روکا اور ایک رات اور نہ جانے کتنے کا فیصلہ کر لیا۔ رات کی تسانی سے نہیں آئی جتنی آسانی سے پچھلی رات کی صبح ہو گئی تھی۔ بہر حال رات ہو گئی لیکن نہ جانے اس علاقے میں شام ہوتے ہی بادل کیوں چھا جاتے تھے۔ بارش پچھلی رات بھی نہیں ہوئی تھی۔ بس رات بھر بادل چھلے رہے تھے اور صبح ہوتے ہی آسمان صاف ہو گیا تھا۔ آج بھی آسمان بادلوں سے چھپا ہوا تھا اور تاریکی خوب گہری تھی۔ یوں تو نہ جانے میں نے کیسا کیسا وقت گزارا تھا۔ صدیاں انسان سے دور گزار دی تھیں لیکن انسانوں سے قریب رہ کر جنگ کی یہ

انسانی ہے شاق گذر رہی تھی میں اپنی مخصوص جگہ پر لیٹ گیا اور لیٹا رہا۔ اور پھر رات کا نہ جانے کون سا پھر تھا جب اچانک میں نے ڈر۔ بہت دور روشنی دیکھی۔ میں اچھل کر بیٹھ گیا۔ یہ روشنی کسی پہاڑی ٹیلے پر ہی ہو رہی تھی۔ اس کے بعد مجھے پہاڑوں میں کسی ساز کی آواز سنانی دی اور دوڑ کر آواز کاوں کو بہت بھی معلوم ہوئی۔ یہ روشنی اور آواز اس سمت سے نہیں آ رہی تھی جہر وہ دیا گئی تھی بلکہ یہ اس کی مخالف سمت تھی۔ اس طرف جانے میں کوئی تباہی نہیں تھی چنانچہ میں نے فیصلہ کر لیا کہ روشنی کے قریب جاؤں اور پھر میں ٹیلے سے اُتر آیا۔ وہاں تک پہنچنے کے لیے مجھے دوڑ لگانا پڑی تھی۔ رات تاریک ضرور تھی لیکن میری آنکھیں رات کی تاریکیوں میں بھی دن کی روشنی کی مانند دیکھ سکتی تھیں چنانچہ میں نے پہاڑیاں چھلانگنا شروع کر دیں ایک عام آدمی آدھی رات تک بھی وہ فاصلہ طے نہیں کر سکتا تھا جو میں نے تھوڑی دیر میں طے کر لیا اور پھر میں اس ٹیلے پر چڑھ گیا جس پر روشنی تھی۔ ہاں وہ روشنی آگ جلنے سے ہی ہو رہی تھی۔ کسی نے آگ کا پھوٹا سا لاؤ روشن کر رکھا تھا لیکن اسے خشک لکڑیاں کہاں سے مل گئیں۔ میں نے آگ کے عقب میں ایک بھولا سا محسوس کیا۔ کوئی چادر اوڑھے ساجا رہا تھا۔ روشنی کی تپش اس کے چہرے کو چمکا رہی تھی۔ میں نے دیکھا وہ بھی سفید لٹھی والا ایک سادھو تھا جس کے ہاتھ میں ایک بے ہنگم سا زخا اور سارے کے اگلے تارے کو وہ انگلی سے بجا رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ ساز کی آواز میں مست تھا۔

لیکن سب سے زیادہ حیرت مجھے آگ کو دیکھ کر ہوئی۔ میں نے دیکھا جس چیز سے شعلہ اُٹھ رہے تھے وہ کوئیاں نہیں تھیں بلکہ پتھر تھے۔ پتھر آگ اُٹھ رہے تھے۔ وہ سوکھی لکڑیوں کی طرح جل رہے تھے۔ یہ کیا عجیب ہے میں نے سوچا۔ یہ سادھو کون ہے؟ اور اس آگ کے بائیں نزدیک پہنچ گیا۔ کافی دیر تک میں خاموش کھڑا رہا لیکن سادھو کو شاید میرے آنے کی خبر نہیں ہوئی تھی۔ وہ اطمینان سے اپنے ساز میں مصروف رہا اور جب میں کھڑے کھڑے آگ گیا تو میں نے زور سے پاؤں زمین پر پٹیا۔

”کیا تو میرے نا آشنا ہے بالک؟“ سادھو کی آواز ابھری۔ اس کی آنکھیں اسی طرح بند تھیں، ایتنا اس نے ساز سے انگلی جٹائی تھی اور اب صرف تار کی جھنکار گونج رہی تھی۔

”تو تعجب میرے آنے کی خبر تھی؟“ میں نے کہا۔

”ہاں۔ میں کی آنکھوں سے تجھے دیکھ رہا تھا۔“ سادھو نے جواب دیا۔

”اور اس کے باوجود مجھ سے مخاطب نہیں ہوئے؟“ میں نے کہا۔

”میرے من کو دکھ رہا۔“ سادھو نے جلدی سے آنکھیں کھول دیں۔

”میں بہت دور سے تعجب دیکھ کر آیا ہوں۔“

”شکار تو بالک۔ میں نے سوچا کہ شاید میرے شریک کو بھی شانتی ملے۔“ وہ معذرت آمیز انداز میں بولا۔

”کیا تعجب اس کا احساس ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”ہاں۔ مجھے افسوس ہے۔“

”تب ٹھیک ہے۔ احساس کرنے والے بڑے لوگ نہیں ہوتے۔“

”اچھی ذات صرف پھولی ہے۔ من تو براہیوں کی بوٹ ہے۔“ اس نے انگلی اٹھا کر کہا اور پھر ہاتھ سے اپنا سار کا کھڑا کیا۔ کون ہے تو؟ بیٹھ جا کھڑا کیوں ہے، بیٹھ جا بالک بیٹھ جا۔“ اور میں اس کے نزدیک بیٹھ گیا۔ ان پہاڑوں میں کہاں سے آ گیا؟“ اس نے پوچھا۔

”پتھروں سے آگ کیوں مل رہی ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”یہ نہ کہہ۔ سارا سنساری نہ کہہ، پھر آگ کہیں سے بھی آئے۔“

”شعلے جو بھی سکتے ہیں مہاراج! میں نے کہا۔

”کیسے؟“ اس نے پوچھا۔

”ایسے! میں نے جواب دیا اور جتنے ہوئے پتھروں کو سمیٹ کر بدن کے نیچے لایا۔ آگ میرے نیچے سے نکلنے کی کوشش کر رہی تھی اور میں اسے چاروں طرف سے سمیٹ رہا تھا۔ سادھو مجھے دیکھا رہا، پھر تھکے مار کر سنس پڑا۔

”بس کر بس کر بالک۔ اچھا تمنا ہے۔ بس اب تیرے پیر سے بٹ جا۔ میں نے تجھے پہچان لیا۔“ اور میں نے تیرے چھوٹے آگ پھراسی طرح روشن ہو گئی تھی۔

”پہچان لیا تم نے مجھے؟“

”ہاں۔ تیری شمشانی مال لی۔“ سادھو بولا۔

”میں بھی جان لیا ہو گا؟“ میں مسکرایا۔

”سنسار نے تجھے نام دیا ہی نہیں بس جس کا جو من چاہا کہا، میں تجھے کس نام سے پکاروں۔“ سادھو نے جواب دیا اور میں نے غور سے اس کی شکل دیکھی۔

”تجھا رکھا نام ہے؟ کیا ستیا نند؟“ میں نے پوچھا۔

”رام رام رام۔ کس کا شمس کا نام لے لیا تو نے۔ مجھے یوں لگے ہے جیسے کسی نے میرے من پر پتھر پھینچ مار دی ہو۔“

”تجھا رکھا نام ہے پھر؟“

”کرتامی۔ پانی کرتامی۔ سنسار بے کار آیا ہوں اور بے کار مر جاؤں گا۔ رادھے شام تاس نے گھر گھر آواز میں کہا۔

”میرے بالے میں اور کیا جانتے ہو؟“

”اسے میں کیڑا کیا جانوں گا جھکوان نے اپنے اس کاٹھانے میں بہت کچھ چھوڑا ہے۔“

”اچھے انسان معلوم ہوتے ہو۔“ میں نے متاثر ہو کر کہا۔

”کہہ چکا ہوں اچھی ذات صرف جھکوان کی ہے۔“

”اپنے بالے میں کچھ اور بتاؤ۔“ میں نے کہا۔

”کیا بتاؤں سنسار! روٹا ہوا آیا تھا، جھکوان کے مایا جھنڈار سے گیان کی بھیک مانگتے۔ یہ گنڈا اور کچھ نہ ملنے پر اب بھی رو رہا ہوں کہ شاید جھکوان کو دیا آجائے۔“

”مجھ سے بائیں کرنا پسند کرو گے؟“ میں نے تعجب پریشان تو نہیں کیا؟

”رام۔ رام۔ رام۔ کیسی باتیں کرتے ہو جنم داتا کے تھیں بھی جنم
ریا ہے جس طرح بھی باہو اس نے تھیں من کی شکل دی سوسن پر تھا راجھی
انتہائی ادھیکا رہا ہے۔ مجھے بتاؤ میں تھادی کیا سواروں کے اس نے زم آوازیں کیا۔
”کرنا ہی میں! تم سے بہت سی باتیں کرنا چاہتا ہوں۔“
”میں نے کب نہ کیا ہمارا حُرم و رُکرو۔ آگن روشن ہے جب تک
اس میں روشنی ہے تم مجھ سے باتیں کرتے رہو۔ میں تھادی باتوں کے جواب
اوش دول گا۔“ بولڑے کرنا ہی نے جواب دیا۔
”جنگوان نے تھیں کیا دیا ہے اور کیا نہیں کیا اس کی شکایت تم جنگوان
سے کرو میں تم سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ تم مجھ کیا دو گے؟“
”رام رام من! من کو کیا لے سکتا ہے بالک؟“
”جو کچھ اس کے پاس ہے وہ تو لے سکتا ہے۔“
”میرے پاس جو کچھ ہے اگر اس سے کسی من کی کوئی ضرورت پوری
ہو جائے تو میرے بھاگ۔“
”تھادی چند باتوں نے مجھے تم سے بہت متاثر کیا ہے۔ تم مجھے
بتاؤ ہمارا حُرم و رُکرو! گان میرے بالے میں کیا کہتا ہے؟“
”من کی باتیں میں میں رکھنا اچھی بات ہوتی ہے بھیا۔“ کرنا ہی بولا۔
”نہیں۔ مجھے ان باتوں کی ضرورت ہے۔“
”ایک رات کے ساتھی! اگر تو رات امتحان لینا چاہے تو لے سکتا ہے
ورنہ تیرے پاس بھی بڑی شکتی ہے۔ یہ دو مری بات ہے کہ وہ کسی من کی شکل کے
مسک میں نہیں اسکتی تیرا شرم ران دوست ہے۔ پانی تھیں نقصان نہیں پہنچا
کتا۔ تو نہ جانے کیا ہے اور۔ اور تیری آنکھوں میں سنار کے نہ جانے کتنے
چک رہے ہونے میں۔ میرا تھوڑا سا گیان مجھے ہی بتاتا ہے۔“
”تھادی اٹھیک کہتا ہے ہمارا حُرم و رُکرو! ابے شمار علوم میرے سینے میں ذہن
میں لیکن تھادی دھڑی پر تھالے اس دُش میں! میں تھالے ایک علم سے بہت
متاثر ہوں اور وہ ہے حادو۔“
”حادو کوئی! اچھی چیز نہیں ہے بھائی۔ اس کے چکر میں نہ پڑ۔“
”تم گیانی ہو کرنا ہی! اب میرے بالے میں جس حد تک جانتے ہو اس سے
اندازہ لگا دو کہ میں نے جتنے علوم سیکھے ہیں اپنی معلومات کے ذخیرے میں اضافے
کے لیے کیے ہیں جن اپنی طاقت کے کسی پہلو سے ناجائز فائدے نہیں اٹھاتا۔
تھالے اس حادو کو بھی میں ایک علم کی حیثیت سے سیکھنا چاہتا ہوں اس کے
علاوہ اور کوئی خیال میرے ذہن میں نہیں ہے۔“
کرنا ہی نے آنکھیں بند کر لیں اور ضد سماعت خاموش رہا پھر اس
کے ہر منٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا ”تو ٹھیک
کہتا ہے بھائی! مگر سنار میں کچھ ایسے علم بھی ہیں جو اچھے نہیں ہوتے۔“
”حادو کے بالے میں تھادی کیا خیال ہے؟“ میں نے پوچھا۔
”حادو کو کالاجا دوما جانتا ہے اور اس کی سیاسی من کو کالاکو دیتی ہے۔“
”کیا یہ ضروری ہے کہ اس سے من کالاکو ہو؟“

”مجھے دو تجربے ہو چکے ہیں۔ گرتھا کو تو نے دیکھا، وہ تیرے ہی ہاتھوں مارا گیا اور دوسری آنکھ تیرے پیچھے پڑی ہوئی ہے۔ میرا مطلب ہے مگر پی مڑنا!“ بڑھنے نے جواب دیا اور میں دنگ رہ گیا۔ بوڑھا واقعی دانش مند تھا۔ میں اس سے اور زیادہ متاثر ہو گیا۔

”تھکا راضیاں درست ہے کرنام ہمارا، مگر کیا تم اس علم سے واقف نہیں ہو؟“

”نہیں میرے بچے! میں نے کبھی گندگ میں ہاتھ نہیں ڈالے میں نے کبھی جادو کی کوشش نہیں کی!“

”پھر یہ کون سی شے ہے جس نے تمہارا ذہن روشن کر دیا ہے؟ میں تم سے جادو کے بارے میں تفصیل جانا چاہتا ہوں اور یہ میری سب سے بڑی خواہش ہے جو تمہیں پوری کرنا ہوگی!“

”جھگڑا کے لیے مجھے لیان اور شیطان کے بتائے ہوئے جادو میں بڑا فرق ہوتا ہے۔“ بوڑھے نے کہا۔

”اوہ! تو جادو کی بھی دو قسم ہوتی ہیں؟“

”جھگڑا کی، جھگڑا تو جادو نہ کہ سواک۔ وہ بس اس کی دین ہوتی ہے۔ منہ کو حقوڑی بہت مل جائے تو اس کے بھاگ!“

”اور جادو؟“ میں نے پوچھا۔

”شیطان نے بھی اپنے نشان چھوڑے ہیں لیکن اسے اپنانے والے کا جھگڑا سے ناخوش ہونا ہے۔ اسے سنسار میں کافی ششقی مل جاتی ہے لیکن مرنے کے بعد اس کی آتما کو ششقی نہیں ملتی اور اسے نہ جانے کب تک کرموں کا چھل بھگنا ہرانا ہے“

”اوہ۔ تو جادو کیسے کے لیے بھی بُرے کام میں کرنا ہوتے ہوں گے؟“ میں نے پوچھا۔

”ہاں بالک! جس کا چھل ایسا ہو اس کا بیج بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔“

”مجھے بتاؤ ہمارا ج!“ اس کے لیے کیا کرنا پڑتا ہے؟“ میں نے پوچھی

”پوچھا اور کرنا ہی مجھے خود سے دیکھنے لگا پھر اس کے گرد نہ ہلانے کہا۔“

”بالک! ہم سادھو سنت جھگڑا کی کشاں میں پہاڑوں کی خال چھاننے والے، گلیان کی تلاش میں بیٹھنے والے سنسار کے کالوں میں مشگل ہی سے پڑتے ہیں لیکن اس سنسار جنگل میں اس اونچی رات میں تو نے لمبا سفر طے کیا ہے اور ہلے پاس پہنچا ہے اور ہم نے وہیں بھی رہا ہے کچھ سے باتیں کریں گے۔ سوچو تمہیں اس بلکے میں بتائے دیتے ہیں۔ تو کھول لیا کہ جب تو نے ہم سے کہا تھا کہ کیا ہم تمہیں اند میں تو ہم نے جواب دیا کہ رام رام، تم ہمیں راجش کیوں کہتے ہو؟“

”اوہ! ہاں مجھے یاد ہے۔“

”اس کے برعکس تیری ودیا نے اسے ایک مہاں پرش کہا تھا۔“

”اوہ! تو تم ودیا کو بھی جانتے ہو؟“ میں نے گری سانس لیا کہ۔

”اب صبر تیرے اچھے اور بُرے راستے، کو ذرت دری، ہمارے

مکدھول پر بڑی ہے تو میں بہت کچھ جانتا پڑے گا۔ ہاں بہتری دیا کو
ابھی طرح جانتے ہیں۔ گیان کی تلاش میں پھٹنے والے بزرگ تو نے ہزاروں جہون
تاتے میں لیکن ابھی تیرے سر کی آنکھوں میں حوت نہیں جا لی۔ تو کش کے
روپ بچانے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔“

”میں نہیں سمجھا مہاراج؟“ میں نے تیرے انداز میں کہا۔

”جگران نے براہوں کو بھی بڑی شستی دی ہے۔ انھیں پھینے سے
بچیں روکا کیونکہ اس سے جھے بڑے انسانوں کی پہچان ہوتی ہے۔ بے جھگڑا
جیسے شستی سے کم خطر اس کے سامنے لڑا سکیں۔“ سادھو نے آسمان
کی طرف منہ کر کے کہا اور اچانک آگ کے شعلے بلند ہو گئے۔ میں نے چونکا کر
آگ کی طرف دیکھا اور اسی وقت کرنامی کی آواز گئی۔

”دیکھ بالک اگن میں دیکھ۔ سے لوٹ آیا ہے۔ وہ سے جو تیری
آنکھوں سے اوچل تھا۔ تو ہواڑوں میں تھا اور تیری وڈیا شیطان کے روپ
جگا رہی تھی۔ تنہا اندکالے جاو کا ماہر ہے۔ وہ رکش ہے اور اس کی
جیون رکشا شرف نوازی ناریل کا خون کرنا ہے۔ اب تک اس نے اپنے
جیون کو قائم رکھنے کے لیے نہ جانے کتنے انسانوں کا خون پیا ہے۔“

”کیا مطلب؟“ میں اچھل پڑا۔

”تیرے جیسے نادان اس کے حال میں اچھٹے میں اور اس کا جیون
قائم رہتا ہے۔ ہزاروں بڑی آتماں اس کے گرد منڈلاتی رہتی ہیں اور وڈیا
جھی اسی کی آتما ہے۔“

”وڈیا؟“ ایک بار بھی میں اچھل پڑا۔

”ہاں۔ وہ تیرے ہاتھوں جوٹ کھائی ہوئی ناگن، منوڈا ہے، بڑے
نے تباہ اور میرے روٹے کھڑے ہو گئے۔ وڈیا، منوڈا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے؟
لیکن۔ لیکن بڑے کرنامی کے علم کو میں جھوٹا نہیں کہہ سکتا تھا اور یہ بات
درحقیقت میرے لیے سستی خیر تھی۔“

”تیرا اس عقین اور بے لیبی کی کیفیت میں پھنسا ہوا ہے۔ پر تو میں
جھے شروع سے بتاتا ہوں۔ اس سے تک کے حالات تو تیرے علم میں ہیں
جب تو نے منوڈا کو اگن میں جھمک رہا تھا۔ چالاک منوڈا تیرے حال میں پھنس ہی
گئی۔ اسے جیون کا سب سے بڑا دھکا لگا تھا اور اس دھکے سے وہ جیون
کو بھی بچھی لیکن کالی شستی کی مالک نے مٹے مٹے پھی اسی آتما جھمکے سے
بچالی اور چریل بن گئی اس کی کالی شستی نے اس کا ساتھ دیا۔ یوں تو جیون میں
اس نے بہت سے منڈ ڈکائے بنا جھمک کر لیے تھے۔ اس نے نالی نالی کچھ
چلتی تھی پر تو تیرے بدن کی آگ نے اسے سنسار کے سائے منوش سے نیاز
کر لیا۔ وہ تیرے لیے باڈی ہو گئی اور اس کے کسی ہاتھ پر نہ کاٹا رہے جاری
لاکھی ہو گئی۔ وہ یہ بات برداشت نہیں کر سکتی تھی کہ کوئی اور عورت تیرے
بدن کی آگ چلتے۔ اس نے بھی کبھی اس لیے ختم کر لیا تھا اور پھر لاکھی کو بھی۔
پھر وہ تیرے پیچھے لگ رہی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ وہ
کبھی بھی طرح عورت کے روپ میں تیرے سامنے آ جا جاتی تھی اور جالاک

عورت تیرے من کے بھید جانتی رہتی تھی۔ تب تو پھر بھائی لکڑی میں بیچ گیا اور منوہا نے جان لیا کہ راقش بھائی تیرے لیے لکڑی ہے۔ سوسا نے راقش بھائی کے غائب ہونے پر اپنا بھی ایک بھائی بنالیا اور وہاں بھائی کی طرف متوجہ کر کے ایک بھوٹی کامائی سنا دی اور وہ اپنی چالاکائی میں کامیاب ہو گئی۔ اس نے تیرا ساتھ چھوڑ دیا اور اس کی منوہا سنا پوری ہو گئی۔ پرت۔ وہ اس پریشانی میں رہنے لگی کہ بہت جلد تجھے اس کا بھید معلوم ہو جائے گا اور تو اسے چھوڑ دے گا۔ وہ کوئی ایسا کام جانتی تھی کہ تو ہمیشہ کے لیے اس کا داس بن جائے۔ تیری لیان حاصل کرنے کی منوہا سنا سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے سختی سے منوہا سے منوہا کا فیصلہ کیا۔ سختی سے منوہا کا لے جا دیا کہ ماہر ہے۔ وہ راقش ہے اور اس کے گھر کے اس کے لیے سنا دیا راقش لے رہے ہیں۔ منوہا خود اس کے پاس نہیں جاسکتی تھی کیونکہ وہ اسے پہچانے کی ہمت نہ کرتا تھا۔ اس لیے اس نے چار سنا دیاں راقش کو بھانسا اور بھائی کے لٹا لینے فیصلے پر کر لیا۔ وہ راقشوں کو سختی سے منوہا کے حوالے کر کے اس کی توجہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی ہے۔

راقش کا کرنا می فاش ہو گیا۔ میں جو حیرت اس کی کامائی سن رہا تھا لیکن یہ تو میری کامائی تھی اور جو شخص میری کامائی سے اس حد تک واقف ہو اس پر شک کیے کیا جا سکتا تھا۔ کالی دیوہک کرنا می کے الفاظ میرے کانوں میں گونجنے لگے۔ منوہا کے لیے میرے دل میں نفرت کی چنگاریوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔ مجھے انھوں نے ہر روز اٹھا کر اتنے دنوں تک میں اس کے جال میں پھنسا رہا۔ بالآخر میں حیرت کے ریا سے نکل آیا اور میرے لیے ایک عظیم سانس لے کر کہا۔

”وہ سختی سے منوہا کیا جاتی ہے ہمارا ج؟“

”مجھے میری باتوں پر خوشامد ہے بالک؟“

”ہاں ہمارا ج!“ میں نے جواب دیا۔

”تو دیکھ میں نے جگوان سے پراختیا کر میں سے لٹانا چاہتا ہوں اور جلتے ہوئے مشعلوں نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ مجھے آگیا ہے۔ دیکھ اس سے کہ بعد کی کامائی دیکھ، جب وہ مجھے پہاڑوں میں چھوڑ کر گئی تھی۔“

”منوہا ہمارا ج؟“

”ہاں!“ بڑھے نے جواب دیا اور پھر آگ کی طرف اشارہ کیا۔

اور پروفیسر میں نے دیکھا شعلے جلتے تھے۔ ایک دیوار اس کی جگہ پر تھی۔ پھر شعلوں کی دیوار میں کچھ تیش ابھرے۔ منقرع لباس والے سادھو نظر آئے جو منوہا یا دیا کے ساتھ جا رہے تھے۔ چٹانی راستہ تھا، دشوار گزار۔ لیکن سادھوؤں کے ساتھ منوہا بھی اس راستے کو اسی طرح طے کر رہی تھی۔ وہ جی ان کا لے جا دو والوں سے کہہ رہی تھی۔ چہ وہ ایک بندہ پہاڑ کی چڑھا تھا انھوں نے کہہ دیا کہ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گئے جہاں ایک گھانا نظر آ رہی تھی۔ مجھے سب کچھ صاف نظر آ رہا تھا۔ منوہا پہاڑ میں داخل ہو گئی۔ تب دونوں سادھو اسے ایک جگہ چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔ راقش انھوں نے پہاڑ کے اسی میں ہی چھوڑ دیا تھا۔ سادھو واپس آئے اور انھوں نے منوہا سے ساتھ چلنے کے لیے کہا۔ اور منوہا گھبراہٹ کے دوسرے حصے میں داخل ہو گئی۔

جہاں ایک دیوتاقت جٹا دھاری سا دھوپا پتی ملے بٹھایا تھا اس کی آنکھیں اٹکاؤں کی طرح دھب رہی تھیں۔ پورا بدن فولاد کا بنا معلوم ہوتا تھا اس نے منور کا تو قہر آؤں لگا ہوں سے گھورا اور منور کا کہنے لگی۔

”وکلنئی۔ نہ کہنی اب آوارہ آتماؤں کو بھی اتنی شکتی مل گئی کہ وہ سُنڈ ناریوں کے روپ میں ہمارے پاس آئے لگیں۔“ سادھو کی آواز گھبرائی۔
 ”نہیں ہمارا ج! نہیں کر کا داس! یہ روپ تیرے لیے نہیں ہے۔
 کس کی مجال ہے کہ تیری آنکھوں میں دھول جھونے؟“ منور لڑکھائی۔
 ”تب اپنے اصلی روپ میں آ!“ استھیا نند نے کہا اور منور کا لباس جل گیا۔ اب وہ ماردارو برہم پھر رہی تھی اس کا بدن کونے کی مانند تھا اور شکل چڑیلوں کی۔

”جے استھیا نند!“ اس کے منہ سے مری مری آواز نکلی۔
 ”اب بول کیا بات ہے؟“
 ”میں ہمارا ج کی بل کے لیے چار سُنڈ ناریاں لائی ہوں۔“
 ”کیا؟“ سادھو اچھل پڑا۔
 ”ہاں۔ چار کنواری کنیاں!“
 ”کیا تو بچہ کدڑی ہے؟“ سادھو کی زبان لپپلائی لگی۔
 ”ہمارا ج کے سامنے جھوٹ بولنے کی ہمت کسے ہے؟“
 ”کہاں ہیں وہ؟“

”ریتھ میں موجود ہیں۔“ منور نے جواب دیا۔
 ”راگھن۔ راگھو!“ استھیا نند نے پکارا اور وہی دونوں سادھو اندر داخل ہو گئے۔ ”کیا تجھے ریتھ موجود ہے؟“

”ہاں ہمارا ج!“
 ”اور اس میں ناریاں بھی ہیں؟“
 ”ہاں ہمارا ج!“

”تو پاپیوب! انھیں لاتے کیوں نہیں؟“ سادھو دباڑا اور وہ دونوں جلدی سے باہر نکل گئے۔ منور کے سفید سفید دانت مسکراہٹ کے انداز میں چمکنے لگے۔ ”تجھے یقین ہے وہ کنواری ہیں؟“ اس نے پوچھا۔

”ہاں ہمارا ج! میں انھیں چھانٹ کر لائی ہوں۔“
 ”تب تو بچی ہے۔ تب تو ہمارا بچی داسی ہے۔ ہمیں دشواری ہو گیا کہ تو نے ہم سے چھپتے نہیں کیا ہے۔ جی۔ اس پتھر پر بیٹھ جا۔ ہم پہلے ان ناریوں سے مل لیں اس کے بعد تجھ سے بات کریں گے۔ اب ہم تیرے متر ہیں۔“

سادھو کا رویہ نرم ہو گیا اور بڑے نیرس، چند ساعت کے بعد دونوں سادھو ان چار معصوم لڑکیوں کو لے کر گھبراہٹ میں داخل ہو گئے۔ لڑکیوں کے بدن ہر قطر کانپ رہے تھے۔ ان کی آنکھوں کا ہراس بڑھ گیا تھا۔ استھیا نند کو دیکھ کر وہ نیم مرده ہو گئیں۔

اور استھیا نند کا چہرہ اور بھیانک ہو گیا اس کی سرخ زبان بار بار باہر نکلے لگی۔ اس کے ہونٹوں سے رال ٹپک رہی تھی اور آنکھوں میں شیطان

ناج رہا تھا۔ ”آؤ۔ آؤ۔“ اس نے بھیانک آواز میں کہا اور لڑکیوں کے قدم جھگڑ گئے۔ ان پر نیم بدھوش کی سی کیفیت طاری تھی۔ شاید یہ حسے بڑھے ہوئے خوف کا نتیجہ تھا۔

”ہماؤ! ابھی ساؤ۔“ وہ دونوں ہاتھوں سے اشارہ کرتے ہوئے بولا اور پھر زور سے دباڑا۔ ”آؤ۔“ اور لڑکیاں بدھوشی میں کئی قدم آگے بڑھا گئیں۔ تب استھیا نند نے ایک ہاتھ اٹھایا۔ اس کی پانچوں انگلیوں سے ششما بھج گئیں اور لڑکیوں کے لباس میں آگ لگ گئی۔ لڑکیاں بے تحاشہ چیخنے لگیں۔
 وہ آگ بجھانے کی کوشش کر رہی تھیں لیکن آگ ان کا لباس تیزی سے جلا رہی تھی اور استھیا نند ہنستے لگا رہا تھا۔

”لڑکیوں! اچھل کر دو رہی ہو یا گھو۔ یہ تو مسوچو! آگ ان کے ہاتھ سے شریہ کو بھی جلا رہی ہے۔ وہ تو ہاتھ سے شریہ کو چھو رہی ہیں۔“ پھر کیوں بھاگ دوڑ کر رہی ہو۔“ استھیا نند نے کہا لیکن لڑکیاں اس وقت تک اچھلتی کودتی رہیں جب تک ان کے بدن پر لباس کا ایک ایک تار نہ مل گیا اور پھر ان کے کونے بدن غریباں ہو گئے۔ وہ حقیقت بڑے خوبصورت بدن کی مالک لڑکیاں تھیں لیکن اس وقت میرنے ل میں ان کے لیے کوئی بُرا خیال نہیں اُبھرا۔ میرا خون غصے سے کھول رہا تھا۔

”کرنا می ہمارا ج!“ میں غریبا۔
 ”ہوں!“

”صرف اتنا کریں کہ مجھے ان تک پہنچا دیں۔ آپ کو اپنے بھگوان کی گتہ کوئی فائدہ نہیں ہے بلکہ مجھے معلوم ہے کہ یہ بات آج کی نہیں ہے میں نے سچے اپس مانگا تھا سو یہ گتہ ہونے سے کہی بات ہے۔“

”اوہ!“ میں نے ذہن سے کہا۔ ”میں ان کے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔“
 ”شاید۔ یہ اب کچھ کرنے کے سچے سے گزر رہی ہیں۔“ کرنا می ہمارا ج نے کہا میں نے کوئی جواب نہیں دیا اور آگ کی طرف دیکھنے لگا۔
 منظر ناقابل برداشت تھا۔ دیو بھل استھیا نند نے ایک گڑیا جیسی لڑکی کو اپنے بدن میں سمیٹا ہوا تھا اور چڑیل منور کا دھچپی سے اس کے گٹھنے کا منظر دیکھ رہی تھی۔ دوسری لڑکیاں برابر چیخ رہی تھیں۔

کانی دیو تک استھیا نند لڑکی کے بدن کو کھینچوٹا رہا اور پھر جب وہ نیم مرده ہو گئی تو اسے چھوڑ دیا۔ پھر وہ کھڑا ہو گیا۔ یا۔ اس نے سکون کی ایک سانس لی۔ ”کیا نام بتایا تھا تو نے اپنا؟“

”منور!“ ہمارا ج! ”منور!“ جلدی سے بولی۔
 ”ہم تجھ سے ہمت خوش ہیں۔ بہت ہی خوش ہیں۔ مانگ کیا مانگی ہے؟“
 ”ہمارا ج! میں ایک کھڑکھڑ سے پرہیز کرتی ہوں۔“

”اب بھی کرتی ہے۔ اے تو اب بھی اس سے پرہیز کرتی ہے؟“
 ”ہاں ہمارا ج!“
 ”اور وہ تیری صورت سے بدگتا ہو گیا کیوں؟“
 ”نہیں ہمارا ج!“

”پھر کیا بات ہے؟“
 ”ہمارا ج! وہ اٹھا انسان ہے۔“
 ”کیا مطلب؟“
 ”مہمان شکتیوں کا مالک۔ آگ بھی اسے جسم نہیں کر سکتی۔ وہ کہتا ہے۔“

وہ امر ہے اور صدیوں سے زندہ ہے۔ ہمارا ج! میری موت کا کارن وہی ہے۔ اسی نے مجھے آگ میں جھونک دیا تھا اور میں چڑیل بن گئی۔ میں اس سے بے پناہ پرہیز کرتی ہوں ہمارا ج! میں اسے بے پناہ چاہتی ہوں۔ میری آتما اس کے ہاتھ شانت نہیں ہو سکتی۔ میں اس کے لیے سب کچھ کرنے کو تیار ہوں۔“

”اے قہر تو میں تجھے جبار کی مانند چپ ہو کر کرکھاری گردنیں اٹاؤں؟“
 استھیا نند نے چمکتی ہوئی لڑکیوں سے کہا اور پھر منور سے بولا۔ ”تجھ جی منور! میں تیری بیٹا ابھی سنتا ہوں۔ مجھے پیاس لگ رہی ہے۔ راگھو!“ اس نے پھلنے چیل کو آواز دی اور دونوں اندر آ گئے۔ انھیں لچھا اور بند کر دیا۔ ابھی یہ فیصلہ تین وقت میں کام آئی گی۔“

”چلو۔“ دونوں شیطان صفت سادھوؤں نے لڑکیوں کو دھکا دیا اور انھیں اس غار سے باہر لے گئے جس لڑکی کو استھیا نند شیطان نے پی ہوس کا نشانہ بنایا تھا، وہ اسی طرح زمین پر پڑی تھی۔
 ”منور!“ اس نے منور کو آواز دی تھی۔
 ”ہمارا ج!“ منور آگے بڑھ آئی۔

”اے۔ اس کی گردن کاٹ لے۔“ اس نے ایک پتھر سے پھری اٹھا کر منور کو دیتے ہوئے کہا اور منور نے نہایت سعادت مندی سے پتھر لے لی اور پھوس نے ایک درندگی سے پھر پوزر دیکھا۔ منور زمین پر پڑی اور پھر اس نے زمین پر پڑی لڑکی کو بڑی بے دردی سے ذبح کر دیا۔ لڑکی ترپنے لگی۔ اس کی گردن سے خون کی جوان دھاریاں اچھل رہی تھیں۔ ”اگ کرتے سے۔ اوہ۔“
 منور زمین پر گر گیا ہے۔ نہ کہ نہیں کی گردن کاٹنا بھی نہیں آتی۔“ استھیا نند نے کہا اور پھر پتھر منور کے ہاتھ سے چھین کر ایک ہی وار میں لڑکی کی گردن کاٹ دی۔ پھر اس نے اس کے بدن کو اپنے مضبوط ہاتھوں میں اٹھالیا اور اسے اٹھ کر کے خوں کی دھاروں سے منہ نکالیا۔ لڑکی ہونی گردن منور نے اپنے ہاتھوں میں پھونکی اور اس کا خون وہ پینے لگی۔

”راگھو! شام۔“ راگھو شام! ”کرنا می نے آنکھیں بند کر لیں۔“
 لڑکی آنکھوں میں خوں چھلک رہا تھا لیکن پھر بے بسی طاری ہو گئی۔ میں کبھی کیا سکتا تھا۔ خاموشی سے یہ خوفناک منظر دیکھتا رہا۔ دونوں شہیدانوں نے خون پیا اور پھر لڑکی کا بے جان بدن ایک طرف پھینک دیا۔

”راگھو!“ استھیا نند نے پھر راگھو کو آواز دی اور دونوں اندر آ گئے۔ ”جی۔“ کھانسی کے ساتھ پانچھنک دو۔“ استھیا نند نے کہا اور دونوں شیطانوں کے منہ میں جیسے پانی آ گیا۔ وہ دونوں بڑی چاہ سے لڑکی کے مرده بدن کو اٹھ لے گئے اور پھر آگ کی دیوار سادھ ہو گئی۔ میں نے طویل سانس لی تھی۔
 ”یہ ہے استھیا نند اور یہ چاس کا گلیان اس کی دیر!“

”باقی لڑکیوں کا کیا ہوا ہمارا ج؟“ میں نے پوچھا۔
 ”سب کے ساتھ ہی سلوک ہوا ہے۔“ دیکھو۔“ کرنا می نے پھر ہاتھ اٹھایا اور میں نے دیکھا۔ تینوں لڑکیوں کی لاشیں بھی جگہ جگہ سے پچی پڑی تھیں۔ ”بس کرنا می! میں اس سے زیادہ دیکھنا نہیں چاہتا لیکن ایک بات میں تم سے ضرور پوچھوں گا۔“

”وہ بھی پوچھو میرے متر۔“ کرنا می نے کہا۔
 ”اگر انسان کے پاس قوت ہو تو کیا وہ دوسروں کی مدد نہیں کر سکتا؟“
 ”کرنا چاہیے۔“ منور کی سہا تنافرور کرنی چاہیے۔
 ”تب پھر۔“ اگر ہاتھ سے لڑکیوں کا یہ شریہ تو تم نے ان کی مدد کیوں نہیں کی؟“ میں نے سوال کیا اور بڑھنے سے گردن کھکالی پتھر ٹوڑی دیر کے بعد وہ گردن اٹھا کر بولا۔

”تم نے ٹھیک کہا بالک! گمروں جھوٹان کی سہا تناکرنا میرے بس سے باہر تھی۔“
 ”آخر کیوں؟“
 ”اس سے آگے نہیں بتاؤں گا۔ میں سمجھ لوں جھوٹ نہیں بول رہا۔“ کرنا می نے کہا۔

”یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی ہمارا ج! لیکن تم کہتے ہو تو میں غلط ہو جاتا ہوں۔“ بڑھ کرنا می نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور پھر چند منٹ کے بعد وہ بولا۔

”پھر اب کیا تیرا ارادہ ہے بالک؟“
 ”میرا ارادہ۔“ میں نے غراتے ہوئے کہا۔

”ہاں! میری جان! ہمارا دیکھنے کا خیال میں سے نکال دے۔ میرے ساتھ چل! میں تجھے جی مہمان گمانی کے پاس سے چلوں گا اور گمانی لوڈوں گا۔“
 ”گمانی حاصل کرنا میری دل خواہش ہے لیکن میں اس وقت تک میرا انتظار کرنا چاہتا ہوں کہ جب تک میں استھیا نند کو کھٹکے لگا کر وہاں سے نہ اٹھائوں۔“
 میں نے کہا اور کرنا می ہمارا ج تعریفیں لگا ہوں سے میری شکل دیکھنے لگا۔ اس نے مجھ سے کچھ نہیں کہا تھا میں اپنے طور پر استھیا نند کے چہرے پر غور کر رہا تھا۔

”رحمن واد بالک! رحمن واد!“ کرنا می نے تعریفیں انداز میں کہا اور میں چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ ”تو جو کوئی بھی ہے میں تو بس ہی کہوں گا کہ گمان میں ہے۔“
 ”ہاں مجھے تیرے من کی منور کا منور معلوم ہے۔ میں اوش جانتا ہوں کہ تو ہمارے دلش کا علم دیکھنے کے لیے صحن ہے۔ پرت وہ جو تیرے کوئی نہیں ہیں ان کے کارن کو اپنا یہ خیال تیا گ دینے کو تیار ہو گیا ہے۔ میں بھی جانتا ہوں بالک کہ شیطان کا چیلہ استھیا نند شام کی مالک ہے اس سے ان معصوم ناریوں کا بدلہ لینا کسی منش کے بس کا روگ نہیں ہے۔“

پرت میرے بالک! میرا گمان مجھے بتاتا ہے کہ تو عام منش میں سے نہیں ہے اور میری یہ بات مان لے کہ تیرے بھروسے سے تو اس سے بدلہ لینے

جہاں ہے تھیں اس میں ناکامی نہیں ہوگی۔

”اگر تم میرے اس اقدام سے متفق ہو کر نامی مہاراج تو پھر میری سہائیا کرو۔ میں نے تمھیں جیسے کہا۔“

”بھگوان تیری سہائیا کرے گا۔ وہی سبکے ہمارے ہیں۔ تو جا۔“

”میں اس کے سوا کچھ نہیں کروں گا۔“ کرنا می مہاراج نے کہا۔

”ٹھیک ہے مہاراج! لیکن اگر میں تمھیں اند کو ہلاک کرنے میں کامیاب ہو گیا تو اس کے بعد تم کس کا ملقات ہو گی؟“

”بھگوان کی دھرتی بہت بڑی ہے بالک۔ کہیں نہ کہیں مل ہی جائیگی۔“

کرنا می نے جواب دیا۔

”یہاں نہیں؟“ میں نے پوچھا۔

”یہاں بھی مل سکتے ہیں پرنت تیرے من میں بدلے کی جو من کا سنا ہے یا جو بھانا ہے اسے تو پورا کر۔“

”ٹھیک ہے کرنا می مہاراج! میں نے پوری زندگی علوم کھنے میں گزاری ہے۔ تمھارے دھرم کے اس علم نے مجھے بہت متاثر کیا تھا۔ میں اسے بھی سیکھنا چاہتا ہوں اور کچھ لوگ گا، ابھی نہ دیکھ کر یہ بعد میں مگر کچھ ضرور دل کا لیے بھی مجھے زندگی کے ستم ہونے کا خوشہ تو ہے نہیں۔ تم چلے جاؤ گے، تمھارے جیسا کوئی دوسرا مل جائے گا۔“

”ہاں۔ بھگوان کی اس دھرتی پر بڑے بڑے ہمارے مہمان ماحوڑے ہوئے ہیں جن کے من گمان کی روشنی سے بھرے ہوئے ہیں۔ اور بالک تیری لگن بکتی ہے تو بھگوان تیری سہائیا کریں گے۔ اب تو جا۔ میں تجھے کسی ایسے کام سے روکنا نہیں چاہتا جس سے بھگوان بھی ناخوش ہوں۔“

”وہی بھی تمھیں تبھی شیطان کے لیے تو ہی ٹھیک من ہو سکتا ہے۔“

”میں جارتا ہوں مہاراج!“ میں نے کہا اور پھر میں واپس چل پڑا۔

مجھ اس راستے کا پورا پورا اندازہ تھا جس طرف تمھیں اند کے دونوں چیلے، دویا مٹوا کر لے گئے تھے۔ ساھو کرنا می نے آگ کے دائرے میں جو کھیل دکھایا تھا اس سے میں نے راستے کا بھی اندازہ لگا لیا تھا، چنانچہ اب اس راستے کو تلاش کرنا میرے لیے مشکل نہیں تھا۔ میں نے جو کچھ دیکھا تھا اس نے میرے بدن میں چنگاریاں بھردی تھیں۔

میں ان بدعت لوگوں کے لیے بے حد پریشان تھا۔ کاش مجھے احساس ہو جاتا کہ تم بخت منورمان معصوم لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کی بجائی رہے ہیں منورمان کو ہر روک و تبا جس طرح بھی ممکن ہوتا لیکن اس دلیل عورت نے حال ہی الیا پھیلا یا تھا کہ اس کے چکر میں آ گیا تھا۔

میرے ذہن کے کسی گوشے میں یہ خیال نہیں جا کا تھا کہ جس راج بھا کے محسوس کے فرمایا کھڑی ہوئی تو تصویرت لڑکی منورمان بھی ہو سکتی ہے جالاں عورت نے اپنے آپ کو جس انداز میں پیش کیا تھا اس نے پورے طور سے مجھے اپنے جال میں پکڑ لیا تھا اور پھر میری فطرت پر جو کچھ لوں کی تلاش میں سرگرداں رہتی تھی شاید منورمان اس کے بالے میں بھی اندازہ نہ لگا لیا تھا۔ بہر صورت پروفیسر

میں نے صدیاں دیکھی تھیں اور صدیوں کا طویل عرصہ میرے ذہن کو عس مسالوں سے متاثر کر چکا تھا لیکن اس کے باوجود مجھے اعتراف ہے کہ غفلت اور ہوا میں پیدا ہونے والے بعض اوقات ایسی ذہانت کے مالک نکل آتے ہیں کہ میرا تجربہ خاک میں مل جاتا ہے اور پھر لوں بھی جوں جوں وقت گزرتا ہے ذہنوں میں تبدیلیاں ہوتی جاتی ہیں۔

اور پروفیسر تم خود دیکھو انسان غاروں سے پہاڑوں سے جنگلوں سے، درختوں سے اتر کر آبادیوں میں آیا۔ اس کے ذہن نے رفتہ رفتہ کام شروع کیا۔ اس نے سوچ کو پھیلانا اور یہ سوچ اس کے لیے نت نئے راستے تلاش کرتی رہی۔ میں تو صرف ایک دیدہ ور تھا۔ میں نے دیکھا اس وقت جب انسان کو چکا تھا۔ میں نے سوچا اس وقت اس کے بالے میں جب وہ سوچ کو اپنی سوچ کو مکمل شکل سے چکا تھا۔ گویا میں سوچنے والوں سے پیچھے تھا اور سوچنے والے نت نئی بات سوچتے ہیں۔ سوچم ان کی سوچ کے ساتھ نہیں دوڑ سکتے۔

اب کرو اتروا کچھ بھی ہوں چاہے وہ یونان کا سکندر اعظم ہو، ارجا ابھی ہو یا پھر منورمان، سب کے سوچنے کے انداز مختلف ہوتے ہیں کہیں ساھو کرنا می ہوتا ہے اور کہیں شیطان صفت تمھیں اند۔

منورمان کی سوچ کو غلطی نہیں تھی وہ خرب کا فنی لیکن اس میں کوئی شہ نہیں کہ ذہن بھی اور اس کی ذہانت کا اندازہ اس بات سے لگا یا سکتا ہے کہ جب میں نے اسے چڑیل منورمان کے بالے میں بتایا تو اس نے میری بات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مجھ سے کہا۔

”اس کا گمان کتاب کے چڑیل منورمان سے بھی بھگوان پر نقصان پہنچا سکتی ہے اور اگر وہ جو کہ نیچے دیں تو منورمان سے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ کیا تم مجھ سے پروفیسر کو اس بات سے اس کا کیا مقصد تھا؟“

”کیا مطلب؟“ پروفیسر چونک پڑا۔

”ہاں پروفیسر! کھلاک عورت نے اس وقت بھی خوب سوچا تھا اور اچھی سوچ کی داد دینا نا انصافی ہے۔ بہر حال اس کا مقصد کچھ بھی ہو لیکن اس نے جو کچھ کیا وہ کامل تھا۔“

”کیا مقصد تھا اس کا؟“ پروفیسر نے پوچھا۔

”تمھیں یاد ہوگا پروفیسر کہ منورمان نے میری متاثرہ شناسی سے جو کچھ کھا تھی اور شاید تم بھی جھوٹے نہ ہو گے کہ اس کی موت متاؤں کے ذریعے آئی تھی۔“

”اوہ! ہاں۔ شاید۔“ پروفیسر باور کرتے ہوئے بولا۔ ”تم نے بتایا تو تھا؟“

پروفیسر ہجرت سے اچھل پڑا۔

”ہاں۔ میرے دوست متاؤں نے مجھے بتا دیا تھا کہ منورمان کیلئے اور یہ بات منورمان بھی جانتی تھی کہ ستائے اس کے سبک بڑے دشمن ہیں، یا چغل خور ہیں انھیں ایسا نہ ہو کہ ستائے اس کی نشان دہی کریں اور میں پھر بڑت

اس کی کسی کوشش سے واقف نہ ہو جاؤں چنانچہ پروفیسر دھرت کے لئے

میں اس نے مجھے متاؤں سے دور رکھنے کی کوشش کی اور بہر صورت یہ کوشش ذہانت سے بھرپور تھی۔

پروفیسر خادو نے ایک طویل سانس لی۔ صدیوں پہلے کے لوگ بھی آج کے انسان سے مختلف نہ تھے۔ سازش کرنے والے اس وقت بھی سازش ذہنوں سے بہرہ ور تھے۔ واقعی اس نے خوب سوچا، پروفیسر کو لاتے ہوئے بولا۔

”ہاں تو میں نے اسے اس مقام پر بھی تمھیں اند کے غاروں کی تلاش میں مل پڑا لیکن ابھی میں اپنے اس امتحان پر بھی نہ پہنچا تھا جہاں پر میں نے روشنی دیکھی تھی اور جہاں منورمان یا دیا مجھے چھوڑ گئی تھی کہ اچانک میں نے پہاڑوں میں ایک آواز گونجی تھی۔“

”کرشنو کا۔ پران ناٹھ! تم کہاں ہو؟ کرشنو کا کرشنو کا!“ اور یہ آواز یہ غوس آواز اس ڈائن کے سوا کسی کی نہیں تھی منورمان واپس آگئی تھی شاید تمھیں اند کی مدد سے میرے لیے کوئی تیار کر کے اور پروفیسر میں اس حال میں پھنسنے کے لیے تیار تھا۔ اگر صدیوں کی زندگی مجھ اس جادو گرئی سے یا اس کے چیلوں سے شکست دلا سکتی تھی تو مجھے یہ زندگی بے شکست قبول نہ تھی۔

میں نے ایک لمحے کے لیے سوچا دل تو چاہ رہا تھا کہ وہ میرے سین اور اندر سے کوہ اس عورت کے لیے گئے اور خوبصورت بال دونوں ٹھیں سے پکڑ کر اس زور سے پھینکوں کہ اس کے بدن کی پوری کھال جسم سے اترے اور پھر بڑھ کھال کے گوشت کو ان پھاڑی پتھروں پر ٹھیک پتھروں، اس میں خراشیں پڑ جائیں، ہڈیاں نکلنے لگیں یہاں تک کہ ہڈیاں بھی ٹھس جائیں اور اس کی اذیت ناک پتھروں سے پھاڑیاں بھی چھیننے لگیں لیکن پروفیسر اس مقام کی اس آگ کے باوجود میں اس کے بالے میں دوسری باتیں بھی سوچ رہا تھا۔ کہ بخت جادو گرئی آگ کے شعلوں میں جل کر دھوا کر اسی دنیا میں رہ گئی تھی اور بظاہر اب اس کے لیے موت نہ تھی کیونکہ وہ میں فنا نہیں ہوتیں۔ مجھے یہ بھی سوچنا تھا کہ اس کے اس طرح قتل کیا جا سکتا ہے اور اس سلسلے میں شاید میرے دست ستائے ہی میری کچھ مدد کر سکتے اور پھر اس وقت صرف منورمان کو قتل کرنا مقصود نہیں تھا بلکہ تو ابھی اس درندے تمھیں اند اور اس کے چیلوں کی بھی تھی۔ میں انھیں بھی چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔

چنانچہ وقت نے کہتے سے کہ کر خود کو قابو میں رکھو اور میں نے وقت کی بات کو تسلیم کر لیا۔ میں نے اپنے گرم منہ سے لہو کو منورمان کے اپنے چہرے کے تاثرات بدلے اور پھر اس طرح دیاں طرف بڑھا جیسے میں اس کے لیے بے چین ہوں۔

”وہ کیا!“ میں نے اسے زور سے آواز دی اور وہ میری طرف دوڑی چلی آئی۔

”کہاں چلے گئے تھے کرشنو کا کہاں چلے گئے تھے؟“ میں کب سے تمھیں تلاش کر رہی ہوں۔ وہ دوڑ کر میرے سینے سے لپٹ گئی۔ میرے دونوں ہاتھ اس کی گریں حاصل ہو گئے۔

”میں تمھیں تلاش کرتا پھر رہا تھا دیا کہاں چلی گئی تھی تم۔“

میری آنکھیں تو تمھارے نظار میں پھرتی تھیں۔ میں نے اپنے بچے میں ہر دنگ پیدا کرتے ہوئے کہا۔

کرتے ہوئے کہا۔

”ہائے پران ناٹھ تم مجھ سے میرے من کا حال تو پوچھو۔ اُن یہ دو باتیں تمھارے ہائے کے گزریں۔ کاش میں تمھیں بتا سکتی۔“ دیا کا رے بولی۔

”نہیں دویا تم تو پھر بھی انسانوں میں نہیں۔ کچھ جانوان پس آئی پشاوروں میں میری ایک پل بھی نہیں لگا میں نے سوچا میں نے اپنی دیا کو نہ جانے کئی کئی جگہوں میں پھنسا دیا۔ بھگوان کی سگند دیا بچھے تمھاری ضرورت ہے۔ اگر سارا جہنم میری منورمان پوری نہ ہو اور تم میرے ساتھ رہو تو پھر میں اپنے من سے گیان کا خیال ہی نکال دوں۔“

اور پروفیسر عورت بہر حال عورت ہے خواہ وہ کتنی ہی حالاک کیوں نہ ہو لیکن مرد کی جگہ چھری باتیں اسے نقل عورت بنا دیتی ہیں میں نے دیا کی آنکھوں میں محبت کا سمندر دکھانے والے دیکھا۔ وہ بے اختیار میرے سینے سے لپٹ گئی تھی۔

”تم جانتے ہو پران ناٹھ۔ میں بھی تمھارے بنالے کی دیکھ رہی ہوں پرنت کام ہی الیا تھا میرے لیے اس سے بڑھ کر خوش کیا ہو سکتی ہے کہ میں اپنے پیری کے کام آؤں۔ اس نے میری دونوں آنکھیں چوم لیں۔“

اس کی اس گرم بوٹی کا جواب میں نے بھی ناچار اس گرم خوشی سے دیا لیکن میں جلد سے بولنے کوئے کے اس بدبخت مجھے کو اس کی اصلی شکل میں دیکھ چکا تھا اور اس وقت اس کا نرم طلم گوشت میری نگاہ میں درختوں کے پتے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا تھا۔

بلاشبہ پروفیسر وہ عورت اس قابل نہ تھی کہ اس کے بدن کو اپنے جسم سے چھوئے بھی نہ جا سکتا لیکن صحت۔ میں اسے برداشت کر رہا تھا اور منورمان نے خود جوتی جا رہی تھی۔ پھر جب میری اند کوئی کیفیت قابو سے باہر ہونے لگی تو میں نے اس کے شالوں پر دونوں ہاتھ رکھ کر اسے اپنے بدن سے علیحدہ کر دیا۔

”ہائے ناٹھ۔ خود سے علیحدہ کر دو۔ خود میں سمول مجھے تم کیا جانو نا تھی میں نے یہ سہ کیسے بتایا ہے۔“

”دویا!“ میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ رات اپنی ہے ماحول اپنا ہے، کون ہے جو ہائے رات کی دیواروں کے۔ لیکن میری پریکا جس کام کے لیے تم مجھے بل کر کے چل گئی تھیں اس کا کیا ہوا؟ مجھ اس کے بارے میں تو بتاؤ۔ میں نے جاہلوں کی کرتے ہوئے کہا۔

”بتاؤں گی کرشنو کا اتنے بے گلی کیوں ہو؟“ منورمان کی آنکھوں میں غماز چھا رہا تھا۔ اس کے لہلہ گندے جذبات پھر جاگ اٹھے تھے لیکن سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ جس غلاظت کو میں قریب دیکھ چکا تھا اسے اپنے جسم کے قریب لانا میرے لیے کسی طور ممکن نہ تھا۔

میں تو جلد از جلد اپنا انتقام پورا کرنا چاہتا تھا اور میں نے منورمان کے جذبات کو جوا نہ دی، میں اس طرح سرد مری برتنار ہا اور منورمان کے جذبات برا بھلا کرتے رہے۔

”ناٹھ اکیا ہو گیا ہے تمہیں؟“ وہ میرے بدن سے کھینٹے ہوئے بولی۔
 ”وہ کیا؟ یہ میری کمزوری ہے۔ اب میں اس وقت تک خود کو کسی اور
 طرف راغب نہیں کر سکتا جب تک مجھے میرے کام کے بارے میں معلوم نہ ہو جائے۔“
 ”کیسے ہو تم ناٹھ۔“ وہ ایک ادا سے بولی۔
 ”ہر انسان میں کچھ کمزوریاں ہوتی ہیں وڈیا۔ میں نے سڑک پر نہیں کہا۔
 ”لیکن میں مل رہی ہوں۔“

”میں بھی جل رہا ہوں وڈیا! تم فقیرین کو میرا ذہن اس وقت کسی اور
 چیز کے بارے میں نہیں سوچ سکتا۔ میں نے سڑک پر نہیں کہا اور تو کیا چاہتی تھی۔“
 ”کیا تمہاری ملاقات تھی اندر سے نہیں ہوئی؟“ میں نے پوچھا لیکن وڈیا
 خاموشی سے میری شکل دیکھتی رہی پھر اس نے سوچا کہ حالات بگاڑنے میں چاہئیں
 میں تو سدا کے لیے اس کا ہوں۔ میں کہاں جاؤں گا اور اس نے خود پر قابو پانے
 کی کوشش کی۔ پھر وہ مسکرائے بھی۔

”تمہاری وڈیا کسی کام کا بیڑا اٹھائے اور وہ پورا نہ ہو۔“
 ”اوہ اکیا مطلب ہے؟“ میں نے مصنوعی خوشی کا اظہار کیا۔
 ”بالآخر میں نے تمہارا مہاراج کو تیار کر لیا ہے۔“
 ”کیا وہ مجھے لائیں گے؟“

”کیوں نہیں لیں گے۔ تمہاری وڈیا نے ان سے ناٹھ جوڑ کر ہڑتائی۔“
 ”اوہ۔۔۔ وڈیا! تم کتنی اچھی ہو۔ میں نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں
 میں لے لیا۔ وہ دل چاہتا تھا کہ وہ دونوں ہاتھوں کی قوت اس کے چہرے پر
 استعمال کر کے اس کے دونوں جبڑوں کی ہڈیاں آپس میں جوڑ دوں لیکن ابھی
 یہ مناسب نہیں تھا۔ مصلحت۔ مصلحت۔“

”ناٹھ! وہ محمود مجھے میں بولی مجھے دھن داد دو۔“
 ”دھن داد وڈیا! میں نے نہ جانے کس دل سے کہا۔“
 ”ایسے نہیں ناٹھ۔ دیکھو! کاش پرچہ بنا اگھر رہا ہے۔ روشنی میں
 نہائی ہوئی چٹائیں کیسی سنہرا لگ رہی ہیں۔ ناٹھ! یہ ٹھنڈی ہوا میں بدن کو
 چھونے کے لیے بے مہین ہیں اور ہم اس طرح کھڑے ہیں۔“
 ”ہاں۔ وڈیا! آج کی رات ہماری نہیں ہے۔“
 ”پر کیوں ناٹھ؟“

”وڈیا! اصد نہ کرو۔“ میں نے کسی قدر غصہ لائے ہوئے انداز میں کہا۔
 ”میں اس وقت تھکے ہوئے ہوں کچھ نہ کر سکتا ہوں۔“ میں نے مری طرف منکر کیا۔
 اب میری قوت برداشت جواب دینی جارہی تھی۔ پھر مجھے وڈیا کی ارادشانی دی۔
 ”آؤ۔“ اس نے کہا اور میں نے رُخ بدل لیا۔ وڈیا شاید ناراض
 ہو گئی تھی اور بھلا مجھے اس کی ناراضگی کی کیا پروا ہو سکتی تھی۔ ہاں اگر وہ اسی
 طرح ناراض رہے تو مجھے اس کے یہ غلیظ بو سے تو نہ برداشت کرنا پڑا۔ اس
 نے آگے قدم بڑھائے اور میں اس کے پیچھے چل پڑا۔ پھر سارے راستے اس
 نے مجھ سے کوئی بات نہ کی اور پھر نہ جانے کہاں کہاں سے گزرتے ہوئے ہم

اس گتھکے ہانے پر پہنچ گئے جسے میں نے آگ میں دیکھا تھا۔
 منو چاندرا ساعت کے لیے رُخ مری طرف دیکھا اور پھر گتھکے میں
 داخل ہو گئی۔
 ”مجھے کیا کرنا ہے وڈیا؟“ میں نے پوچھا۔

”کچھ نہیں پران ناٹھ۔“ منو کے لیے کسی زندگی لوٹ آئی۔ اب یہاں
 آنے کے بعد شاید اس نے سوچا تھا کہ خد کرے سے کیا فائدہ، جو کچھ میں چاہتا
 ہوں وہ کیوں نہ کیا جائے کیونکہ اس کے بعد۔ اس کے بعد تو میں صرف
 اس کے احکامات کی تعمیل کروں گا۔

”کیا مہاراج تمہیں انداز میں وقت مجھے مل سکتے ہیں؟“ میں نے پوچھا۔
 ”میں نہیں کہہ سکتی پران ناٹھ۔“ انھوں نے مجھ سے پوچھنے آنے کو
 کہا تھا۔ پرنس تمہیں انداز میں کوشش کرتی ہوں کہ وہ اسی سے تم سے ملیں۔“
 ”ہاں وڈیا! اب میں اس وقت تک بے کل رہوں گا جب تک
 کہ تمہیں اندر سے نہ مل لوں۔“

”تم یہاں نہ کرو۔ میں مہاراج کو تلاش کرتی ہوں۔“ وڈیا نے کہا اور
 میں نے گردن ہلا دی۔ وہ چلی گئی اور میں ان غاروں کو دیکھنے لگا۔ آگ میں نظر آنے
 والے مناظر میں اس نے اس غار بھی دیکھا تھا اور یہاں سے آگے جانے کے دوسرے
 راستے بھی مجھے یاد تھے۔ بہر حال میں نے خاموشی سے وڈیا کا انتظار کرنے کا فیصلہ کر
 لیا۔ میرے بازوؤں کی پھیلیں پھڑک رہی تھیں۔ میں جلد از جلد تمہیں اندر کا سامنا
 کرنا چاہتا تھا۔ وڈیا یا منو یا غور کی دیر کے بعد واپس آئی اس کے چہرے سے
 ایسا ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ کافی پریشان ہو۔ بہر حال اس نے آکر کہا۔

”آؤ پران ناٹھ! میں نے تم سے کہا تھا نا کہ مہاراج تمہیں اندر میں منہ سے
 ملاقات نہیں کرتے۔ بڑی مشکل سے میں نے انھیں تیار کیا تھا۔ اس سے تو وہ کسی
 سے نہیں ملے لیکن میں نے ان کی بنی کر کے انھیں تیار کر دی ہے۔“ اور غار میں
 سے اس کے ساتھ چل پڑا۔ گتھکے درگتھا ہوتے ہوئے ہم ایک کشادہ غار میں پہنچ گئے
 غار دیکھنے میں بہت خوفناک معلوم ہوتا تھا۔ جگہ جگہ انسانی ڈھانچے کھڑے پڑے،
 جانوروں کے ڈھانچے کچھ بڑے تھے۔ خون کے بڑے بڑے پتے جگہ جگہ نظر
 آ رہے تھے۔ بعض کراہیک عام انسان کو مرعوب کرنے کے لیے یہ ماحول کافی تھا،
 لیکن اگر میرے لیے ہوتا تو یہ تمام کیا کیا تھا تو ہر نام کرنے سے اول درجے کے گدھے
 تھے اس وقت یہ رخصتہ عروج پر تھا۔ میں کسی طرح کو غار میں نہیں لاسکتا تھا۔

میں نے خاموشی سے پورے ماحول کو ایک نگاہ دیکھا اور پھر منو کی طرف دیکھا۔
 تب فارے کے ایک دوسرے ہانے سے وہی قوی ہیکل سا دھو بابر نکل
 آیا جسے میں نے آگ میں دیکھا تھا اس دروازہ صفت انسان کو دیکھ کر آخر ان
 کھول گیا میں نے نفرت بھری نگاہوں سے اسے دیکھا۔ سادھو کی آنکھیں بدلتی
 مٹھ رہی تھیں اور وہ غصیلے انداز میں مجھے گھورتا تھا۔

میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھا اور پھر ہماری نگاہیں ایک دوسرے
 سے چپک گئیں۔ سادھو کی آنکھوں سے سبز رنگ کی شاد میں نکل رہی تھیں۔

اس کی آنکھوں کے رنگ بدل رہے تھے اور پھر اچانک اس کے سرخ ہونٹ
 سکڑا گئے۔ بے حد خوفناک سکڑا ہٹ تھی۔ گلتا تھا جیسے کسی جھپٹے نے منہ
 کھول دیا ہو۔

”مزدوری! یہ تو کسے لے آئی ہے؟“
 ”لگ۔ کیوں مہاراج؟“
 ”اس کی آنکھوں میں تو بڑی جان ہے۔“
 ”مزدوری؟“ میں نے زہریلے انداز میں کہا۔
 ”پران ناٹھ! ہم۔ میں۔“ منو بول کھلا۔
 ”یہ کون ہے تمہیں اندر میں؟“ میں نے بے غریبی سے پوچھا۔

”وڈیا تو رانی منو!۔ اور اب میری داسی۔ کیوں پوچھ رہے ہو۔“
 بھولے ناٹھ؟“ تمہیں اندر میں سکڑا کر بولا۔

”رانی منو! میں نے گردن ہلائی اور پھر وڈیا کی طرف رُخ کر کے بولا۔
 ”کیوں وڈیا، کیا یہ درست ہے؟ کیا تو رانی منو ہے؟“
 ”میں کہہ رہا ہوں بھولے ناٹھ! کیا میں جھوٹ بول رہا ہوں؟“
 ”وڈیا! کیا تمہیں اندر میں جھوٹ بول رہا ہے؟“ میں نے وڈیا سے پوچھا۔
 ”نہیں۔ نہیں مہاراج!“
 ”تو منو رہا ہے؟“
 ”ہاں! منو نے گردن ہلائی۔

”اسی تو کہیں رہی ہے دیوانی، اب تو تمہیں اندر میں داسی ہے۔“
 ”ہاں! میں منو ہوں کر شہزادی!“
 ”راشمن راج کی کمانی جھوٹی تھی؟“
 ”ہاں!“

”خوب! اور تمہیں اندر میں کون ہیں؟ اس مہان گیانی نے تجھے چڑیل کی
 مہمانتیا کرنے کی کہیں ٹھان لی ہے؟“
 ”یہ ہماری باتیں ہیں بھولے ناٹھ، تو ان میں نہ پڑ۔ تو ہم سے بات کرو۔“
 تمہیں اندر میں کہا۔

”تو بات کرو تمہیں اچھی!“
 ”تو جادو دیکھنا چاہتا ہے؟“
 ”ہاں چاہتا ہوں۔“
 ”ہمارا چیلہا ہے؟“ تمہیں اندر میں سکڑا کر بولا۔

”اگر تم اس قابل ہو سکتے تو میں نے جواب دیا۔“
 ”کیا مطلب ہے؟“ تمہیں اندر میں سکڑا کر بولی اس کی آنکھوں کی
 شرخی کچھ اور گہری ہو گئی۔ ”کیا تم کو اس کر رہا ہے۔ کون ہے جو ہر شے کی مقابلہ
 کر کے؟“

”تمہارا چیلہا بننے کے لیے کیا کرنا پڑے گا مہاراج؟“ میں نے پوچھا۔
 ”سب سے پہلے خون کا ٹھوڑا کرسو گھانا پڑے گی۔ ہماری داسی منو
 تجھ سے پریم کرتی ہے۔ پہلی سونگندہ جھپٹ یہ کھانی پڑے گی کہ تو سارا جیون اس کے

چرن دھو دھو کر پے گا، کبھی اس کی کسی بات سے انکار نہیں کرے گا سدا
 اس سے پریم کرنا پڑے گا۔“

”دوسری سونگندہ کون سی ہے مہاراج؟“ میں نے طنز بیانداز میں پوچھا۔
 ”ہم جو کچھ کہیں گے اس پر انھیں بند کر کے عمل کرے گا۔“
 ”لیکن مہاراج! آپ تو صورت کی شیطان معلوم ہوتے ہیں اور میرے
 اس خیال کی تصدیق اس چڑیل سے ہوتی ہے جو گندنی رُخ ہے۔ میں اس
 کالی چڑیل سے کیسے پریم کر سکتا ہوں مہاراج؟“

”منو! تمہیں اندر میں ہوا؟“ یہ کیا کہہ رہا ہے؟
 ”اس کی جیب بند کرو وڈیا! یہ تمہارا اچان کر رہا ہے۔ اسے جھپٹ
 کے لیے خاموش کرو۔“ منو غصیلے انداز میں جھپٹی۔
 ”منو! آئیں سے یہ کھیل بند کرو یا۔“ وہ چاروں طرف لڑکیاں کہاں ہیں؟
 تمہیں تولائی تھی؟“

”میرے پیٹ میں آگ رہی ہیں بھولے ناٹھ!“ تمہیں اندر میں بولا۔
 ”میں انھیں تھکے پیٹ سے نکالوں گا تمہیں اندر میں!“ میں نے
 غرتے ہوئے کہا۔

”مہاراج۔ مہاراج! اسے چھوڑ نہ دیں۔ جلدی کریں۔ جلدی
 کریں یہ آپ کا برابر اچان کیسے جا رہا ہے۔“
 ”تو کیا جانتی ہے منو؟“

”بس اسے میرا داس بنائیں۔ اس کے من میں میرا پریم رکھ دیں یہ
 کتنی کی طرح میرے پیچھے دم ہلاتا ہے۔ کبھی میری کسی بات سے انکار نہ کرے۔“
 اس کے سوا میں کچھ نہیں چاہتی۔“

”میں رہا ہے۔ تو ایسا ہی کرے گا۔ اگر نہ توں جیون بھراس
 کی بات نہ مانی تو کتنے کی طرح بھونکنا پڑے گا کیوں میں۔ تیرا وہ بُرا حال ہو گا
 جس کی تو سوچ بھی نہیں سکتا۔“

”کیا تو بھی اس کی طرح پریت ہے تمہیں اندر میں؟“ میں نے پوچھا۔
 ”نہیں۔ میں زندہ انسان ہوں۔ کیوں؟ تو میرا کچھ لگا کر ناچا ہوتا ہے؟“
 ”اگر تو زندہ انسان ہے تو میں تجھے لٹکا کر تاروں میں سے مقابلہ کرو تو
 کافی قوی ہیکل ہے۔ اگر شک ہے تو مجھ سے مقابلہ کر۔ اور اگر بزدل ہے اگر نامزد
 ہے تو یہاں سے بھاگ جا۔ اور میں نے دیکھا تمہیں اندر کے پورے بدن پر لرزہ
 طاری ہو گیا۔ اس کی آنکھیں غیظ سے نکلی پڑ رہی تھیں۔ کافی دیر تک وہ
 مجھے خوفناک انداز میں گھورتا رہا۔ پھر اس نے گردن اڑا دیا میں کہا۔

”میں تجھے چھوٹی کی طرح مسل سکتا ہوں۔ اگر میں اپنے چھوٹا دھاریوں
 کو آگ لیتے ہوں تو تو تیری نکال بولی کر ڈالیں لیکن تو نے مجھے لٹکا رہے ہیں
 تیری لٹکا رہا ہوں لیکن اگر تو بول گیا تو میں تیری تمہیں اندر میں کر دوں گا، میں نے
 اپنی داسی کو جو چاہا ہے کہ میں تجھے اسے سے دوں گا۔ ہاں اس میں خود کوئی سی
 تبدیلی کرنا پڑے گی۔ وہ یہ کہ اب تو اسے اس کی اصل شکل میں سونگندہ کرے گا۔
 بول تجھے منظور ہے؟“

”منظور ہے تھیں اندر لیکن تو اپنا گلیاں میرے مقابلے پر نہیں لائے گا۔“
 ”جو کچھ میں ہوں وہی تیرے سامنے آؤں گا۔“
 ”مجھے تیری بات منظور ہے۔ میں نے کہا اور منوٹا خوشی سے اچھل پڑی۔“
 ”مارو۔ ہمارا ج اس کامان توڑو۔ اسے مارو ہمارا ج اسے مارو۔ وہ خوشی سے بھر پور ہے۔“
 ”مارا گلیاں بن موت پانی۔ اب تو مجھے میری اصلی شکل میں ہی دیکھو گا اور جہنم بھر جائے گا۔“
 ”مٹوئے تھو۔ اسے بتاؤ کہ تھیں اندر کیا ہے۔ بتاؤ۔ پہلے اسے بتا دو۔“
 ”تھیں اندر نہ کہا اور میرے چاروں طرف بھونچال اٹھ گیا۔ جانوروں کے مجسمے چل پڑے۔ ان سب کی آنکھیں جھپکے گئیں۔ وہ چیخ رہے تھے، غرابے تھے، پھرس کھوپڑیاں اپنی جگہ سے ہڑاڑنے لگیں۔ وہ جگاڑوں کی طرح بھر پور چھپنے لگے۔
 چند ایک میرے بدن سے ٹکرائیں اور ان میں سے کچھ کو ہاتھوں میں پکڑ لیا۔ جو میرے ہاتھ میں آئیں چلنا پھر رہ گئیں۔ جو میرے بدن سے ٹکرائیں میرا کچھ لگاڑا لگیں۔ جانور میرے اوپر حملہ آور ہو رہے تھے۔ ان کے لمبے ناخن میرے بدن پر خراشیں لگانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ان کے دانت میرے بدن کی پوست ہونے کی کوشش کر رہے تھے لیکن اب ان کے انتوں کا جو ترشہ ہو رہا تھا وہ تو انھیں ہی معلوم ہو گا۔ پھر انسانی ڈھانچے میں چل پڑے۔ انھوں نے قدیم طرز کے ہتھیار اٹھائے ہوئے تھے۔“
 ”بس۔“ تھیں اندر نے ہاتھ اٹھا یا اس نے مجھے لٹکا رہے۔ میرا شکار ہے۔ تم سب رگ جاؤ۔ جاؤ۔ اپنی جگہ واپس جاؤ اور منوٹا میرے اور اس کے محلے میں موت لوٹنا۔ اور انسانی ڈھانچے اپنی جگہ لوٹ گئے۔ جانور اپنی جگہ کچھ رساکت ہو گئے اور میرے ہونٹوں پر سکڑا ہٹ پھیل گئی۔ وہ واقعی زندہ انسان تھا اس لیے دھوکے میں آ گیا تھا۔ اسے میرے بارے میں معلوم نہیں تھا اور نہ اسی حرکت نہ کرتا، ایسا خضر مول زلیخا میرے خیال میں یہی اس کی موت تھی۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ اس نے اپنے سر کسی مصیبت مول لے لی ہے۔ منوٹا کو تھیں اندر پر شاید پورا اعتماد تھا اس لیے وہ ملٹی کھڑی تھی۔ تھیں اندر کے بڑھاپا بلا ننگ اس کا قوی بیکل جرم بڑا شاندار تھا لیکن پرفیسر میرے بالے میں تم کو جی جانتے ہو۔ ہاں تھیں اندر میں ایک تبدیلی ضرور ہوئی اس کے بدن میں بے شمار ہاتھ نکل گئے۔ سائے ہاتھوں میں مختلف ہتھیار تھے اور وہ ان سائے ہتھیاروں سے بیس مری طرف بڑھا۔
 ”کیا تم مجھے ایک بھی ہتھیار نہیں دو گے تھیں اندر؟“
 ”تیرے پیچھے پڑے ہیں ان میں سے جو چاہے لے۔“ تھیں اندر نے جواب دیا اور میں پلٹ پڑا۔ وہ حقیقت پیچھے ہتھیار موجود تھے۔ میں نے جھک کر ان میں سے ایک تلوار اٹھ لی لیکن اسی وقت عقب سے میری کمر بند پر سے اتنی بڑی۔ تھیں اندر نے پیچھے سے وارکرو ہاتھ اور پھر اس نے پتھر انداز میں نیزے کی کھڑی ہوئی اتنی چیخی اور میرے بدن پر زخم تلاش کرنے لگا۔ لیکن میرے بدن پر خراش بھی نہیں آئی تھی۔ وہ خوفناک انداز میں دوڑا اور پھر اس نے اپنے بے شمار ہاتھوں سے ایک وقت میرے اوپر حملہ کر لیا اس کے

ہاتھ تیزی سے چل رہے تھے اور میں اپنی تلوار پر اس کے سائے وار روک رہا تھا۔ میرا ہاتھ بہت تیزی سے چل رہا تھا اس کے بے شمار ہاتھوں کی وجہ سے ابھی تک مجھے اس پر وار کرنے کا موقع نہیں ملا تھا لیکن ہر حال میں تال میں تھا اور ابھی تک صرف اسے طرح سے روک رہا تھا کیونکہ مجھے ہر حال اپنے بدن کی پرواہ تو نہیں تھی اس پر اس کے ہتھیار کارگر تو نہیں رہے تھے اور پھر میں نے پہلا وار کیا۔ اس کے بہت سے ہتھیار میرے بدن پر پڑے تھے لیکن میں نے ان کی پرواہ کیے بغیر اس پر وار کیا اور اس کے ہاتھ ٹک کر نیچے گر پڑے اس کے حلق سے ایک جھپٹا نکلی اور وہ پیچھے ہٹ گیا لیکن اب میں اسے موقع نہیں دے سکتا تھا۔ میں نے تباہ توڑ دے کر اس کے ہاتھ کاٹنے شروع کر دیے اور اب صرف اس کی ہڈیاں نکل رہی تھیں۔ وہ بے تحاشہ چیخ رہا تھا۔ اب وہ میرے اوپر حملہ نہیں کر رہا تھا بلکہ میرے وار کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ”تھیں یارو۔ روکو۔ اسے روکو۔“ وہ چیخا اور ایک بار پھر ہنگامہ برپا ہو گیا۔ تھیں اندر زمین پر بیٹھ گیا تھا اور اس کے بدن سے خون کے فوارے چل رہے تھے۔ اس کے انداز سے تھا کہ جب کسی بھی انسان ڈھانچے اچھل چھل میرے اوپر چلے کر رہے تھے۔ کھوپڑیاں میرے بدن کے مختلف حصوں سے ٹکرائیں۔ جانور اپنے دانت میرے بدن میں گاڑنے میں کوشاں تھے اور میں اپنی زندگی کی سب سے خوفناک جنگ لڑ رہا تھا۔ میں نے انسانی ڈھانچوں کو تقریباً ختم کر لیا تھا اب ان کی ہڈیاں چاروں طرف بھری پڑی تھیں۔ پھر جانوروں کی باری آئی اور تھیں اندر چیخا۔
 ”اری او کو بخت نوری۔ کس مصیبت کو لے آئی زکھنی۔ اب میری سہا سہا تو کر۔ چلے، مجھے سہارا دے کر کہاں سے چل۔ جلدی کرو۔ لیکن منوٹا بھی چلی آ نکھوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ اس کا منہ تعجب سے کھلا ہوا تھا۔ یہاں تک کہ میں نے تھیں اندر کے سائے تھیں یاروں کو ختم کر لیا۔ اور پھر میں نے تلوار چھینک دی اور تھیں اندر کی طرف بڑھا۔
 ”کیا ہے۔ کیا ہے۔“ دور دورے سے دور رہے۔ میں۔ میں تجھ سے ہار مان چکا ہوں۔ بس اب اور کیا کرے گا پانی۔ اری روک اسے۔ روک اسے کم بخت ماری۔ میں اٹھ نہیں سکتا۔ وہ منوٹا کی طرف رخ کر کے چیخا لیکن منوٹا اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں۔ وہ اسی طرح مجھے دیکھ رہی تھی۔ میں نے جھک کر تھیں اندر کی دونوں ٹانگیں پکڑ لیں اور پھر اسے اٹھا لٹکا لیا۔ اے۔ اے کیا کر رہا ہے۔ ہائے کیا کر رہا ہے؟“ وہ پھر چیخا اور پھر اسے بہت جلد پتہ چل گیا کہ میں کیا کر رہا ہوں۔ اس کی ہڈیاں ٹوٹنے لگیں کھال پھٹنے لگی اور وہ کسی فرج ہرنے والے میل کی مانند پھٹنے لگا۔ میں نے اس کی دونوں ٹانگیں چیر دی تھیں اور پھر میری بے پناہ قوت نے اسے کمر تک چر کر رکھ دیا اس کی آخری ہڈی مجھے حد بھیا کھنی تھی اور پھر اس کا بدن کافی دیر تک اچھلتا رہا تھا۔ پھر وہ مرد ہو گیا۔ تب میں نے منوٹا کو دیکھا۔ وہ اب بھی خاموش کھڑی تھی اور اس روپ میں حد بھیں نظر آ رہی تھی۔ میں نے اس کی طرف رخ کر کے خنوک دیا۔

”شاکرو۔ شاکرو کر شوکا؟“ وہ رنے والے انداز میں بولی۔
 ”تو مجھے یہاں کیوں لائی تھی منوٹا؟“ میں نے پوچھا۔
 ”میں تم سے پریم کرتی ہوں کر شو۔ تم رنے والے شکتی مان ہو مجھے خیال تھا کہ کبھی نہ کبھی تھیں میرے بالے میں سب کچھ معلوم ہو جائے گا میں نے سوچا کہ تھیں اندر سے کہہ کر تھیں سدا کے لیے اپنا داس بنالوں تاکہ تم مجھے رو رہے جاؤ۔“
 ”حالانکہ۔ اگر تو اسی طرح میرے ساتھ رہتی منوٹا میں کبھی تیرے بالے میں نہ سوجتا۔“
 ”ہم سے بھول ہو گئی ہمارا ج؟“ منوٹا بولی۔
 ”اب بول تیرے ساتھ کیا سلوک کروں؟“
 ”بس میں شاکرو دو ہمارا ج؟“
 ”تھیں اندر کو خوش کرنے کے لیے تو نے ان معصوم لڑکیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ کم بخت ذلیل چوڑیل۔ کاش میں تیرے اس منحوس بدن کے پیچھے طے آ سکتا۔“ میں نے غرتے ہوئے کہا اور پھر میں دانت میں کراس کی طرف جھپٹا۔ میں نے اس کی گردن پکڑ لی اور منوٹا نے ایک جھجھکی پھر میں نے ایک پھر پکڑ لی اور مجھے محسوس ہوا جیسے اس کی گردن اچانک سخت ہو گئی ہو میں اسے با مارا لیکن اب منوٹا کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا یہاں تک کہ اس کی گردن درمیان سے ٹوٹ گئی اور پھر وہ بے جان مجسمے کی مانند ایک طن گر پڑی۔ تب میں نے صورت حال کا اندازہ لگایا منوٹا نے شاید مجھے روکنا تھا اس نے اپنی آتما جسے سے نکال لی تھی اور مجھے اپنی پشت پر آہٹ محسوس ہوئی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا منوٹا اس طرف کھڑی ہوئی تھی لیکن اپنی اصلی شکل میں۔ سیاہ کوٹے کے مجسمے کے روپ میں۔ باورزبرہنہ۔ لیکن اس کی آنکھوں میں سوگوار تھی۔ چہرے کے تاثرات میں مجھے تاثر تھا اور پھر اس نے بڑے دوسرا انداز میں مجھے واڑی۔
 ”دکڑو! شاکرو! شاکرو! شاکرو!“
 میں غصیلے انداز میں اسے گھونٹنے لگا۔ ”ہم سے بھول ہوئی ہے کر شوکا۔ سچ ہے ہم سے بڑی بھول ہوئی ہے۔ پرنت ہم تمھارے پریم میں ایسے برائی ہو گئے تھے کہ بس ہالے میں میں ایک ہی آشا تھی کہ یہ کرم جیون پھر ہم سے دور نہ ہو۔“
 ”اور اس کے لیے تو نے چار معصوم لڑکیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تو بے حد سنگدل ہے منوٹا۔ اگر یہ عیسٰی مجھے والے ایسے ہی ٹکندے اور سنگدل ہوتے ہیں تو میں نے اس کے حصول پر نعت ملجی۔“
 ”ہم کچھ نہیں ہم سے بھول ہوئی ہے۔ ہم تو تمھارا پریم لیا تھا جس روپ میں بھی تھا۔ تم ہمیں پیار کرتے تھے۔ پرنت اب ہم سوچ رہے ہیں کہ اب ہم تمھارا پریم نہیں مل سکے گا۔“
 ”دو! بکے روپ میں تو میں اتنی پسند تھی منوٹا اگر کہیں پتہ بھی مل جاتا کہ تو منوٹا ہے تب بھی مجھے نہ دھوڑتے۔ ہم تجھے اس روپ میں اتنا ہی چاہتے گے تھے۔“ میں نے کہا اور میری یہ چوڑ واقعی منوٹا کے لیے زبردست رہی۔ وہ سین کوئی کرنے لگی رنے لگی پچھنے لگی کر رہنے لگی۔ اسے اپنی اس حماقت پر شدید

افسوس تھا۔
 ”میں تمھارے لیے سینکڑوں روپ دھاروں گی کر شو۔ بھگوان کے لیے مجھے سوئے کار کرو۔“
 ”ایک بات بتا منوٹا۔“
 ”جی ہمارا ج!“
 ”تو مجھ سے کراب بھی تیرے ل میں مرو کی جاہت ہے۔ یہ کسی آتما ہے کہ مرنے کے بعد بھی دنیا کی لذتوں کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہے؟“
 ”ہائے یہاں اگر جیون میں مش کی ساری منوٹا میں پوری ہو جائیں تو اس کی آتما شانت ہو جاتی ہے اور اگر وہ کسی ایسی موت مر جائے جسے تم نے مجھے مار ڈالا تھا تو منوٹا تو مجھ کا بھتیجی رہتی ہے۔ اس میں دی شکتی باقی رہتی ہے جو جیون میں اسے حاصل تھی۔ میں تمھارے پریم کی پیاسی تھی اور میری پیاس بجھی بھی نہیں تھی کرم نے مجھے مار ڈالا۔ بس میری آتما کی وہی طلب باقی ہے۔“
 ”کب تک باقی ہے گی؟“
 ”جہنم تک۔ اس سے تک جب تک میں کوئی دوسرا جہنم نہ لوں۔“
 ”اوہ! دوسرا جہنم کب لوں گی؟“
 ”افسوس! یہی تو میرے بس میں نہیں ہے۔ اگر میں اپنی مرضی سے دوسرا جہنم سے توبہ کرتی۔ میں دوسرا جہنم کبھی تمھارے پاس ایک نئی شکل میں آجاتی لیکن ایسا ممکن نہیں ہے۔“
 ”ٹھیک ہے۔ اب تم جہنم میں جاؤ۔ میں یہاں سے چلتا ہوں۔“
 ”ناٹھ۔ پران ناٹھ! ایسا نہ کرو۔ بھگوان کے لیے ایسا نہ کرو۔ بس ایک بار شاکرو۔ کر شو۔ میں ایک بار شاکرو۔ وہ میرے پیچھے چھتی ہوئی چل پڑی لیکن میں نے اس کی آواز کی طرف سے کان بند کر لیے تھے۔ تھیں اندر زندہ انسان تھا، میرے غضب نے اسے پالیا اور ہلاک کر دیا لیکن یہ کم بخت عورت میرے بس میں نہیں تھی۔ میں اسے کیسے ختم کر سکتا تھا۔ میں کوشش کر چکا تھا اور میں نے اس کا نتیجہ بھی دیکھ لیا تھا۔ یعنی اس نے دنیا کا بدن چھوڑ دیا تھا اور ہاں صرف ایک مجسمہ رہ گیا تھا۔ اب کوئی دوسری کوشش کس طرح کارگر ہو جائے گی۔ اس کا مجھے احساس تھا چنانچہ اس کے لیے کوئی کوشش کرنا ہی بے کار تھا۔ ہاں اب آئندہ زندگی میں اس کے فریب سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ کون سی ترکیب کارگر ہو سکتی ہے؟
 میں اس تجھ سے بھی نکل آیا۔ تھیں اندر کے دونوں سپیٹے بھی مجھے یاد تھے لیکن اب کسی کو ہلاک کرنے کی کوشش مجھے بے کار معلوم ہوئی بس تھیں اندر جیسے درندے کو میں نے ناکر لیا اور درجائے آئندہ کیسے کیسے لٹاکا جائے روک دیے۔ ایک درندے کا مرنے والا ہی بہتر ہوتا ہے۔ ویسے اس بات کا مجھے احساس تھا کہ تھیں اندر صرف شی میں مارا گیا ہے۔ اگر وہ اپنے جادو کو استعمال کرتا تو شاید اس کی موت اتنی آسان نہیں ہوتی لیکن اسے اپنی جسامت پر ناز تھا۔ پھر اس نے سوچا کہ اتنا ہی کافی ہوگا کہ اس کے بدن پر کئی ہاتھ نکل آئیں۔ ظاہر ہے اتنے سائے تھیں اس کی ایک آدمی کے مقابلے میں استعمال ہوں گے تو اس کی

زندگی بچنا محال ہے لیکن مقابل کے ہائے میں اس نے کوئی اندازہ نہیں لگایا تھا۔

میں گھٹا سے نکل آیا۔ اپنے پیچھے میں نے قدموں کی چاپ برابر ہی تھی۔ یقیناً منورہا میرے پیچھے آ رہی تھی۔ باہر کرکس لڑک گیا اور پھر میں نے پلٹ کر دیکھا۔ منورہا کھڑی تھی۔ میرے گھٹنے پر وہ بھی لڑک رہی تھی۔

”اب تم میرا پیچھا کیوں کر رہی ہو منورہا؟“
”صرف اس لیے کہ شاید تمہیں مجھ پر دیا آجائے“ اس نے جواب دیا۔
”حالانکہ یہ ناممکن ہے“

”بس ایک باریری بات مان لو ہمارا آج۔ آئندہ۔ آئندہ تمہیں مجھ سے شکایت نہیں ہوگی۔ منورہا آج۔ میں ایک سے ایک سبب ناری کا رپ بھار کر نکلتے سامنے آیا کروں گی۔ میرے شر میں بھی تمہیں ہر بار ایک ایسا اور مسند ناری کی مسند تار اور لوچے کا اور ناخن میں اب بھی ایسی کوئی کوشش نہیں کروں گی جو بخاری مرضی کے خلاف ہو۔ بس ایک بار مجھے شاکر کے اپنے چروں میں آجائے دو“

”تو بے ایمان ہے منورہا۔ تو مجھ کو ڈرتے۔ تو نے مجھ کو مالاک سے مار دیا۔ مجھے اسی وقت سے مجھ سے نفرت ہو گئی اور پھر تو نے مجھے جی ختم کرنے کی کوشش کی۔ میں تیری کوئی بات نہیں مان سکتا۔ تو نے راجن بھائی کے تھوکا روپ اپنا کر مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش کی۔ تو قطعی طور پر ناقابل اعتبار ہے۔ میں تیرے سامنے سے بھی نفرت کرتا ہوں“

”تو تمہیں مانو کہ ہمارا آج؟“ منورہا ہنستے ہوئے کہہ رہی تھی اسے گھوٹنے لگا۔

”کیا کھانا جاتی ہے؟“ میں نے مزے میں پوچھا۔
”ہی کر اگر تم میری ساری انتہائیں ٹھکرا دو گے تو پھر۔ میں بھی تم سے بدلہ لینے پر آمادہ ہوں گی“

”اوہ۔ تو اب تک تو میرے ساتھ دوستی کے سلوک کر رہی تھی؟ میں نے مسکرا کر کہا۔

”ہاں۔ میں ایسا ہی کر رہی تھی۔“
”ستھیا سند سے میری لڑائی بھی اسی بات کا ثبوت تھی؟“
”نہیں۔ یہاں میں بس بے ہوئی تھی۔“
”کیوں؟“

”مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم دونوں کوئی ایسا کام شروع کر دو گے۔ ہمارا نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ تمہیں پتھر بتا کر مجھے سے دیں گے اور پھر جب میں نکلتے اور پل کے چھیننے ماروں گی تو تم زندہ ہر جا یا کر گے۔ بس میں تم سے پریم کروں گی اور پھر تمہیں پتھر بتا دوں گی تاکہ تم نہ تو کسی اور ناری کو دیکھو اور نہ پھر میرے خلاف کوئی کام کر سکو۔“
”لیکن منورہا، اگر ستھیا سند مجھے ہلاک کرنے میں کامیاب ہو جاتا تب تم کیا کر میں؟“

”میں صبر کر لیتی میں تمہیں کسی اور سے پریم کرتے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اس نے جواب دیا۔

”اس سے ظاہر ہو گیا کہ تم ایک خود غرض عورت ہو۔ بہر حال میں تم سے نفرت کرتا ہوں منورہا۔ بے پناہ نفرت۔ اگر میں کوئی علم کھوں گا تو سب سے پہلے میں کوشش کروں گا تمہیں خفا کر دوں۔ اس طرح میں ان مصوم لڑکیوں کا بدلہ لوں گا تمہیں تم نے موت کے گھاٹ اتارا ہے“

”ٹھیک ہے ہمارا آج۔ تب پھر میرا قول بھی سُن لو۔ میں سامنے کی طرح نکلتے ساتھ ہوں گی تمہیں طرح طرح سے پریشان کروں گی میں بھی کوشش کرتی رہوں گی کسی طرح تم میرے بس میں آ جاؤ اور جب تم میرے بس میں آ جاؤ گے تو پھر میرے ہی بخاری کوئی عزت نہیں ہوگی۔ اس کے بعد میں تمہیں حقیقہ لگا ہوں سے دیکھوں گی۔“

”مجھے منظور ہے۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔
”تب پھر نہ کہ میں آ جاؤ ہمارا آج۔ مجھے سوچنا کہ کتنے تو سنسار میں نہ جانے کیا کچھ پالیتے مراب ٹھوکوں کے سوا تمہیں کچھ نہ ملے گا۔“ اس نے کہا اور اچانک وہ میری نگاہوں سے غائب ہو گئی۔ اس کے چلنے جانے کے بعد میں نے ایک طویل سانس لی اور پھر میرے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی۔
”بات کچھ یوں ہے پروفیسر کہ میں بھی زندگی کا اتنا شائق نہیں ہوں کہ اس کی لٹاکے لیے پریشان رہوں۔ میری کیفیت کچھ اس قسم کی ہے مجھے لو کہ زندگی کے سامنے رموز سے تو آشنا ہو چکا تھا۔ اتنی طویل زندگی پانی قلی کا لباس کی قدر میرے دل میں باقی نہیں رہی تھی۔ ہاں جب یہ احساس پیدا ہوتا تھا کہ میں دوسرے انسانوں کی طرح مرجانے کے لیے نہیں ہوں تو کبھی بھی مائل سے ہلکی سی آکٹا ہٹ کا احساس ہوتا تھا اور میں سوچتا تھا کہ اگر زندگی کی ساری دلچسپیاں ختم ہو گئیں تو کیا کروں گا؟ تم میری ذہنی کیفیت مجھے بے پروا نہیں ہے۔“
”کسی حد تک۔“ پروفیسر خاور نے طویل سانس لے کر کہا۔
”تمہارا کیا خیال ہے اس ہائے میں؟“ اس نے پوچھا۔
”یعنی؟“

”کیا ایک طویل عمر انسان جس نے انسانی سوچ کے ہر پہلو سے لطف حاصل کر لیا ہو جس نے جو کچھ سوچا ہو پالیا ہو اور اب اس کے دل میں پائے کی آرزو ہی ختم ہو گئی ہو اس کے لیے زندگی کی کیا حقیقت رہ جاتی ہے؟“
”تم نے ایک بات کہی ہے کہ پائے کی آرزو ہی ختم ہو جائے وہ حقیقت پائے کی آرزو ختم نہیں ہوتی اور شاید یہی مطلب انسان کو زندہ رکھتی ہے۔“ پروفیسر خاور نے جواب دیا اور وہ کسی سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر ایک طویل سانس لے کر بولا۔

”ہاں تم نے یہ بات ٹھیک کہی پروفیسر۔ پائے کی آرزو ہی ایک ایسی چیز ہے جو میری طرح لافانی ہے یہاں تک کہ ہم موت کی بھی خواہش کرتے ہیں اس کا انکار کرتے ہیں۔“
”یقیناً“

”تمہارا خیال درست ہے۔ میں تم سے متفق ہوں۔ بہر حال میری کیفیت یہی کہ میں نے خود کو ایک پشیمان سمجھ لیا تھا جو کسی شاہراہ کے کنارے اٹھی ہو کر نے جانے والے کو کھینچ رہی ہو۔ اس نے بہت کچھ دیکھ لیا ہو بہت کچھ دیکھنے کے لیے تیار ہو لیکن اگر وہ کسی حادثے کے تحت ریزہ ریزہ ہو جائے تو اسے کوئی غم بھی نہ ہو بلکہ اسے اپنے وزن سے نجات بھی مل جائے۔“

”تو کیا تمہارے دل میں بھی موت کی خواہش پیدا ہوئی؟“ فرزانہ نے پوچھا۔
”موت۔ موت کی خواہش نہ کہو میں کسی زندگی سے اتنا تنہا نہیں اکتا یا کہ موت کا آرزو مند ہوجاؤں۔“ اس نے جواب دیا۔

”کیسی قابل رشک زندگی ہے تمہاری؟“ فرزانہ بولی۔
”اور میرے خیال میں۔“ معاف سمجھو گا کہ دو دنوں۔ آپ نے ایک بے مقصد گفتگو شروع کر دی ہے۔“ فرزانہ پہلی بار بولی اور سب چونک کر اسے دیکھنے لگے۔

”اے۔“ کیوں فرزانہ؟“ پروفیسر خاور نے تعجب سے کہا۔
”آپ نے اتنی خوبصورت داستان کو درمیان سے روک لیا ہے۔“

فرزانہ نے کہا اور پروفیسر نے لگا۔ پھر اس نے کہا۔
”ہاں بھی میرا خیال ہے کہ فرزانہ ٹھیک کہتی ہے۔ پھر اس کے بعد کیا ہوا؟“ اور وہ بھی مسکرایا۔ اس کی آنکھیں پھر اس میں گھومیں۔ اس کے ذہن میں اس کی کتاب کھل گئی اور وہ اس کے اوراق پر داستانِ مائت تلاش کرنے لگا۔ پھر اس کی آواز ابھری۔

”زندگی سے کسی قدر عدم دلچسپی کی بات میں نے یوں شروع کی تھی کہ خوف کی بنیاد زندگی کے ختم ہوجانے کا خدشہ ہوتا ہے۔ ہم جب کسی بے خوف ہو جاتے ہیں تو اس کا محرک کوئی ایسا احساس ہوتا ہے جس سے نقصان کا اندیشہ ہر کبھی خود کے لیے بھی ایسے کے لیے تو ہمیں خود کی طرح عزیز ہو جاتا ہے۔ تو جہاں تک خود کی طرح عزیز انسانوں کی بات ہے تو اور ایسے بھی آئے جب کچھ لوگ مل و جاں سے قریب ہو گئے اور ان کے لیے ذہن میں بے چینی پیدا ہو گئی لیکن ایک احساس ہمیشہ رہا۔ وہ یہ کہ اگر وہاں گذر جائے گا گذرنا ہے گا اور حرکت بھی یہی قائم ہے گی۔ میں تو مر رہا ہوں پروفیسر جس پر سے بے شمار کاواں گزرتے ہیں۔ کچھ مجھے پسند آئے، کچھ نا پسند تو قریب آ گئے لیکن رقتا نہیں غم کسی اور رقتا کہ ہر کد کرنا میرے بس میں نہیں ہے۔ دل و جاں سے عزیز کسی سے کو میں مرنے سے، فنا ہونے سے نہیں روک سکتا۔ یہ قدرت میرے اندر نہیں ہے۔ میں تو صرف دیدہ و بہرہوں۔ دیکھ سکتا ہوں، سُن سکتا ہوں، تخلیق نہیں کر سکتا، جاؤں نہیں کر سکتا۔ تو میں کہہ لیتا تھا کہ زندگی کی اہمیت نہ ہونے کی وجہ سے مجھے وقت اور ماحول سے بھی کوئی لگاؤ نہیں تھا۔ وہ چیل گئی۔ مجھے ہلکیاں سے گئی تھی چند منٹ میں میں نے سب کچھ بھلا دیا۔ اگر وہ سامنے کی طرح میرے ساتھ ہے تو مجھے کیا۔ کیا بگاڑے گی میرا۔ ہاں ایک احساس ضرور تھا۔ وہ یہ کہ میری وجہ سے کچھ اور زندگیاں اس چیل کے ہاتھوں ضائع نہ ہوں۔

میں چند ساعت ان پہاڑوں میں رکا اور پھر ایک طویل سانس لے کر وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ اب میں کچھ میرے پیچھے کرنا چاہتا تھا اور اس آرام کے لیے میں نے وہ جگہ منتخب کی جہاں کرنا می سے ملاقات ہوئی تھی۔ وہ سا جھو گیا تھا۔ بلاشبہ اس کے پاس پتھر علم تھا۔ جادو کے فن نے مجھے متاثر فرور کیا تھا اور میں اس کا حصول چاہتا تھا میں بھی چاہتا تھا کہ میں باوقار نظر آ رہی ہوں جاؤں لیکن جادو گر کی جو حیثیت میرے سامنے آئی تھی وہ بڑی گھناؤنی تھی۔ اب تک میں جادو گر دیکھنے لگے ان میں سے کوئی ایسا نہیں تھا جسے باوقار سمجھا جائے۔ ہاں کرنا می نے اس کی دو شکلیں بتائی تھیں۔ ایک تو گیان کی شکتی، دوسری گندی شکتی۔ مجھے گندی شکتی نہیں درک تھی میں تو اس علم کا ایک علم کی حیثیت سے دیکھنا چاہتا تھا جسے میں گندے ہونے اور اس میں کرنا یا تھا۔ کسی علم کے لیے میں خود کو گرا نہیں سکتا تھا کیونکہ میں اس علم کے ذریعے کسی چیز کے حصول کا محتاج نہیں تھا۔

لیکن کیا کرنا می نے یہ زمین چھوڑ دی؟ میں نے سوچا۔ اس نے مجھے شپش کی تھی کہ میں اس کے ساتھ چلوں۔ کیا اس نے میرا انتظار کیا ہو گا؟ میں نے رقتا تیز کر دی اور پھر میں اس جگہ پہنچ گیا جہاں پچھلی رات پتھروں کی آگ دھکی تھی لیکن۔ اب وہاں سا دھوکا کرنا می کا کوئی نشان نہیں تھا۔

میں نے گہری سانس لی اور ان پتھروں کے پاس بیٹھ گیا جو رات کو روشن تھے۔ خوب ہوتے ہیں یہ علوم بھی۔ بہر حال یہ زمین میرے لیے سب سے

زیادہ پراسرار ثابت ہوئی تھی۔ میں نے مشرق کا پورا علاقہ قریب پراسرار ہوجاؤں چاہتا آئے کچھ دیکھ سکتا تھا لیکن ابھی یہاں سے میرا دل نہیں بھرا تھا۔ ابھی اس علم کے حصول کی کوشش میں سرگرداں رہنا چاہتا تھا۔ اتنا اندازہ میں نے لگا لیا تھا کہ ان علوم کے اہر عام طور سے دیوانوں میں ملتے تھے۔ وہ جنھوں نے اپنی گندی طاقتوں سے انسانوں کو آواز پہنچانے کے لیے دیوانے اپنا لئے تھے اور وہ بھی جو علم طاقات سے سرشار ہو کر دنیا چھوڑ چکے تھے، بہر حال مندر اور جنگل ہی ان کا مسکن ہوتے تھے۔ چنانچہ مجھے اتنی جگہوں کی خاک چھانی چاہیے اور بول بھی اب آبادیوں سے میری دلچسپی باقی نہیں رہی تھی۔ کم بخت منورہا میری جان کو آگئی تھی۔ اب میں عورت کا قرب نہیں حاصل کر سکتا تھا۔ میں کسی کی زندگی سے نہیں کھیل سکتا تھا اور پھر کیا ضروری تھا منورہا دوسرے روپ بدل کر مجھے دھوکا نہ دیتی۔ میں اب دھوکا کھانے کے لیے تیار نہیں تھا۔

میں اسی جگہ لیٹ گیا اور پھر یوں ہی میں نے پتھروں کو کیریدنا شروع کر دیا۔ یہ پتھر نہ جانے کیسے روشن ہو گئے تھے۔ نہ جانے اس طرح ان میں آگ سلگ اٹھی تھی۔ رفتائیں اچھل پڑا۔ میں نے ایک پتھر اٹھا یا تو مجھے ایک آواز سنائی دی۔ ”بالک“ اور یہ آواز کرنا می کے سوا کسی کی نہیں تھی۔ میں خوشی سے اچھل پڑا۔

”تم کہاں ہو کرنا می بابا؟“
”میں جا رہا ہوں بالک۔ ممکن ہے جب تو یہاں پہنچے تو میں یہاں

سے بہت دور جا چکا ہوں۔ مجھے وشواش ہے کہ پانی راکھس متھیا اندر تیرے ہاتھوں سے ضرور مارا جائے گا۔ یہ بھگوان کی پہلا ہے۔ وہ پاپ کی ہانڈی کھینے دیتا ہے اور جب وہ پوری طرح پک جاتی ہے تو پھر اسے پھوٹنے کے لیے بھی کچھ نیچے ضرور کیا جاتا ہے۔ متھیا تندے کن پونے ہو چکے ہیں۔ اسے کسی نہ کسی کے ہاتھوں میں رہا ہے اور تیرے ہاتھ کے نشان بتاتے ہیں کہ تو ہی اس کے جیون کی ڈور کاٹے گا تیرے من میں گیان حاصل کرنے کی اچھا ہے۔ میں صرف یہی کہہ سکتا ہوں کہ بھگوان تیری یہ اچھا پوری کرے۔ کہیں نہ میں کوئی نہ کوئی نہ مان گیان کی بجائے ہی جانے گا جو تیری یہ منو کا منا پوری کرنے کا یکن بیٹا ایک بات میں تجھ سے ضرور کہوں گا، شک ہے کہ مل جائے تو جھک جانا۔ جھکنے میں بڑا ہی مزہ ہے۔ میں جانتا ہوں بالک کہ کتنی سوزنا تیرے پیچھے بڑی ہوئی ہے۔ وہ آئینہ بھی تیری جان کو آئے گی اور مجھے بھی معلوم ہے کہ بڑی آتماں روپ بدل سکتی ہیں اس لیے میرے پتے میری طرف سے ایک تھوڑا سونکا رکھ رہے۔ سُن۔ سُن۔ سُن۔ اگر کوئی ناری تیرے پاس آئے اور تجھے شبہ ہو کہ وہ منو کا بھی ہو سکتی ہے تو ایک کام کرنا۔ اس کی انگلیوں کے ناخن دیکھ لینا۔ اگر وہ منو کا ہو تو اس کے ہاتھ کتنے ہی سونکریوں نہ ہوں ان کی انگلیوں میں ناخن نہیں ہوں گے۔ میں نے تیرے لیے اس کے ناخن چھین لیے ہیں۔ خود سے بھی اس بات کا پتہ نہیں ہو گا اور دوسری بات اور سُن۔ تو جب تک بڑا گیان نہ حاصل کرے گا اس کی آتما کو حینیت نہیں کر سکتا۔ ہاں اسے تلکیت دینے کے لیے ایک کام کر سکتا ہے۔ ایسا کام جس سے وہ اپنے سائے ارانے ترک کرنے لگی۔ اب کی بار اگر وہ تجھ سے مل جائے تو کسی طرح چالاکی سے اس کے سر کے کچھ بال کاٹ لینا اور اخص احتیاط سے رکھنا، تو اسے کسی کام سے روکنا چاہے تو اس کے بالوں کو آگ دکھا دینا۔ ہوش ٹھیک ہو جائیں گے سسری کے۔ تو میرے پتے، میری طرف سے آشیرواد سونیکا رکھو اور متھیا اندر تیرے ہاتھوں سے سنسار کو بجات دلانے پر دھن وادھی سونیکا رکھو۔ میں اپنی یہ آواز پھر کے نیچے جا کر جا رہا ہوں۔ میں تجھے ذل سکوں گا، تجھے تلاش کرنے کی کوشش مت کرنا۔ میری دُعا میں تیرے ساتھ رہیں گی۔

کرنا می کی آواز بند ہو گئی۔ میں نے دوسرے پتھر مٹائے لیکن اب کوئی آواز نہیں تھی۔ کسی حیرت انگیز بات تھی۔ وہ اپنا پیغام پھر کے نیچے لایا تھا لیکن پروفیسر اس نے جو کچھ بھی لکھا تھا وہ پھر ہو رہا تھا۔ میرے سائے بدن میں سرت کی لمبیں دوڑ رہی تھیں۔ اب تو تیری ایسی ہی منو۔ دیکھ لو کہ تجھے اچھی طرح مل تو جلتا اب کہیں۔ میں نے سرت سے سوچا اور پروفیسر کچھ ایسی خوشی بھری ہوئی ہو جان سے باہر ہے۔ بعض اوقات بڑے سے بڑا انسان کتنی مولی مولی باتوں پر خوشی سے پھولا نہیں سمانا۔ میں اسی وقت ہاں سے اٹھ گیا اور پھر میں نے اپنے گھوڑے کی تلاش میں لگا ہوں دوڑائیں گھوڑے کے لیے قرب و جوار میں ہی بہت کچھ تھا اس لیے وہ زیادہ دور نہیں گیا ہو گا۔ میں نے چاروں طرف لگا ہوں دوڑائیں اور بہت دور پر کچھ اپنا گھوڑا لکھا۔

وہ اطمینان سے پیٹ بھر بھر بیٹھا ہوا تھا۔

میں اس کی طرف بڑھ گیا اور تھوڑی دیر کے بعد میں اپنے گھوڑے پر بیٹھا جا رہا تھا۔ کوئی منزل نہیں تھی کسی راستے کا تعین نہیں تھا۔ میں نے سفر ہو رہا تھا۔ نامعلوم منزل کی طرف۔ اب میرے ذہن میں کوئی خاص خیال بھی نہیں تھا۔ میں نے حصول علم کا خیال بھی ذہن سے نکال دیا تھا۔ ضروری نہیں تھا کہ میں ایک چیز کے پیچھے ہی ہاتھ دھو کر پڑ جاؤں۔ ہاں اگر آسانی سے میری یہ خواہش پوری ہو گئی تو ٹھیک ہے۔ جا دو کو اس شکل میں حاصل کرنے کا تصور بھی اب میرے ذہن میں نہیں تھا۔ جس طرح میں نے ان جادو گروں کے پاس دیکھا تھا۔ کرنا می کی بعض باتیں مجھے بہت پسند آتی تھیں۔ اس نے کہا تھا کہ گندے علوم گندگی سے ہی جنم لیتے ہیں۔ اچھی چیزوں کا حصول بھی ملن تھوڑے طریقے سے ہوتا ہے۔ جو لوگ خون پینیں اور گوشت کھائیں وہ جیسے ہو سکتے ہیں اس کے بالے میں اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا۔

سفر۔ دن رات سفر راستے میں چند چھوٹی چھوٹی بستیوں میں نظر آئیں لیکن میں نے ان کا رخ نہیں کیا اور سفر جاری رکھا۔ اب میں ایک پتھرے راستے سے گزر رہا تھا۔ سرخ پتھروں کا طویل و عریض میدان جہاں گھاس وغیرہ بھی نہیں تھی، پہلی بار میں نے اتنا بڑا، بڑا کھڑا اس علاقے میں دیکھا تھا ورنہ عام طور سے یہاں سبزہ کافی تھا۔ اس طویل میدان کو عبور کر کے میں ایک پہاڑی سلسلے کے نزدیک پہنچ گیا۔ پہاڑی ڈھلان تھیں لیکن نہایت پھیلے ہوئے۔ بلند بھی بہت زیادہ نہیں تھی میں نے گھوڑے کو اس پر ڈال دیا اور گھوڑا بے تکان اوپر پہنچ گیا۔

لیکن دوسری طرف میں نے ایک اور منظر دیکھا تھا جوئی سے دوسری سمت کے ڈھلان نظر آتے تھے لیکن ان کے افتتاح کے بعد ایک اوپر طویل میدان تھا اور اس میدان کے دوسرے سرے پر پہاڑوں کی بلند پوٹیاں ایک قلعہ نظر آ رہا تھا۔ اونچی اونچی سیاہ دیواروں والا قلعہ۔

ایسے قلعے میں نے اکثر دیکھے تھے۔ گویا میں کسی بڑی آبادی کے قریب تھا۔ شاید کسی بڑی راجدھانی میں۔ بہر حال اسے نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ دیکھنا چاہیے یہ کیسے انسانوں کی بنی ہے اور یہاں کے کیا کیا اسرار ہیں۔ میں نے گھوڑا میدان میں چھوڑ دیا اور تھوڑی دیر پہنچنے کے بعد مجھے میدان کے آخری سرے پر سفید سفید قلعہ نظر آئے۔ گویا قلعے کے باہر بھی آبادی تھی۔ جنہوں نے رومان گھوڑے بھی نظر آ رہے تھے اور جتنے پتھرے لوگ بھی میں نے گھوڑے کی رفتار تیز کر دی اور جلد از جلد خیر کے نزدیک پہنچنے کی کوشش کرنے لگا۔

شام جھلک آئی تھی اور اندھیرا تیزی سے چھپتا جا رہا تھا۔ میں نے کچھ بہت سے لوگ مجھے دیکھنے کے لیے ایک قطار میں کھڑے ہو گئے تھے۔ ان کے ہونٹوں پر سکراہٹ تھی لیکن وہاں تعجب کی چیز نہیں تھی۔ بہر حال اس میں پریشانی کی تو کوئی بات ہی نہیں تھی۔ میں ان کے بالکل نزدیک پہنچ گیا۔ تب دو آدمی آگے بڑھے اور انھوں نے میرے گھوڑے کی بائیں پوٹلیں۔

”اس طرف آج میں ہمارا جاب اس سائے جگہ نہیں ہے۔“ ان میں

کھانکے نے کہا اور میں گھوڑے سے اتر گیا۔ دوسرے لوگ اسی تعجب کی آمیز نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

”بالک تو مندر ہے بھائیو، کسی نے کہا۔“

”جو ان کی نظر ہے۔ دوسرے کی آواز ابھی۔“

”لو اس کے کپڑے کہاں گئے؟ کسی اور نے کہا۔“

”سادھو معلوم ہوتا ہے۔“

”تو یہاں کیا گیان لینے آیا ہے یا۔ پھر باز آکر ہے۔“

”اسے بتاؤ بھائی۔ یہاں تو بس بدنی کی بات ہو رہی ہے۔ یہاں بھگوان

میں ملنا اور اٹھاٹے کی پسند ہے۔“ لوگ طرح طرح کی باتیں کر رہے تھے اور

ان کی باتوں سے حالات کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن ابھی تک

کوئی بات نہیں کہیں آ رہی تھی۔ نہ جانے کیا پتھر تھا؟ نہ جانے یہ لوگ کیا بکواس

کرتے تھے؟

”آئیے ہمارا ج!“ ان لوگوں نے پھر کہا جنھوں نے میرے گھوڑے کو پکڑا تھا۔

”کہاں مل رہے ہو؟“ میں نے پوچھا۔

”آپ کو آپ کا تمبر دکھا دیا جائے۔“ ان میں سے ایک بولا۔

”تم کون ہو؟“

”داس میں ہمارا ج!“ دونوں نے بیک وقت کہا۔

”اور یہ سب کون ہیں؟“ میں نے دوسرے لوگوں کی طرف اشارہ کیا۔

”راجا کہیں سب کے سب سونہر میں آئے ہیں۔“ ملازم نے جواب دیا

اور میں گردن ہلاتے لگا۔ بہر حال پھر میں ان کے ساتھ چل پڑا۔ جنہوں کی اچھی

کامیابی آبادی تھی۔ مجھے کان دور جا کر خمیر ملا۔ لوگوں نے اس کے دروازے کا

دھڑکول دیا تھا۔

”آپ کے ساتھ کوئی لوگ نہیں ہے ہمارا ج؟“ ان میں سے ایک نے پوچھا۔

”نہیں!“ میں نے جواب دیا۔

”پھر آپ کی سیوا کون کرے گا؟“

”میں ٹھیک ہوں۔ تم لوگ جیتنا مت کرو۔“

”بھوجن تو راج محل سے آئے گا ورنہ دوسرے کاموں کے لیے تو آپ

کو لوگ کی ضرورت پڑے گی ہی؟“

”نہیں۔ مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے۔“

”دیکھ نہیں ہے۔“ راجا کے دوستوں کی طرح کے ہیں۔ ایسے لوگ اپنی سیوا

کو کرتے ہیں۔ دوسرے نے کہا۔

”تب ٹھیک ہے۔ ہم جاتیں ہمارا ج۔ جس چیز کی ضرورت ہو رہی

ہے۔ ہم کھانا کے خیمے میں رہتے ہیں۔“

”ٹھیک ہے۔ جاؤ۔“ میں نے جواب دیا۔ ان لوگوں سے کچھ معلوم کرنا

میں نے مناسب نہیں سمجھا میں خود اپنے طور پر حالات کا جائزہ لینا چاہتا

تھا۔ کوئی دلچسپ صورت حال ہی معلوم ہوئی تھی۔ بہر حال مجھے تو صرف پچھپیاں

کی روک تھام تھیں۔ یہاں بھی جو کچھ ہو گا سائے کھائے گا چنانچہ پچھپے میں نے اپنے

خیمے کا جائزہ لیا۔ وہ لوگ میرا گھوڑا لے گئے تھے۔ بہر حال کوئی غلط صورت حال

نہیں تھی میرے بالے میں یہ لوگ اگر کسی غلط فہمی کا شکار ہو گئے تھے تو کوئی

فرق نہیں پڑتا تھا۔ ٹھیک ہو جائیں گے۔

میں نے اپنے گھوڑے سے خیمے کا جائزہ لیا۔ زیادہ پھوٹا بھی نہیں تھا۔

ضرورت کی ساری چیزیں ہتیا کرنے کی کوشش کی تھی۔ سونے کے لیے لازم

کھاٹا تھی اور ضرورت کا دوسرا سامان جس میں پانی وغیرہ بھی شامل تھا۔ کیا

سائے خیموں میں یہ انتظامات کیے گئے تھے؟ لیکن مسئلہ کیا تھا؟ سو سو رہا۔ یہ

کیا ہوتا ہے؟ میں سوچ رہا تھا۔

”خیمے کا اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد میں باہر نکل آیا۔ اندھیرا چھپتا

جا رہا تھا۔ ہر خیمے سے کچھ فاصلے پر زمین میں ایک باس لگا ہوا تھا جس پر

مشعل لگی ہوئی تھی۔ ملازم دور سے مشعلیں روشن کرتے آ رہے تھے اور یہ

ماحول کافی خوبصورت محسوس ہونے لگا تھا۔ میں نے دلچسپی سے ان سارے

منظر کو دیکھا اور پھر میری نگاہ اپنے خیمے سے گھوڑے فاصلے پر لگے ایک خیمے کی

طرف اٹھ گئی۔ وہاں کوئی کھڑا تھا۔ میں نے اس کا جائزہ لیا۔ ایک خوبصورت

نوجوان تھا۔ درسیاں حیا مت کا۔ سنجہ سا۔ میں اسے دیکھتا رہا۔ نوجوان

مجھے شریف صورت نظر آیا تھا اس لیے میں اس کی طرف بڑھا۔ اس نے مجھے

دیکھ کر دونوں ہاتھ جوڑ لیے تھے۔

”جے رام جی کی ہمارا ج!“ اس نے کہا اور میں نے بھی جواب میں ہاتھ

جوڑ دیے۔ ”آپ تو ابھی آئے ہیں؟“ اس نے خوش اخلاقی سے سکرانے پھیلے پوچھا۔

”ہاں!“ میں نے جواب دیا۔

”بڑی دیر کی آپ نے کل سے تو کل شروع ہو جائے گی آج رات

تک جڑی اچانے گا وہ سو سو رہیں حصہ لے سکتا ہے۔ کل آئے والے کو سوئیگا

نہیں کیا جائے گا۔“

”اوہ!“ میں نے گردن ہلا دی۔ ذری طور پر ان حالات سے واقفیت

کا اظہار مناسب نہیں تھا۔ پہلے نوجوان کو پرکھنے کی کوشش کی جائے اس

کے بعد اسے اپنا راز دینا چاہیے۔

”بہر حال آپ سے پراگنے کہیں دوسرے آئے ہوں گے اسی لیے

دیر ہو گئی۔“

”ہاں میں بہت دور سے آیا ہوں۔“

”کون سی راجدھانی ہے آپ کی؟“ اس نے پوچھا۔

”میں نے اٹا اس سے سوال کر لیا۔“

”میں نے سنا کہ اسے سنسار پراپی حکومت ہے۔“ میں نے سکرانے

ہوئے کہا۔

”کیا مطلب ہے؟“ اس نے حیرت سے پوچھا۔

”مختاری راجدھانی کوئی ہے؟“ میں نے اٹا اس سے سوال کر لیا۔

”تھنکا امین تھنکا کا راجا کہیں۔“

”خوب!“ کیا نام ہے مختاری؟“

”روپ کمار اور آپ کا کیا نام ہے راجا کہیں؟“ اس نے پوچھا۔

108

دیر کے بعد ہم اس تالاب پر چھپے تھے میں درختوں کے جھنڈ میں پہنچ گئے۔
 یہاں سے ہم تالاب کے گرد و اڑان سے دیکھ کر بخوبی دیکھ سکتے تھے۔
 تالاب کے کنارے سے لیکن قطعاً باخبر نہ تھے اور نہ انی شخصوں کی
 کھنک و دور تک گونج رہی تھی۔ ”وہ کپکار“ ہمیں نے وہاں لار کے کان میں
 مڑ کر سنی کی۔

چھپے۔ دیکھنے کی کوشش کرتے۔

”مم۔ مہاراج۔ مہاراج۔“ وہ عجیبے انداز میں بولا۔

”چینیں۔ روپ کمار۔“ میں نے پوچھا۔

اُپر سے۔ ایسے میں سے ایک نگاہ ان دوسرے راجکاروں کو دیکھا تھا۔ ان میں بہت سے بٹے جھلے جوان تھے لیکن اگر صورت دیکھی جاتی تو روپ کمار درحقیقت روپ میں سب سے اچھا تھا۔ اس کے چہرے پر ایسی نرمی اور ملائمت تھی کہ دل بے اختیار اس کی طرف کھینچتا تھا۔ بہر حال میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں ہر قیمت پر اس کی مدد کروں گا۔

اور پروفیسر میرے فیصلے اٹل ہوتے ہیں اس بات کا اندازہ تھیں بھی بخوبی ہے۔ رات کو میں حالات پر غور کرتا رہا لیکن کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آئی تھی تب میں نے اغنیان سے آنکھیں بند کر لیں اور پھر ہر دماغ غنودہ ہو گیا۔ جب میں کسی بات کا فیصلہ نہیں کر پاتا تھا تو پھر ذہن کو آزاد چھوڑ دیتا تھا اور پھر حالات مجھے جہاں سے بھی آواز دیتے ہیں عام حالات کو تو قیاد میں کرنے کی ہمت رکھتا تھا اور بہر حال اپنے اس دوست کی مدد کا میں نے فیصلہ کر لیا تھا۔

صبح ہو گئی اور صبح ہونے کی اطلاع بھی مجھے روپ کمار نے دی تھی۔ شاید وہ ساری رات نہیں سو یا تھا اور روشنی کی پہل کر ن پھوٹتے ہی وہ میرے خیمے میں آ گیا تھا میں نے اس کی شکل دیکھی۔ آنکھیں مڑھ کر بال بکھرے ہوئے۔ عجیب حالت تھی اس کی۔

”اے۔ روپ اکیا بات ہے؟“ میں نے پرتپاک انداز میں اس کا استقبال کیا۔

”صبح ہو گئی مر وپ جی“ اس نے آہستہ سے کہا۔

”تو بونے دو۔ تو ام آتی صبح کیسے جاگ گئے؟“

”بس۔ میں سو نہیں سکا۔ اس نے جواب دیا۔

”کیوں؟“

”یونہی۔ بس نیند نہیں آئی۔“

”بھاگ جانے کی سوچ ہے ہو گے؟“ میں نے شرارت سے کہا۔

”نہیں۔ ایسے تو نہیں بھاگیں گے۔ روپ کمار آہستہ سے بولا۔

”جنگ کرو گے؟“

”ہاں۔ کرنا ہی ہوگی۔ وہ پچھلے انداز میں مسکرایا اور پھر بولا۔

”تو بڑی ہی مڑھ کر رہا؟“

”اوہ۔ رات بھر سے سہن میں دیکھتا رہا ہوں جس سونا جاگتا رہا۔ وہ تو بڑی ہی مڑھ رہی ہے۔“ میں نے جواب دیا اور روپ کمار کی آنکھوں کے چوڑے کھینچے گئے۔ اس کا چہرہ آگڑ گیا تھا۔ میرے ذہن میں شرارت تلج رہی تھی میں نے اپنے دل کی بات نہیں بتائی اور خاموشی سے اس کی صورت کا جائزہ لیتا رہا۔

”بھوجن تو ساتھ ہی کڑے مر وپ جی؟“ اس نے مڑھ لہجے میں کہا۔

”ہاں ہاں کیوں نہیں۔ ہم دونوں تو ایک دوسرے کے متر ہیں۔ ابھی ہماری دوستی تو نہیں ہوئی۔“ میں نے ہتے ہتے کہا۔ روپ کمار نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ مڑھ کائے بیٹھا تھا۔ اب تو اس کی کچھ کہنے کی ہمت بھی نہیں ہو

سکتی تھی۔ کافی دیر گزر گئی۔ پھر ہم دونوں اٹھے اور باہر نکل گئے۔ منہ ہاتھ دھویا۔ میرے پاس تو پینے کے لیے و مہر لباس بھی نہیں تھا لیکن اس کی ضرورت بھی کیا تھی۔ ہاں روپ کمار کو میں نے نیلا لباس پہننے پر مجبور کر دیا تھا۔ ”تم نہیں پہنو گے مر وپ جی؟“ وہ میری محبت سے متاثر ہو کر بولا۔ ”کیا نہیں یار۔ ہم سادھوؤں کے پاس لباس ہوتے ہی کہاں ہیں۔ ہاں اگر بدھنی دہری مالا ہائے گلے میں ڈال لے اور تر کھائی کی راج گدی ل جلے تو بہت سے کپڑے بنائیں گے اپنے لیے۔“

”میرے کپڑے تو تھکے آئیں سکتے۔ وہ بولا۔

”ہاں نہیں آئیں گے۔“ میں نے جواب دیا۔ پھر ہمارے لیے صبح کا بھوجن آگیا۔ اس وقت بھی ہم دونوں نے ساتھ ہی ناشتہ کیا تھا۔ روپ کمار کی ذہنی کیفیت کا میں نے بخوبی اندازہ لگایا تھا لیکن اس کے باوجود وہ کافی ظرف سے کام لے رہا تھا۔ ایک طرف اس کا دل بدھنی کے لیے تڑپ رہا تھا تو دوسری طرف دوستی کی بھی اس کی نگاہ میں کافی اہمیت تھی۔ وہ میری دوستی کو بھی نہیں ترک کرنا چاہتا تھا اور اب تو وہ مجھ سے مل کی بات بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ بونڈ میرے منہ سے بدھنی کے بالے میں مڑھ چکا تھا۔

بھوجن ختم ہو گیا اور پھر ہم سیر کے لیے نکل پڑے۔ دوسرے سارے راجکار بھی میرے لیے نکل گئے تھے۔ ہم نے ان کی تیاریاں دیکھیں سب کے سب اکر پڑے پھر رہے تھے۔ ہر ایک اپنے آپ کو سب سے اچھا سمجھتا تھا اور مچھوڑ پرتاؤں لے رہا تھا۔ ہم دونوں ان کے ریمان سے گزرتے رہے۔ بہت سے راجکاروں نے ہمارے اوپر نظر پڑے بھی کسے تھے اور ایک سب روپ کمار کی دلی کیفیت پھر میرے سامنے آئی۔ ہم ایک خیمے کے سامنے سے گزر رہے تھے کہ ایک قوی میکیل راجکار خیمے سے نکل آیا۔ تھوڑے فاصلے پر کچھ اور لوگ بھی کھڑے تھے۔

”اوہو۔ دیکھو! ملے سادھو ہمارا راج۔“ قوی میکیل راجکار نے کہا۔

”یہ شاید ہمیں آئندہ دینے کے ہیں۔“ دوسرے نے کہا۔

”اوہ۔ ٹھیک کہا قے۔ ہمارا راج کا دم ہمارے لیے غنیت ہے۔

”اوہ ہمارا راج سے آئندہ دے لیں۔“ اور وہ سب ہمارے سامنے آ گئے۔ ان کی تعداد بائیس چھ تھی۔

”جے راجہ می کی ہمارا راج!“ قوی میکیل راجکار نے شرارت سے میرے سامنے ہاتھ جوڑ دیے اور میں رگ کر اس کی شکل دیکھنے لگا۔ روپ کمار کی آنکھوں میں غصے کے تاثرات نظر آنے لگے تھے۔

”کیا بات ہے راجکار؟“ میں نے غصے سے پوچھا۔

”کچھ پوچھنا ہے سوامی؟“ وہ بولا۔

”پوچھا!“

”آپ اس جوانی میں ہی اتنے بڑے گلیاں کیسے بن گئے؟“

”اور تم اس جوانی میں کیوں مڑھنا چاہتے ہو؟“ میری بجائے روپ کمار آگے بڑھ کر بولا۔ اس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے تھے۔

”اوہو۔ یہ تمھارا نیا جیلا بن گیا ہے ہمارا راج بڑے ہی جہاں ہیں آتے ہی جیسے بھی بنائے گراپ نے اپنے اس چیلے کو نہیں بتایا کہ راجکار آپس میں کس طرح ایک دوسرے سے گفتگو کرتے ہیں اور غلط طور سے گفتگو کرنے پر بعض اوقات دانتوں سے بھی ہاتھ دھوئے پڑتے ہیں۔“ قوی میکیل شخص نے فیصلے انداز میں کہا۔

”میں ایک دوسرے سے اس طرح گفتگو نہیں کرنی چاہیے۔ میں نے اسی پر باری سے کہا۔

”یہ تو میں کہتا ہوں ہمارا راج۔ آپ اسے سمجھا دیں ویسے آپ دونوں کا آپس میں کیا تعلق ہے؟“

”ہم قے سے بات نہیں کرنا چاہتے۔“ میں نے کہا۔

”کرنا بڑے کی ہمارا راج۔ میں بھی آئندہ اس کی ضرورت ہے۔ ہم بھی تمھیں اتنی ہی سمجھنا دیں گے جتنی دینے کا۔ ویسے تم دھڑا کر طرح گئے۔ ویسے تو تم سادھو معلوم ہوتے ہو۔“

”میں جو کوئی بھی ہوں تمھیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔ راستے سے ہٹ جاؤ!“ میں نے کہا۔

”ہٹ جاؤ بھی ورنہ ہمارا راج کو تھکے آگیا تو میں غریب بنے نہیں گے۔“

”تو یہ کیل نے کہا اور پھر وہ لوگ سامنے سے ہٹ گئے۔

”میں نے غلط تو نہیں کہا تھا مر وپ جی؟“ روپ کمار بولا۔

”کیا ہے؟“

”یہ کہی مڑھ رہے ہیں۔“

”اوہ۔ ہوں گے۔ میں کون سا ان سے دوستی کرنا ہے۔ دل کی بھر اس نکال ہے تھے بے چالے۔ تم ان باتوں کی پرواہ مت کرو۔“ میں نے کہا اور روپ کمار کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ پھر ہم نے گھوم پھر کر سارا علاقہ دیکھا۔ ایک عریل وریض میدان تھا جس میں نہ جانے کب سے لوگ جمع ہونا شروع ہو گئے تھے۔ یہ سب سو مڑھ کی ابتدائی رسوں کا مٹا دیکھنے کے تھے۔ بڑے پر جوش تھے سب کے سب۔ گردنیں اٹھا اٹھا کر ہیں دیکھ رہے تھے۔ ہم نے جنگ کا میدان دیکھا اور پھر اس جگہ آ گئے جہاں چند گھوڑ سوار آکر کھڑے ہو گئے تھے۔ وہ قلعے کے اندر سے آئے تھے اور شاید کوئی سنہیں لائے تھے۔ چند لوگ ہادی طرف آئے اور انھوں نے ہمیں مخاطب کیا۔

”ہمارا راج آئندہ ہی آئے ہیں۔ سب کے نام پوچھ رہے ہیں۔ آپ بھی چلیں۔“

انھوں نے کہا اور عریان کے ساتھ چل پڑے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہر ان کے پاس پہنچ گئے۔ سب کے نام پوچھے جا رہے تھے۔ پھر میری باری آئی اور سنہیں نے مجھے تعجب سے دیکھا۔

”آپ بھی راجکار ہیں ہمارا راج؟“

”تمھارا کیا خیال ہے؟“ میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”آپ کا شہ نام؟“

”مر وپ کمار!“ میں نے کہا اور انھوں نے میرا نام لکھ لیا پھر ان

میں سے ایک بوڑھے آدمی نے زور زور سے کہا۔

”مترو اور راجکار بدھنی کے سو مڑھ میں شریک ہونے پر ہمارا راج تر کھان تھا اور شریک بدھنی کے سو مڑھ میں شریک ہونے کی کچھ شرطیں تھیں پوری کرنی ہیں۔ جیسا کہ سب کو معلوم ہے کہ ہمارا راج تر کھان کے کوئی بیٹا نہیں ہے اس لیے جو راجکار گامی بدھنی کا بیٹے گا وہی تر کھان کا ہمارا جی ہوگا اور ہمارا راج تر کھان کے دیہانت کے بعد وہی راج گدی پر بیٹے گا اور راج گدی کا مالک بننے کے لیے کی ضرورت اور ہر دوسرا تلاش بھی ضروری ہے۔

اس کے لیے تمھیں آپس میں مقابلہ کرنا ہوگا۔ سو مڑھ میں وہی شریک ہوگا جو ہمارا راج کے کار نامے دکھائے گا کسی بزدل یا سپر گری میں نکتے راجکاروں کے سو مڑھ میں شریک نہیں کیا جائے گا۔ دوسری بات یہ کہ راجکاروں کے ساتھ ان کے مترا یا ایسے سورملے میں جو ان کی مدد کرنا چاہتے ہیں وہ اپنے ساتھی کی مدد کر سکتے ہیں۔ ان کا کام صرف اپنے راجکار کے لیے ہوگا بیٹھا کی شرائط ہیں۔“

”اس بات کو دوبارہ بتاؤ سنہیں۔“ ایک راجکار نے کہا۔

”سنہیں ہی بات ہے ہمارا راج۔ تم اگر کسی راجکار سے رابطہ ہو اور

اس سے کوئی راز پڑے ہو تو تمھارا مترا تمھاری سہا سہا کرے گا لیکن جس راجکار سے تم کو کوئی راز پڑے ہو اس کا مترا اگر چاہے تو تمھارے اوپر تورا نکال سکتا ہے گویا اس طرح جوڑی جوڑی لڑے گی۔“

”ٹھیک ہے۔“ وہ خوشی سے بولا۔ شاید اس کا ساتھی کوئی بڑا سور مل تھا۔

”اس کے علاوہ مترو، اگر لڑائی میں کوئی راجکار کسی کے ہاتھوں مارا جائے تو راج تر کھان اس کے ذمہ دار نہ ہوں گے۔ تم سب اپنی اپنی مرضی سے جنگ کر رہے ہو اس بات کی منتھوری دو۔“

”ٹھیک ہے۔“ میں نے غور سے۔ سب نے کہا لیکن پروفیسر اس بات پر سب سے زیادہ خوش تھے مجھے ہوئی تھی۔ میں نے سکون کی سانس لی تھی۔ وہ خود بخود ہموار ہوئی تھی۔ اس طرح میں اپنے دوست کی مدد پر آسانی کر سکتا تھا جس کے لیے میں دل سے بے چین تھا۔ اب میرا دل خوشی سے سرشار تھا۔ میری سب سے بڑی مشکل خود بخود آسان ہو گئی تھی۔

میں نے مسکرا کر روپ کمار کی طرف دیکھا لیکن روپ کمار کا چہرہ مٹا ہوا تھا۔ اس کے دل میں آئینہ کی کوئی روشنی نہیں تھی۔ وہ بدتر سو رہا تھا۔

پھر جب سنہیں قواعد کا اعلان کر کے چلے گئے تو اس نے آہستہ سے کہا۔ ”بیٹا جی میرے لیے کچھ نہیں کیا۔“

”کیا مطلب؟“

”کاش وہ میرے ساتھ بھی کسی سورما کو بھیج دیتے۔“

”اوہ۔ ہاں۔ میرے ساتھ بھی ایسا نہیں ہے۔“ میں نے کہا اور

روپ کمار ایک تھوڑی سا سانس لیکر خاموش ہو گیا اس کے بعد دوسرے ہنگامے شروع ہو گئے۔ بڑے بڑے لوگ آئے تھے۔ ان کے لیے باقاعدہ نشستوں کا بندوبست تھا۔ سورج چڑھنے نکلے پر چوٹ پڑی۔

113

راجہ ترکان کی آمد کی اطلاع مٹی اور اس کے آنے کے بعد مقابلے شروع ہوئے والے تھے۔

راجہ ترکان کی سوارہ بڑی شان سے آئی۔ پینتالیس سال کی عمر کا شاندار آدمی تھا۔ چہرے سے باریک نظر اور آغا خوبصورت انسان تھا۔ اس کے چہرے میں پدمی کی شہادت تھی۔ بے شمار لوگوں کی معیت میں وہ مقابلے کے میدان میں پہنچ گیا۔ سالے لوگ اس کے نام کی جے جے کار کر رہے تھے۔

پھر راجہ بیٹھ گیا اور اس کے بعد جنگ کا تقارہ جیتنے لگا اور بائیں سجیلے راجہ کا ہتھیاروں سے پس میدان میں آنے لگے کاش میرے پاس میرا کھانا ہوتا۔ اسے دیکھ کر بہت سوں کے پتے پانی ہو جاتے تھے لیکن میرے پاس تو کوئی ہتھیار ہی نہیں تھا۔ روپ مارا بھی اب مجھے سے جدا ہو گیا تھا ورنہ اس سے ہی کوئی تورا مار لگ لیتا۔

مجھے خالی ہاتھ دیکھ کر اسی راجہ کا منہ بھر پڑ گیا؟ اے ہمارا ج! آپ خالی ہاتھ ہی میدان جنگ میں چلے ہیں؟ وہ میرے ساتھ چلتے ہوئے بولا۔ ”ہاں راجہ راجی! دراصل یہاں کوئی میرے مقابلے کا ہے ہی نہیں ان معمولی انسانوں کے لیے ہتھیاروں کی کیا ضرورت ہے؟“

”ہاں آپ تو گیان سے جنگ لڑیں گے“

”اس کی بھی ضرورت نہیں پڑے گی۔ تم بیسوں کے لیے میرے ہاتھ ہی کافی ہیں۔“ میں نے کہا۔

”میرے مقابلے پر نہ کیے گا ہمارا ج۔ میں گیانیوں کا سخت دشمن ہوں۔ پھر نہ کہیں کہ آپ خالی ہاتھ تھے۔“

”کیا تم مجھے لگا رہے ہو راجہ راجہ؟“

”اے کیا لگاؤں گا آپ کو۔ میرے مقابلے پر تو یہاں کوئی ہے بھی نہیں۔“ اس نے حقارت سے کہا اور آگے بڑھ گیا۔ میں بھی مسکراتا ہوا میدان کی طرف چل پڑا اور تھوڑی دیر کے بعد سب میدان میں پہنچ گئے۔

سالے راجہ کا ایک لائن میں کھڑے ہو گئے تھے۔ تب راجہ ترکان اپنی جگہ سے اٹھا اور راجہ راجہ کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے سالے راجہ کا ہاتھ کو شیر وادی میرے قریب رک کر اس نے مجھے غور سے دیکھا تھا اور پھر کئی سیکنڈ وہاں کھڑا رہا۔ پھر اس نے پوچھا۔

”تم کون سی راجہ راجہ سے آئے ہو راجہ راجہ؟“

میں نے ادھر ادھر دیکھا۔ روپ مارا مجھ سے کافی دور تھا اس لیے مجھے پردہ نہیں ہوئی۔ میں نے راجہ ترکان کی طرف دیکھا اور پھر گردن جھکا کر بولا میں ہمارا ج روپ مارا کا داس ہوں۔

”کیا مطلب ہے؟“ راجہ ترکان حیرت سے بولا۔

”ہاں میں ان کی طرف سے لڑوں گا۔ میں ان کی مہمانداریوں کا“

”اوہ لیکن تمہارا لباس سادھوؤں کا سا ہے؟“

”مجھے بھی لباس پہننے کی عادت ہے۔ میں نے جواب دیا اور راجہ

ترکان نے گردن ہلائی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اسے میری بات پر یقین نہیں آیا ہو۔ پھر اسے اس وقت تک اس خود کی ریاست کا حکمران کیوں نہیں ہوں۔

لیکن میرے قریب کھڑے دوسرے راجہ راجہ مجھے بری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ ان کی نگاہوں میں حقارت جھلک رہی تھی لیکن میں نے کسی بات کی پرواہ نہیں کی اور دوسری طرف رخ کر لیا۔

پھر سالے راجہ کا منتشر ہو گئے اور اس کے بعد وہ اپنے اپنے ہتھیار چلا کر دیکھنے لگے اس کے بعد مقابلہ شروع ہو گیا۔ سب پہلے دور راجہ راجہ

تواریں لیکر میدان میں آئے اور راجہ ترکان کے احازت لینے پر ایک دوسرے سے جنگ کرنے لگے۔ چھوڑا ہی دوسری جوڑی بھی میدان میں آئی اور

چاروں شیر زن ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش میں مصروف ہو گئے ایک راجہ راجہ کا لڑنے لگا تو اس کا مددگار جو کالے رنگ کا ایک دیوبہل آدمی تھا،

تواریں لیکر میدان میں آ گیا۔ وہ اپنے راجہ راجہ سے اچھا لڑا اور صلہ ہی اپنے مقابل کو کھٹکائے میں کامیاب ہو گیا۔ تب اس کے مالک نے دوبارہ تورا راجہ راجہ

لیکن دوسرے راجہ راجہ کی سامتی موجود تھا۔ وہ اپنے مالک کی مدد کو آ گیا۔ اس طرح یہ مقابلہ کافی دلچسپ ہو گیا تھا۔ میں دلچسپی سے مقابلہ دیکھ رہا تھا۔

مجھ سے کافی فاصلے پر روپ مارا بھی کھڑا خاموشی سے مقابلہ دیکھ رہا تھا اور پھر مقابلے کا پہلا حریف شکست کھا کر میدان سے ہٹا اور اس کی جگہ دیکھنے

میدان میں آ گیا۔ میرے بدن میں پھر یہاں اٹھنے لگیں۔ میں روپ مارا کا مددگار تھا۔

روپ مارا نے شروع میں جس بدلی کا مظاہرہ کیا تھا اور جنگ چلنے سے جس طرح بیڑی کا اظہار کیا تھا، اس وقت وہ کیفیت اس میں نہیں

تھی۔ وہ کافی جانتا تھا۔ چونکہ نظر آ رہا تھا اس نے اتنے ہی اپنے مقابل پر تیار ہو کر

داریکے اور اس کا مقابلہ کر لیا۔ اس کی پیشانی پر ایک چوکھی لگ گیا تھا جس سے خون کی لکیر نیچے رہ گئی تھی۔

یہ صورت حال دیکھ کر اس کا مددگار اس کی مدد کو آیا۔ یہ وہی قوی

بیکل سیاہ فام تھا جو مجھے خاص لڑاکا نظر آ رہا تھا۔ اس نے روپ مارا پر وار

کرنے شروع کر دیے۔ دو تین ہاتھوں میں ہی مجھے معلوم ہو گیا کہ روپ مارا اس کا

مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس وقت میں نے روپ مارا کے انداز میں بدترامی کی محسوس کی۔

روپ مارا اس کے وار دیکھنے کی بھرپور کوشش کر رہا تھا لیکن سیاہ فام کے قوی بیکل بازوؤں کے سامنے اس کی ایک نہیں مل رہی تھی چنانچہ

اب وقت نہ رہا تھا تب میں اپنے دوست کی مدد کے لیے آگے بڑھا اور

سیاہ فام کے مقابل پہنچ گیا۔ ایک لمحے کے لیے سب حیران رہ گئے کیونکہ

میرے ہاتھ میں کوئی ہتھیار نہ تھا۔

چاروں شانے چت تھا۔ میرا کام اس اتنا ہی تھا میں پیچھے ہٹ گیا۔ روپ مارا نے میرے مجھے دیکھا لیکن پھر سبھل کر دوبارہ اپنے مقابل کے سامنے آ گیا اس

کے ہونٹوں پر مسکراہٹ چھلک رہی تھی لیکن آنکھوں سے حیرانی بھی جھلک رہی تھی۔ شاید اسے تعجب تھا کہ میں اپنے طور پر لڑنے کی بجائے اس کی طرف سے

کیوں لڑ رہا ہوں۔ میرا مقابل سیاہ فام ایک گھوڑے سے زیادہ مار کھانے

کا تاب نہ رکھتا تھا۔ وہ اپنے قدموں سے اٹھ کر نہ جاسکا۔ لوگ گردن اٹھا

اٹھا کر اسے دیکھ رہے تھے مجھے دیکھ رہے تھے۔ کیسی جنگ تھی جس میں ایک

مخزن آگے آئی اس طرح شکست کھا رہی تھی۔

تب میں نے سیاہ فام کی تورا اپنے قبضے میں کر لی اور اطمینان سے

پیچھے ہٹ آیا۔ روپ مارا کا زیادہ دلچسپی سے لڑ رہا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے

اس نے اپنے مقابل کو شکست دے دی۔

چوتھا آدمی وہی راجہ راجہ تھا جس نے میرا لڑنے کی کوشش کی تھی۔ وہ تورا بلاتا ہوا آیا اور روپ مارا پر لڑا۔ مجھے روپ مارا کی پھرتی پر

حیرت تھی اس نے جنگ سے جس بیڑی کا اظہار کیا تھا اس سے اندازہ ہوتا

تھا کہ اس نے بھی تورا اٹھا لیا تھا۔ لیکن اس وقت وہ جس بے خبری سے مقابلہ

کر رہا تھا اس پر حیران تھا۔ نہایت برق رفتاری سے وہ لڑ رہا تھا۔ ابتدا

میں تو اس نے اپنے دوسرے مقابل کو بھی بدحواس کر دیا لیکن بعد میں اس

کے ہاتھ کی رفتار بڑھ گئی۔ تب میں نے اپنے ذہن میں ایک بات سوچی۔ اگر

روپ مارا کو زیادہ محنت کرنا پڑی تو شاید وہ زیادہ دیر تک میدان میں نہ

رہ سکے اس لیے بہتر یہ ہے کہ اسے کم سے کم تورا چلانے کا موقع دیا جائے

اور اس طرح اس کے مقابل آنے والوں کو شکست دی جا سکے۔

تب میں آگے بڑھا اور اس مخزن آگے آئی گاؤں میں لڑنے لگا۔ روپ مارا

”اوہ آگے میرے دوست! اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ لیکن

مجھ سے کہہ اپنے لیے لڑنے کی بجائے دوسروں کے لیے لڑ رہے ہو۔ وہ پیچھے

اٹھا اور پھر تورا کے کئی تاڑ توڑ وار اس نے میرے اوپر کیے۔ میں نے اطمینان

سے اس کے کئی وار اپنے اوپر روکے اور پھر کہا۔

”میں نے تم سے وعدہ کیا تھا راجہ راجہ کہ میں تمہارے مقابل آؤں گا

اور اٹھا ہاتھ۔“

”ہاں۔ ہاں ہمارا ج تم نے وعدہ تو کیا تھا مگر یہ وعدہ خلافی کیوں ہے؟“

”نہیں وعدہ خلافی نہیں۔ میں نے تو ایک ایک طرف پھینک دی اور

اپنے مقابل نے ایک فہم لگا دیا۔ بلاشبہ وہ پھر تیرا تھا اور کافی جنگ ہو چکی

اس کی بدقسمتی سے میرے سامنے آئی تھی۔

مجھے خالی ہاتھ دیکھ کر اس نے موقع سے فائدہ نہ اٹھانا حماقت سمجھا

میں اس نے بہتر سے بدل کر میرے اوپر پھر پور دیا۔ میں نے اچھل اچھل کر

اس کی کئی وار اٹھا جانے کیلئے دوڑ پھرتی لاس کی کلائی پر ہاتھ ڈال دیا۔

پھر تورا اس کے ہاتھ میں کیسے رہ جاتی۔ اس کی تورا گر گئی اور میں نے

اس کی لاس کی گردن پکڑ لی۔

”کیا خیال ہے راجہ راجہ؟“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ میرے

مقابل کے چہرے کی کیفیت اب کسی قدر بدل گئی تھی اور اب وہ بدترامی

نظر آ رہا تھا۔ میں نے ہنستے ہوئے اس کی گردن چھوڑ دی اور پھر اسے لٹکا کر لیکن

وہ پیچھے ہٹ رہا تھا۔ ایک بار پھر اس نے تورا اٹھا لیا اور شاید اپنی زندگی کی

شدید ترین کوشش کی اور اس میں کامیاب بھی ہو گیا۔ تورا میرے بازو پر پڑی

تھی لیکن جس طرح وہ بازو اسے نہیں اس نے میرے مقابل کو حیران کر دیا۔

لیکن اب میں فیصلہ کر لینا چاہتا تھا۔ روپ مارا اطمینان سے ایک

طرف کھڑا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت اور دلچسپی تھی۔ تب میں نے اپنے

مقابل کو اٹھا لیا اور اٹھا کر اسے زور دیا۔ مجھ سے زمین پر گر دیا۔ اس کی سرخ

پوسے میدان میں گونج اٹھی تھی اور مجھے تعجب تھا کہ اب وہ اس قابل نہیں رہا

ہے کہ روپ مارا کے مقابل آ سکے۔

چاروں طرف سے داد و تحسین کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ میں بڑی

سعادت مندی سے پیچھے ہٹ گیا اور روپ مارا دوبارہ اپنی تورا لے کر

میدان میں آ گیا۔

اور پھر تو جنگ کا فیصلہ سامنے آنے لگا۔ روپ مارا کو لڑنے کا بہت

کم موقع مل رہا تھا اس کا جو بھی مقابل آتا، میں اس کو اس قابل نہ چھوڑتا

کہ وہ روپ سے مقابلہ کر سکتا اور روپ کے کرنے کے لیے کچھ نہ رہ جاتا۔

اب چاروں طرف سے لوگ روپ مارا کی جے روپ مارا کی جے کہہ رہے تھے۔

روپ کے نام کے نعرے پورے میدان میں گونج رہے تھے۔

دوسرے لڑنے والوں میں سے بھی بہت کے فیصلے ہوئے کچھ جیتے

کچھ ہارے اور شاید راجہ ترکان کی توقع سے بہت پہلے یہ مقابلے ختم ہو گئے۔

روپ مارا کے علاوہ دوسرے شاندار طور پر فتح حاصل کرنے والوں میں

دلاور سنگھ کا نام سب سے آگے تھا میں نے بھی دلاور سنگھ کو دیکھا۔ بلاشبہ

ان لوگوں میں سب سے زیادہ شاندار آدمی تھا لیکن پھر دلاور سنگھ کی قسمت

نے اسے اٹھکا دیا، اگر وہ بھی چاہتا تو مجھ سے جنگ کرنے کی اسے کوئی خالص

ضرورت نہ تھی لیکن خاقت کے زعم میں وہ مجھے بھی شکست دینے پر تیار کیا

اور پھر وہ تورا لے کر خاص طور پر میرے مقابل آیا میں نے اسے حیرت سے

دیکھا تھا۔ دوسرے چند لوگ بھی دیکھ رہے تھے کہ دلاور سنگھ کی طرح اگر بڑا

ہے۔ چند لوگوں نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ دلاور سنگھ تم اس

طرح کیوں لڑ رہے ہو بازو لیکر دلاور نہ مانا۔ اس نے میرے اوپر حملہ

کر دیا۔ میں نے اب تک جس انداز میں جنگ کی تھی دوسرے لوگوں کو اس کا

اندازہ ہو گیا تھا چنانچہ انھوں نے اپنے طور پر دلاور سنگھ کی شکست کا یقین

کر لیا تھا اور اس یقین کو میں نے ٹھیس نہ پہنچے دی۔

دلاور سنگھ نے تین تورا میں طلب لیں اور میں نے ایک ایک کر کے

تینوں تورا میں توڑ دیں اور تورا کو ٹوٹا بدترین شکست میں شمار ہوتا تھا۔

دلاور سنگھ کو اس کا کوئی اندازہ نہ تھا اور یہی بات اس کی بدقسمتی کا

باعث بن گئی۔

میلان جنگ کا کھیل ختم ہو چکا تھا اور جن لوگوں کو اس میں کامیاب قرار دیا گیا ان میں دلاور سکھ نہیں تھا۔ راجہ تھکان نے سوئٹزر میں حصہ لینے والوں کے ناموں کا اعلان کیا۔ اور خوشی کی بات تھی کہ روپ کمار کا نام اس فہرست میں شامل نہ تھا۔

”ہاں ہمارا ج!“ اس نے جواب دیا۔
 ”تمہیں یقین ہے کہ اس نے میرے مالک کو میرے ساتھ نہیں بلایا؟“
 ”ہاں ہمارا ج تمہاں نے یہی کہا ہے۔“ اس نے جواب دیا۔
 ”مجھے اپنے مالک سے اگلی لینا ہوگی۔ اس کی اگلی کے بنائیں گے۔“
 ”کے کتا ہوں ہمارا ج۔“ میں نے کہا۔

”تم۔ تم۔ میں۔ میں تمہارا کوئی ہوں۔ غم نے میرے لیے یہ۔“
 ”پنگے ہو روپ۔ کیا میں نے تمہیں نہیں بتایا کہ میں سوہنے میں حصہ
 لینے یہاں نہیں آیا تھا۔ میں تو یہ قلعہ دیکھ کر اس طرف چل پڑا تھا۔ یہاں اگر کسی
 مجھے یہ معلوم ہوا تھا کہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔“
 ”پھر بھی تم ہی کام لینے کے لیے کر سکتے تھے۔“

”تم اچھے انسان ہو روپ کارا تم نے اعتراف کر لیا۔“
 ”تم بھی ایک بات بتاؤ مجھے جیسا ہے۔“
 ”ہاں ضرور۔“
 ”کیا تجھیں بد مذہب پسند نہیں آتی تھی؟“

خود بھی میرے سامنے ایک نشست پر بیٹھ گیا۔
 اس کی نگاہیں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ "تمہارا نام مرثیہ کا
 ہے مہاراج؟" اس نے پوچھا۔
 "ہاں راجہ ترکان!"
 "اور تم روپ کمار کے واس ہو؟"
 "یہ بھی ٹھیک ہے" میں نے جواب دیا۔
 "لیکن نہ جانے کیوں یہ بات میرے من میں نہیں اتر رہی؟" راجہ
 ترکان بولا۔
 "کون سی بات مہاراج؟" میں نے پوچھا۔
 "یہی کہ تم روپ کمار کے واس ہو سکتے ہو؟"
 "اس میں من سے نہ اترنے والی کون سی بات ہے؟" میں نے بتلفظی
 سے کہا۔
 "تمہارا چہرہ، تمہارا انداز، کوئی چیز یہ ثابت نہیں کرتی کہ کسی کے اس
 ہو سکتے ہو بلکہ پوچھو تو مجھے تم راجہ راجا سلوک سے تھے۔ پوچھو تو وہ لوہاؤں
 میرا خیال ہے تم نے روپ کمار کے ساتھ کوئی وچن چلیا ہے ورنہ سویر تم آسانی
 سے جیت سکتے تھے۔" راجہ ترکان نے کہا۔
 "ممکن ہے تمہارا خیال ٹھیک ہو راجہ ترکان، لیکن اس میں پریشانی
 کی کیا بات ہے؟ سویر بھی نہیں ہوا اور نہیں کہا جا سکا کہ مالک کے گلے میں ڈالی
 جائے لیکن چھری پر مالک میرا دوست روپ کمار تمہاری بیٹی کی قسمت کا مالک
 بن جائے تو مجھے خوشی ہوگی۔ مجھے مسرت ہوگی۔" میں نے کہا۔
 "مجھے کوئی گروہ نہیں ہے مہاراج، بس میں یہ جاننا چاہتا تھا کہ تم
 کون ہو؟ تمہارے بدن پر سادھوؤں کا سالیاس ہے پرت میدان جنگ میں تم
 ایسے سناٹا ثابت ہوئے کہ کوئی بھی تمہارے سامنے دھمک سکا۔ میرا کوئی بیٹا
 نہیں ہے مرثیہ کمار میری سزا کا سنا ہی بھی کہ میری بیٹی جس سے بیاہ جائے وہ
 تمہارے جیسا ہی کوئی جوان ہو جو بہادر ہی میں کیٹا اور بے مثل ہو۔" راجہ ترکان نے
 ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔
 "روپ کمار بھی تمہارے لیے بڑا ثابت نہ ہوگا راجہ ترکان!"
 "ٹھیک ہے۔" جو بھگوان کی مرضی۔ لیکن میں نے غصے میں صرناہی
 لیے بلایا تھا کہ غصے تمہارا فیصلہ بدلنے کے لیے کہوں میں چاہتا ہوں مرثیہ کمار
 تم میری راجہ مہاراج کے مالک ہو اور تم میری بیٹی کی قسمت کے مالک ہو۔"
 "یہی طور من نہیں ہے راجہ ترکان۔ بھگوان نہ کہے اگر میں روپ کمار
 کا ساتھی نہ بھی ہوتا تب بھی میں یہ بات پسند نہیں کرتا۔" میں نے کہا۔
 "آہ کیوں؟" راجہ ترکان نے کہا۔
 "بس مجھے سنار کا کوئی نہیں ہے۔ میں راجہ ترکان نہیں چاہتا۔ میرے
 شہر پر سادھوؤں کا لباس ہے۔ میں تم بھگوان میں سادھو ہوں۔ مجھے سنار کا
 کوئی کوئی نہیں ہے۔ مجھے راج سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"
 "ٹھیک ہے مہاراج، پھر میں کوئی میرا خیال ٹھیک تھا۔"

"میریری اور تمہاری آپس کی بات ہے راجہ ترکان لیکن اگر سائے
 راجا ماروں کے سامنے تمہاری بات کہیں تو میں خود کو روپ کمار کا داس ہی
 بتاؤں گا۔" میں نے کہا۔
 "میں تم سے سب کے سامنے یہ سوال نہیں کروں گا مہاراج۔" راجہ
 ترکان ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "بہر حال جو میری آغوشی وہ میں نے غصے میں
 دی۔ واگیا دان ہے روپ کمار کے ساتھ جیسا تمہارا ساتھی یا داس ملا۔ ہاں
 ایک بات میں تم سے کہوں گا اور کہہ سکتا بھی ہوں کیا اجازت ہے؟"
 "ہاں ہاں۔ مہاراج۔ کیسے۔ میں آپ کی عزت کرتا ہوں۔" میں نے
 جواب دیا۔
 "سویر میں کوئی بھی کامیاب ہو، مالک کے گلے میں پڑے لیکن اگر تم
 پسند کرو اور اگر روپ کمار سے تمہارا کوئی ایسا رشتہ نہ ہو کوئی ایسا ناظمہ جو اس کی
 وجہ سے قلم کی بات ماننے پر مجبور ہو تو میری اچھا ہے کہ تم مجھ سے میرے ساتھ
 میری راجہ مہاراج کی گذارو۔" راجہ ترکان نے نہایت غصے سے کہا۔
 "اگر تمہاری پسندی میرے ترکانہ کیسے ہے تو شاید میں کافی عرصہ
 تمہارے ساتھ رہوں گا۔" میں نے جواب دیا۔
 "بھگوان کیسے ایسا ہی ہو۔" راجہ ترکان بولا۔ "مجھے تم سے بڑا لگاؤ
 پیدا ہو گیا ہے۔ میدان جنگ میں تم کی شہر کی طرح نظر آ رہے تھے اور میں
 دلیروں کی قدر کرتا ہوں۔"
 "میں تمہاری اس محبت کی قدر کرتا ہوں مہاراج ترکان، میں
 نے جواب دیا۔
 "رات کا بھوجن تم میرے ساتھ ہی کرو۔" راجہ نے کہا۔
 "مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔" میں نے کہا اور پھر راجہ ترکان
 سے اوجھڑا دھڑکیاں نہیں کرے لگا۔ درحقیقت وہ مجھ سے بہت متاثر نظر آتا
 تھا اور میرے لیے کوئی نئی بات نہیں تھی پروفیسر گندے ہوئے ادواؤں میں
 نے جینٹلمین خاص حیثیت حاصل کی تھی۔ میری شخصیت ہی ایسی تھی کہ کوئی مجھ
 نظر انداز نہیں کر پاتا تھا۔ ہاں یہ دوسری بات ہے کہ کچھ معاملات میں کچھ لوگ
 مجھے ناپسند بھی کرتے تھے لیکن ناپسند کرنے والوں کی میں نے کبھی پرواہ نہیں
 کی تھی۔
 رات کے کھانے پر میں نے راجہ ترکان سے کہا۔ "مہاراج! آپ نے
 مجھے جتنی محبت دی ہے، جتنا پیار نام لیا ہے، اس کا سہارا لیکن میں آپ سے ایک
 بات کہنا چاہتا ہوں۔"
 "ہاں۔ ہاں کمرور ہو۔ کیا بات ہے؟"
 "میں چاہتا ہوں مہاراج کہ تمہاری پسندی میں سب سے پہلے کہہ
 میرے مترے مل لے۔ ہمارا تمہارا ناظمہ اس وقت بہت مضبوط ہو جائے گا کہ
 میرا ترکانہ داس بن جائے گا۔"
 "اوہ۔" راجہ ترکان نے انداز میں بولا۔ "اگر کمار کی پسندی سے پہلے
 نہ کیا تو؟"

"میرے مترے جھگ کی بات ہے لیکن اگر آپ میری بات مانیں تو
 ان کو ملنے کا موقع دیں۔"
 "ٹھیک ہے۔ میں کمار سے بات کر لیتا ہوں۔" راجہ ترکان بولا۔
 "مجھے اگیا دیں مہاراج۔" میں نے اس سے اجازت چاہی اور راجہ
 ترکان نے مجھے شاہی لباس سے نوازا۔
 "میں نے تمہارے بدن کا لحاظ کر کے یہ لباس تیار کیا ہے اسے میری
 لڑکی کے لیے پہن لو۔" اس نے کہا اور میں نے اس کی خوشی پوری کر دی پھر میں
 گھوڑے پر بٹھ کر اس میں پڑا۔ میرا خیال تھا کہ روپ کمار میرا انتظار کر رہا ہوگا۔
 میرا خیال ٹھیک تھا۔ روپ کمار دوسرے ہی بجھے اپنے خیمے کے سامنے
 ٹھہرا ہوا نظر آیا۔ اس کے انداز سے بے چینی صاف بھٹک رہی تھی میرے گھوڑے
 کو دیکھتے ہی وہ میری طرف پیکا پیکا چھ میرے بدن کے لباس کو دیکھ کر وہ ٹھٹھک
 گیا اور پچاس کی آنکھوں سے خوشی جھانکنے لگا۔ اس نے میرے گھوڑے کی
 بائیں پیر میں اور میں نے اپنے آگے روپ کمار پر بھاری نگاہوں سے مجھے کچھ ہاتھا۔
 "بڑے ہی مسند لگ رہے ہو چھٹیا!" اس نے جنت جہنم انداز میں کہا۔
 "شاید۔ لیکن کل لباس کے بغیر ٹھیک نہیں لگ رہا تھا؟"
 "بھگوان کی سوگند تھی! اس وقت تم ہی مسند لگ رہے تھے۔
 اس میں غصے میں بیٹھوں میں دیکھنا چاہتا تھا۔"
 "تم میرا انتظار کر رہے تھے روپ کمار؟" میں نے اس کے ساتھ اپنے
 لیے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔
 "بڑی بے چینی سے چھٹیا۔"
 "تمہارے من میں بہت سے بڑے بڑے خیالات آ رہے ہوں گے؟"
 میں نے مسک کر پوچھا اور روپ کمار میری شکل دیکھنے لگا۔ چہرہ گہری سانس
 لے کر بولا۔
 "میری بات پر وشواش کرو گے؟"
 "ہاں ہاں کیوں نہیں؟" میں نے میٹھے ہوئے کہا۔
 "میں بھگوان کی سوگند کھا کر کہتا ہوں۔ میں دھرم کی سوگند کھا کر کہتا
 ہوں کہ میرے من میں کوئی بڑا خیال نہیں آیا۔ میں نے ایک بار بھی نہیں سوچا کہ
 کیا دنیا کوئی ایسا کام ہے گا جو میرے لیے بڑا ہو اور میرے سونچنے پر قوی بھی تھی
 تھا جس میں شے میرے بیچ میرا داس کی گہری سہانگاہ ہے وہ میرے
 دل کو کام کیسے کرے گا۔ میں تو اس لیے تمہاری بات مانگ رہا تھا کہ
 میں اس کو تمہاری راجہ ترکان تم سے کیا کہنا چاہتا ہے۔"
 "ہوں۔" راجہ ترکان میرے بالے میں جانے کا خواہش مند تھا۔
 "میں دھرم کرنا چاہتا تھا کہ میں کون ہوں کیا میں واقعی روپ کمار کا داس ہوں
 اس لیے اسے وشواش دلا دیا۔"
 "کیا وشواش دلا دیا؟" روپ کمار نے بے چینی سے پوچھا۔
 "یہی کہیں روپ کمار کا داس ہوں۔"
 "اوہ! روپ کمار نے گردن جھکا۔ کافی دیر تک اس طرح گردن جھکنے

بیٹھا رہا۔ پھر ایک گہری سانس لے کر بولا۔ "میں تم سے بہت شرمندہ ہوں مرثیہ چھٹیا!"
 "بھگوان۔ تو۔" میں نے اس کے گال پر سارے سے چپٹ لگائی۔ "بس اب
 اس بالے میں کچھ مت سوچو اور ہاں ٹھیک تو نہیں کیا؟"
 "کیوں؟" روپ کمار نے چونک کر پوچھا۔
 "پوچھنا ہوں غصے تو نہیں ہو گئی؟"
 "تم نے مجھے کرنے ہی کیا دیا ہے چھٹیا جوں جوں تھا۔ سارے کشت و دم۔
 خود بھگوان ہیں۔" روپ کمار نے درد بھرے انداز میں کہا۔
 "ابھی بختری دیر کے بعد کمار کی پسندی کوئی داسی تمہارے پاس آئے
 گی۔ میرا خیال ہے پرمی آج رات تم سے ملاقات کرے گی۔"
 "مجھے ہے؟" روپ کمار نے تھوڑا سا انداز میں بولا۔
 "ہاں!"
 "مگر کیا۔" کیا راجہ ترکان نے ایسی کوئی بات کہی ہے؟ اس نے
 بے چینی سے پوچھا۔
 "ہاں۔ ایسی ہی بات ہے۔" میں نے مسکاتے ہوئے جواب دیا۔
 "راجہ ترکان نے؟" روپ کمار کے لیے کجیرت اور بڑھتی۔
 "تمہارے باتوں سے کیا مرض روپ کمار۔ تو کیا تو بدنی سے ملنا
 چاہتا ہے؟"
 "میں اس سے مل کر کیا کروں گا چھٹیا کیا کہوں گا؟"
 "اب یہ بھی میں ہی بتاؤں؟" میں نے مسکاتے ہوئے کہا۔
 "ہاں تم ہی بتا دو۔ مجھے تو ایسا لگ رہا ہے جیسے عقل نام کی کوئی چیز میرے
 پاس ہی نہ رہی ہو۔"
 "ہوں۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔ "من کا بھید کہہ دینا اس سے۔"
 "کیا اس کا مقصد ہے؟" روپ کمار نے پوچھا۔
 "خاص ہے وہ مجھ سے باقاعدہ ملاقات کرے گی۔" میں نے کہا۔
 "لیکن چھٹیا کیا وہ اس بات کا بڑا نہیں مل جائے گی؟"
 "اب یہ تو میری کوششوں پر ہے تو اسے شیشے میں آٹا لے کر کس قدر
 کامیاب ہوتا ہے۔ اگر آج رات کو تو اسے اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے تو کل سویر
 میں مالک فیصلے میں کوئی تاخیر نہ ہوگی۔"
 روپ کمار کی آنکھوں میں آٹا لے کر یہ جل اٹھے تو میری آنکھوں سے
 اس نے لاپرواہی سے ہاتھیں اور پھر اپنے گلے میں دبکھی۔ اس نے غصے سے کیا جیسے
 سینکڑوں کینے نوڑنا گاہ اسے دکھ رہی ہوں گھوڑی ہوں اور اس کا سینہ خوشی
 سے پھول گیا۔ ہاں بدنی نے اسے اپنے پیچ کی حیثیت سے چڑھ لیا تھا۔ بدنی کا ش
 سے اتاری ہوئی پیرا۔ اس کے گھر کا جلتا ہوا روپ وہ میری موجودگی بغیر کوئی خرابوں
 میں کھو گیا اور میں نے اسے ان خرابوں سے تھوڑا سا خوب زندہ کی اس کا سہارا ہاتھ
 میں۔ خرابوں میں آدمی سکون کی وادیاں حاصل کر لیتا ہے۔ اگر خوب نہ ہوں تو
 انسان کے سینے میں وہ راجہ چھپا ہوا جیسے۔ سو میں نے اسے خرابوں میں کھونٹے
 دھننے یا اور اس وقت تک کچھ نہ بولا جب تک باہر سے کسی کی آواز نہ اسے

120

”دلاور سنگھ“ میں نے متوجہ نہ کیے ہیں پوچھا۔
 ”کرنا کا کانیانیا راجہ دلاور سنگھ“ راجہ ترکان نے سر دھجے میں کہا۔
 ”کیا وہی دلاور سنگھ ہے جو سو عمر میں شامل نہ ہو سکا تھا اور جس نے
 مجھ سے شکست کھائی تھی؟“

”وہی ہے۔ اور یہاں سے جاتے ہوئے وہ دھجے لے گیا تھا کہ
 اپنے پیمان کا بدلہ لے گا۔“
 ”تو وہ بدلہ لینے آیا ہے؟“ میں نے مسکرا کر پوچھا۔
 ”ہاں۔ بدلہ لینے آیا ہے۔“ راجہ ترکان نے بھی مذاق اڑاتے لے انداز
 میں کہا اور پھر دلاور سنگھ کی فوج کی طرف لگا ہیں دوڑا کر بولا ”مگر اس کے
 قبیلے میں تو تھے لوگ تھے یہ فوجیں کہاں سے جمع کر لیا ہے؟“
 ”کانی افرا دیں ترکان!“ میں نے کہا۔

”اور میں دوسرے سے کہتا ہوں کہ یہ سب اس کے قبیلے سے نہ
 ہوں گے۔“
 ”ممکن ہے اس نے کسی دوسرے قبیلے کے لوگوں سے مدد حاصل
 کی ہو۔“

”سب ممکن ہے۔ دلاور سنگھ کا گرم خون ہے اور مجھے یقین ہے کہ یہ
 اس کے بہن کا پہلا دن ہوگا اس کے باپ کو مرے ہوئے زیادہ سے نہیں گذرا
 اور وہ بے چارہ انسان ہی تھا لیکن بعض اوقات پوتے بھروسے سے بھی سائب
 نکل آتے ہیں۔“ خیر کوئی بات نہیں ہے بہورت قریب لگتی ہے صرف اس کا
 خیال ہے کہ میں رنگ میں جنگ نہ ہو۔ لیکن پھر بھی چاہے کچھ بھی بڑا دلاور سنگھ
 اس کی برأت کا مزہ ضرور چکھا جائے گا۔“
 ”تم غرور نہ کرو راجہ ترکان۔ ایک بات تو تم جانتے ہو کہ میں تمھارا دوست
 ہوں۔“ میں نے کہا۔

”ہاں کیوں نہیں مجھے تمھاری دوستی پر ناز ہے۔“ ترکان نے جواب دیا۔
 ”تب پھر یوں کرو کہ قلعے کے اندر تم راجہ مادی پدنی کی شادی کی تیاریاں
 کرتے رہو، میں میدان میں جا کر دلاور سنگھ کے حواس درست کر کے آتا ہوں۔“
 میں نے کہا۔

”اوہ میرے سوا کچھ پھر پورا پورا دواوشاں ہے مگر تو مہمان ہے اور
 ہم مہمانوں کو جنگ کرنے نہیں بھیجتے۔“ راجہ ترکان نے جواب دیا۔
 ”میں مہمان ہوں راجہ ترکان؟“ میں نے سر دھجے میں پوچھا۔
 ”ہاں۔ مہمان ہو۔ مگر انہوں سے بڑھ کر۔“
 ”نہیں نہیں ایک بات پر قائم رہنا ہوگا ترکان کیونکہ اگر میں مہمان
 ہوں تو میرے خیال میں مہمان کی حیثیت سے کسی کے گھر پر ہونا زیادہ دیر تک
 اچھی بات نہیں ہے۔ مجھے جانے کی آگیا دو۔ اور اگر میں مہمان نہیں ہوں
 تمھارے گھر کا ایک فرد ہوں تو پھر تم مجھے لاور سنگھ کے مقابلے پر جانے دو۔“
 راجہ ترکان پریشان لگا ہوں سے مجھے دیکھنے لگا اس کے لیے میری یہ
 ضد بڑی پریشان کن تھی۔ لوگوں سے بھی نہ سکھانا چاہتا تھا کہ راجہ ترکان خود

محل میں ہے، مہمانوں کو جنگ کے لیے بھیجنا چاہتا ہے اور خود محل میں رہ کر بیٹی کی
 شادی کی تیاری کر رہا ہے مگر میری ہر طرف سے اسے ہتھیار ڈالنے پر ہے البتہ
 فوجوں کی ٹکرانی اس نے خود کی تھی اپنی نگاہیں اس نے فوجیں تیار کر دیاں اور
 پھر انھیں میرے محلے لے گیا۔ راجہ ترکان کا خیال تھا کہ چونکہ لاور سنگھ کی فوجیں
 تعداد میں بہت زیادہ ہیں اس لیے قلعہ بند کرنے کے لاور سنگھ کے محلے کا انتظار
 کیا جائے اور قلعے کے اوپر قبیلوں پر ساری جی تیاریاں مکمل کر لی جائیں اور
 وہیں سے لاور سنگھ کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچایا جائے جب اس کی
 افرادی قوت خلوں ہو جائے تو پھر تازہ دم فوجوں کے ساتھ باہر نکل کر اسے پسپا
 کر دیا جائے۔

تجزیہ بڑی نہیں تھی لیکن پروفیسر جیسے انسان کے سامنے پیش کی گئی تھی
 جس کے سامنے کوئی دشمن ہو تو وہ کسی شکاری کی طرح زنجیریں بٹھانے لگتا ہے۔
 میں یہ بات کیسے برداشت کر سکتا تھا کہ قلعے میں بند ہو کر اپنے دشمن کا انتظار کروں
 جس سے مجھے جنگ کرنی تھی میں نے راجہ ترکان کی یہ بات نہیں مانی اور راجہ
 ترکان نے اس بات پر زیادہ اصرار نہیں کیا کیونکہ اتنا وہ بھی جانتا تھا کہ قلعوں
 میں بند ہو کر رہنا بھاری نہیں ہوتی۔

اور بہادر صلحوں کے قائل نہیں ہوتے۔
 ”وہ کیا عمدہ بات کہی ہے تم نے۔“ پروفیسر خادو نے اختیار بول
 اٹھا اور اس نے لگا ہی اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔
 ”میں نے تاریخ کی کتابی بے کم کا دستاویز نہیں سنا ہی ہے پروفیسر
 میں نے بعض مجلسوں پر مصلحت سے بھی کام لیا لیکن وہ مصلحت مکاری کی
 حد تک نہیں تھی۔“
 ”ہاں مجھے اعتراف ہے۔“ پروفیسر نے کہا۔

”پھر کیا جواب؟“ فرزانہ بول اٹھی اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ چھلکی گئی۔
 ”تمھاری ولایتیں جس صبر و سکون سے یہ کہاں گئیں ہیں پروفیسر مزہ
 قابل داد ہے۔ مس فرزانہ تو اس میں سکتہ برداشت ہی نہیں کر سکتی ہیں۔“ اس
 نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”دراصل اس ماحول سے واپس آنے کے بعد دوبارہ وہاں جانا
 بے حد عجیب لگتا ہے۔ ہم خود کو وہیں محسوس کرتے ہیں اور یوں لگتا ہے جیسے
 ہماری آنکھیں چاٹک چاٹک بند کر دی گئی ہیں۔“ فرزانہ نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔
 ”میں نے اپنے طور پر فوجوں کو تنظیم کیا اور اپنے انداز میں جنگ کرنے کے
 لیے تیار ہو گیا۔ میں نے فوجوں کو قلعے کے چوٹی پر دروازے کے پیچھے منظر کیا اور انھیں
 تیار رہنے کا حکم دے دیا۔ بقا پروفیسر کو پکڑ کر چلے گئے تھے جس میں یوں لگتا تھا
 جیسے دلاور سنگھ کی فوجوں کی ٹکرانی کی جارہی ہو اور قلعے کی طرف سے کسی حملے کا
 کوئی امکان نہ ہو چنانچہ لاور سنگھ مطمئن تھا۔ وہ اپنی فوجوں کی شرت سے ترکان کی
 والوں کو خوفزدہ کرنا چاہتا تھا۔ پھر جب اچانک چوٹی پر دروازہ کھلا اور اس
 نے ایک دم فوجیں اُگل دیں تو وہ حیران رہ گیا۔ اس کی فوجیں تو ختم ہی نہیں تھیں
 اور غریب کاموں میں مصروف تھیں۔ ترکان کی فوجیں شکاری کتوں کی طرح ان

پر ٹوٹ پڑیں۔ پہلے ہی حملے میں سخت نقصان پہنچا تھا دلاور سنگھ کی فوجوں کو۔
 اور اس وقت تک جب تک وہ سنبھل کر جنگ کرنے کے لیے تیار ہوئیں اس سے
 ساتھی اس کی آدمی فوجوں کا صفایا کر چکے تھے اور پھر وہ باقی فوجوں کو بھی جلد جلد
 کاٹ کر پھینک دینے کی کوشش میں مصروف ہو گئے۔

رہی میری بات تو بھی یہی تھی کہ قلعے کاٹنے کے مواقع نصیب ہوتے ہیں
 اور پھر سب سے بڑی بات تو یہ تھی کہ میں نے اپنے لیے اپنی پسند کا ایک کھانا تیار
 کر لیا تھا اور بہت عرصے کے بعد کھانے پر ورزش کرنے کا موقع ملا تھا۔
 کھیتی سب سے بھی۔ مگر نہ چنانچہ میں نے پوری قوت سے اس کی صفائی شروع
 کر دی اور دلاور سنگھ کو بہت جلد احساس ہو گیا کہ اس نے خوفناک غلطی کی ہے
 لیکن ایسے مواقع تو احساس کے لیے بھی ٹھیک نہیں ہوتے ہیں تو اس کی تاک
 میں تھا ہی اپنے سامنے کے گھاس پھوس کو صاف کرنا جو اس کے بالآخر اس تک
 پہنچ گیا۔ دلاور سنگھ! سو!۔ آؤ جنگ سے پوری طرح لطف اٹھاؤ۔“ میں نے
 اسے لہکارا۔

”تم بھی تک یہاں موجود ہو سکتے ہو؟“ دلاور سنگھ خوفزدہ انداز میں بولا۔
 ”ہاں۔ تمھارا انتظار کر رہا تھا۔ تم ایمان کرنے کا بدلہ لینے کو کہہ گئے تھے؟“
 ”مگر میری تم سے کوئی لڑائی نہیں ہے۔“

”تمھیں معلوم ہے کہ ترکان کی ریاست اب میرے دوست روپ کار
 کی ہے اور تم نے میرے دوست کی ریاست پر حملہ کیا ہے۔“
 ”لیکن ابھی روپ کار یہاں کا راجہ نہیں بنا ہے۔“
 ”آئینہ تو بے گناہ ہے۔“ میں نے کہا اور پھر میں اس کے بالکل نزدیک
 پہنچ گیا اور پھر میں نے اسے لہکارا ”یہاں کیوں تلاش کر رہے ہو دلاور سنگھ؟“
 بہادروں کی طرح لڑو۔ تم تو بڑے مان سے آئے تھے اب انھیں کیوں جھانک رہے
 ہو۔ کیا اس کی ہر کارائی پدنی کے سو فیض آئے تھے۔ کیا تم نے یہ نہ سوچا تھا کہ
 وہاں سوناؤں سے واسطہ پڑے گا؟“

”تم میرا ایمان کر رہے ہو۔“ دلاور سنگھ گرجا۔
 ”ہاں ہاں۔ ایمان تو کر رہا ہوں۔ ایک ایمان کا بدلہ لینے کے لیے تم
 اپنی راجدھانی سے یہاں تک آئے ہو۔ دوسرے ایمان کا بدلہ تم مجھ سے لو۔ تم لو
 کیوں نہیں اٹھاتے موت سے ڈرتے ہو؟“ اور میں نے اس گدھے کو بہر سال
 غیرت دلائی دی اس نے میرے اوپر تلوار کے وار شروع کر دیے اور میں انھیں
 خالی دیتا رہا۔ پھر میں نے کھانا اٹھا دیا اور دلاور سنگھ کی آنکھوں میں موت نکل گئی۔
 ”کیسا ہے یہ تمھارا دلاور سنگھ؟“ میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ دلاور سنگھ
 نے میرے اٹھے ہوئے ہاتھ کو دیکھ کر قہقہے سے تلوار کو دائرہ میں لہلہ کی طرف کیا۔
 گویں نے یہ وار فانی دے لیا تھا لیکن اگر وہ کامیاب بھی ہو جاتا تو کونسا فرق پڑتا
 سولے اس کے کتوں کی دھار بڑا ہو جاتی۔ پھر میں نے وقت ضائع کرنا
 مناسب نہیں سمجھا اور پھر کھانڈے کے ایک وار نے نہ صرف دلاور سنگھ کو
 زندگی کے بوجھ سے آزادی دلا دی بلکہ اس کا گھوڑا بھی درمیان سے دو
 ٹکڑے ہو گیا تھا۔

یوں دلاور سنگھ کا مان ٹوٹ گیا اور اس کی فوج کے بچے کچھ سپاہی
 گرفتار ہو گئے۔ ترکان کا اندازہ درست تھا۔ یہ ساری فوجیں صرف دلاور سنگھ
 کی نہیں تھیں بلکہ اس نے قرب و جوار کے چند چھوٹے علاقوں سے جو اس
 کے سپاہی تھے، بھی فوجیں طلب کر لی تھیں۔ جہاں اسے نہ صرف بدترین
 شکست ہوئی تھی بلکہ زندگی سے بھی ہاتھ دھوئے پڑے تھے۔ میں فوج کی حیثیت
 سے واپس ترکان میں داخل ہوا۔ راجہ ترکان فوجیں سے میری جنگ کا منظر
 دیکھ چکا تھا اور اس کا چہرہ مسرت سے سرخ ہو رہا تھا۔ اس نے دوڑ کر مجھے گلے
 لگالیا۔ ”میں تجھے کیا کموں میں شرب کیا کھوں میں تجھے؟“ جگوان کی سونگڑا اگر
 تو مجھے چھوڑ کر چلا گیا تو میں پاگل ہو جاؤں گا۔ اب میں جیون بھر تجھے نہیں چھوڑ سکتا
 میں۔ میں کیا کہوں۔ تو نے خود میری پری کو سونگڑا نہیں کیا ورنہ۔ ورنہ
 میری خوشیوں کا ٹھکانہ نہیں ہوتا۔“

اس وقت میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا میں اس کی
 فتح کی خوشیوں میں شریک تھا۔ ترکان نے فوری طور پر اپنے خاص آدمیوں کو
 تیار کیا اور اپنی فوجوں کے ساتھ دلاور سنگھ کی راجدھانی پہنچ دیا تاکہ بغیر کسی
 حکومت پر قبضہ کر لیا جائے۔ رات کو اس نے اپنے محل میں ایک شاندار دعوت
 کا اہتمام کیا اور اس دعوت کا رواج رواں میں تھا۔ راجہ نے میرے بالے
 میں اپنے ساتھیوں کو تیار کیا اور میری تم لہلوں کے گانے گائے جاتے ہے اور پھر
 دعوت کے اختتام کے بعد ترکان میرے پاس بیٹھ گیا۔

”مجھے سے میں کہہ دو سرب کہ تم جیون کے کسی حصے میں مجھے چھوڑ دو
 گے تو نہیں؟“ میرے من کو شائبہ لی جانے لگی۔
 ”میں تجھے چھوڑنی شائبہ نہیں دے سکتا مہاراج ترکان! میں نے کہا۔
 ”اے۔“ کیا کیا تم نے؟“ ترکان حیرت سے بولا۔
 ”میں نے کہا ترکان جی! میں تم سے ایسا وعدہ کیسے کر سکتا ہوں جسے
 میں پورا ہی نہ کر سکوں۔“

”کیا مطلب؟“ آخر اس بات کا کیا مطلب؟“ ترکان اسی انداز
 میں بولا۔
 ”میں سا دھونس ہوں راجہ ترکان۔ آج یہاں کل وہاں آج تمھیں
 بتاؤں کہ میں میرے سے سو فیض میں حصہ لینے کی نہیں آیا تھا۔ میں تو اپنی اس
 طرف آ گیا۔ یہ قلعہ دیکھ کر میں نے ادھر کا رخ کیا، پھر نیچے دیکھے اور وہاں پہنچ
 گیا۔ پھر روپ کار سے دوٹی ہوئی اور اس کے بعد یہ سارے جنگ سے میں یہاں
 کیسے رہ سکتا ہوں ترکان مہاراج!“

”تو۔ تو کیا اب تم یہاں سے چلے جاؤ گے؟“ ترکان افریقہ سے بولا۔
 ”ابھی نہیں۔ ابھی میں اس وقت تک تمھارے ساتھ رہوں گا جب
 تک میرے دوست کی شادی نہ ہو جائے میں روپ کار کو بہت چاہتا
 ہوں ترکان مہاراج۔“
 ”ہاں۔ تو نے جس طرح اس کے لیے جنگ کی تھی اس سے اندازہ
 ہوتا ہے۔“

”پہنچائیں اپنے دوست کی تحشیلوں میں غرور شریک ہوں گا۔“
 ”اچھا۔ پھر تم سے استقامت نہ لگایا جاتا تو اچھا تھا۔ تم جاؤ گے کہاں؟“
 ”کوئی منزل نہیں ہے راجہ ترکھان۔“
 ”پھر یہاں سے کیوں جا رہے ہو؟“
 ”گیان کی تلاش میں۔“
 ”تو کیا تم میں بھی میرا سادھو ہو؟“ راجہ عقیدت سے بولا۔
 ”یوں ہی سمجھو ترکھان جی۔“

بھی اب بدل گئی تھی۔ روپ کار کو معلوم ہو گیا تھا کہ وہ اب ایک ریاست کا
مطلق العنان راجہ ہے اس لیے اس کی بات بھی مٹنی چاہئے تھی اور میسر
شہرت تو وہ دوردور پھیل گئی تھی۔ لوگ جن درجن کی کو مجھ سے ملے۔ بڑی
آؤ بخت ہوئی تھی میری۔

کسی طرف سے میری نشاندہی بھی نہیں ہو سکتی تھی۔

”اور میرا خیال ہے گفتگو پھر غلط موضوع کی طرف بھٹک گئی ہے۔“ فرزانہ نے بھر در میان مہم مداخلت کی اور وہ منہس پڑا۔

یہ نیک روشنی اور رات کی تاریکی کیساں حیثیت رکھتی تھی۔ میں اس کا
منازلہ لے ہی رہا تھا کہ وہ بولی۔

”مسافر ہو جا، اس نے پوچھا۔

”ہاں“ میں نے جواب دیا۔

”تو کچھ کھائے پاس چلو“

”کوئی کھانا؟“ میں نے پوچھا۔

”ہمارا کھانا، ورجن لال!“

”کہاں ہے وہ؟“ میں نے پھر سوال کیا۔

”اس وقت تو چوپال میں ہو گا۔“ وہ بولی۔

”چوپال کہاں ہے؟“

”راکھوں کے بیٹا ہو ہے سب اس کی خوشی منا رہے ہیں۔ سب نے اسے
بدھائی دی ہے اور چوپال میں ناچ رگ بھاگی ہے۔ سبھائی بڑا مزہ آتا ہے“

لیکن کیا تم تھکے ہوئے ہو؟“ اس نے پوچھا۔

”نہیں دیوی“ میں نے آہستہ سے جواب دیا اور وہ شہرت آمیز نظروں

سے مجھے دیکھنے لگی۔

”تو کچھ چلو گے چوپال؟“ اس نے پوچھا۔

”ہاں۔ ہاں کہوں نہیں“ میں نے جواب دیا۔

”تو کچھ تم مجھے اپنے گھوڑے پر بٹھالو“ اس نے اپنے دونوں ہاتھ

اوپر اٹھائے۔

اور پروفیسر میری کپڑوں میں خون ٹھوکر میں ماننے لگا۔ یہ تو وہ ہوا تھا
جس کا میں خواہش مند تھا۔ میں نے اسے اٹھا کر گھوڑے پر بٹھالیا اور پھر میں نے

سست روی سے گھوڑا آگے بڑھا دیا۔

لیکن میرا ذہن ہٹل رہا تھا، میری سوچ گراہ ہو رہی تھی۔ میں سوچ رہا تھا
کہ آخر چوپال کیوں جایا جائے؟ چوپال کے بجائے جنگل کا کوئی تاریک حصہ،
بستی سے دور کوئی ویرانہ، میری خواہشات کا مسکن، جہاں میں ہوں اور بیرونی ہو۔
جوان جسم میرے بدن سے سس ہوا تھا اور میرا خون گرم ہوا ہوا تھا۔ لڑکی
کے جسم کے چھتے ہوئے حصے اور میرے خیالات ہٹل رہے تھے۔

”کیا نام ہے تمہارا لڑکی؟“ میں نے پوچھا۔

”گوندی!“ اس نے جواب دیا۔

”ہوں“ میں نے ایک لمحے کے لیے غور کیا اور اپنے پہلے اراکے کو ترک
کر دیا۔ اتنی ہی صبری بھی کسی طور مناسب نہ تھی۔ میں اس سے چوپال کا راستہ
معلوم کرتا ہوا آگے بڑھتا رہا اور کچھ دیر بعد چوپال پہنچ گئے۔
گوندی اسی اطمینان سے میرے پاس بیٹھی رہی تھی اور پھر وہ چوپال کے
قریب ہی گھوڑے سے اتری اور چلائی۔

”چاہا کھانا؟“ دیکھو مسافر! بابے اور میں اسے تھکے پاس لے گئے ہوں
اور چوپال پر بیٹھے ہوئے لوگوں کی گردنیں میری طرف اٹھائیں
گھوڑے سے اترا کر آہستہ آہستہ قدموں سے چوپال میں بیٹھے ہوئے آدمیوں کے

قریب جا رہا تھا۔

اور چھوٹی سی بستی کے چھوٹے چھوٹے دل والے لوگوں کے چہروں سے
پرستش کیا کہ وہ میرے لباس سے کافی متعجب ہوئے ہیں اور میری شخصیت سے
بھی۔ شمع کی روشنی میں ہر حال میں صاف نظر آ رہا تھا۔

جیسے کھینچا گیا تھا وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ دہلا پٹلا سا آدمی تھا، بڑھا
کمزور قرا کا مالک۔

”آؤ بھگوت، مسافر تو بھگوان کا تہذیبوتے ہیں“

”میں بہت دور سے آ رہا ہوں، تمہاری بستی کے قریب سے گذرنا تو
سوچا کہ ایک رات یہاں گذاروں“ میں نے کہا۔

”جگ جگ مہاراج، جنگ جگ، آؤ بھگوت۔ جاؤ گے جاؤ۔ مہاراج
کے لیے مل پانی لاؤ“ کھینچا نے کہا۔

سادہ دل لوگوں کی سادہ محفل میں بیٹھ کر میں نے خوب نطف
اٹھایا۔ کھینچا نے مجھے بتایا کہ وہ اپنے ایک ساتھی کے ہاں بیٹھا ہونے کی خوشی
منانے ہیں اور میں چاہوں تو میں بھی شریک ہو سکتا ہوں اور میں نے آمادگی
ظاہر کر دی۔ کیا ہرج تھا تو شری کی تعریف ہی سی۔ کھینچا نے اپنے کچھ چیزیں
میرے سامنے لائی گئیں اور میں نے یہاں بھی کافی لیے تھقی برتی اور اس کے
بعد ڈھول پیٹ گئے۔ بنواروں کا بے جزم قص شروع ہو گیا جس میں کوئی فریض
تھا کوئی گلا نہ تھی۔ ہاں جان کی اچھل کود بذات خود بھی بہت کچھ ہوتی ہے۔
خاص طور پر مجھے گوندی نے متاثر کیا تھا۔

اور خاص رات کے کھانا ختم ہوئی۔ اس دوران کھینچا نے مجھے سے کہا کہ اگر میں
چاہوں تو مجھے آرام کرنے کے لیے بھیجا جا سکتا ہے۔ لیکن اس دلکش ماحول کو چھوڑ کر
جانا مجھے اچھا نہ لگا۔ ہاں جیسے ختم ہو گئی تو میں نے کھینچا سے آرام کی اجازت مانگی
اور شاید یہ قسمت کی نوازش ہی تھی کہ کھینچا نے گوندی سے کہا،
”میری جان، تم کو گھوڑا لے کر مجھے میرے محل پر لے جاؤ۔ وہاں آرام کرے گا۔“
”اچھا مہاراج،“ گوندی نے مسکراتے ہوئے کہا،

اس درمیان میں نے غور کیا تھا کہ کھینچا نے مجھے سے کہا کہ اگر میں
میرے اوپر چڑھتی ہوں تو میں مشغول کی تیز روشنی میں میں نے دیکھا تھا۔ اگر میرا خیال
غلط نہ تھا تو شاید یہی تھا۔ ویسے میں بہت بلند فطرت نہیں کا شکار تھا، مگر میں
لیکن گوندی جس وقت مجھے چھوڑنے میں چھوڑنے آئی تو میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔
وہ شرمگن۔

”کیا بات ہے مہاراج؟“ وہ زندگی آواز میں بولی۔

”کیا مجھے یہاں اکیلا رہنا پڑے گا؟“ میں نے کہا۔

”نہیں۔ نہیں۔ تم کو تو چاہا کچھ دے دوں“ اس نے شہرت سے کہا۔

”تم یہاں نہیں رہ سکتی؟“ میں نے پوچھا۔

”ہاں۔ ہاں۔ میں یہاں کی گوندی کی بہن رہ کر رہے“

”میری بیوا ہوتی ہے گوندی۔ ویسے میں ایک رات کا مسافر ہوں۔ تہذیب
بستی کا نہیں ہوں۔ صبح چلا جاؤں گا۔ تم چلو اس رات میری میزبان جاؤ۔“

”میں کھینچا جانتے مہاراج، پرنت جب ہم گوندی میں گئے تو چپا
پریشان ہو گا۔“

”لوں بھی اسی رات گزر چکی ہے گوندی، اکیلا تھا رہا جا چا سونے کے لئے
ذرا ٹھیک گیا ہو گا؟“ میں نے اس کے ہاتھوں پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

”ہاں۔ ہاں۔ تم کو تو بڑے کھٹو ہو۔ جان نہ پہچان، یہاں بن کر آتے ہو اور اب
ذرا ہلنے کی بات ہے جاب ہے۔ اس کے الفاظ سے اس کے انداز سے مجھے احساس
ہو گیا کہ وہ مرد کی دنیا میں اپنی نہیں ہے اور اس کی زندگی میں کوئی مرد اجنبی اور
پر اچھی ہی بات تھی پھر میرے درمیان ایک رات میں کسی کو متاثر کرنا بہت مشکل کام ہوتا
ہے۔ پھر بہت سی باتیں ہوئیں اور بالآخر وہ رات میرے پاس رہنے پر آمادہ ہو گئی۔
بالکل اتفاقاً، فکر وہ کام آسانی سے ہو گیا جس کا میں شہت سے طلب کر رہا تھا۔

گوندی نے خوبصورت تھی۔ اس کا جسم حسین تھا۔ لیکن میرا بھی اندازہ درست تھا۔
وہ مردانہ آئینہ تھی۔ پھر یہ صورت تھی وہ۔ نا تجربہ کاری اس میں نہ تھی اور میں نے
مداری باتیں سمجھ لیں لیکن حیرت کی بات یہ تھی کہ پروفیسر گوندی پر مقررہ کاہل
آخر نہ ہو رہا تھا۔ اس لئے کہ شاید یہ سب کچھ اچانک ہو رہا تھا۔ پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ
میرا دھوکا لگائی ہو۔ ویسے میں نے گوندی کے ہاتھ کے ناخن بھی دیکھے تھے اور اسے
غلط نہیں پایا تھا۔

گوندی میری آغوش میں اس طرح سا گئی کہ پھر اسے مجھ سے دور جانے کا خیال
نہ آیا۔ نہ چاہا یا نہ پاؤ کوئی اور نہ میری اجنبیت۔ مداری رات اس نے میرے ساتھ
گزار دی اور دوسری صبح اس نے سوچ نکھنے سے پہلے ہی مجھے جگا دیا۔

”مسافر مسافر، واپس نہ جاؤ گے کیا؟“

”سوچ نکھل آیا ہے گوندی؟“ میں نے پوچھا۔

”ہاں مسافر“

”مجھے جانے کی جلدی نہیں ہے۔“

”مجھے تو جلدی ہے مسافر۔“ وہ ٹھہرتے ہوئے انداز میں بولی۔

”کیا مطلب؟“ میں نے تعجب سے پوچھا۔

”میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔“ اس نے کہا۔

”کہاں گوندی؟“

”یہاں تمہارے ساتھ مسافر۔“

”لیکن یہ اچھی بات نہ ہوگی گوندی۔ میں ایک رات کا مسافر نہیں ہوں۔ اب
فلاورم اس طرح میرے ساتھ چلنے پر تیار ہو گئیں۔“

”میں تمہارے ساتھ جاؤں گی مسافر، اگر تم نہیں لے جاؤ گے تو میں کمزور
میں دھب کر جان دے دوں گی۔“

”آخر کیوں؟“

”میں تمہیں جانتے مسافر۔“

”تم بتاؤ تو؟“ میں نے پوچھا۔

”چاہا جی نے میں مل لال میری رگڑ کی تھی مگر تو ابھی تک نہیں چلا
اور پھر میری پوتہ تو کبھی کی ختم ہو چکی۔ پنڈت جی میری ماں کے کاہک بن گئے

ہیں۔ مرنے والے تھے۔ میں اس بستی والے ایسے اندھے میں کر پڑت ہی کو مہمان
گینا سمجھتے ہیں۔ ان کے کڑوت کیا ہیں یہ کوئی یاد نہیں رکھتا۔ تم کہ مجھے نہ جاؤ
گئے مسافر تب بھی میں اس بستی میں تو نہ رہوں گی۔ کچھ کھا کر سو رہوں گی۔ گوندی
نے کہا۔

”مگر میں تمہیں کہاں لے جاؤں گا؟ میں تو خود ایک آوارہ گرد ہوں۔“
”ہوں“ آوارہ گرد ہوں۔ رات بٹانے کے لئے میرے ساتھ تھے، اور
جب میں اس رات کا ادھیکار مالک رہی ہوں تو جان بچا کر جانے کے چکر میں پڑ گئے۔
پانی کہیں کے محل سے مروا دیے نو روٹی ہوئے ہیں۔ ٹھیک ہے۔ تم نے پہلے جاؤ۔
میں تو اب آتم تہا کر لوں گی۔“

عجب حسیت گئے پڑ گئی تھی۔ اتنی اچھی نہیں نہ تھی۔ کوئی پاک پور لڑکی
بھی نہ تھی لیکن اس نے کچھ کہا تھا وہ مجھے لرزادینے کے لئے کافی تھا میں خوفزدہ
ہو گیا۔

اور پروفیسر جو حالات مجھ پر گزر رہے تھے یا جن حالات سے میں گزر رہا تھا
ان میں یہ لڑکی بھی میرے لئے کافی کام کی تھی اور اس وقت یہ وقت تھی۔ نہ سنا ہے کہ میں
وقت اس پر ضرور کا جاؤں نہ چل سکا تھا۔ میرے ذہن میں ایک شے نے سر اٹھا دیا لیکن
کڑی مہلاج کی بات نہ تھا۔ میں نے اس کے سامنے اپنی خود دیکھے
تھے، سب سلامت تھے اور اس کے کسی انداز میں کوئی تبدیلی نہیں تھی۔ میں نے
اپنی طرح دیکھا تھا۔

کانی درمیان میں گوندی کے عالم میں رہا اس دوران گوندی مجھے توڑ بیٹھتی تھی
رہی۔ وہ ساتھ چلنے کے لئے ہند تھی اور اس دوران اس نے جو خوفناک باتیں کہی تھیں
تب اس سے کوئی خاص لگاؤ نہ ہونے کے باوجود اس سے جلدی ہی پیدا ہو گئی تھی۔
پھر حال مرنا کیا نہ کرنا کے مصداق میں اس جھوٹے سے نکل آیا۔ وہ رے سنی والو کیا
خوب داد دو گے کہ اس کو کہاں بٹھا رہا تھا۔ اب نہیں کیا معلوم کہ کہاں کون تھا، کیا تھا۔
بعض اوقات چم کو چھو نہیں کرنا چاہئے، بہت کچھ کہتے ہیں۔ ”انقلابی حالات“
واقعہات۔ میں نے گوندی کو گھوڑے پر بٹھایا۔ اور یہاں سے بھی آگے بڑھ گیا۔

صورت حال وہی تھی۔ میں اتنی دھڑلے لگا ہوا تھا کہ ابھی دالے میرے
بچھے نہ آ سکتے۔ اور اب تو وہ لگا تھا کہ جیسے جگہ ہی جگہ گئے زندگی گزارنے کی۔
گھوڑا دوڑتا تھا گوندی بے پناہ خوش تھی۔ اور میں اپنی زندگی سے
بیزار آگے بڑھ رہا تھا۔

کئی اعتراف میں نہیں کیا ہوں، کئی مصیبتوں میں گرفتار ہو گیا ہوں لعنت
ہے ایسی زندگی پر۔ لعنت ہے اس دنیا پر جس کے حصول کے لئے اتنی مشکلات
پیش آ رہی ہیں، اور لعنت ہے اس علم پر۔ جب کہ اس سے پہلے میں نے شاعر علم
حاصل کئے تھے اور یہ صورت ان کے حصول کا ذریعہ بڑھتا تھا۔

سفاری رہا جانے کب تک کے لئے پوری زندگی بھی سفر کے لئے
تھی یا شاید زندگی بذات خود ایک سفر ہے لیکن اس میں جو گوندی کا اضافہ ہوا
تھا وہ عجیب و غریب تھا۔ ایسے لگا تھا جیسے وہ آسمان سے ٹپک پڑی ہو، بلاشبہ
بے مقصد۔ مجھے اس کی ذات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

ہیں نہ مانے کیوں میں اسے ساتھ لے آیا تھا البتہ گندی بہت خوش تھی، پہلوؤں کے درمیان وہ پہلی رات سے زیادہ خوش تھی، پنڈت جی نے اسے کافی تجربہ کار بنا دیا تھا اس لئے وہ اپنے تجربات کا مظاہرہ بھی کر رہی تھی اور میں اس سے قیلولہ ہی کر رہا تھا۔

رات گزرنے لگی گوندی میری خوش بین بھی ہوئی تھی شاید یہی پہلی تھی جس سے مجھے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی اس وقت گوندی نے بات تھی لیکن وقت بھی بڑی مشکل سے گزارا جا رہا تھا۔ رات کے آخری پہاڑ کی نہ سونے دینے والی کوششوں کے باوجود میں سو گیا اور بعد زیادہ دیر لگنے لگی تھی کہ اس کیفیت نے مجھے جھنجھو کر اٹھا دیا وہ میرا لباس کھینچ رہی تھی مجھے جھنجھو رہی تھی نہ جانے کیوں مجھے اس سے نفرت ہونے لگی تھی میں نے خوفناک نگاہوں سے اسے گھورا اور پھر سخت لہجے میں بولا، "سونے دو گوندی اب تم اتنی دیکھ رہی نہیں ہو کہ تمہارے لئے پوری رات آنکھوں میں گزار دوں گوندی نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا اس کی خاموشی میرے لئے تعجب خیز تھی میں نے اچانک اسے دیکھا اور مجھے عسوں ہوا کہ شاید گوندی کسی تکلیف میں مبتلا ہے، اس پر شیش کی کیفیت طاری تھی ہاتھ پاؤں مڑے ہوئے تھے اس کے کھینچنے اور جھنجھوڑنے کے انداز میں کوئی طلب نہیں تھی بلکہ بڑا لگتا تھا جیسے وہ اذیت کے عالم میں ہو میرا اچھل کر بیٹھ گیا اس کے دانت بھینچ رہے تھے اور آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں میں نے قرب وجوار میں دیکھا لیکن وہاں کچھ نہ تھا شاید وہ کسی مرض کا شکار تھی میں اس کے لئے کچھ بھی نہ کر سکا اور ذرا فرتہ وہ خود ہی اعتدال پر آگئی، پھر وہ گہری گہری سانس لینے لگی اور تھوڑی دیر کے بعد رتہ خود ہی پر کون ہو گئی۔

"کیا ہوا تھا تمہیں؟" میں نے پوچھا۔
"کچھ نہیں ہمارا سچ بچپن سے یہ حالت ہے کبھی کبھی اس طرح کا دورہ بڑھا جاتا ہے اس نے مسکرا کر کہا۔
"کیا واقعی سچ کا دورہ تھا؟"
"ہاں ہمارا سچ میں بچہ گہری میوں، گوندی نے بدستور مسکرا کر کہا۔
"لیکن میرا خیال کچھ اور ہے۔"
"کیا خیال ہے تمہارا ہمارا سچ؟"
"اس طرح تم مجھے جگانا چاہتی تھیں؟"
"نہیں ہمارا سچ آپ سوچائیے۔"

درحقیقت میں کچھ اس قدر بھلا یا ہوا تھا کہ روٹ بدل کر دوبارہ سو گیا اور دوسری صبح جب خوب دن چڑھے آنکھ کھل کر تیسرا سو گوندی کے زانوں پر کھکا ہوا تھا اور وہ میرے بالوں میں انگلیاں پھیر رہی تھی۔

بہر حال اب اتنی بڑی عمر میں جس نے جس اور میں بھی اتنا پتھر دل نہ تھا کہ اس کی حرکت سے متاثر نہ ہوتا میں اسے پیار کرتا ہوا ہستہ سے اٹھ گیا۔

گوندی میری ہر طرح سے خدمت کر رہی تھی، اس نے گھوڑے کو بھی تیار کر دیا تھا۔ میں نے ایک طویل سانس لی اور سوچا اٹھک ہے مجھ کو جب تک کسی اور لڑکی کا انتظام نہیں ہو جاتا پھر یہی غنیمت ہے۔ یہ میں نے اپنے طور پر سوچا۔

پھر میں نے اسے گھوڑے پر بٹھالایا اور پھر وہی تکلیف دہ، آنا ہیٹ آئیر سفر۔
ابھی ہم تھوڑی دور ہی چلے تھے کہ اتفاقاً قیلولہ پر میری نگاہ گوندی کے ہاتھوں پر پڑی اور اگر میں فوری طور پر خود کو نہ بٹھال لیتا تو گھوڑے کو زوردار مٹھو کر لیتی۔

میں نے مشکل خود کو سنبھالا اور پھر گھوڑے کو گوندی کے ہاتھوں کے ماتحت اچانک غائب ہو گئے تھے اور یہ علامت تھی اس بات کی کہ گوندی اب گوندی نہیں بلکہ منورہ ہے۔

میرے حواس جواب دینے لگے، مجھے گوندی کا قہقہہ تھی وہ یاد آیا، یقیناً منورہ اس کی آتما کی طرح اس کے بدن پر قابض ہونے کی کوشش کر رہی تھی اور جب وہ کامیاب ہو گئی تو پھر اس نے گوندی بن کر ہی مجھے بات کی۔

"وہ لڑکی پریشان ہیں نے دل میں سوچا میرا دل میں اچھل رہا تھا بڑی خوشی ہو رہی تھی اس وقت منورہ اس کی گھٹنے پر بیٹھ گئی، مجھے ہرے تھی کہ ایک بار مجھے دھوکہ دینے میں کامیاب ہو گئی۔ اور بھلا وہ سوائی کسائی کا جنھوں نے مجھ میں منورہ کو پہچاننے کی صلاحیت پیدا کر دی تھی۔

"اٹھک ہے۔ اب میں تمہیں دکھوں گا منورہ! اور میں آہستہ آہستہ اس کے بالوں پر اپنا کھیرنے لگا یہی بال تو مجھے دھکا دے تھے۔ گوندی کی وجہ سے جس قدر مشکلات کا شکار ہوا تھا اب منورہ کے ملنے کے بعد وہ بالکل ختم ہو گئی تھی میں نے اور زیادہ چاہت سے اسے اپنے سینے سے چسکا لیا۔

اور سلسلہ جاری رہا اس کے دل میں لگدگیاں ہوتی تھیں منورہ ہوا آج تک مجھے چوڑی دیتی ہی تھی، جس نے اتنی زندگیاں تباہ کر دی تھیں آج میرے حلال میں جنس مانے گی۔ اور اس کے بعد کھانڈ میں اس کا ہر رُپ پہچان سکوں گا۔ یہ معمولی بات نہیں تھی اب وہ کجنت بسانائی مجھے دھوکہ نہیں دے سکتی تھی۔

میری آنکھوں میں چمک تھی۔ ہم نے دوسرا رُپ اڑا دیا۔ سچ سے وہی ڈھلا۔ آج رات تو میں اپنا کام کرنا چاہتا تھا میں گوندی سے خاموشی کا ڈھکڑا کر رہا تھا میں نے اس کے لئے کھانے پینے کی چیزیں بھی اپنا کر دی تھیں جنہیں ہم دونوں نے خوب لطف لے کر کھا لیا تھا۔ اور پھر میری آنکھوں کی شوقین منورہ مجھیں داخل ہو گئی تھی وہ میرے سینہ کو ملیں کی طرح بھینچ رہی تھی اور میں اسے خود سے کھیلنے کا موقع دے رہا تھا میں چاہتا تھا کہ بے خود ہو جائے اور اسے کوئی شہ نہ رہنے پائے۔

اور یہی ہوا اس کی دنیا کی عروج پر پہنچی تھی۔ ہم کھلے آسمان کے نیچے تھے چاند روشن تھا اور چاند نے نے ماحول کو ایک صاف ستھرا بنا دیا تھا گوندی کے روپ میں منورہ میری آنکھوں میں چل رہی تھی اور اس وقت وہ اپنے حواس میں نہیں تھی میں ہمارے اس کے خوبصورت بالوں میں انگلیاں پھیر رہا تھا اس کے بالوں کی ایک موٹی لٹ میری ایک انگلی میں لپٹ جاتی تھی اور میں اسے زیادہ سے زیادہ بل دیتے جا رہا تھا وہاں تک کہ وہ بھی طرح طرح میری انگلی میں لپٹ گئی اور پھر یہاں تک میں نے اس پر قوت مرن کی اور منورہ کے منہ سے سچ نکلی گئی۔

"ارے۔ ارے۔ یہ کب کیا؟" وہ آواز آخری سچ پڑی نہ دھڑلانی ہو کر نہ

ٹیلی ویژن پر اس موضوع پر اردو میں پہلی کتاب تھی اب تھو نفیاتی ادیب اسلام حسین نے تقریباً ایک سال کی بے انتہا تحقیق اور محنت سے بے شمار جدید و قدیم کتابوں کی مدد سے ایک نئی کتاب ترتیب دی ہے۔

ٹیلی ویژن کی حقیقتات

قیمت: ۳ روپے
ڈاک فرج ۲۳ روپے

جس میں ٹیلی ویژن کے ہر پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

تمام تازہ ترین تحقیقات اور مشقیں اس میں شامل ہیں۔

شمع بینی کے بارے میں ایک مفصل باب مع سوال و جواب۔

ٹیلی ویژن کے بارے میں بے شمار قارئین کے سوالوں کے جواب اس میں موجود ہیں۔

اس طرح ٹیلی ویژن پر ایک مکمل اور جدید ترین کتاب بن گئی ہے

ملکتِ نفسیات پوسٹ بکس ۹۲۲ - کراچی

میں نے ایک سو دو روپے کا تھانہ اور سو روپے مال گردن پیر میں بھیجی لیکن دوسرے
 جھگڑے سے اس کے بالوں کی بڑی سلاخی کے بغیر ہی اس تھانہ مال کی پہنچ
 بدل ہوئی تھی۔ ایک ایک گھنٹہ جس سے پہلے گھنٹے کا اور دو اچھل کر گھنٹے ہو گئی۔
 اس کے سر کے اس حصے سے خون نہ رہا تھا۔

میں تیری دشمن ہو جاؤں گی، میں تیرا یہ سندر مکھڑا سیاہ کر دوں گی میں تیری
دو دلوں کو انھیں پھوڑ دوں گی، میں تجھے اپاہج بنا دوں گی، میرے پاس اب بھی
بڑی سکتی ہے۔
231۔ تو اب کھڑوئے دشمنی کیوں نہ آزمائی؟ میں نے لوجھا۔

• ہرگز نہیں : میں نے اس کی طرف جھلائی۔
• تو یہ یاد رکھنا، اب خود ماحول ان عورتوں کی دشمن نہ ہوگا جو تیرے
• نزدیک نہیں گی، بلکہ اب میں تیری بھی دشمن ہوں، اب میں تجھے بھی نقصان

سادہ کو گناہی کی صورت میرے لئے اچھی نہیں تھی، وہ ہونٹوں پر سکڑا ہوا لٹھے جیسی جانب آ کر تھا، بہر صورت یہ ایک عمدہ انسان تھا اور میں اس سے کسی حد تک متاثر بھی تھا، پتا چن میں نے کھڑے ہو کر اس کا استقبال کیا اور گناہی میرے نزدیک پہنچ گیا۔

دنیا کے حیرت انگیز فن تحریر شناسی کی مدد سے
دوسروں کی شخصیت کو کھلی کتاب کی طرح پڑھیں،

131

اور بی بی زندگی سے تھک جاتا ہوں تو کچھ سکون کی تیسند اپنا لیتا ہوں۔ مجھے نہ انسانوں سے میرے نہ محبت میں تو ان کے دھیان آتے ہوں، ان کے ماحول کو ان کی تہذیب کو دیکھتا ہوں اور اپنی کتاب مرتب کرتا ہوں سب سے زیادہ محبت مجھے اپنی کتاب کے اوراق سے ہے جو تاریخ کی کچی کمانی سنانے ہیں جس میں خفائی توڑم درگزر نہیں درج کئے جاتے، یہ تو انسان کی کچی کمانی ہے جسے میں رقم کر رہا ہوں۔

• میرا کہنا تھا تو وہاں ہے بلکہ، بلاشبہ تیرے پاس سندر کے بہت سے آدرش ہوں گے:

• ہاں۔ میں نے صدیوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے سے گزرتے دیکھا ہے مجھے علم سے محبت رہی ہے اور آج بھی میں علم کے لئے سرگرداں ہوں اور شاید صدیوں بعد بھی، صدیوں بعد کے انسان سے کچھ کچھ لینے کا خواہاں ہو جاؤں گا۔ میرے دل سے تمہارا کیوں بھڑکے گا؟

• بس یہاں کچھ نہیں ہے، میں یہاں سے آگے جانا چاہتا ہوں میں یہ دیکھ چھوڑ دینا چاہتا ہوں۔ یہ آنکھوں کی سوزن ہے اور میں آزلو ذہن کا مالک! اور منوما سے بلانا لوگ؟ کڑائی لے پوچھا۔

• نہیں۔ وہ عورت میرا کیا بگاڑ سکتی ہے، اس نے میرا کیا بگاڑا ہے۔ بس مجھے اس سے یہی پریشانی تھی کہ اس نے ان لوگوں کو ہلاک کر دیا جن کا تھوڑا بہت آئین تھا، لیکن اب میرا معاملہ نہیں ہے، میں تو یہ کشیش چھوڑ ہی رہا ہوں۔ اور یہ حقیقت تھی کہ روفیسر کو اچانک میرے ذہن میں کچھ جھلکا ہوں نے جڑا تھا۔ میں نے واقعی سوچا تھا کہ اب یہاں رہنا فضول ہے۔ اگر فوری طور پر میرے مطلب کی کوئی سوزن نہ مل گئی تو میری سوزنا پسند کروں گا، طویل اور گہری نیند۔

• میرے دل سے ایسے نہ بھابھ، یہاں ابھی بہت کچھ ہے۔ تجھے بہت کچھ ملے گا۔ میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ اگر تو کیاں چاہتا ہے تو میں تجھے راستے دکھا سکتا ہوں۔ آج بھی وہی بات کہہ رہا ہوں:

• تم اس دیش کے ایک اچھے انسان ہو کر نہ رہو، میری کتاب میں تمہارا نام ایک اچھے انسان کی حیثیت سے درج ہوگا اور اگر کبھی کسی بھی دور میں تاریخ کی یہ سچی کتاب ایک دور کے انسانوں کے سامنے آئی تو وہ اس میں تمہارا نام ضرور دیکھیں گے۔ میں اٹھ گیا، اور اب مجھے ستاروں کی آکھ کا بھی انتظار نہیں تھا مجھے سندر کی تلاش تھی۔ ذہن پر جو کچھ سوار ہوا تھا اسے میں فوری طور پر پورا کر دینا چاہتا تھا۔ کڑائی نے مجھ سے بہت سی باتیں کہیں، لیکن میں نے ان پر کوئی توجہ نہیں دی اور چلتا رہا۔ اس وقت سے بے نیاز، مجھ پر نیند سوار تھی اور مجھ پر سندر کی چٹنگ آواز کی آواز تھی۔ میں نے سوچا کہ میری آنکھیں ایک دوسرے سے بوجھ لگیں، مشکل میرے قدم مجھے سندر تک لے گئے۔ اور پھر میں نے خود کو سندر کے نرم لہر پر گر دیا، گہرے اور گہرے سندر کی طرف۔ اور پھر میں دنیا سے بے خبر ہو گیا۔ میں میری محافظ نگاہیں، نہ جانے کب تک کے لئے

سندر

ماں کی نرم آغوش کی مانند۔ میں ماں اور باپ کے لفظ سے آشنا ضرور ہوں پر روفیسر لیکن مجھے ان لفظوں کی دلکشی اور ان کے ساتھ اٹھنے والے تصور سے ناواقفیت ہے۔ ماں میں نے لوگوں کے جذبات اور اپنے مشاہدے سے ماں کا احساس کیا ہے۔ میں نے تکلیف سے بھٹکتے ہوئے بچے کو ماں کی آغوش میں پرسکون ہونے دیکھا ہے اس لیے سکون کی جگہ کے لیے میں ماں کی آغوش کے لفظ کو سب سے مؤثر اور جامع سمجھتا ہوں۔ میری اس طویل کمانی سے تم نے اندازہ لگایا ہوگا کہ اور اس مجھے کتنی بڑی قدرت حاصل ہی ہے۔ میں نے کس طرح ہر ماحول کو زبان کیا ہے۔ کوئی سا دور ہو کیسے ہی لوگ ہوں بہر حال انھیں میری حیثیت میری ترقی تسلیم کرنی ہی پڑی ہے لیکن اس طویل زندگی میں جب بھی میں نے اپنے بارے میں غور کیا تو خود کو بے شمار چیزوں سے محروم پایا اور روفیسر میں نے ان چیزوں کے حصول میں خود کو بے بس بھی پایا، جن میں سے ایک ماں بھی ہے۔ میری یہ کمانی سبق دیتی ہے کہ محاتی زندگی میں خود کو مکمل سمجھ لینے والے کس قدر احمق ہوتے ہیں۔ میں نے اس طویل زندگی میں بھی اپنی مرضی کے مطابق وہ چیزیں حاصل کرنے میں ناکامی کا مزہ دیکھا جنھیں میں حاصل کرنے کا خواہش مند تھا۔

”بڑی عمدہ بات کسی ہے تم نے، پر روفیسر خاوند نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

”گہری نیند سوجانے کے بعد آپ کے احساسات بھی سوجاتے ہوں گے اس وقت آپ کے ذہن میں کوئی بات تو نہ ہوتی ہوگی؟“ فرزانہ نے پوچھا۔

”ہاں اس انسان کی مانند جو ستر پر سکون کی نیند سوجاتا ہے“ اس نے جواب دیا۔

”کیا سندر کا کوئی طوفان یا سندر میں کوئی حادثہ آپ کو جگا نہیں سکتا تھا؟“ فرزانہ بھی خاموش نہ رہی۔

”جگا سکتا تھا لیکن حادثے میرے لیے نقصان دہ نہیں ہوتے اس لیے میں نے کبھی ان کی پروا نہیں کی۔ ایسے اوقات میں میری کیفیت اس انسان کی ہوتی ہے جسے سوتے میں کسی چیز کے گرنے کی آہٹ محسوس ہوتی ہے لیکن اسے اندازہ ہوتا ہے کہ کیا چیز گری ہے اس لیے وہ اس کی پروا کیے بغیر دوبارہ کوٹ بدل کر سوجاتا ہے۔“

”لیکن ہمارے مسئلے میں تو ایسا نہیں ہوا تھا؟“ فرزانہ بولی۔

”میں انسانوں کی ایک علیحدہ قسم میں ضرور ہوں لیکن میری ضرورت یہ وہ تھمے دوسرے انسانوں سے مختلف نہیں پائی ہوں گی۔ مثلاً خوراک، یہ حقیقت ہے کہ اگر خوراک نہ ملے تب بھی میں نہ تو محسوس ہوں گا اور نہ میری کیفیت خراب ہوگی لیکن خوراک کے حصول کے بعد جو سکون ملتا ہے اسے تم میری ضرورت سمجھ سکتے ہو پر روفیسر اس طرح میرا یہ چند باتوں سے جلا پاتا ہے اور دنیا کی ترقی نے مجھے بھی بہت کچھ دیا ہے۔ مثلاً اپنے جسم کی

ترقی و تازگی کے لیے میں نے اس بار ایسی ایجاد کی تھی جس سے میرا جسم متاثر نہ ہو۔ تم درست زبان میں سمجھو مجھے علم ہو گیا کہ اب میں جس صدی میں سو رہا ہوں اس کے بعد کی صدیوں کا انسان بے حد خطرناک ہوگا۔ وہ ایسی زہریلی گیسوں پر قابو لینے کا جو دور روک رکھا تھا یہی سمجھنا میں کی بارڈر کوئن کے علاوہ وہ بہت سی قوتوں کو تابع کرنے کا اور اس طرح خطرات بڑھ جائیں گے چنانچہ میں نے اپنے بدن کو ان خطرات سے محفوظ کیا تھا۔“

”اوہ۔ یہ بات ہے؟“ خاوند نے گردن ہلائی۔

”ہاں پر روفیسر اور اس میں کوئی باوہ کوئی نہیں ہے۔“

”تو تم بتاؤ کہ تم سندر کی آغوش میں سوتے ہوئے تھے۔“ فرزانہ بولی۔

”ہاں اور میں نے اسے ماں کی آغوش سے تشبیہ دی تھی۔“ وہ مسکرا کر بولا۔

”میں یاد ہے؟“ فرزانہ نے کہا۔

”اور ماں کی آغوش بھی یاد ہے؟“ اس نے پوچھا۔

”اوہ۔ وہ نہیں؟“ فرزانہ نے جواب دیا۔

”یہ بچپن بھی اس سس سے ناانوس ہیں۔ میری بیوی ان کے بچپن میں ہی انتقال کر گئی تھی۔“

”اوہ۔ اس طرح ہم لوگوں میں کوئی بات مشترک تو نکلی۔ بہر حال

میں ماں کی آغوش کا تجربہ ہی اس لیے کرنا چاہتا تھا اس آغوش میں بڑا سکون ہے اور اس پرسکون آغوش میں سوتے ہوئے اگر کوئی جگنے کی کوشش کرے تو بہت غصہ آتا ہے۔ مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا کہ سندر میں سوتے ہوئے مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا کہ سندر میں سوتے ہوئے مجھے کتنا غصہ گزر چکا ہے۔

میری نیند اس قدر گہری تھی کہ مجھے اس دوران ہونے والے واقعات بھی یاد نہیں رہے۔ میں تو اس وقت جاگا جب نہ جانے کیسے دھکے میرے کانوں میں گونج رہے تھے۔ میری کیفیت ایسی ہی تھی جیسے کسی کو کچھ نیند سے جگا دیا جائے۔ میں نے خواہرہ آنکھوں سے ارد گرد کے ماحول کو دیکھا اور پھر مجھے حیرت ہوئی نہ جانے میں کس سندر کی مخلوق کے درمیان تھا یا لگوں کی ہستی میں۔ میں نے محسوس کیا کہ میں کسی اونچی جگہ پر ہوں اور میرے گرد بے شمار لوگ کھڑے ہوئے تھے۔ رنگارنگ لباس پہنے انھوں پر تنگ لگے ان کے ہاتھوں میں عجیب قسم کے چھوٹی چھوٹی گولیوں کے سائے تھے۔ جس چیز سے دھکے پیدا ہوئے تھے وہ گولوں کی آواز تھی جو سوتے ہوئے ذہن پر لاسی ہی ضربیں لگاری تھی جیسے دھکے پہنچ رہے ہوں۔

لیکن میں ان گدھوں کے ہاتھ کہاں سے لگ گیا اور ارد گرد کے ماحول سے یہ بھی نہیں احساس ہوتا تھا کہ یہ سندر ہے۔ چند تو یہ جلتا تھا کہیں ابھی تک انھی آیلوں کی سوزن پر تھا جہاں سے میں نے پریشان ہو کر نکل جانے کا عہد کیا تھا۔ ان کے لباسوں اور پیشانی کے نشاںوں سے اس بات کا اندازہ ہوتا تھا کہ وہ لٹلا اور مذہباً ہندو ہیں۔

بعد میں میں نے حالات کا مزید جائزہ لیا اور مجھے پتہ چلا کہ میں ایک زمین سے کسی قدر اونچے مٹی کے چبوترے پر رہوں۔ میرے چاروں طرف خوشبو کی سلگ رہی تھیں جن کا دھواں مجھے کسی حد تک مانگ اور محسوس ہو رہا تھا۔ لیکن آخر یہ ہے کیا لغویت؟ میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور میرے اٹھتے ہی بے شمار آوازیں گونج اٹھیں۔

”ہے بھگوان۔ ہے رام۔ ہے شکر۔ ہے اوم۔ پھر سکھ اور مجھے بچنے گئے۔ کان بھاڑ دینے والی آوازیں چاروں طرف سے ابھر رہی تھیں اور اس کے ساتھ ہی لوگ جمع رہے تھے۔“

”جاگ اٹھا۔ جاگ اٹھا دھن داسو۔ اہم پر وہاں جاگ اٹھا۔ چنگار ہو گیا۔ دھن واد چنگار ہو گیا۔ جاگ اٹھے بھاگ ہمارے اور اب چننا نہیں اہم کار ہو گیا۔“

میں ان آوازوں کو سن رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ اپنی دانست میں ان احمقوں نے کوئی کارنامہ انجام دیا ہے لیکن انھوں نے میری نیند خراب کر دی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ سوتے ہوئے مجھے بھی زیادہ وقت نہیں گذر رہا ہے خیر دیکھوں تو میں ان گدھوں نے کیا پتہ چلا ہے۔ میں خاموشی سے بیٹھا انھیں دیکھتا رہا۔ عورتیں بھی تھیں اور مرد بھی۔ خوبصورت ہندو عورتیں مجھے ہمیشہ سے پسند تھیں۔ لڑائے والیوں میں بھی بہت سے خوبصورت چہرے ایسے تھے جنھوں نے میری توجہ اپنی طرف مبذول کر لی۔ ان کی تعداد کافی تھی۔ بہر حال اس وقت تو میں اپنے اس طرح جاگ جانے سے زیادہ خوش نہیں تھا اس لیے پوری طرح ان کے چہروں کا جائزہ نہیں لے سکا۔ میں تو ان لوگوں کو دیکھنا چاہتا تھا جو میرے اس طرح جاگ جانے سے بیحد خوش نظر آ رہے تھے۔ نہ جانے کیوں؟ اب تو ان سے معلوم ہی نہ کرنا پڑے گا چنانچہ میں جو تیرے پر کھڑا ہو گیا۔

لوگ مجھ سے سستے ہوئے بھی تھے اور ان کے چہروں پر عقیدت بھی نظر آ رہی تھی میں نے بے زاری سے انھیں دیکھا اور پھر انھیں قریب آنے کا اشارہ کیا۔ دو تین بوڑھے آدمی ہاتھ جوڑے میرے نزدیک پہنچ گئے انھوں نے مجھے پر نام کیا تھا۔

”کیا بات ہے؟ کیوں جمع ہوئے ہو تم لوگ؟“ میں نے بھاری آوازیں پوچھا۔

”ہے اہم پر وہاں ہم تیرا سوگت کرتے ہیں۔ ہم اپنے درمیان تجھے پاکر بہت خوش ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ تو ہمارے سائے کشٹ دور کرے گا۔ ہم تیرا سوگت کرتے ہیں بھگوان۔“

”اوہ تم مجھے نکال کہاں سے لائے؟“

”ست ساگر سے ہمارا جانت ساگر سے۔“ وہ ہاتھ جوڑ کر بولے۔

”کیا فضول کو اس لگا رکھی ہے۔ کسی ڈھنگ کے آدمی کو بلاؤ۔“ میں نے جھلٹلے ہوئے انداز میں کہا اور وہ سستے ہوئے انداز میں پیچھے ہٹ گیا۔

گئے اور ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔

تب ان کے عقب سے ایک شخص آگے بڑھا اور میرے سامنے پہنچ گیا۔ یہ ایک دراز قامت بوڑھا تھا۔ اس کی داڑھی کافی لمبی تھی اور لمبے لمبے بال جٹاڑوں کی شکل میں جھبے ہوئے تھے۔ اس نے بھی میرے سامنے عقیدت سے ہاتھ جوڑے اور دیکھ دوسرے لوگوں سے بولا۔ ”دیکھتے نہیں ہو، ناچو مہاراج گہری نیند سے جاگے ہیں، ابھی سے انھیں پریشان کر رہے ہو۔ جاؤ، انھیں آرام کرنے دو، وہ پھر تھیں روشن دیں گے۔“

بوڑھے کی آواز وزن کوئی تھی۔ عقیدت مند چھپتے گئے اور بھڑکی دیر کے بعد وہ ہاں سے چلے گئے۔ صرف بوڑھا ضعیف میرے سامنے کھڑا رہا تھا۔

”یہ کون سی جگہ ہے؟“ میں نے پوچھا۔ اتنا اندازہ تو مجھے ہو گیا تھا کہ کسی طرح میں انھیں سمندر میں مل گیا ہوں۔ احمق لوگ جہاں میرے بالے میں کیا کیا مفروضات گھڑ لیے ہوں گے اور مجھے سمندر سے نکال لائے ہیں۔ اب یہ کہہ رہی ہیں کہ تو مجھے انھیں بھی دیکھ لیا جائے۔ نیند تو اب اچٹ ہی تھی۔

”کشت بھومی ہے مہاراج، کشت بھومی، جہاں ہم جہیوں کشتیاں بھوک رہے ہیں۔“ بوڑھے نے جواب دیا۔

”تھاری سستی کہاں ہے؟“

”پہاڑوں میں رہتے ہیں مہاراج۔ گچھاؤں میں رہتے ہیں۔“

”اوہ کیوں؟ صورتِ شکل سے تو مجھے سمجھ اتر رہا تھا۔“

”جہاں پر بردھان، یہی تو رہا ہے۔ ہم سے ہلکے گھر چھین لیے گئے ہیں۔ در بدر کر دیا گیا ہے۔ ہم پرنت اب توجا اٹھا ہے، اب ہمارے سارے کشت دور ہو جائیں گے۔“

”تھارا کیا نام ہے؟“ میں نے اس کی بکواس سے بور ہو کر پوچھا۔

”ہری داس۔ داس کا نام ہری داس ہے۔“

”تو ہری داس تم نے مجھے گہری نیند سے بگاڑا ہے۔ کیا تھارے پاس کوئی ایسی گھاہ نہیں ہے جہاں میرے لیے جگہ بن سکے۔ میں ابھی تھاری کچھ نہیں سوں گا، پہلے تھیں مجھے ہوش میں لانے کے لیے کچھ کرنا ہوگا۔“

”جگہ جگ بھگوان، مہاراج چند گپت نے خود آپ کے لیے ایک گچھاالی کوئی ہے۔ پدھارہ مہاراج۔ پدھارہ، اس نے استقبالیہ انداز میں کہا اور میں اس کے ساتھ چل پڑا۔

پہاڑی علاقہ خستہ سبزہ نواس سرزمین کے چتے چتے پر تھا اور یہ اس کی خوبی تھی۔ میں نے جہاں کہیں بھی نہ دیکھی تھی۔ اس سلسلے میں یہ سرزمین مجھے بہت پسند آئی تھی۔ ایک اونچا پہاڑی سلسلہ دو رنگ چلا گیا تھا اور ان پہاڑیوں میں جگہ جگہ سوراخ تھے۔ یہی سوراخ ان لوگوں کا مسکن تھے۔ سوراخوں میں لوگ آئے جاتے نظر آ رہے تھے۔ وہ سب ترک کر مجھے دیکھنے لگے تھیں۔ اس وقت میں نے ان کی طرف توجہ نہیں دی۔ میں ایک عجیب سی لہجے میں محسوس کر رہا تھا۔ بہر حال میں ایک غار میں

آگیا جسے حتی الامکان سجانے کی کوشش کی گئی تھی۔

”ہری داس!“ میں نے بوڑھے کو پکارا۔

”مہاراج۔ داس حاضر ہے۔“ وہ ہاتھ جوڑ کر بولا۔

”کیا تم آگ کا بندوبست کر سکتے ہو؟ میں نہان کروں گا۔“ میں نے کہا اور بوڑھا سر کھانے لگا۔

”کیا مہاراج گرم پانی سے اشتان کریں گے؟“ اس نے پوچھا۔

”نہیں، دھکتی ہوئی آگ سے۔“ تھارے ہاں کوڑیاں تول جاتی

ہوں گی؟“ میں نے پوچھا۔

”ہاں۔ ہاں مہاراج جتنی من چاہے۔“

”بس تو کسی مناسب جگہ ایک بڑا والا بھلا دو اور اس میں خوب تیز آگ روشن کرو۔ آگ جتنی دھکا دے سکتے ہو دھکا دو۔ میں اس کے بعد ہی تم لوگوں سے باہر کروں گا۔“ میں نے کہا۔

”ہو آگیا مہاراج!“ اس نے بول کھلائے۔ بڑے انداز میں کہا اور میں پھسکی سی سہنہ سن کر رہ گیا۔ بوڑھا ماہر نکل گیا تھا۔ یہ سب کچھ نیا نہیں تھا۔ پروفیسر لاو مجھے وہی باتیں وہی انداز دہرا رہا تھا۔ میں نے نہیں تھا لیکن اگر تم عورت کو تو اس سے ایک بات کی تصدیق ہوتی ہے۔ انسان ابتدا سے ہی مجیز العقول واقعات سے متاثر ہوتا رہا ہے۔ وہ ہمیشہ ان چیزوں سے معذب ہوا ہے جس کی سمجھ میں نہیں آتی۔ اور شاید آج تک انسان اپنی اس فطرت کا تابع ہے۔ اس کی یہ عادت آج تک نہیں بدل سکی۔

بہر حال ابھی مجھے ان لوگوں کے بارے میں معلومات نہیں تھیں۔ نہ جانے کون تھے کون سے علاقے سے نکلے تھے، مجھ سے کیا چاہتے تھے؟ لیکن جو بکواس انھوں نے کی تھی اس سے پتہ چلتا تھا کہ کسی مصیبت کے شکار ہیں اور مصیبت کے قتل انسان انہی توہمات کا سہارا لیتا ہے۔ بہر حال یہ سب کچھ ہر امیری مرضی کے خلاف تھا۔ میں ابھی جاگتا نہیں چاہتا تھا۔ ابھی تو مجھے سوئے ہوئے فحش وقت بھی نہیں گذرنا تھا۔ اب آگ ہی میرے بدن کی گولت دور کر سکتی تھی۔

لیکن ایک بات سوچنے کی اور تھی۔ انھوں نے کسی چند گپت کا نام لیا تھا۔ شخص کون تھا۔ بظاہر یہ پہاڑوں میں رہنے والے ایک گروہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان کی کوئی حکومت تو معلوم نہیں ہوتی تھی لیکن توئی دیر کے بعد میرے ذہن کی ساری تھکن اچانک دور ہو گئی۔ دو خوبصورت لوگیاں اندر داخل ہوئی تھیں۔

”داسیاں ہیں مہاراج۔ میرا نام بیلا ہے اور یہ کامنی ہے۔“ انھوں نے بے تکلفی سے کہا۔ ان کے اندر اس قدر شوق معلوم ہوتی تھیں۔ ان کی آنکھوں میں میرے لیے خوف بھی نہیں تھا۔

”یہاں کیوں آئی ہو؟“ میں نے پوچھا۔

”سیوا کرنے مہاراج!“

”اوہ۔ تو سیوا کرو۔“ میں مسکرا کر بولا۔

”آگیا دین مہاراج۔“ دونوں مستعدی سے بولیں۔

”تھیں کس نے بھیجا ہے؟“

”ہری داس مہاراج نے۔“

”یہ ہری داس کون ہے؟“

”وہی جو ابھی آپ کے پاس سے گئے ہیں۔“

”اوہ۔ یہ تو میں ہی جانتا ہوں گروہ تھارے درمیان عجیب

حیثیت رکھتے ہیں؟“

”مہان پرش ہیں۔ گیانی ستیہ ناتھ کے سب سے بڑے چیلے۔“

”گیانی ستیہ ناتھ؟“

”مہان گیانی۔“ انھوں نے ہی تو آپ کے بارے میں بتایا تھا۔“

کامنی بولی۔

”خوب! کیا بتایا تھا؟“

”اب یہ تو ملی کامنی ہے۔ پہلے تم نہیں یہ بتاؤ کہ ہم تھاری کیا سیوا کریں؟“ بیلا نے کہا۔ لوگیاں واقعی مذاق تھیں اور مجھے وہ حیثیت نہیں دے رہی تھیں جو ان حالات میں دینی چاہیے تھی۔

”ہوں۔ تو تم سیوا کرنے آئی ہو؟“

”ہاں مہاراج!“

”گلاس وقت تو میر کوئی کام نہیں ہے، سوئے اس کے کہ تم

مجھ سے بات کرو لیکن اگر تھارا دل مجھ سے باتیں کرنے کو نہیں چاہا تو تو

تھاری مرضی سے تم جا سکتی ہو۔“

”چلو بیلا چلیں۔“ کامنی نے کہا۔

”اری تو جا۔“ تجھے تیرا بیدی یاد آ رہا ہوگا۔ میرا کون ہے۔ میں تو

مہاراج سے باتیں کروں گی۔“ بیلا نے شرارت سے کہا۔

”بیدی کون ہے؟“ میں نے دلچسپی سے پوچھا۔ کامنی کے چہرے

پر شرم کی سرخی پھیل گئی۔

”پریمی ہے اس سسری کا۔ پریم جہاں میں چھپی ہوئی ہے بیچارہ۔

بلے بلے۔“

”بیلا! تو باز نہیں آئے گی؟“ کامنی نے اسے آنکھیں دکھائیں۔

”اے واہ۔ کوئی بھڑکتی فٹوری بولی رہی ہوں مہاراج بیگوان

کی سوگند اچھی رات کو اٹھ کر اس کے پاس جا رہے ہے۔“ بیلا نے ہنستے

ہوئے کہا اور ایک طرف سر کھ گئی۔

”بلے رام۔ لاچ نہیں آوے ہے تجھے۔“ کامنی نے دونوں

ہاتھ چہرے پر رکھ لیے۔

”اے تو مہاراج، اس میں لاچ کی کیا بات ہے؟ کوئی بات ہے؟“

”بالکل نہیں۔“ میں نے دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔

”سمجھاؤ اسے۔“

”تم بھی تو اس کے بارے میں بتاؤ کامنی، کیا یہ کسی سے پریم نہیں

کرتی؟“ میں نے پوچھا۔

”اے ہم ایسے گڑبی نہیں جس میں چپوٹے لگیں۔“ بیلا نے کہا۔

”کیا مطلب ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”یہ بڑی کٹھور ہے مہاراج۔ بے چارے تھوٹے اس سے پریم بول

کے اس نے رات کو اسے بلایا اور دوسری طرف اس کے چاچا کو بھی۔

اسے چھپا کر اس نے تھوٹے کہا کہ وہ پھر سے کہے کیا کہہ رہا تھا۔ بس پھر کیا

تھا، تھوٹے پریم بول کے دل اور اس کے چاچا نے ہنستے ہوئے جوتے سے

اس کی وہ پٹائی کی کہ اس دیکھتے رہو۔“ کامنی نے جواب دیا۔

میں بے ساختہ ہنس پڑا تھا۔ ان سے سے چہروں سے مجھے

دمشت ہو رہی تھی لیکن ان بے تکلف لوگوں کی فٹوری ہی دیر کی گفتگو

نے میرے ذہن کو شگفتگی سے بھری تھی۔

”اچھا کامنی، تم جاؤ۔ میں بیلا سے باتیں کروں گا۔“

”بھگوان کرے۔“ یہ تھارے پریم جہاں میں چھپیں جائے، کامنی اسے

کوئی ہوئی بولی اور نہ مروتی ہوئی بائیں گئی۔ بیلا تھوٹے لگا رہی تھی۔

میں خاموشی سے اسے دیکھا رہا اور پھر ایک بار میرے چہرے کی

طرف دیکھ کر وہ ایک دم غیبہ ہو گئی۔ بلے رام۔ آپ مہاراج۔ آپ

ناراض تو نہیں ہوئے؟“

”دیکھو؟ اس میں ناراض ہونے کی کیا بات ہے؟“ میں نے

کہا اور وہ پھر ہنس پڑی۔

”بس مجھے تو نہیں معلوم گروہ سے لوگ تھیں نہ جانے کیا کچھ

ہے۔ ہری داس جی تو تھارے نام سے کانپ رہے تھے۔ میں بہت

سمجھا کہ تم تھاری سیوا بڑے من سے کریں۔ اگر پریم بردھان ناراض ہو گئے

تو پوری آبادی پرکشت آ جائے گا۔ تم بتاؤ مہاراج ایسا ہوگا تو نہیں۔“

اس نے مصوویت سے سوال کیا۔

”نہیں ہوگا لیکن ایک شرط پر۔“

”شرط؟ کیسی شرط مہاراج؟“ اس نے پوچھا۔

”میں تجھ سے جو کچھ پوچھوں تجھے بتا۔“ میں نے کہا۔

”بتا دوں گی پر مجھے پتہ ہے کہ کیا تو دو، کھڑے کھڑے تھک گئی

ہوں۔“ اس نے کہا اور میں نے اسے بیٹھنے کی پیشکش کر دی۔ وہ اطمینان

سے زمین پر بیٹھ گئی اور پھر بولی۔ اب اب پوچھو۔“

”پہلے تو اپنے بارے میں بتا۔“

”کیا بتاؤں اپنے بارے میں؟“

”تو کون ہے؟“

”اے بتاؤ چلی ہوں اونچی مٹتے ہو کیا میرا نام بیلا ہے۔“

وہی رام کی بیٹی ہوں۔ تھارے پاس اس لیے بھیجا گیا ہے کہ تھاری سیوا

کروں تاکہ تم مجھے آشیر داد دو اور میرے نصیب اچھے ہوں دربار سے

کشت بھی دور ہوں۔“

”اوہ کیشٹ کیا ہیں نکھارے؟“

”لو یہیں نہیں معلوم۔ اے ہم سلسلے ان پہاڑوں میں ٹھوڑی بہتے ہیں۔“

”اوہ۔ پھر؟“ میں نے پوچھا۔

”ہم گھوم دیش کے باسی ہیں۔ ہمارا جہ پابند جی نے ہیں رہبر کیا ہے۔ ہمارا جہ چنڈ گیت کرکے ہیں کہ راجہ پابند سے رن کریں اور راجہ دھانی چھین لیں۔“

”اوہ۔ چنڈ گیت کہاں ہے؟“

”کہیں گئے ہوئے ہیں۔ اب ساری باتیں تو ہمیں معلوم نہیں ہیں۔“ اس نے ان باتوں سے اکتے ہوئے کہا۔

”خوب امیرے بارے میں تو کیا جانتی ہے؟“

”تو کھائے بالے میں کیا جانوں؟“ اس نے انھیں بچاتے ہوئے کہا اور اس کی شکل دیکھنے لگا۔ درحقیقت اس احمق سی لڑکی سے مجھے اس سے زیادہ کچھ نہیں معلوم ہو سکتا تھا۔

”شادی ہوگئی تیری؟“ میں نے پوچھا۔

”دیکھو۔ دیکھو۔ ایسی باتیں مت کرو! اس لیے نہیں کہ مجھے شرم

آوے ہے بلکہ میں تو شادی کروں گی ہی نہیں میں کسی کے خنے وغیرے

نہیں اٹھا سکتی میں نے ماما جی سے پہلے ہی کہہ دیا تھا۔ اے واہ ایک تو

شادی کرو اور پھر پتی دیو کے خنے اٹھاؤ۔ یوں اٹھتے ہوئے کتے ہیں

جیسے لٹکا جیت کر گئے ہوں۔ پھر ان کے چرن دھلاؤ ان کے لیے بھوجن

پرو سو اور جب وہ بھوجن ٹھوس ہے ہوں تو پیچھ کر انھیں ہٹکا جھٹو جیسے

سورگ کا ٹھیکہ انھوں نے ہی لے رکھا ہو۔“ اس نے اس انداز میں کہا کہ میں

بہت محفوظ ہوں۔ جاگ جانے کا ادھی کوئی اس لڑکی نے ڈر کر ہی تھی۔

”تو تو شادی نہیں کرے گی؟“ میں نے لطف لیتے ہوئے کہا۔

”نہ ہمارا جہ نہ بھگوان نہ کرے۔“ بالے میں تو کہتی ہوں ہٹھیا را

کو مٹی ہی ہو جائے جو مجھ سے شادی کرنے آئے۔ بیلا دانت ہیں کہ بولی۔

”پریم بھی نہیں کیا بیلا؟“

”لو۔ پریم کر کے کیا کروں؟ کسی سے پریم کرو تو پھر وہ شادی کے

لیے کہے گا تم نہیں جانتے ہمارا جہ میرا مرد ہے ہی بچ جات ہوئے ہیں۔

جب پریم کرے ہیں تو ایسی باتیں کرے ہیں جیسے جیون پھر چرن دھنوں کو

پیمیں گے اور جب ان کی بات مان کر شادی کرو تو بس سارا پریم بھول

جاوے ہیں۔ نہ ہمارا جہ میں پریم ورم کے چکر میں نہ رہوں۔“

”بڑی اچھی لڑکی ہے تو۔ میں نے ایک گہری سانس لے کر

کہا۔ اس کی باتوں نے مجھے بہت محفوظ کیا تھا۔

”اب ہم جا رہیں ہمارا جہ“ کوئی کام ہو تو بتاؤ؟“

”کوئی کام نہیں ہے۔ بیلا۔ بس تم آتی رہنا۔“

”ہاں! ان آئیں گے۔ جے رام جی کی۔“ اس نے کہا اور باہر نکل

گئی۔ میں اس کی باتوں پر دیر تک مسکراتا رہا تھا۔ پیاری لڑکی تھی

بہر حال اب ان لوگوں نے میری نیند تو خراب کر ہی دی تھی۔ بیلا نے جو

کچھ بتایا تھا وہ نا کافی تھا لیکن اس سے زیادہ میں اس لڑکی سے کچھ معلوم

بھی نہیں کر سکتا تھا۔ یہ توصات ظاہر تھا کہ یہ لوگ مجھ سے کسی قسم کی مدد

چاہتے تھے اور وہ لڑکی تھا جو پہلے ہی پیش آچکا تھا۔ بہر حال اس دنیا

میں تو بہت کم بڑی حیثیت حاصل تھی۔ ان لوگوں کا بھی کوئی ایسا ہی

سلسلہ ہوگا۔ پھر ہری داس واپس آ گیا۔

”آگ جلوا دی گئی ہے ہمارا جہ، پر آپ نشان کیسے کریں گے؟“

”آؤ مجھے ہاں سے چلو۔“ میں نے کہا اور ہری داس کے ساتھ

باہر نکل آیا۔ پہاڑوں میں بے شمار جنگیں ایسی تھیں جہاں آگ روشن

کی جاسکتی تھی۔ کافی دور پر ایک پہاڑی ٹٹاؤ میں نے شعلے بلند جوتے

محسوس کیے۔ بہر حال ابھی وہاں کوئی تاشہ دکھانا مقصود نہیں تھا میں

توصرت اپنے آپ کو درست کرنا چاہتا تھا، چنانچہ میں نے کسی طرف

توجہ نہیں دی اور شعلوں کے نزدیک پہنچ گیا۔

ہری داس کے علاوہ چند افراد اور بھی تھے جو آگ بھڑکانے میں

مصروف تھے شعلے کافی جوان ہو چکے تھے۔

”سونا!“ میں نے ہری داس سے کہا۔

”آگ کیا ہمارا جہ!“

”میرے لیے کپڑے تیار رکھو!“

”مگر بھگوان آپ۔“ ہری داس بوکھلا کر بولا۔

”ہاں۔ کیا کہنا چاہتے ہو؟“

”میری بھینجی آپ کا نشان نہیں آیا۔“

”پریشان مت ہو ہری داس، بس میرے لیے کپڑے منگو لو۔

میں ابھی ہمارا کرتا ہوں۔“ میں نے کہا اور پھر میں شعلوں کی جانب بڑھ

گیا اور جب میں نے آگ میں قدم رکھا تو اپنے پیچھے بہت سی چھینٹیں

اور میرے ہونٹوں پر سکہاٹ پھیل گئی۔ آگ سے سب واقف ہیں اور

سب اس سے خوفزدہ رہتے ہیں اور کسی اونچی بات ہے کہ کسی آگ میرے

مضمحل بدن کو بھی بخشتی ہے۔

شعلے میرے بدن کا استعمال دہر کرنے لگے۔ آگ کی لطیف

حوارت میرے جسم سے نیند کا خمار دور کرنے لگی اور آہستہ آہستہ میری

جوانی پھر سے لوٹ آئی۔ میں آگ کے شعلوں کو اپنے بدن پر مل رہا تھا۔ خود

میرے اپنے بدن کا لباس جل چکا تھا۔ بالوں نے آتشیں رنگ اختیار

کر لیا تھا اور جب خوب طبعیت سیر ہو گئی تو میں نے باہر کا رخ کیا اور یہ

دیکھ کر میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی کہ باہر حسب معمول ایک جم غفیر

تھا۔ مرد عورتیں بچے، بوڑھے سب تیراں و پریشان کھڑے تھے اور پھر

جب میں باہر نکلا تو وہی ہنگامے شروع ہو گئے جو میرے لیے غیر مانوس

نہیں تھے۔ ہری داس جی بھی موجود تھے لیکن انھوں نے لباس کا کوئی

بدست نہیں کیا تھا۔ یہ بات ان کی عقل ہی میں نہیں آئی تھی کہ ان شعلوں

نے کوئی جینٹا جاکتا انسان برآمد ہوگا۔ وہ تو بس منہ پھاڑے کھڑے تھے۔

”ہری داس!“ میں نے انھیں بلکا را۔

”ہمارا جہ۔ پر ہم دھان کی ہے۔“ بوڑھے بولو پر ہم پر دھان

کی ہے۔“ بوڑھا ہری داس زمین پر لوندھا گر پڑا۔ اس کی دیکھا دیکھی

اور اسے لوگ بھی سجدے میں گر پڑے تھے۔

”اے بھائی، مجھے کپڑے تو لے دو۔ کیا تم میرے لیے کپڑوں کا

بدست بھی نہیں کر کے۔“ میں نے کہا اور ہری داس سجدے سے

اٹھ کر بھاگ گیا۔ میں نے پھر اپنے بدن کو شعلوں میں بھجپا لیا تھا اور پھر جب

ہری داس کپڑے سے آیا، تب میں دوبارہ آگ سے باہر نکلا۔ آنکھیں

نور و عقیدت سے بھٹی ہوئی تھیں۔ میرے بدن کی کہولت و نور

پر تھی تھی اور اب میں پوری طرح جاق و چونڈ تھا۔ پھر وہ لوگ ایک مجلس

کی شکل میں مجھے لے چلے۔ نہ جانے وہ میرے پیچھے کیا لے سیدھے نعرے

دگتے چل رہے تھے۔ کان کھا گئے تھے سرے کیس کے۔ بہر حال میں

اپنے غامض داخل ہو گیا اور وہ باہر شور مچاتے رہے۔ چند منٹ کے بعد

ہری داس اندر آ گیا۔ اس نے دونوں ہاتھ جوڑے ہوئے تھے اور اس

کے دانت نکلے پڑ رہے تھے۔

”ہمارا جہ۔ ہمارا جہ! دھن واد ہمارا جہ بڑا چمکا کر کیا آپ نے۔

ہاں رہنے والے سائے سنوئی آپ کے داس بن گئے ہیں۔ وہ تیراں ہیں

لڑائی دیوی بھی کسی کی مڑ رہ سکتی ہے۔ بے بھگوان ہیں شاکرنا اگر ہم سے

کوئی بھول ہو جائے۔“

”ہری داس جی، سب سے پہلے تو میں آپ سے کہوں گا کہ آپ

ٹھوڑی دیر میرے پاس رہیں، میں آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔“

میں نے طنز یہ انداز میں کہا۔

”اوش ہمارا جہ اوش۔ ہری داس تو آپ کا داس ہے۔“

”بس تو بیٹھ جاؤ۔“ میں نے کہا اور وہ زمین پر بیٹھ گیا۔

”بھگوان باہر جو لوگ کھڑے ہیں وہ سب آپ کے بھائی ہیں۔

آپ کے درشن کرنا چاہتے ہیں۔“

”ابھی میں اتنی دُور سے آیا ہوں اور وہ سب میرے پیچھے پیچھے

ب درشن کی کیا ضرورت ہے۔ تم کل صبح انھیں بلالینا۔“

”جو آگیا ہمارا جہ!“ ہری داس نے کہا اور پھر مجھ سے اجازت

پر باہر نکل گیا۔ ٹھوڑی دیر کے بعد وہ واپس آیا تو شور و غم ہو چکا تھا اُو

ناید وہ لوگ واپس چلے گئے تھے۔ ہری داس پہلے کے سے انداز میں

رہن پر بیٹھ گیا اور میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔

”میں تم سے معلوم کرنا چاہتا ہوں ہری داس کہ یہ سب جکڑ

لیا ہے؟“

”نہوں سا جکڑ بھگوان؟“

سب رنگ و آجٹ میں قسط وار شائع ہونے والا سلسلہ

اقبال

مکتبہ دو جہتوں میں

تاریک نظم کے پر اسرار ماحول میں غم لینے والی ایک حیرت انگیز داستان جہاں کانے جاؤ اور غمی کے مقابلے برپا ہوتے تھے۔ خوشی فاقہ اور ان کے حشریہ زخم و رواج کی ایک ناقابل یقین سرگزشت۔ ان تاریک اور گونا گواروں کی کہانی۔ جہاں تہذیب کا کوئی دخل نہیں تھا۔ شگون کی خاطر معصوم اور شہر خوار بچوں کو زبوں پر اچھا لانا تھا عجیب اختلاف اور خوفناک دیوتاؤں کے جسموں کو تازہ خون غسل دیا جاتا تھا۔ نوخیز سیناؤں کی بھینٹ پیش کیا جاتی تھی

اقبال

خوشی قبول کی ایک سرکش حسینہ جس کا حسن لازوال تھا جس کے حصول کے لئے موت کا بازار ہمیشہ گرم رہتا تھا۔ خون کی ہولی کھلی جاتی تھی۔ ایک سیاہ کی زندگی کے لرزہ خیز واقعات جسے سمندر کی سرسٹوں نے اٹھا کر احتیاب لائے ورنہ اس کے قدوں میں ڈال دیتا تھا۔

کتابی شکل میں پہلی بار منظر عام پر آئی ہے

قیمت فی حصہ ۴۰ روپے، علاوہ محصول ڈاک

پتہ ذیل پر رجوع کریں

کتابیات پبلی کیشنز

پوسٹ بک نمبر ۲۳۰ کوپاچی ۱

”تم مجھے بتلاؤ کہ تم مجھے کہاں سے لائے اور اس
چوڑے پر کیا ہو رہا تھا؟“
”اوہ پھر تو بہت دور سے بتانا پڑے گا“ ہری داس نے
سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”ہاں اتنی ہی دور سے بتاؤ تاکہ میری سمجھ میں آجائے“
”کیا آپ مہاراج چندر گپت کے بارے میں بھی نہیں جانتے؟“
”نہیں بھائی میں کچھ نہیں جانتا“ میں نے ہزوری سے کہا۔
”اوہ تو تب تو پہلے انھیں کے بارے میں بتاؤں۔ مہاراج
چندر گپت مگدھ دیش کے نند خاندان کے ایک راجا رہے۔ پرنت
مہاراج ان کی تاریخ جات سے ہیں اس لیے انھیں راج گدی نہیں ملی۔
مہاراج کے پتے کے دیانت کے بعد دوسرے آدمی کو گدی مل گئی۔ راجہ
پرمانند جی چندر گپت جی کو غریبیت سے لکھن ان کے ساتھ ان کا سلوک
اچھا نہیں تھا اس لیے ایک بار مہاراج مہاراج پرمانند جی سے ان کی توڑکار
ہو گئی اور پرمانند جی نے ان کو دیش نکال دیا۔ تب سے مہاراج نکل
کھڑے ہوئے ہیں اور جب ہمارے لیے مگدھ دیش میں کوئی جگہ نہ رہی تو
پھر ہم یہاں آ گئے۔ جن لوگوں کو آپ یہاں دیکھتے ہیں وہ سب گپت
جی کے داس ہیں اور انھوں نے بھی ان کے ساتھ ہی دیش نکال لے لیا۔“
”خوب! تو تم لوگ کب سے یہاں آباد ہو؟“
”میں برس ہوئے ہیں مہاراج!“
”لیکن یہاں تو مختاری کوئی فوج وغیرہ بھی نہیں ہے؟“
”سینا نہیں کہاں سے آئیں گے مہاراج۔ تھوڑی سی آبادی ہے۔“
”پھر راجہ چندر گپت کیا کر رہا ہے؟“
”مجاہد فوج کو شش کرتے پھرے ہیں مہاراج پرنت ابھی
تک کوئی کام نہیں بنا۔“
”کیا کوئی شش کر رہا ہے وہ؟“ میں نے پوچھا۔

”ابھی کچھ دن پہلے وہ پنجاب گئے تھے۔ ان دنوں یونان کا لڑاکا
سکندر اعظم پنجاب میں موجود تھا۔ راجہ چندر گپت نے ان سے کہا کہ وہ مگدھ
پر حملہ کریں مہاراج ان کی مدد کریں گے لیکن سکندر اب جا رہا تھا اس
لیے وہ تیار نہیں ہو سکا۔ اب مہاراج کی چانکیہ کے ساتھ مہاراج چندر گپت
پہاڑی علاقوں سے فوجیں جمع کرنے گئے ہیں۔ جھگوان ان کی سہائیا کرے۔
ہری داس نے کہا۔

”ہوں! یہ کیا چل رہا ہے؟“
”کیا مطلب ہے مہاراج آپ کا چکر کیا ہوگا جس مہمان گرو نے
اپنی فوجیں دیوے پتہ چلا یا کہ سست ساگر سے ایک مش آئے گا اور مہاراج
چندر گپت کی ساری کھانا میں دور ہو جائیں گی۔ سوچو مختاری ہاٹ دیکھتے
تھے مہاراج پھر تم ساگر میں نظر آئے اور ہم نے انھیں نکال لیا پھر تھکے
جا گئے کا انتظار کرنے لگے۔“

”اوہ! اس کا مطلب ہے چندر گپت یہاں موجود نہیں ہے۔“
”نہیں مہاراج! وہ تو چانکیہ جی کے ساتھ تو میں جمع کرنے گئے ہیں۔“
”اور وہ تمھارا مہمان گرو کہاں ہے؟“
”گوں؟ ستیہ مہاراج؟“
”ہاں وہ جو کوئی بھی ہے۔“
”وہ بھی کچھ نہیں ہیں۔“
”اس کو میرے آنے کا پتہ نہیں چلا؟“

”ابھی نہیں مہاراج! وہ سات دن کے بعد کچھ سے نکلتے ہیں
اور ابھی انھیں کچھ نہیں گئے ہوئے صرف پانچ دن ہوئے ہیں۔ پرنت وہ
کمر گئے تھے کہ آپ جب بھی نظر آئیں آپ کو پورا پورا سواگت کیا جائے۔“
”ہوں۔ ٹھیک ہے۔ بس اب میں طوفان ہوں۔ میں نے جوبلیا
”بھرتی ہو جاؤں مہاراج؟“ ہری داس نے پوچھا۔
”ہاں بھرتی۔ میں نے کہا حالانکہ مجھے کھانے کی خواہش نہیں
تھی لیکن میں جانتا تھا کہ کھانے کے لیے کھانا ہی آئے گی اور یہی مجھے بہت
پسند تھی۔ ہری داس چلا گیا اور تھوڑی دیر کے بعد سیلا ٹائیکل اندر آ گئی۔
اس کے ہونٹوں پر وہی شری شری مسکراہٹ بھیل ہوئی تھی۔
”بھرتی لائی ہوں مہاراج!“ اس نے آنکھیں پچاتے ہوئے
کہا۔ ”آج تو تم نے ساری سی کو باگل بنا دیا۔“
”کیوں؟“ میں نے مسکرا کر پوچھا۔
”اے! اٹن میں اٹن کرنا کسی شش کے بس کی بات ہے جھگوان
کی سوگند تم کو بچ گئے دیوتا ہو۔ میں تمھارا شری رہ چکر دیکھ لوں مہاراج!
ہائے رام بالکل آگ کی طرح ہو گا۔“

”دیکھو دیکھو!“ میں نے کہا اور وہ میرے نزدیک آ گئی اور پھر
اس نے میرے چٹان جیسے سینے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔
”ہائے رام یہ تو بالکل گرم نہیں ہے۔“ اور میں نے محسوس
کیا کہ سیلا کی آنکھوں میں گلابی دھڑکے تیرنے لگے ہیں۔ وہ ایک لمحے کے
لیے کھوئی گئی تھی۔ پھر اس نے میری طرف دیکھا اور ایک دم بچھڑے ہوئے
”تم بھی سوچتے ہو کہ مہاراج کہہ دیا سامنے لگایا اور سر ہری
چڑھ گئی سیلا کی جی۔ میں شاکر کرنا مہاراج! ہم بڑے ہی باگل ہیں۔“
”مگر میں نے تم کو نہیں مانا سیلا۔“
”سچ مہاراج؟ وہ خوش ہو کر بولی۔
”ہاں سیلا تو بہت اچھی لڑکی ہے یہاں آکر تیری باتوں میں
دل لگ گیا ہے۔“

”تم کو مہاراج تو میں جب بھی سے ملے آجایا کروں؟“
”اس میں پوچھنے کی کیا بات ہے؟“
”بس تو ٹھیک ہے۔ اب میں تمھارے پاس ہی رہوں گی۔ کیوں
گی اپنے پتا جی سے کہ مہاراج نے مجھے اپنے پاس رکھنے کے لیے کہا ہے۔“

سیلا خوش ہو کر بولی اور میں کھانا کھانے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ برتن
اٹھا کر چل گئی اور میں اپنی آرام کرنے کی جگہ پر لیٹ کر ان نئے حالات پر
غور کرنے لگا۔ راجہ چندر گپت نہ جانے کس قسم کا آدمی ہے جس شخص نے
میرے بارے میں پیش گوئی کی ہے اس کی کوئی خاص اہمیت نہ ہو سکتی
یہ بات ہوئی تھی تب ہی میری کوئی نقصان نہیں ہے جس وقت بھی مل جائے گا
یہاں سے چلا جاؤں گا۔ اب یہ لوگ مجھے نکال کر لائے ہیں تو پھر کچھ روز
یہاں رہنا ہی ہو گا۔ یہ تو ممکن نہیں ہے کہ میں ان لوگوں کو متاثر نہ
کر سکوں۔

ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ سیلا ایک بار پھر اندر آ گئی۔ اس کے
چہرے پر خوشی و نقصان تھی۔
”پتا جی نے آگیا۔“ مہاراج۔ پتا جی نے آگیا۔“
وہ خوشی سے اچھٹی ہوئی بولی اور میرے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ بھیل گئی۔
”بڑے فرخ دل لوگ ہیں۔ میں نے دل میں سوچا۔“
”بیٹھ جا سیلا۔“ میں نے اس سے کہا اور وہ میرے نزدیک ہی
بیٹھ گئی۔
”پتا جی کہنے لگے کہ ایسے مہمان پرش کے ساتھ سمندر تو بڑا ہی
بھالیا وان ہے۔ انھوں نے مجھے آگیا دی ہے کہ میں اس کھانے پاس
ہی رہوں۔“

”مہاراج سیلا میرے قریب سے خوش ہوں گا۔“ میں نے کہا
اور سیلا مسکراتے ہوئے۔
”میں تو بڑی جراتی ہے مہاراج۔“
”کس بات کی سیلا؟“
”راتے بڑے دیوتا ہونے کے باوجود تم کیسے من مومن ہو۔ گلتا
ہی نہیں کہ تم دیوتا ہو۔ کیا تم بچ دیوتا ہو؟“ اس نے معصومیت سے پوچھا۔
”نہیں سیلا دیوتا تو نہیں ہوں۔ پر یہ لوگ مجھے دیوتا سمجھتے ہیں
تو میں انھیں دیوتا بن کر ہی دکھاؤں گا۔“ میں نے جواب دیا۔ ظاہر ہے
میری باتیں سیلا کی سمجھ میں نہیں آ سکتی تھیں اس لیے میں نے تفصیل
میں جاننا مناسب نہیں سمجھا اور وہ اپنی معصوم باتوں سے مجھے سکرانے
پر مجبور کرتی رہی۔ پھر اسے نیند آنے لگی اور وہ آنکھیں ملے ہوئے بولی۔
”ہم سو بھی ہیں جائیں مہاراج؟“
”اگر تیرا دل چاہے تو ضرور سو جا۔“ میں نے کہا۔
”مگر کہاں؟“
”میرے پاس۔“
”تم تم تو نہیں مانو گے؟“
”کیوں؟ اس میں میں نے کیا بات ہے؟“
”بس ہم سوچ رہے تھے کہ تم یہ سوچو کہ سیلا بڑا ہی جراتی ہے۔“
”تو پتا جی چاہے بڑھ جا سیلا ہم بالکل برا نہیں مائیں گے۔“

میں نے کہا اور سیلا میرے نزدیک لیٹ گئی۔ اس نے میرے بازو کا
تکیہ بنا لیا تھا۔ سیلا چند ساعت تک مجھ سے اسی عیدھی باتیں کرتی رہی
اور میں ہوں ہاں میں جواب دیتا رہا۔

پھر میں نے محسوس کیا جیسے اس کی آواز
نیند میں ڈوبتی جا رہی ہو۔ میں نے اس کے خمار کو دیکھ کر چونک کر اسے
دیکھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ بھی جذبات میں ڈوب گئی ہے لیکن مجھے بڑی
حیرت ہوئی جب میں نے محسوس کیا کہ وہ گہری نیند سو گئی ہے۔ ایک
لمحے کے لیے تو مجھے شدید جھنجھلاہٹ ہوئی۔ انتہائی احمق لڑکی ہے۔
اسے اپنی جوانی کا کوئی احساس نہیں ہے۔ کیا یہ نہیں جانتی کہ اس کا
قرب ذہن میں آگ لگا دیتا ہے میرے چہرے سے شکر کی ہوئی اس کی
گرم گرم سانس میرے جذبات کو برا بھلا کرتی ہے لیکن اب کیا کروں؟
تب اچانک میں نے سوچا کہ ممکن ہے وہ مصنوعی طور پر سونے کا ہمانہ
کر رہی ہو اور اس کا اندازہ کرنے کے لیے میرا ہاتھ اس کے بدن پر گردش
کرنے لگا لیکن اس کے چہرے کی معصومیت میں کوئی فرق نہیں آیا یقیناً
وہ جوانی کی انگوٹھ سے آشنا تھی اور کسی معصوم سی بچی کی مانند میرے
سینے سے چٹنی سو رہی تھی۔

تب پھر میرے ذہن میں ایک انوکھے جذبے نے جنم لیا۔ یہ
جذبہ اس سے قبل پیدا نہیں ہوا تھا۔ میں نے اس کا معصوم چہرہ دیکھا
اور پھر اسے سینے میں چھپا کر سو گیا۔ بلاشبہ وہ جذبہ مقدس تھا اور اس سے
پہلے اس انداز سے نہیں سوچا تھا۔ حالانکہ کسی سین کا گداز ذہن میرے
نزدیک صرف ایک ہی حیثیت رکھتا تھا لیکن اس بار احساس لوگوں کے
لیے میرے دل میں کوئی برائی نہ پیدا ہوئی اور جس معصومیت سے وہ
سوئی تھی، صبح کو اسی طرح جاگ گئی۔
”مہاراج!“ اس نے مجھے آواز دی۔
”جاگ رہا ہوں۔“ میں بھاری آواز میں بولا۔
”کیا تم بہت صبح جاگ جاتے ہو؟“
”ہاں!“
”پھر مجھے تو بڑے آندے سے نیند آئی۔“ وہ انگڑائی لیکر بولی۔ ”آج
بھی میں تمھارے ساتھ سوؤں گی مہاراج۔“

”بہرگز نہیں۔ میں رات بھر نہیں سو سکا۔“ میں نے کہا۔
”اے! کیوں مہاراج؟ ہائے رام کیا میں نے رات کو تمھیں بھی
پریشان کیا؟ میری ماما جی بھی میری اس عادت سے بہت پریشان رہتی
ہیں۔ میں رات کو سوئے میں بڑا بڑا ہوں۔“
”یہ بات نہیں۔ دراصل کسی کے ساتھ مجھے نیند نہیں آتی۔“
”اوہ۔ اچھا یہ بات ہے۔ تو ٹھیک ہے میں رات کو چلی جاؤں
کروں گی۔ اس نے معصومیت سے کہا اور میں چلتی جاؤں سے اسے دیکھنے
لگا۔ اس بے وقوف لڑکی نے نہ جانے مجھے کون سا جذبہ دے دیا ہے۔ بہر حال

میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا اور پھر وہ میرے لیے صبح کا بھونچا ہوا ہوا تھا۔
 لیکن نہ تو کوئی بات نہ ہو سکی تھی۔ اس کے ساتھ کچھ دوسرے
 لوگ آئے تھے جو بڑے بڑے تھے اٹھائے ہوئے تھے۔

”جیسے رام جی کی مہاراج۔ آج صبح کا بھونچا ہوا ہوا تھا۔
 ہے آپ کے لیے۔ مہارانی جی نے کہا کہ ان کے پاؤں میں تکلیف ہے رات
 وہ خود آپ کے درشن کے لیے آئیں۔“

”مہارانی موریرہ جی میں نے زیر لب کہا۔“

”ہاں مہاراج۔ چند گپت مہاراج کی مانتا ہری داس نے کہا
 اور میں نے گری سانس لی۔ یہ بھی مانتا تھا۔ بہر حال میں نے ناشتہ کیا اور
 پھر انھیں لوگوں کے ساتھ رانی موریرہ کے پاس پہنچ گیا۔ رانی موریرہ بھی ایک
 غار ہی میں مقیم تھی۔ خاصے درجے کی مالک عورت تھی۔ حالانکہ ہری داس نے
 بتایا تھا کہ وہ ایک بیچ ذات عورت ہے۔ لیکن ان لوگوں میں ذاتوں کا تعین
 میں ابھی طرح دیکھ چکا تھا۔ رانی موریرہ کے پاؤں میں زخم آگیا تھا اور وہ
 درحقیقت چل نہیں سکتی تھی۔“

”تاہم اس نے کھڑے ہو کر میرا استقبال کیا۔
 ”آپ تکلیف ذکر میں آنا۔“ اس نے کہا اور اس کی آنکھوں سے
 محبت چھوٹ پڑی۔“

”آپ نے مجھے مانتا کہا ہے مہاراج۔ بڑے بھاگ میں میرے۔
 بھگوان کی سونڈ سنسانے مجھے جتنے دکھ دیے سب دور ہو گئے۔ تم
 نے مجھے اتنا بڑا مان دیا ہے۔“

”تم میری مانتا سنا ہو رہی۔“
 ”تم ہمان ہوا مہاراج۔ گرو مہاراج نے بتایا تھا کہ تھکے آنے
 سے چند گپت کے من پھر جائیں گے۔ کیا تم بھی مجھے یہ خوشخبری دو گے؟“

”میں ابھی نہیں کہہ سکتا دیوی۔ چند گپت واپس آجائے۔“
 ”وہ اوش آجائے گا۔ گرو مہاراج کل درشن دیں گے۔ وہ
 بتائیں گے کہ چند گپت کو اپنے کام میں کہاں تک کامیابی حاصل ہوئی
 ہے۔“ موریرہ نے کہا۔

”تھیک ہے۔ اس کے بعد ہی میں تمہیں بتاؤں گا۔“
 ”منا ہے تم آگن میں اشان چھڑتے ہو؟“
 ”ہاں۔ یہ تھیک ہے۔“

”اور ان تھکے شریروں کو نہیں جلاتی میں اپنی آنکھوں سے
 دیکھنا چاہتی ہوں۔“

”دیکھ لینا۔“ میں نے لاپرواہی سے کہا۔
 ”ویسے میری خواہش ہے کہ تم میرے پاس ہی رہو۔ تم دیوتا ہو
 مہاراج۔ پرنت نہ جانے کیوں میرا من تم سے پریم کرنے لگے ہے میں تمہیں
 چند گپت سامان چاہنے لگی ہوں۔ کیا تم میرا ان رکھو گے؟“

”ابھی مہربان عورت کی پیشکش کے بارے میں میں نے غور کیا۔“

مناسب نہیں تھا۔ اس طرح میری تقریبات متاثر ہوتی تھیں لیکن اس
 کی اس پر غور پیش کش کو ٹھکرا نا بھی ممکن نہیں تھا۔ یوں بھی بیلا اب
 میری نگاہوں میں دوسری حیثیت اختیار کر گئی تھی اس لیے میں نے اس کے
 ساتھ رہنے پر آمادگی ظاہر کر دی۔

اسی غار کے ایک حصے میں میری رہائش کا بندوبست کر لیا گیا۔ موریرہ
 نے میرے بالے میں مجھ سے بہت سے سوالات کیے تھے لیکن ظاہر ہے وہ
 بھی ایک چھوٹے سے ذہن کی عورت تھی۔ آگ میں اسے اپنے بالے میں تفصیل
 بتانے بیٹھ جاتا تو وہ تو اس کی بھین آتی، نہ اس سے کوئی فائدہ پہنچ سکتا
 اور نہ ہی اب مجھے اس تفصیل سے کوئی فائدہ حاصل ہوتا۔ چنانچہ میں نے

چند گپتوں سے جواب دے کر اسے خاموش کر دیا۔ بہر حال یہ فیصلہ نہیں
 میں نے محنتوں کے دورنگ اور دیکھے۔ وہ رنگ جو صدیوں کی زندگی میں
 میرے سامنے میرے لیے نہیں آئے تھے۔ یعنی ماں کی محبت اور ایک ایسی
 لڑکی کا پیار جو مجھ سے بنی محبت نہیں رکھتی تھی۔

بیلا میری دیوانی ہو گئی تھی۔ بس وہ ہر وقت میرے پاس ہی گھسی
 رہنا چاہتی تھی۔ اس نے رانی موریرہ سے اجازت لے لی تھی کہ وہ میری
 خدمت کرے گی اور موریرہ نے بھی اجازت دے دی تھی۔ صبح کو میں جاگا
 بھی نہ ہوتا کہ وہ آج بھی اور پھر رات کو جب مجھے نیند آئی تو وہی جاتی۔ یوں

بھی اس دوران میرے پاس اور کوئی شغل نہیں تھا۔
 ہری داس کے ساتھ عقیدہ قند آئے تھے، ان کے لیے بھی مجھے
 کچھ وقت دینا ہوتا تھا لیکن تیسرے دن ایک دلچسپ انسان سے ملا تھا

ہوئی جس سے مل کر مجھے خوشی ہوئی تھی۔ یہ مہمان گرو ستیپال تھا۔ ریشمائی
 نمڑا ایک جاندار جیسے والا، جو بہر حال اپنے علوم میں خاصا ماہر تھا میری
 اس سے دلچسپی کی بڑی وجہ تھی۔

اس وقت میں غار سے چھوٹے فاصلے پر بیٹھا بیلا کی دلچسپ
 باتوں سے غور ہو رہا تھا۔ بیلا اب بھی تھی۔ ”جیس تو یوں لگے ہے مہاراج“
 جیسے میں بھی تم سے پریم ہو گیا ہو۔

”اچھا۔“ میں نے اسے دیکھا۔
 ”ہاں۔ بس تھکے بننا میں ہی نہ لگے۔ پر یہ ہوا بہت بُرا۔“
 ”کیوں؟“ میں نے اسے دلچسپی سے دیکھا۔

”بالے پر بیکر ناکوئی اچھی بات تھوڑی ہی ہے۔“
 ”آخر کیوں؟“

”بس ہر تو یہ جانتے ہیں جو کام چھپ چھپ کر کیا جائے وہ اچھا
 نہیں ہوتا۔ اگر پریم کوئی اچھی چیز ہوتا تو پھر سب کے سامنے کیوں نہیں
 کیا جاتا تاہم خود بتاؤ۔“

”میں یہ تو ہے مگر تو مجھ سے چھپ کر پریم تو نہیں کر رہی؟“
 ”اے ہر تو یہ ہی دار میں اس وجہ سے کسی سے نہیں چھپتے۔
 دوسرے سب ڈرے ہیں۔“

”دوسرے کون؟“

”یہ اپنی کانتی اور چھٹا۔ یعنی رام سے پریم کرے ہے۔ میں ابھی
 راج معلوم ہے۔ پھر سنا دھنا۔ وہ بے چاری تو کھلا رام کے پریم میں دیوانی
 ہو گئی ہے۔ یہ ساری لڑکیاں پریم کیوں کرنے لگی ہیں مہاراج؟“

”تو اپنے پھولے نایچ پر زور مت ڈال بیلا، دیکھ جائے گا بے چارہ“
 میں نے سکتے ہوئے کہا۔

”وہ تو تھیک ہے، پر اب ہم کریں کیا؟“
 ”پریشان ہے اپنے پریم سے؟“

”ہاں۔ پہلے ہم سب کا مذاق اڑاتے تھے، اب وہ سب کی سب
 ہم سے شرمیل ہو گئی۔ ہاں گے ہم سرسوں کو ذرا شرمیل کر کے دیکھیں۔“
 بیلا نے خود ہی کہا اور مجھے ہنسی آگئی۔ دیر تک میں اس کی باتوں سے غور ہوتا
 رہا۔ پھر دو آدمی میرے پاس پہنچ گئے۔ وہ ہاتھ جوڑ کر گھبک گئے تھے۔

”کیا بات ہے؟“ میں نے پوچھا۔
 ”رانی جی نے آؤش دیا ہے مہاراج۔ گرو ستیہ جی پدھالے ہیں
 وہ آپ کی اور رہے ہیں۔“

”اوہ۔ یہاں؟“
 ”ہاں مہاراج۔ ابھی رانی جی کے پاس ہیں۔ خود رانی جی بھی ہیں
 آ رہی ہیں۔ گرو جی نے کہا ہے کہ وہ آپ کے پاس آکر ہی باتیں کریں گے۔“

”تھیک ہے آئے دو۔“ میں نے کہا۔
 ”تو کیا ہم جائیں مہاراج؟“ بیلا نے پوچھا۔
 ”کیوں بیلا بیٹھو۔ کیا تم کسی سے ڈرتی ہو؟“

”کتنے تو ہم کسی سے نہیں ہیں مہاراج۔ مگر یہ گرو جی ہیں نا، زیادہ
 اچھے نہیں ہیں۔ نہ جانے کیوں ہیں ان کی آنکھوں سے ڈر لگے ہے جو کوئی
 انہیں دیکھے ہے ٹھیک نہیں رہے ہے۔“

”تو غور مت کر۔ میں ان کی آنکھیں ٹھیک کر دوں گا۔“ میں نے کہا
 اور بیلا خاموش ہو گئی۔ تب میں نے گرو ستیہ پال اور رانی موریرہ کو لے دیکھا۔
 ان کے ساتھ دوسرے چند افراد بھی تھے۔ میرے خیالات کے برعکس یہ
 شخص خاصا جاندار تھا اور چہرے سے چالاک بھی نظر آتا تھا۔ اس نے

مجھے ہاتھ جوڑ کر پر نام کیا اور میں نے گردن ہلا دی۔
 ”جب سے آپ کے بالے میں پتہ چلا کہ آپ پر گھٹ ہو چکے
 ہیں اس آپ کے درشن کے لیے بڑا ہے میں تھا مہاراج۔“ اس نے کہا۔

”میں نے بھی آپ کے بالے میں بہت کچھ سنا ہے۔“ میں نے
 جواب دیا۔
 ”داس ہوں آپ کا۔ ویسے آپ سے بہت سی باتیں کرنے کو میں
 چاہتا ہے۔“

”ضرور گرو ستیہ پال۔ میں نے سنا تھا میرے آنے کی پیش گوئی
 لہنے کی تھی؟“

”ستاروں نے کی تھی مہاراج۔ میں تو جیوش و دیا کا ایک پرہٹ
 ہوں اور بس۔“

”اوہ۔ ستارے؟“ میں نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔
 ”ہاں ستاروں کی پڑھی یہ ستارے ہی تو ہیں۔“ اس نے جواب دیا۔
 ”تم دونوں مجھے تو بھول ہی گئے، حالانکہ میرے پاؤں میں تکلیف
 ہے لیکن اپنے من کی چٹائیں سلگتی ہوئی ہیں یہاں تک آئی ہوئی۔“

”پدھالے رانی جی۔ اب میری منہ کا منا پوری ہو چکی ہے۔ آپ
 سوال کریں میں جواب دوں گا۔ تم سے ملنے کے لیے میں ایسے جے میں
 تھا مہاراج کہ میں نے رانی جی سے بھی بات نہیں کی۔“

”اوہ۔“ میں نے گردن ہلا دی۔ بیلا نے رانی کو سہارا لے کر بٹھا دیا
 تھا موریرہ ایک عمدہ عورت تھی۔ تکلفات سے بے نیاز اس نے زمین پر
 بیٹھنے میں عار نہیں سمجھی تھی۔

”ہاں مہارانی جی، اب پوچھیں۔“ گرو ستیہ نے کہا۔
 ”میرے پاس پوچھنے کے لیے اور کیا ہے مہاراج۔ مجھے بتاؤ کہ
 میرا بیٹا کس حال میں ہے؟“

”میں جو آپ کی نگاہوں سے دور رہتا ہوں رانی جی، اس لیے
 میرے اوپر کوئی پابندی نہیں ہے۔ بس میں برت رکھ کر آپ کو تار پڑتا
 ہوں۔ بھگوان، ذکرے اگر مہاراج چند گپت کسی کشت میں ہوتے تو میں
 فوراً آپ کو خبر دیتا اور رانی جی۔ داس اور اس کام کئے گا آپ کے۔ میں
 جب محسوس کرتا ہوں کہ مہاراج کو میری سہائیاں ضرورت ہے اپنا کام
 شروع کر دیتا ہوں۔“

”تھانکس رام جی۔“ میں نے بڑے ستیہ پال بھگوان تمہیں ملی عمر سے
 اور تمہیں سکھی رکھے، رانی موریرہ نے جواب دیا۔

”مہاراج چند گپت کا بیانیہ پرکاشانی حاصل کر رہے ہیں۔ پیشاب
 پہاڑی قبیلے ان کی سہائیاں کے لیے تیار ہو گئے ہیں۔ اوش وہ بڑی سیناؤں
 کے ساتھ یہاں پدھالیں گے۔“

”یہ بھگوان۔ ملی ہو میری۔“ رانی خوش ہو کر بولی۔ پھر اس نے
 بیلا سے کہا۔ ”بیلا بیٹی، مجھے مندرے چل میں گھی کے چراغ جلاؤں گی۔
 میں نے منت مانی تھی اگرچہ خبر لی تو گھی کے چراغ جلاؤں گی شکر کے
 چروں میں چل بیٹی۔ میری سہائیاں۔“ اور بیلا چارونچا لٹھ گئی اور پھر
 مجھے دوبارہ آنے کا اشارہ کر کے چل گئی۔ تب گرو ستیہ پال نے میسرے
 طرف دیکھا۔

”تھکے باسے میں ستاروں نے جو کچھ بتایا ہے مہاراج، اس
 پر بڑی حیرت ہوئی ہے۔“ اس نے کہا۔

”اچھا۔ کیوں؟“
 ”بس تم مجھ میں ہی نہیں آئے۔“

”اوہ۔ تمہارا لگیاں کیا کہتا ہے اس بارے میں؟“

”دیکھو مہاراج، گیان کی باتیں مت کرو۔ میں تو بڑا پاپی منس ہوں۔ گیان دھیان سے میرا کیا واسطہ۔ ہاں ان سب کے من ہلانے کے لیے اور اپنا جیون بچانے کے لیے یہ سارے ڈھونگ چلانے پڑتے ہیں۔“
”خوب!“ میں نے دلچسپ لگا ہوں سے اسے دیکھا۔ ایسے لوگ قابل عزت ہوتے ہیں جو صاف گوئی سے کام لیں۔ پہلی ہی بات پر یہ شخص مجھے پسند آیا تھا۔ تب میں نے مسکراتے ہوئے کہا: لیکن یہاں تو مہاری خوب پوجا ہوتی ہے ستیہ پال!“
”کیوں نہ ہو گی مہاراج۔ بڑی محنت کی ہے میں نے۔ اس نے جواب دیا۔“

”بہت خوب۔ کس قسم کی محنت ہے؟“
”ایک تو میں نے جو پرشش سیکھی ہے۔ دوسرے چند مائے اکھیں ملا کر ایک اور دنیا کا ورڈاں کیا ہے۔“
”اوہ۔ وہ کیا ہے؟“
”میں منس کا من پڑھ لیتا ہوں اور پس یہ دونوں چیزیں جیون بھجے کے لیے کافی ہیں۔“
”ستارہ شناسی سے کچھ بھی ہے نہیں؟“
”تو اور کام کی کیا ہے مہاراج؟“
”کوئی نہ ستاروں سے مدد لیتے ہو؟“
”اوہ۔ تو تم بھی اس بات سے کچھ جانتے ہو؟ اس نے چونک کر مجھے دیکھا۔“

”تھوڑا بہت!“ میں نے مسکرا کر جواب دیا۔
”یہ تو اور خوشی کی بات ہے!“ اس نے کہا۔
”ہاں میں بھی تم سے مل کر خوش ہوا ہوں۔ میرا خیال ہے تمھاری وجہ سے یہاں میرا دل لگ جائے گا۔“
”مگر مہاراج، میری درگھٹنا بھی تو دور کر دو۔“
”کیا درگھٹنا ہے؟“ میں نے پوچھا۔
”تمھارے بالے میں جانا چاہتا ہوں۔“

”بتا دوں گا ستیہ پال، میں کہانی ہے۔ جلدی کا ہے کہ ہے۔“
”ہاں اس بات پر تو مجھے وشواس ہے کہ تمھاری کہانی ہی ہی ہوگی۔ ستاروں کی پوچھی سے میں چند گپت کے بارے میں معلومات حاصل کر رہا تھا کہ تم نے ان کے لیے ایک ایسا منس جس کے آنے کے بعد چند گپت کے مسئلے بدل جائیں گے۔ بے شک وہ وہیں جمع کر کے لائے گا، کام فوری ہی کریں لیکن تمھاری غیر موجودگی میں نہیں۔ تب مہاراج میں نے تمھارے بالے میں اور کھوج کی تو پتہ لگا کہ تم تو عجیب و غریب منس ہو اور سمندریں سوچتے ہو۔“

”غریب! پھر؟“
”تم میں نے اس سوچنے والے کے مسئلے آکاش میں تلاش کیے۔“

بڑی تلاش کے بعد ایک گچھا ملا لیکن اتنا ابھرا کہ اس میں جھانکا ہی نہیں جاسکتا تھا اور آج بھی میں تمھارے ستاروں میں جھانکنے میں کام ہوں۔“
”ہاں ستیہ پال۔ تم مجھے ستاروں میں تلاش نہیں کر سکو گے۔“
”یہ مسئلے یہ تو کہتے ہیں کہ تم تو انسان ضرور ہو، تو بتائیں ہر اور پتے سے باہر نکلتے ہیں میں نے ایک بات اور سنی۔“
”وہ کیا ہے؟“ میں نے دلچسپی سے پوچھا۔
”یہ کہ تم نے اس میں نشان کیا۔“
”ہاں!“ میں نے طویل سانس لے کر جواب دیا۔
”یہ کیا تھا؟“

”نہان!“ میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔
”کوئی منتر ہے؟“ اس نے رازدارانہ انداز میں پوچھا۔
”نہیں ستیہ پال۔ بس میں نے کہا نا کہ تمھیں میرے بالے میں سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ کچھ وقت انتظار کرو تو بہتر ہے۔“
”پراس کے لیے تمھیں ایک کام اور کرنا ہوگا۔ ستیہ پال بولا۔
”کیا ہے؟“

”میرے ساتھ گچھا میں رہو گے۔ کم از کم اس سے تک جب تک مہاراج چند گپت واپس نہ آجائیں۔“
”میرے لیے کیا فرق پڑے گا ستیہ پال۔ پہلے ایک گچھا میں رہتا تھا، پھر رانی موریر نے اپنے پاس بلایا اور اس کے بعد اگر تم جانتے ہو کہ تمھارے پاس رہوں تو تمھارے پاس بھی رہ سکتا ہوں۔“
”کچھ اور دن کی باتیں ہو جائیں مہاراج؟“ ستیہ پال عجیب سے انداز میں مسکرا کر بولا۔

”ہاں ستیہ پال ضرور۔“
”کچھ ناچ رنگ بھی پسند ہے؟ اور میرا مطلب ہے... وہ ہنسنے لگا اور میں نے تعجب سے اس کی شکل دیکھی۔ خوب سا دھو تھا لیکن بہر حال ایک بہتر انسان۔“
”کیوں نہیں ستیہ پال۔“ میں نے جواب دیا اور وہ خوشی سے اچھل پڑا۔

”یہ ہوئی نا بات۔ جھنگوان کی سوگند یوں لگتا ہے جیسے ستاروں کی پوچھی میں ہماری تمھاری دوستی جو جنم سے کچھ دی گئی تھی۔ سارے کام ایک جیسے ساری باتیں ایک سی۔ واہ جھنگوان واہ!“ ستیہ پال ہنسنے لگا۔
”بولا میں نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ تو پھر کبھی رنی مہاراج؟“
”کیا ستیہ پال؟“ میں نے پوچھا۔
”یہی کہ تم میرے ساتھ ملو گے۔“

”ہاں ہاں اس میں کیا عجز ہے مگر رانی موریر سے کیا کہو گے؟“
”اے میرے بھی کوئی چٹکانا بات ہے۔ جیون بھر جھوٹ بولا ہے۔“
”اور دل دیں گے۔ اس نے جواب دیا اور میں نے شانے ہلائے۔ پھر ہم

دونوں وہاں سے واپس چل پڑے۔ ستیہ پال تو بڑے مزے کی چیز ثابت ہوا تھا، حالانکہ اس کا نام سن کر میں نے یہی سوچا تھا کہ ہوگا کوئی غراٹل بڑھڑھا، جٹا دھاری، ننگ دھڑنگ لیکن یہ آدمی تو بڑا دلچسپ تھا۔
”راتے میں بے شمار لوگ لے پڑے ہیں متاثر تھے، ڈنڈوت کرتے کرتے ان کے ہاتھ نہیں ٹھکتے تھے۔ غرضیں بھی تھیں اور وہ بھی اسی عقیدت سے پیش آرہی تھیں۔“

”بڑا عجب ہمارا کھلے ہمارا راج!“ ستیہ پال نے مسکرا کر کہا۔
”میں نے خود کوئی کوشش نہیں کی۔“ میں نے جواب دیا۔
”بہر صورت تم سندر تو ہو ہی جان بھی بڑی نظر آتی ہے مگر وہ آگ میں نہان والی بات تو ابھی مجھ میں بھی نہیں آئی۔ اس نے سب کو پکڑ میں ڈال دیا ہے اور پھر ستاروں نے بھی تمھارے بالے میں غلط تو نہیں کہا تھا۔“

”سب کچھ مجھ میں آجائے گا ستیہ پال، چننا مت کرو۔“ میں نے جواب دیا۔
”اچھا۔ ایک بات تو بتاؤ۔ وہ سندر ناری کون تھی جو تمھارے پاس موجود تھی؟“

”اے ہم تو صرف اسے جانتے ہیں مہاراج جس پر ہارا ادھیکار ہوا اس کے علاوہ کسی اور کو نہیں دیکھتے۔“
”تمھاری ہی بت کی ایک لڑکی ہے۔ بیلا نام ہے لیکن اتنی معصوم ہے کہ اس پر بری نگاہ نہیں ڈال جاسکتی۔“

”رام رام رام۔ تم نہیں ڈالو گے مہاراج تو کوئی دوسرا ڈالے گا۔ تم کیوں چھوڑتے ہو کہنا ہے جو ان ہے، سندر ہے جھنگوان کی سوگند، لکھو بہت جلد کوئی نہ کوئی پریمی ڈھونڈ لے گی۔“
”سنو ستیہ پال وہ مجھ سے بہت متاثر ہے کہ میری ہی کہ اسے مجھ سے پیغم ہو گیا ہے مگر ایک رات وہ میرے سینے سے چٹ کر سونی اور اس معصومیت سے سونی کہ میری پرہوس نظر میں خود شرمندگی سے جھک گئیں۔ بے خبر اور گری بننے پھر صبح ہی کو جا گئی تھی۔ اب تم خود بتاؤ کہ میں اس کے بالے میں کوئی غلط انداز نہیں اختیار کر سکتا ہوں۔“

”چھو جانے دو جھنگوان کی زمین میں ہے۔ یہاں کس چیز کی کمی ہے؟“
”ہم دونوں رانی موریر کی گچھا میں پہنچ گئے اور پھر ستیہ پال نے ان سے کہا۔
”وہ کی خبر کی ودھائی دینے آیا ہوں مہاراج۔ اپر پر دھام کو ساتھ لے جا رہا ہوں۔“

”کہاں مہاراج؟“
”اپنی گچھا میں۔ جوش سنار سے دوڑے جاتے ہیں، ان کا پھر سے سنار میں آجانا چاہتا نہیں ہوتا تم جاتی ہوگا یا کہو کیسا حسراب ہوتا ہے۔“

”یہ تو تمھیں کب سے ہو مہاراج ستیہ پال۔“ رانی موریر عقیدت سے بولی۔
”بس تو رانی جی میں انھیں ساتھ لے جا رہا ہوں۔“
”تم جیسا مناسب سمجھو۔“ رانی نے جواب دیا۔
”اور اب ہم اس سے کہیں گے جب مہاراج چند گپت آپس ٹوٹیں گے۔“

”ہوں!“ رانی نے جواب دیا اور تھوڑی دیر کے بعد میں ستیہ پال کے ساتھ اس کی گچھا پر پہنچ گیا۔ پہاڑوں میں جیسے دوسرے سوراخ تھے ایسا ہی ستیہ پال کے غار کا سوراخ تھا۔ اس میں صرف اتنا سا فرق تھا کہ یہ ایک نسبتاً نیچے پہاڑ کی چوٹی پر تھا۔
”اوہ مہاراج!“ ستیہ پال نے غلوں سے کہا اور اندر سے اس کی رہائش گاہ دیکھ کر میں نے گردن بلانی تھی ستیہ پال حقیقت ایک باوقوف انسان تھا۔ اس نے اس جلا وطنی کے عالم میں بھی اپنے غار کی تزئین کی تھی اور وہ خوبصورت چیزوں سے آراستہ نظر آ رہا تھا۔ میں نے دلچسپ لگا ہوں سے اس کی کوششوں کو دیکھا۔

”اس غار کی کئی شاخیں ہیں اور ان کے مختلف راستے بھی ہیں۔“
”خوب! تم نے بڑی چالاکی سے اس کا انتخاب کیا ہے۔“
”ہاں یہ بات تو ہے مہاراج، لیکن میں نے اس میں محنت بھی بہت کی ہے۔“

”لیکن تم نے یہ چیزیں یہاں کیسے جمع کیں؟“
”بس زیادہ تر سامان ساتھ ہی لایا تھا لیکن دوسروں کو اس کی خبر کم ہی ہے۔“

”یہ بات میری سمجھ میں نہیں آرہی۔“
”میرے پاس میرا ایک پر ہے مہاراج۔ وہ میرے لیے یہ کام کرتا ہے۔ بالآخر ستیہ پال نے عزتوں کیا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

”گویا مجھ سے بھی آہستہ آہستہ کھلو گے؟“
”اے دیر کی کتنی لگی! اپنا پیٹ خود اس قدر ہلکا ہے کہ کوئی بات دیکھتی ہی نہیں۔“ ستیہ پال نے کہا۔ پھر اس نے مجھ سے طویل و عریض غار کے مختلف حصے دکھائے اور پھر ایک درمیانی حصے میں آگیا۔
”سب دیکھ لیا نا مہاراج تم نے؟“ اس نے کہا۔

”ہاں!“
”لیکن میرا خیال ہے کہ ابھی تم نے کچھ نہیں دیکھا۔ وہ نہیں کر بولا۔
”کیا مطلب ہے؟“ میں نے تعجب سے پوچھا۔

”آج رانی آجائے دھرم دیویو۔“ روشن دوا پر میرے دھان کو اس نے یوواروں کی طرف منہ کر کے کہا اور چپٹی دیوڑا سے کھٹے اور ان میں سے پانچ ڈکیاں اندر داخل ہو گئیں۔ ایک سے ایک خوبصورت فنی ایک سے

145

”نہیں۔ میں کسی مذہب کا پرچار نہیں کرتا۔ میں کسی مذہب سے تعلق نہیں رکھتا۔“

”یہ تو عجیب بات ہے مہاراج۔ سمجھ میں نہ آنے والی۔“
 ”میرے پاس جس جتنی سمجھنے کی کوشش کرو گے، اچھے نتائج“
 ”ایسا ہی لگتا ہے مہاراج۔ بہ حال متادوں نے غلط تو نہیں کہا تھا۔ احم و احمی اٹھو۔ اب تو ہمیں انسان کہتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے بلاشبہ۔ تم چند گیت کی مدد کر سکتے ہو۔ لیکن آگ کا کیا معاملہ ہے مہاراج؟“
 ”وقت جسے تشکیل دیتا ہے ستیہ پال! موسم، مادی اجزاء اس کے لئے یہ مقصد ہوتا ہے۔ اسی لئے آگ، آگ میرے بدن کو ہی زندگی بخش دیتی ہے، مجھے جلاتی نہیں۔ پانی میرے بدن کے اجزاء میں ہی تو داخل کرتا رہتا ہے، مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ تمہاری دنیا کو کوئی چیز میرے اوپر اثر انداز نہیں کر سکتی۔“

”رام رام رام۔ دعا کی چوڑیاں ہل گئیں مہاراج۔ اب سمجھ میں نہیں آتا تمہیں کیا کہوں؟“
 ”کچھ بھی کہو تمہارا دوست ہوں۔“
 ”مجھ کو ان کی سوغند۔ تم سے دوستی کر کے بڑا مان ہو گیا ہے مجھے۔“
 ”کیوں نہیں تمہیں مان کہوں؟“
 ”جودل چاہے کہو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ میں نے لاپرواہی سے جواب دیا۔“

”کچھ اور باتیں مہاراج۔ ستیہ پال بولا۔“
 ”ہاں ہاں، بے تکلفی سے پوچھو۔“
 ”تاریوں کو۔ میرا مطلب ہے، تم۔“
 ”ہاں ستیہ پال۔ میں اس سنسار میں ایک مٹی کی حیثیت نہیں رکھتا لیکن وہ ساری باتیں پسند کرتا ہوں جو انسانوں کی ضرورت ہوتی ہیں۔ ان میں بھیجوں پانی اور دوسری چیزیں ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اگر تمہیں پانی نہ ملے تو تم اس سے تم تم تمہیں ملے ہو کھانا ملے تو بھوک سے مر سکتے ہو۔ میں ان میں سے کسی چیز کے لئے مجبور نہیں ہوں۔ اگر یہ مجھے بھی نہ ملیں تو میرا کچھ نہیں بگڑے گا۔“

”چلو ٹھیک ہے مان مہاراج! جو کچھ بھی ہو، مجھ کو ان کی سوغند خوب ہو۔ آؤ اب چلیں۔“ اس نے کہا۔ اور پھر راستے میں وہ بولا۔ ”چند گیت کے لئے آپ نے متادوں سے اور کچھ پوچھا؟“
 ”ہاں۔ میں نے جواب دیا۔“

”اے پوچھا مہاراج؟ اس نے چونک کر پوچھا اور میں نے اسے بتایا کہ اس وقت چند گیت کے لئے پنجاب پر حملہ کرنا بہت فائدہ مند ہوگا۔ اور وہ وہاں کامیاب و کامران ہوگا۔“

”اوہوہو! یہ تم نے بڑے کام کی بات معلوم کی۔ میرا دعا اس طرف نہیں گیا تھا۔ ستیہ پال نے کہا۔“

”آؤ۔ اب چلیں۔“ میں نے کہا اور دم دھول اٹھ گئے۔ پھوٹی میرے بعد دم خا دل میں تھے اور شاید یہ ستیہ پال کے روزانہ کے مشاغل تھے۔ ان کے درمیان میں جسے میں مشغول کی تیر روشنی پھیلی ہوئی تھی اور اس روشنی میں وہ پانچوں لوگوں کی خوبصورت لباس میں لباس پہنی منتظر کر رہی تھیں۔ ہمیں دیکھ کر جسے ان میں جان پڑ گئی۔ وہ سب کھڑی ہو گئیں اور ستیہ پال کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

”نہیں تو نہیں آ رہی مہاراج؟“
 ”نہیں۔ کیوں؟“
 ”تب پھر آؤ۔ حضور! اساناچ رنگ بکھیں۔ وہ مجھے لے کر ایک پتھر پر بیٹھا گیا اور لوگوں کی تیار ہو گئیں۔ شراب کے برتن سامنے لگے۔ ایک روٹی ہمیں شراب پلانے لگی اور باقی دو بکے قسم کے ساناٹھ لائیں اور دو لوگوں کی رقص کرنے لگیں۔ ساز بجانے والوں نے خوبصورت اور سخی آوازیں ایک گیت شروع کر دیا۔“

”سے رین بھی کھائے نیوں میں جاگ اٹھے اجیارے“
 ”بڑا خوبصورت گیت تھا اور بڑا ہی حسین قص اور اوپر سے یہ لہریز ترین شراب۔ کیونکہ ستیہ پال نے ان خا دل کو کیا بتا رکھا تھا۔ جام پر جام چلتے رہے لیکن ہوش و حواس سے عاری کرنے والی کوئی چیز تو میرے لئے اس دنیا میں پیدا ہی نہیں ہوئی۔ کس سے ستیہ پال سے پوچھا۔“

”مجھے حیرت ہے ستیہ پال!“
 ”کس بات پر مہاراج؟ وہ شیلی آوازیں بولا۔“
 ”لوگوں کے لیے لباس۔ ساز اور یہ شراب جبکہ چند گیت یہاں جلاوطنی کی زندگی گزار رہے۔“

”پر میں نے نہیں بتایا تھا مہاراج کہ میرے پاس میرا ایک برہ ہے اور وہ جلاوطن نہیں ہے۔ پھر میں نہیں اس کا چہرہ دکھاتا ہوں۔ رکھنا؟ اس نے آواز دی۔“ ہمیں پھیل چائیں، اور پروفیسر! بھولوں کا ایک تھا اسے ہمارے سامنے پہنچا گیا۔ اس میں تازہ انور، سیب، کیلے، مانے سب کچھ موجود تھا اور ستیہ پال کا ہر حصہ بہت پسند آیا جسے میں دیکھ نہیں سکتا تھا۔ لیکن میں نے اس پر کسی شدید حیرت کا اظہار بھی نہیں کیا تھا کیونکہ پراسرار اعلام کے کئی ماہروں کو میں بڑے بڑے کارنامے انجام دیتے دیکھ چکا تھا۔“

”کھاؤ مہاراج!“
 ”ایک بات پوچھوں ستیہ پال!“
 ”اے سوا باتیں پوچھو مہاراج۔ چنتا کس بات کی؟ ستیہ پال کو چھو رہی تھی۔“

”اس طرح تو تم اس آبادی کے لوگوں کی ضروریات بھی پوری کر سکتے ہو؟“
 ”کیوں نہیں مہاراج! لیکن ذرا خیال رکھنا پڑتا ہے۔“
 ”کیسا خیال؟“
 ”دیکھو نا مہاراج! اگر میں ان لوگوں کی ساری ضروریات پوری کرنے

لوں تو پھر یہ اپنے کام کرنا چھوڑ دوں اور اس میرے ہی چھ لگ جائیں لیکن میں ان لوگوں کی وہ ضروریات پوری کرتا ہوں جن کے لئے وہ مجبور ہو جاتے ہیں اور جب آبادی کے لوگ کسی پریشانی کا شکار ہو جاتے ہیں تب ہی وہ میرے پاس آتے ہیں اور میں ان کی پریشانی دور کر دیتا ہوں۔ اس طرح ان کے میں میں رہا رہتا ہے اور میرا پرکھ بھی۔“

”ابھی بات ہے۔ میں نے کہا۔“
 ”رات بھیک لے کر جاتی ہوں ستیہ پال کی آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں۔ نیند کا طہر شراب کے خمار میں شامل ہو کر وہ آتش ہو گیا تھا۔ ستیہ پال نے نقص نہ کرنے کا اشارہ کیا اور میری طرف رخ کر کے بولا۔“

”نیند آ رہی ہے مہاراج! آرام کریں۔“ اور پھر وہ لوگوں سے بولا۔
 ”بکھو رو دیکھو! بھاگ میں تمہارے کہ اسے اسماں پرش تمہاری سیدھا پاتا ہے کوئی شکایت نہ ہونے پائے۔ لے جاؤ مہاراج! جسے میں چاہے لے جاؤ۔“ اس نے کہا اور میں نے ایک خوبصورت روٹی کی اسٹیکوں میں دیکھا۔ ڈاک نازک سے خدو خال والی روٹی مسکرا دی۔ تب میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا اور ستیہ پال ہنسنے لگا۔ پھر اس نے دو روٹیوں کو دو دونوں بازوؤں میں دیا یا اور ایک طرف چلا گیا۔ میری سامنے مجھے لئے ہوئے خاکے ایک حصے میں پہنچ گئی۔ جو آرام گاہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ وہ سرخے کھانے میرے پیروں کے نزدیک پہنچ گئی اور پھر اس نے اپنے ملائم ہاتھوں سے میرے پاؤں دبانے شروع کر دیے۔“

”اے اے۔ یہ کیا کر رہی ہو؟ میں نے جلدی سے پاؤں ہیرت کیے۔“
 ”کیا سوا کروں مہاراج؟ اس نے دنگش آوازیں پوچھا۔“
 ”کیا نام ہے تمہارا؟“

”بنیاد۔ اس نے جواب دیا۔“
 ”بڑا پسند نام ہے۔ ایک بات بتاؤ بنیاد!“
 ”جی مہاراج!“
 ”بستی میں تمہارے مابا پتا موجود ہیں؟“
 ”ہاں مہاراج!“

”تم یہاں اپنی مرضی سے آئی ہو؟“
 ”ہاں۔ وہ عجیب سے بولی۔“
 ”ستیہ پال تمہیں کیسا لگتا ہے؟“
 ”وہ بڑے مہان پرش ہیں مہاراج۔ بڑے ہی دھڑاتما۔ ان کی سوا کرنے کا جسے موقع ملے وہ تو بڑا ہی بھال گیا۔“

”لوگ نے جواب دیا۔“
 ”خوب۔ کیا ساری لوگوں یہاں خوش ہیں؟“
 ”ہاں مہاراج!“
 ”لیکن پھر بنیاد! تمہیں میرے پاس آکر خوشی تو نہیں ہوئی ہوگی؟“
 ”کیوں نہیں مہاراج۔ ایک تو ہمیں ستیہ پال جی نے حکم دیا ہے۔“

دوسرے پھر تم بھی بڑے ہی مسند ہو، تم کوں ہو مہاراج؟“
 ”ہاں ہے میرا نام۔“
 ”مان سنگھ۔ وہ مسکراتی ہوئی بولی۔“

”جودل چاہے کہہ لو۔ میں نے بھی اسی انداز میں جواب دیا۔“
 ”بڑے ہی مسند ہیں آپ۔ اس نے کہا اور میں سمجھ گیا کہ لوگ اپنی سیدھی نہیں ہے جتنی چہرے سے نظر آتی ہے۔ ستیہ پال نے اسے خوب چالاک بنا دیا ہے۔ اور بعد کے لمحات سے میری اس بات کی تصدیق بھی ہو گئی۔ لوگ مکمل طور پر تجربہ کار اور ہر مرض سے آشنا تھے۔ دوسری صبح شہر ہال خود ہی میرے پاس آیا اور احم و احم انداز میں ہنسنے لگا۔“

”غلام کسی رات گوری مہاراج؟“
 ”ایک اچھے دوست کے ساتھ گورا ہوا وقت اچھا ہی ہوتا ہے۔ میں نے جواب دیا۔“

”ہمیں خوشی ہے کہ تم مہاراج کی کوئی سوا کر کے آؤ۔“
 ”پورا دن ستیہ پال کے ساتھ خوشگوار گزارا اور پھر رات تو تھی ہی حسین۔ رقص و موسیقی اور شراب کی فتنہ انگیزیاں۔ دوسری رات کی سامنے گوندی تھی۔ گوندی ہی کی طرح حسلی اور لذت۔ تیسرے دن صبح ہی میری سستی کے لوگوں میں شور مچا گیا۔ راج چند گیت واپس آ رہا تھا اور ایک شکر عظیم اس کے ساتھ موجود تھا۔“

”بستی کے لوگوں میں کھلی جگہ تھی۔ ہر شخص خوشحال مٹا رہا تھا پھر سائے کے سائے راج چند گیت کے سوا کو دوڑ پڑے۔ ہم نے بھی پہاڑ کی بلندیوں سے گئے والوں کو دیکھا لیکن ہم دوسروں کی مانند تو نہ تھے۔ ستیہ پال اپنا ہم تمام رکھنا جانتا تھا۔ البتہ جب رانی مورہ ہمارے پاس آئی تو ہم نے اس کا استقبال کیا۔ اور پھر رانی مورہ کے ساتھ ہی ہم اس جگہ اکھڑے ہوئے جہاں بستی کے بچے اور عورتیں کھڑی چند گیت کے لشکر کو دیکھ رہی تھیں۔ رانی مورہ درمیان میں تھی۔ میں اور ستیہ پال اس کے دونوں جانب۔ اندازہ ہوا کہ چند گیت اپنی ماں کی بہت عزت کرتا ہے۔ سب سے پہلے وہ اور اس کا مشیر خاص چانکیہ گھوڑوں سے اترے اور انہوں نے مورہ کے پاؤں چھوئے۔ چند گیت نے ستیہ پال جیسے رنگے عمارت سے سر جھکا کر آتش وادی اور پھر میری جانب دیکھنے لگا۔ اس کی گہری آنکھیں میرا چہرہ لے رہی تھیں۔“

”یہ کیوں ہے مانا؟ اس نے مورہ سے پوچھا۔“
 ”مجھے۔“ مورہ نے جواب دیا۔“
 ”میں نہیں سمجھتا۔ اس نے کہا۔“

”یہ وہ ہے چند گیت! جس نے تیری جگہ کا پیش سنایا تھا۔ سمندر سے آئے والد اس کے آئے کی خبر مہان گیانی ستیہ پال نے دی تھی اور جس نے بتایا تھا کہ تیری کھٹنا نیاں ختم ہو چکی ہیں۔ یہ وہ ہے جو ان سے انسان کرتا ہے اور ان دیوی اس کے بدن کو چمکا دیتی ہے۔ چرن ہو۔“

تے تعلق رکھتی ہیں۔ سارا کام انہی لوگوں کا ہونا چاہیے، چندرگپت نے کہا۔
 "تمہارے دیش میں یہ سب سے بڑی بدقسمتی ہے چندرگپت"
 "کیا مہاراج؟"
 "میں اپنی اور بھی ذاتوں کی تفریق انسان کو سب کیساں ہوتے ہیں۔"
 "جھگڑا کی سونڈ یہی اپدیش ہوتا ہے کہ اسے میں ان کے
 دھرم سے اسی لئے پریم کرتا ہوں۔ میرا ان دھرم کی طرف بار بار جاتا ہے
 اگر کبھی جھگڑا نہ ہوتا تو اس دھرم کے بارے میں پوری پوری
 جھان بین کروں گا اور اگر اسے اپنے دھرم سے اچھا یا اتنا پسند نہ آتا تو اس کا
 چندرگپت نے کہا اور میں بدھ مذہب کے بارے میں معلومات حاصل کرنے لگا۔
 کافی دیر تک ہم بدھ مذہب کے بارے میں گفتگو کرتے رہے۔ اسی
 دوران ناشتہ بھی لگ گیا اور ہم اگلے ساتھ دوسرے بہت سے افراد نے ناشتہ
 کیا۔ اور پھر چمٹاتے سے فارغ ہو گئے چندرگپت کے خصوصی مشیر جاکھ نے
 جو خاصا جانبدار آدمی معلوم ہوتا تھا، فوجوں کے بارے میں یاد دلایا۔
 "کیا آپ ہمارے ساتھ سیناؤں کو دیکھیں گے مہاراج؟ چندرگپت
 نے پوچھا۔
 "ہاں ضرور۔ اور ان کے بارے میں سوالات بھی کرنا چاہتا ہوں۔"
 میں نے کہا۔
 "ہماری خوش نصیبی ہوگی مہاراج؟ چاکھ بولا۔
 "کیا یہ ساری فوجیں تربیت یافتہ ہیں؟ میں نے پوچھا۔
 "نہیں مہاراج۔ لیکن یہ جنگی قیدیوں کے لوگ ہیں۔"
 "پھر تم نے ان کی تربیت کا کیا انتظام کیا ہے؟"
 "انہی میں سے کچھ لوگ عمدہ سپاہی ہیں۔ وہ انہیں تربیت میں لگے
 "کیا ان کی تعداد کافی ہے؟"
 "بہت کافی نہیں ہے۔ لیکن بہر حال اتنے ہیں کہ ہم ان سے یہ کام
 لے سکتے ہیں۔ صرف اتنا کہ ہوا کا سپاہیوں کی بڑی مقدار پر ایک ایک
 آدمی مقرر کرنا ہوگا۔ چندرگپت نے جواب دیا۔
 "اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔
 ہم لوگ فوجوں کے درمیان پہنچ گئے۔ چاکھ نے خصوصی طور پر فوجی
 تربیت کا بندوبست کیا تھا۔ چنانچہ چھوٹے چھوٹے لشکر مختلف لوگوں کے
 سربراہی میں مشق کر رہے تھے۔ جھگڑاؤں کی کافی تعداد تھی اور وہ انہیں بخوبی
 استعمال کر رہے تھے۔ بعض لوگ اچھے سپاہی تھے اور ان کے ہاتھ تیار رہے
 تھے کہ وہ اسلحے کے استعمال سے اچھی طرح واقف ہیں۔
 میں نے گھوڑے طلب کئے کیونکہ یہ لوگ طویل دُور یعنی علاقے میں
 پھیلے ہوئے تھے۔ اور میں ان سب کا جائزہ لینا چاہتا تھا۔ چندرگپت میں
 اور چاکھ تینوں گھوڑوں پر سوار ہو کر فوجی دستوں کے درمیان سے گزرتے
 رہے۔ ہم تربیت دینے والوں کا اور تربیت پانے والوں کا جائزہ لے رہے
 تھے۔ میں نے آخری سرے تک جھگڑا لگایا۔ بھارت بھارت کے لوگ نظر

آئے تھے۔ جھوڑی دیر کے بعد ہم ایک ایسی جگہ پر لگ گئے جہاں ایک
 عجیب الخلقت آدمی ایک وزنی گڑ سے دس بارہ پہاڑی آدمیوں پر حملے
 کر رہا تھا۔ یہ انتہائی طویل القامت اور اسی کی مناسبت سے چوڑے چکے
 بدن کا مالک تھا۔ چہرے پر ڈراہمی اسی طرح لگی ہوئی تھی جیسے کسی چٹان
 میں جھلڑیاں لگ آئیں۔ بال بھی بے ترتیب تھے۔ اور جس انداز میں وہ
 حملے کر رہا تھا اس سے احساس ہوتا تھا کہ چند ہی لمحات کے اندر اس کے
 مقابل زخمی ہو جائیں گے۔ میں رگ کر کے دیکھنے لگا۔ چندرگپت اور چاکھ
 بھی دُپٹی سے اس کا جائزہ لے رہے تھے۔
 "یہ کون ہے؟"
 "ایک پہاڑی آدمی چندنا۔ اپنے قبیلے کا سردار ہے اور یہ لوگ جو
 اس کے مقابل نظر آ رہے ہیں، اسی کے قبیلے کے لوگ ہیں۔"
 "لیکن یہ جس طرح ان پر حملے کر رہا ہے اس سے تو یہ زخمی ہو جائیں گے۔"
 "ہاں، اندازہ تو یہی ہوتا ہے لیکن وہ پہاڑی وحشی ہیں ان کا کھڑک
 یہی ہوگا۔ وہ اپنا ایک الگ دستہ بنائیں گے اور اسی انداز میں جھگڑا
 کریں گے۔ یہ بات مجھے چندنا نے بتائی تھی۔"
 "کیا میں اس سے بات کروں؟"
 "ضرور مہاراج! آپ اس سے جو کچھ پوچھنا چاہتے ہیں پوچھ لیں۔"
 چاکھ بولا۔ اور میں نے حلقی سے آواز نکال کر اسے اپنے قریب بلایا۔
 وحشی صفت آدمی نے اپنا وزنی گڑ زمین پر ڈال دیا اور میرے
 قریب پہنچ گیا۔ اس کے ہاتھوں پر شیطانی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی ہلکے
 قریب پہنچ کر وہ جھکا۔ لیکن میرے دھم دھان میں بھی نہیں ہٹا کہ وہ اسی
 کوئی حرکت کرے گا۔ وہ میرے گھوڑے کے نیچے ٹھس گیا اور پھر اس
 نے دونوں ہاتھ پھیلائے۔ کجبت کے ہاتھوں کا پھیلاؤ بھی کافی خراب
 گھوڑے کے چاروں سروں کے گرد کس گئے۔ اور پھر وہ کندھوں پر گھونٹ
 کو اٹھانے کی کامیاب ہو گیا۔ میں بدستور گھوڑے پر بیٹھا ہوا تھا۔
 چاکھ اور چندرگپت منہ پٹے تھے اور اس کے ساتھ ہی طویل
 القامت چندنا کے ساتھ بھی۔ میں خاموشی سے گھوڑے پر بیٹھا رہا اور اپنے
 کنارہ پر ہاتھ رکھ کر دُعا کرتے ہوئے اپنے آگے آئے۔ وہ کافی دیر تک کھڑا
 رہا اور پھر گھوڑے کو نیچے آگے آگے دیا اور پیچھے ہٹ گیا۔ پھر وہ دونوں ہاتھ
 منسلکے لگا۔
 "سادھو مہاراج کو اسی طرح دُعا ہی دے سکتا تھا۔ اس نے کہا۔
 "بہت خوب۔" چندرگپت نے تعریفی انداز میں کہا۔
 "مہاراج آئندہ روز دیں گے؟" اس نے میری طرف دیکھ کر کہا۔
 "ہاں دھم واد بہادر دھم واد" میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "لیکن
 تم جس انداز میں اپنے آدمیوں کو تربیت دے رہے ہو میرے خیال میں وہ
 غیر مناسب ہے۔"
 "ادھر؟" یہ گیان دھیان کی باتیں نہیں ہیں مہاراج! جنگ کی باتیں

ہم اعتباروں کی باتیں ہیں۔ میں ان لوگوں کو جو تیار کیا کر رہا ہوں وہ انہیں
 لڑنے کی باتیں ہی کہیں گے۔"
 "میرا خیال ہے تم غلط سوچ رہے ہو چندنا! میں نے ضرور سکون
 سے کہا۔
 "ہم سپاہی ہیں مہاراج! صحیح یا غلط کا فیصلہ ہتھیاروں کو ہاتھ میں
 لے کر کرتے ہیں۔ اور نہ اسی بات میں مل سکتے ہیں۔ اگر ہم غلط کر رہے ہیں
 تو اس صحیح کر کے بتاؤ۔"
 "اور پوچھنا مہاراج! اوتار میں ان سے ایسی بات مت کرو۔"
 مہاراج ہم تو اسے ہی اوتار مانے ہیں جس کے ہاتھ میں گڑ ہے۔ وہ
 اپنی طاقت پر بہت نازاں تھا۔
 "میرا خیال ہے چندرگپت مہاراج! اسے سمجھا دینا اچھا ہوگا۔" میں
 گھوڑے سے نیچے اتر گیا۔
 "مہاراج۔ مہاراج! چندرگپت اور چاکھ بے اختیار بولے لیکن
 ان گھوڑے سے اتر چکا تھا اور پھر جس نے چندنا کے شانے پر ہاتھ رکھ کر
 کہا۔ "اوتار چندنا میں تمہیں بتاؤں کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط۔"
 "ہاں! اوتار مہاراج! چندنا نے کہا۔ اور ہم دونوں اس جگہ پہنچ گئے
 جہاں چندنا اپنے آدمیوں کو مشق کر رہا تھا۔ اس نے زمین پر پڑا گڑ اٹھا لیا
 اور اس نے اس کے ایک سامنے سے گڑ طلب کیا۔ ہلکا گڑ تھا جو میرے
 ہاتھ میں کسی کھلونے کے مانند ہی ہوتا تھا۔ لیکن چندنا کو سبق دینے کے لئے
 اس سے کام چلا تھا۔ چاکھ اور چندرگپت منظر پر نا انداز میں گھوڑوں سے
 نیچے اتر گئے۔ ان کے چہروں پر پریشانی کے آثار تھے لیکن مجھے جنگ
 کے لئے آمادہ دیکھ کر وہ بھی خاموش ہو گئے۔
 چندنا دانت نکالے گڑ تو لے رہا تھا۔
 "گیان کی جنگ نہیں ہے مہاراج! ہتھیاروں کو ہتھیاروں کی طرح
 بڑا۔ اور سنبھالو۔ اس نے مجھے کافی دی اور پھر گڑ سے میرے اور چاکھ کی
 اس نے اس کے اس دار کو اپنے گڑ پر روکا۔ جو ہے سے لہو اٹھایا اور اصل
 ام جسموں کی طاقت کا تھا چندنا کا پورا وزن اپنے گڑ پر تھا۔ وہ میرے
 ہاتھ کو اپنی قوت سے جھکوانے کی کوشش کر رہا تھا اور اس کا چوڑا چکھار
 میرے اوپر چھایا ہوا تھا لیکن پھر اس کا بدن سیدھا ہو گیا۔
 اس نے اپنی پوری طاقت صرف کر دی تھی۔ لیکن چھوٹا سا گڑ اس
 کے وزنی گڑ کو برابر پیچھے دھکیل رہا تھا اور پھر اسے سیدھا کر کے اس نے
 اپنے پاؤں سے اس کا پاؤں اٹکے کھسکا لیا اور وہ کسی وزنی تے کی مانند
 زمین پر پڑھ کر ہو گیا۔
 تمام لوگ حیرت سے پہنچے اور میں پیچھے ہٹ گیا تھا۔
 "میرا مقصد یہی تھا کہ اپنے سے کمزور انسانوں کو اس طرح ہمیشہ
 ہمت دکھ کر وہ بدل نہ ہو جائیں۔ میں نے نرم لہجے میں کہا اور ہم چندنا
 نے اپنی جھلک لگائی اور حیرت انگیز طور پر پھر ہو گیا۔

"ایسے نہیں مہاراج! منسل سے بھول بھی ہو جاتی ہے اب کبھی سی۔"
 "کیا تم مجھ سے مقابل کرنا چاہتے ہو چندنا؟"
 "ہاں مہاراج! بات دراصل یہ ہے کہ ہم جنگ کو اپنا دھرم سمجھتے
 ہیں۔ بار جاتے ہیں تو مرنا پسند کرتے ہیں اور اگر جیت بھی گئے تو پھر سدا کے
 لئے اُسے بڑا ملتے ہیں جو ہمیں ہرا دے۔"
 "مگر چندنا! مہاراج سے تمہاری جنگ تو نہیں ہچا چکی ہے آگے
 بڑھ کر کہا۔
 "وہ تو جھگڑا ہے مہاراج! اہرنت ہتھیار اٹھ گئے ہیں اب تم نہ بولو۔"
 چندنا پیچھے ہٹ کر لولا اور اس نے گڑ تو لے لیا۔ تب میں نے اپنا چھوٹا سا
 گڑ جھینک دیا اور اس کے حملے کا انتظار کرنے لگا۔
 "اے یہ کیوں مہاراج! تم نے ہتھیاروں کو ہینک دینے کیا ارادے
 نہیں؟ اس نے کہا۔
 "بات صرف تمہیں سمجھانے کی تھی۔ اگر تم اسے ہر اہجیت کا رنگ دے
 رہے ہو تو پھر میرے مقابلے میں تم کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ میں تمہیں پھر ہتھیار
 کے شکست دے سکتا ہوں۔ اب تم جو حملہ کرنا تو اس میں کوئی رعایت نہ ہو
 میں نے کہا۔
 "ادھر؟ اس نے آہستہ سے کہا۔ اور پھر اس نے اسی طرح حملہ کیا
 جیسے ایک ہی وار میں مجھے زمین بوس کرنے کا گڑ سیدھا میرے سر کی جانب
 آیا تھا لیکن میں نے اسے کلائی پر روکا۔ جو ہے کے اس قدر وزنی گڑ اور پھر اس
 خوفناک انسان کی طاقت کو روکنا انسانی بس کی بات تو نہ تھی۔ گڑ سیدھا میری
 کلائی پر پڑا تھا۔ میں نے اس پر سے ہاتھ پھسایا اور اس کی کلائی پر ہاتھ ڈال
 دیا۔ دوسرا ہاتھ میں نے اس کے زریں لباس میں ڈالا تھا اور دوسرے لمحے
 وہ گڑ سمیت میرے سر سے بلند ہو گیا۔ اور پھر میں نے اسے آہستہ سے
 زمین پر رکھ دیا۔
 چندنا کی سمجھ میں ہی نہیں آتا تھا کہ یہ سب کیا ہو گیا۔ وہ بڑی طرح حیران
 گیا تھا۔ پھر وہ آہستہ سے اٹھ کر بیٹھ گیا اور دونوں طرف گردن جھٹکے لگا چاکھ
 اور چندرگپت میرے نزدیک پہنچ گئے تھے۔
 "بس مہاراج! فیصلہ ہو گیا۔ انہوں نے کہا۔
 "اگر چندنا مان لے" میں نے شانے ہلاتے ہوئے کہا۔
 "مان لیا مہاراج! اچھے طرح مان لیا۔ اور ہم یہ نہیں کہیں گے کہ یہ گیان
 کی مار ہے۔ ہمیں تو سیدھے سیدھے داؤ سے مار لیا ہے۔ چندنا نے غلوں دل
 سے اعتراف کیا اور کھڑا ہو گیا۔
 "میری رائے ہے چندنا! تم اپنا وزنی گڑ جھینک کر لے کر ہتھیار سے
 ان لوگوں کو مشق کرو۔"
 "جو آگیا مہاراج! چندنا نے جواب دیا۔ وہ اب بالکل سیدھا ہو گیا تھا
 ہم وہاں سے آگے بڑھ گئے۔
 چندرگپت اور چاکھ تینوں گڑ انداز میں بار بار جھگڑا دیکھ رہے تھے لیکن

”اے نہیں بھیا! اُداسی کا اپنے دل کیا کام“ اس نے جواب دیا۔
 ”خیر خیر خالی نظر آ رہا ہے۔“
 ”نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔“ ستیہ پال اپنی جا سے اٹھا اور
 خیمے کے ایک سرے پر جا کر اس نے ایک پردہ کھینچ دیا۔ ”یہ ہے کہیتھے
 دو لڑکیاں سر جھکائے بیٹھیں اور میرا دل رہ گیا خیمے کے اس حصے
 کو جس کا اختتام صحیح تھا لیکن خیمہ دھرا تھا۔ ستیہ پال نے یہاں بھی
 چالاک سے کام لیا تھا۔ لڑکیاں اٹھ کھڑی اور وہاں سے انہوں نے کتابے
 اٹھائے اور ہمارے سامنے آئیں پھر انہوں نے آفتاب رکھے اور سیدھی
 کھڑی ہو گئیں۔
 ”کیا خیال ہے مہاراج! ناچ رنگ کی محفل جگے گی؟“
 ”ناچ رنگ تو مناسب نہیں ہوگا ستیہ پال! خیمے سے باہر بھی آواز
 جاسکتی ہے۔“
 ”اے نہیں مہاراج! اس خیمے کی دنیا تیار ہے۔ یہاں جو کچھ ہوگا
 اس کے باسے میں باہر والوں کو کوئی پتہ نہیں چل سکے گا۔“
 ”وہ کیوں؟“
 ”بس مہاراج! کچھ کام ایسے ہیں جو جوں کے لئے کرنا ہی پڑتے ہیں۔
 ”بڑے انوکھے بڑے بہت ہی عجیب۔“ ویسے میں تمہارے اس گمان کا
 قائل تو ہو گیا ہوں۔ اور یہ اعتراف کرنے میں مجھے کوئی عار نہیں ہے کہ اگر
 تم نہ ہوتے تو میرا دل ذرا بھی نہیں لگتا۔“
 ”لو کہو! جام اٹھاؤ! شراب لٹاؤ! ناچ اور دیوانہ بناؤ۔“ ستیہ پال
 نے مستانہ وار کہا اور لڑکیوں نے جام بھر دیے۔ بلاشبہ اس نے اس جھوٹے
 سے خیمے کے ماحول کو ہی رنگ دے دیا جو غافل میں تھا۔ اور اس جیسے
 انسان کے لئے سب کچھ مشکل نہ تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ باہر کے لوگ
 بہرے کیوں ہو گئے۔ خیمے کے اندر کی آواز کو محسوس طرح کیا گیا لیکن جو
 کچھ تھا وہ سامنے تھا۔ لڑکیاں تھیں کرتی رہیں، شراب پلاتی رہیں اور جب
 مستی شباب پر پہنچ گئی تو مجھے ستیہ پال یاد رہا نہ اسے میں اور اس کے
 بعد بے خودی، بھرپور شادی آنکھوں کو خیرہ کرنے والی۔ گویا صبح ہو گئی تھی۔
 اور اس کے بعد دہریہ روزمرہ کی مصروفیات۔ فوجوں نے شیشیں شروع
 کر دی تھیں۔ اس سلسلے میں دلچسپ بات یہ تھی کہ حالانکہ وہ مختلف علاقوں
 کے لوگ تھے لیکن سب کے سب میری قیادت سے متفق تھے اور مجھ
 سے بھرپور تعاون کر رہے تھے۔ بہر حال اس دن رات گئی سے پہلے میں نے
 چند ناکے باسے میں اعلان کر دیا۔ اس باسے میں ’میں نے پانچویں پانچ گیت
 سے کوئی مشورہ نہیں کیا تھا۔ ان دونوں نے بھی نہ تو اس پر کوئی اعتراض کیا
 نہ تبصرہ۔
 اور پھر سفر شروع ہو گیا۔ وہی آغاز وہی معمولات کوئی تبدیلی نہیں
 تھی۔ میرے خیال میں اب یہ فوج جتنی جتنی آؤ گی وہی جتنی جتنی آئے گی پوری طرح

تیار تھی۔ ویسے میں ان لوگوں کے تعاون اور اعتماد سے بھی متاثر تھا۔ میں نے
 پنجاب میں یونانیوں کے خلاف بغاوت کی پیش گوئی ستاروں کی چال سے کی تھی۔
 ظاہر ہے خالی طور پر تو میں اس سے واقف نہیں تھا۔ لیکن انہوں نے اٹھ بوند
 کر کے اس پر یقین کر لیا تھا اور یہ بہر حال متاثر کن بات تھی۔
 اس رات کھانے کے وقت چند رگیت سے اس موقع پر گفتگو بھی
 ہو گئی۔ چاکلی بھی موجود تھا۔
 ”تمہارے ذہن میں اس بارے میں کوئی بات تو نہیں ہے چند رگیت؟“
 ”کس بارے میں مہاراج؟“
 ”تم یہ بھی سوچ سکتے ہو کہ ممکن ہے میری پیش گوئی غلط ہو؟“
 ”کون سی پیش گوئی؟“
 ”پنجاب کی بغاوت کے متعلق۔“
 ”اوہ! ہم یہ کیوں سوچیں گے مہاراج؟“
 ”کیا مطلب؟“
 ”ہمیں آپ پر پورا دشواش ہے۔“
 ”ہوں۔ لیکن اتفاق سے اگر یہ بات غلط ثابت ہو گئی؟“
 ”تب بھی مہاراج! ہم سوچیں گے کہ کھانا کی ہی مری تھی۔ میں نے
 آپ کو مہمان مان لیا ہے۔ پس یہ کافی ہے۔ دوسری باتیں کوئی حقیقت نہیں
 رکھتیں۔ اور سن لیں، کچھ بھی ہو جائے کوئی بھی ایسی بات ہو جائے، ہم
 آپ پر بھروسہ رکھیں گے۔ ہم یہ نہیں سوچیں گے کہ مہاراج کی وجہ سے
 دھوکا ہوا۔“
 ”اتم نے میرے اوپر اس قدر اعتماد کیوں کیا ہے چند رگیت؟“
 ”اعتماد کوئی وجہ نہیں ہوتی مہاراج۔ لے ذمے کے ہمارے
 پاس ایک ہی ہی تو رہ جاتا ہے۔ اگر ہم اس کی بات نہ مانیں تو پھر کس کی
 بات مانیں؟“
 ”ہوں۔ میں نے بہت زیادہ متاثر ہو کر کہا۔ ”توچھو سن لو چند رگیت!
 میں سمندیں سوراٹا تھا۔ اور جب مجھے میری مرضی کے خلاف جگا دیا گیا تو
 مجھے یہ بات زیادہ پسند نہیں آئی تھی۔ لیکن اب مجھے کوئی انسوس نہیں ہے
 دوستوں کے لئے میں نے کئے ہوئے وقت میں بہت کچھ کیا ہے۔ بشرطیکہ
 انہوں نے خود کو دوستی کا اہل ثابت کیا ہو۔ تم ایک اچھے انسان! اچھے
 دوست ہو! اس لئے میں تمہیں قول دیتا ہوں کہ اس وقت تک تمہارے ساتھ
 رہوں گا جب تک تمہیں ایک عظیم اقتدار کا مالک نہ بنا دوں۔“
 ”جے بھگوان۔ جے مہاراج! چند رگیت نے ممنونیت سے
 کہا۔ اور اس کے پاس سے اٹھ گیا۔ حقیقت تھی کہ شخص اس قدر بھروسہ
 کرنے لگے تو پھر میرے اور میری کچھ فتنے دایاں عائد ہوجاتی تھیں۔ اور
 پروفیسر قدرت نے مجھے فتنے دایاں پوری کرنے کی صلاحیت تو دی تھی۔
 اور خوب تھے یہ دن رات بھی۔
 زمانے سے بے پرواہ ستیہ پال۔ بزم کی دنیا کا انسان لیکن رزم

کی باتوں کے ساتھ بزم بہت دلکش ہوتی ہے۔ یعنی دن کی روشنی فوجوں کے
 امور میں صرف کرنے کے بعد رات کی تھکن دور کرنے کے لئے ستیہ پال کا پورا
 خیمہ موجود تھا جہاں شراب اور جوانی ملتی تھی۔ ہمیشہ نئی لڑکیاں جو یہاں آکر
 اتنی ہی خوش نغمہ تھیں جیسے پوری زندگی یہاں آنے کی آرزو کرتی رہی ہوں۔
 لیکن بات درحقیقت یہ نہیں تھی۔ لوگ ستیہ پال سے عقیدت تو
 رکھتے تھے لیکن اتنی بھی نہیں کہ اس کی ساری خواہشات پوری کر دیں۔ بات
 اس چالاک آدمی کی ذہانت کی تھی جس نے انسانوں کو بے وقوف بنانے
 کے گڑبگڑ لئے تھے اور ایک خوبصورت زندگی کے حصول کے لئے انہیں
 پوری طرح آزار دیا تھا۔ ہاں خوبی تھی تو ایک کہ وہ میرے سامنے خود کو
 چھپاتا نہیں تھا۔
 چنانچہ میں رزم سے نکل کر بزم میں پہنچ گیا جہاں وہ میرا انتظار کر رہا
 تھا۔ لیکن آج وہ کسی قدر اُداس تھا۔ میں نے اسے دیکھ کر تعجب سے
 اس بارے میں پوچھا۔
 ”کیا بات ہے ستیہ پال! کچھ سست ہو؟“
 ”ہاں مہاراج!“
 ”کیوں۔ کیا وجہ ہے؟“
 ”تم کیا سمجھتے ہو مہاراج۔ کیا ہمیں سنا کہ کوئی غم نہیں ہے؟“
 ”ہاں۔ میں تو یہی سمجھتا ہوں۔“ میں نے جواب دیا۔
 ”بھول ہے تمہاری؟“
 ”کیوں۔ کیا دکھ ہے تمہیں۔ کیا غم ہے؟“
 ”اے مہاراج! اس سنا میں سب دیکھی ہیں۔ ایک بھی ایسا
 نہ ملے گا جسے کوئی دکھ نہ ہو۔“
 ”مگر تمہیں کیا دکھ ہے سادھو مہاراج؟“
 ”دکھ نہیں، بس پریشانی ہے۔“
 ”کس بات کی؟“
 ”بستی کی کوئی لڑکی۔“ میرا مطلب ہے جو ہمارے ساتھ ہیں اب
 میرے لئے نئی نہیں ہے سولے ان دو کے۔“
 ”کیا مطلب؟“
 ”میری مراد کا مٹی اور میلے ہے۔“
 ”اوہ! باقی لڑکیاں؟“
 ”سب میری واقف ہو چکی ہیں۔ اس نے انسر دے گی کہا۔
 ”اوہ! تو تمہیں یہ دکھ ہے؟“
 ”کم ہے کیا؟ اب بتاؤ میں کیا کروں؟ اس نے پریشان پوچھا۔
 ”کسی پرانی سے ہی کام چلاؤ۔“ میں نے ہنستے ہوئے کہا۔
 ”نام نام رام۔ کیسی باتیں کرتے ہو مہاراج! اگر ایسی کوئی
 حرکت کرنی تو اسی روز مارا جاؤں گا۔“
 ”کیوں؟“

”یہی تو راز کی بات ہے مہاراج! جو لڑکی یہاں سے چلی جاتی ہے
 پھر جوں بھر مجھ سے نفرت کرتی ہے۔ ہمیں بتا چکا ہوں کہ وہ یہاں اپنی خوشی
 سے تو آتی نہیں ہیں۔ آجاتی ہیں تو میری آنکھوں کا شکار ہوجاتی ہیں پھر وہ
 وہی سب کچھ کرتی ہیں جو میں چاہتا ہوں لیکن۔ جب انہیں آزادی مل
 جاتی ہے تو پھر۔ ہرے رام۔ ہرے رام! اس نے کہا اور میں ہنس پڑا۔
 ”تو کیا انہیں یہ سب کچھ یاد رہتا ہے؟“
 ”کیسے بھول سکتی ہیں مہاراج۔ یہ تو ان کے جیون کی سب سے
 بڑی بھول ہوتی ہے۔“
 ”لیکن وہ کسی سے یہ سب کچھ کہہ بھی تو سکتی ہیں؟“
 ”نہیں کہہ سکتیں۔ بس یہی ایک آسانی ہے۔ اگر یہ آسانی نہ ہوتی
 تو اب تک تو شری مان ستیہ پال کا پورا بستر کبھی کا بندھ چکا ہوتا۔“ ستیہ پال
 نے جواب دیا۔
 ”تو آج تمہارے پاس کوئی نہیں ہے؟“
 ”تمہارے پاس بھی نہیں ہے مہاراج! اس نے منہ بسورتے
 ہوئے کہا۔
 ”میرے لئے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں نے لاپرواہی سے کہا۔
 ”اے ناتا۔ ایسی باتیں مت کرو۔ یہ بات تو مرد کی مردانگی پر
 چوت ہوتی ہے۔“
 ”ہوتی ہوگی۔ فضول باتیں مت کرو۔ آؤ۔ آج رات ستاروں
 کے ساتھ گزار دی جائے۔“
 ”ہاں، کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا۔ اس نے بے چارگی سے کہا۔
 اور ہم دونوں باہر نکل آئے۔ سڑکے چلے ہوئے تھے میرے ذہن میں اس
 سوئی رات کا کوئی تصور نہیں تھا لیکن ستیہ پال حسب معمول آٹوٹوں کی کسی
 شکل بنائے ہوئے تھا۔ ہم دونوں نے دو مختلف جگہیں سنبھال لیں اور ستاروں
 کی گردش دیکھنے لگے۔
 میں نے اپنے ستاروں سے آئندہ حالات کے بارے میں معلوم کیا۔
 اور سڑکے اپنی کتاب کھول کر بیٹھ گئے۔ پہلی بات جو انہوں نے بتائی وہ
 یہ تھی کہ کل کا دن ہمارے معرکے کا دن ہو گا۔ ”کیا مطلب؟“ میں نے پوچھا۔
 ”ایک چھوٹے قلعے سے جنگ اور اس کے بعد مسلسل جھڑپیں۔“
 ”بہت خوب۔“ لیکن چند رگیت کا کیا ہو گا؟
 ”کامرانی۔“ ستاروں نے جواب دیا۔
 رات کے سب ہم ستاروں سے باتیں کرتے رہے اور پھر جب
 ہم دونوں اٹھے تو نہ جانے کیوں ستیہ پال بھی خوش تھا۔
 ”اوہ! ستیہ پال! کیا بات ہے۔ ستاروں نے شاید تمہیں کوئی بہت
 اچھی خبر سنائی ہے۔“
 ”ہاں مہاراج۔“
 ”شاید یہ کہ کل کی صبح رزم کی صبح ہوگی۔“

ہاں کل ٹھیک اور یہی خوشی کی بات ہے۔ ستیہ پیل نے جواب دیا۔
 "تو تب ہے جنگ کی باتوں سے مجھے خوشی ہوتی ہے۔ کیا تم براہ راست جنگ میں حصہ لو گے؟"
 "ہرے رام! کسی دوانے والی باتیں کر رہے ہو مہاراج۔ بھگوان کے لئے ایسی باتیں بھی کہیں نہ کرنا۔ اس معاملے میں میرا ہرے بڑا ہی کمزور ہے۔
 ستیہ پال خوفزدہ آواز میں بولا۔
 "پھر تین خوشی کیوں ہے؟"
 "اس لئے کہ ہم یہ جنگ جیت لیں گے۔ اس نے دانت نکال کر کہا۔
 اور مجھے بھی ہنسی آگئی عجیب بدکردار انسان تھا۔ اسے نہ تو چندر گپت سے کوئی رغبت تھی نہ جنگ و جدل سے۔ پس اس لوگوں سے اس نے منسلک تھا کہ اس کے لئے ایک ٹھکانا تھا۔ اور یہ سب کے سب ساسانی سے اس کے سامنے بے وقوف بن جاتے تھے۔ چھوٹی چھوٹی چندیش کوئیاں کر کے گویا ان کی پشتوں پر احسان کر دیا اور پھر برسوں وہ اس احسان کو وصول کرتا رہتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر کوئیاں اس سے نفرت کرتی ہیں۔ لیکن بہر حال وہ صرف ان اوقات کا قائل تھا جب وہ اس کے حال میں چھپس کر اس سے محبت کا اظہار کرتی تھیں۔ وہ ایک خود فراموش انسان تھا۔ لیکن اس کے باوجود اس سے نفرت نہیں کی جاسکتی تھی کچھ ایسی چیزیں بھی تھیں جو اچھی تھیں۔ چنانچہ مختصر یہ کہ رات صرف ستاروں کے ساتھ بسر ہوتی اور پھر سو گئے۔ دوسری صبح کو تبدیلی نہیں تھی۔ ہاں میں نے فوجوں کے ساتھ کچھ کارروائیاں کی تھیں۔ مثلاً ہتھیار وغیرہ دیکھ لئے تھے۔ اس کے علاوہ چند ناگ بھی کچھ ہدایت دے دی تھیں اور اس بات کو چندر گپت اور چانکیہ نے محسوس کر لیا۔
 چندر گپت اپنا گھوڑا میرے گھوڑے کے نزدیک لے آیا۔ وہ گہری لگا ہوں سے میرا چارہ زہرے رہا تھا۔
 "کیا بات ہے چندر گپت؟"
 "یہی تو میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں مہاراج! اس نے کہا۔
 "کیا مطلب؟"
 "آج میں کچھ خاص باتیں محسوس کر رہا ہوں۔"
 "کس قسم کی؟"
 "کچھ نہ بچھہ فرود مہاراج۔ مجھے نہیں بتائیں گے۔"
 "آج ہمیں پہلی جنگ لڑنی ہے چندر گپت؟"
 "اوہ! کس سے؟ چندر گپت وہی ہے بولا۔
 "چناب کے قبائل سے۔ آج ہماری ان سے ٹھیک ہو جائے گی۔"
 میں نے کہا۔ اور نہ جانے کیوں مجھے ستاروں کی بات پر پورا پورا پھر ہو گیا۔
 میرے ذہن میں یہ خیال نہیں آیا تھا کہ یہ بات غلط بھی ثابت ہو سکتی ہے لیکن جس طرح یہ واقعہ رونما ہوا وہ بہت خطرناک بات تھی۔
 اس وقت ہم گئے درختوں کے درمیان سے گزر رہے تھے بڑا ہی سرسبز علاقہ تھا کہ اچانک درختوں سے تیروں کی بارش ہو گئی۔ سامنے کوئی

دشمن نہیں تھا اس لئے فوجیں بچ کر نہیں ہوئی تھیں۔ اس وجہ سے ہم کافی مارا کھا گئے تیروں نے بے شمار لوگوں کو زخمی کر دیا اور ہماری ہمیشہ قدی لڑ گئی۔
 تیرے دستور پر اس ہے تھے اور تیرے سامنے والے اونچے درختوں کی اوٹ میں چھپے ہوئے تھے۔ وہ نہایت کامیابی سے حملہ کر رہے تھے۔ جبکہ ہم بے بس تھے۔ بہر حال دوسری طور پر یہ کیا گیا کہ فوجوں نے ڈھالوں کی چھت بنائی۔ کوئی جگہ خالی نہیں چھوڑی گئی تھی۔ اس طرح ہم ان خوفناک تیروں سے بچے اور میرے اٹھارے پر فوجیں چھپے ہوئے لگیں۔ حملہ آوروں نے جلد بازی سے کام لیا تھا۔ اگر وہ درختوں کے درمیان میں کچھ ادا کر کے دیتے تو شاید انہیں شمار کار کامیابی حاصل ہوتی۔ اس طرح وہ پوری فوج کو زبردست نقصان پہنچا سکتے تھے۔ لیکن موجودہ پوزیشن یہ تھی کہ ابھی پوری فوج درختوں کے علاقے میں داخل نہیں ہوئی تھیں۔ اس لئے فوج کا پھیلنا حصہ بالکل محفوظ تھا۔ بہر حال فوجیں تیزی سے پیچھے ہٹیں جتنے زخمی ہو گئے، وہ تو نقصان میں ہے۔ باقی ڈھالوں کی آڑ میں بچتے ہوئے اس خوفناک علاقے سے نکل گئے۔ اور میں نے فوجوں کو منع کیا۔
 "وہ درختوں میں چھپے ہوئے ہیں۔ چندر گپت بولا۔
 "ہاں! چانکیہ نے بھی پریشانی سے کہا۔
 "لیکن اس طرح۔ اگر ہم زمین سے ان پر تیرے سامنے تو زیادہ کامیابی نہیں ہوں گے۔"
 "انہیں درختوں پر سے اٹارنا ہو گا۔" میں نے کہا۔
 "وہ کس طرح مہاراج؟ چندر گپت نے پُر خیال انداز میں کہا۔
 "میں کو شش کرتا ہوں۔" میں نے کہا۔ اور پھر میں نے چندا کو کچھ ہدایت دی اور آگے بڑھ گیا۔ تیرے سامنے والے خاموش ہو گئے تھے۔ ان کے لئے تو یہ شاندار طریقہ تھا کہ وہ خاموشی سے درختوں میں چھپے رہیں اور جب بھی ہم آگے بڑھیں تیرے سامنے، لیکن بہر حال میں نے بھی کچھ سوچا ہی تھا۔ البتہ میں نے چندا کو ہدایت کی تھی کہ وہ اس وقت تک کوئی اقدام نہ کرے۔ جب تک میں اسے ہدایت نہ کر دوں۔
 چنانچہ جو بھی میں درختوں کے نزدیک پہنچا بہت سے تیر میری طرف آئے۔ اور میرے بدن سے ٹکرا کر گر پڑے۔ میں نے ایک درخت کے تنے پر بٹھ جائے۔ اور اس وقت تک گفت کی ضرورت نہیں تھی جو کچھ کرنا تھا پھر ہی سے کرنا تھا۔ چنانچہ درخت کی پڑنے زمین چھوڑ دی۔ چونکہ یہ سرو تھا اس لئے درخت پر دس بارہ آدمی موجود تھے جو نیچے آئے۔ دوسرے لمحے انہیں نشان نہ پایا گیا تھا اور میں دوسرے درخت پر طبع آزمائی کر رہا تھا۔ بڑا ہی دلچسپ مشغلہ تھا۔ آن کی آن میں میں نے دس بارہ درخت گرا دیئے اور اب وہ لوگ گھولنے لگے۔
 ان کی ہر گز شش میرے اوپر یا کام ہو رہی تھی۔ ان کے تیر میرے بدن پر ضائع ہو جاتے تھے۔ اور پھر وہ اس صور حال سے گھبرا کر نیچے کودنے لگے اور کلواریں لے کر میرے اوپر چل پڑے۔ بس چندا کو اسی لمحے کا انتظار تھا۔

میرے اٹھارے پر وہ دوڑ پڑے۔ اور پھر دست بدست جنگ ہونے لگی۔ اس میں ظاہر ہے ہمارا پد پھاری رہا اور فیصلہ ہونے میں زیادہ دیر نہ لگی۔ بے شمار لوگوں کو گرفتار کر لیا گیا تھا۔ ان کا سربراہ لڑھکا جوا یک بہادر آدمی تھا۔ وہ بھی گرفتار ہو گیا تھا اور جب اسے چندر گپت کے سامنے پیش کیا گیا تو اس کی گردن غرور سے تکی ہوئی تھی۔
 "تم نے ہم سے جنگ کیوں کی؟ چندر گپت نے اس سے نرم لہجے میں پوچھا۔
 "اس لئے کہ تم ہماری بستیوں کو تاراج کرنا چاہتے تھے۔"
 "بہتر کیسے معلوم؟"
 "یہ معلوم کرنے کی بات ہے؟"
 "ہو سکتا ہے تم ہماری بستیوں سے صرف گز جانا چاہتے ہوں۔"
 "کہاں؟ گرجن نے پوچھا۔
 "وہ اصل ہم پریشانیوں سے جنگ کرنے چاہے ہیں جو پنجاب پر قابض ہیں۔ چندر گپت نے جواب دیا۔
 "اوہ! کیا تم درست کہہ رہے ہو۔ اگر یہ حقیقت ہے تو بتاؤ کہ تم کون ہو؟ گرجن نے پوچھا۔
 "چندر گپت۔"
 "اگر یہ بات ہے تو ہم سے بھول ہوئی۔ ہم نہیں جانتے تھے کہ تم ہمارا مقصد کیا ہے۔ لیکن بہر حال بھول ہو چکی ہے، اب ہم ہرگز ہٹنے کے لئے تیار نہیں۔"
 "جن سے بھول ہو جاتی ہے انہیں سزاؤں ضروری تو نہیں ہوتا۔ تم سب آزاد ہو۔ تمہاری بستیوں کو کچھ نہیں کہا جائے گا۔ چندر گپت نے کہا اور قیدیوں کی رہائی کا حکم دے دیا۔ گرجن اس آزادی سے بہت متاثر ہوا تھا۔ اس نے ہمیں اپنی بستیوں میں چلنے کی دعوت دی اور پوچھا کہ وہ ہماری کیا مدد کر سکتا ہے؟
 چانکیہ نے اسے بتا دیا کہ فوجوں کے لئے خوراک گھوڑوں کے لئے چالے اور پانی کی ضرورت ہے۔ اور ہم نے وہیں قیام کر دیا۔ ساری رات گرجن اپنے آدمیوں کے ساتھ ہماری ضروریات کی اشیاء کی فراہمی میں مصروف رہا۔ چندر گپت نے مجھے اپنے خیمے سے اٹھنے نہیں دیا تھا۔ چانکیہ، چندا اور دوسرے فوجی سربراہ بھی موجود تھے۔ ان کی زبانیں لنگ تھیں۔ یہ بھی نہ پوچھ سکے تھے بے جا کہ وہ کون سی قوت تھی جس نے درختوں کو زمین سے الٹا ڈال دیا اور ان لوگوں کو بدترین شکست سے دوچار کیا۔ جب کافی دیر تک جرت کا اظہار کرنے کے بعد ان کے ذہن صاف ہوئے تو چندر گپت نے کہا۔ "مہاں ہے گرو مہاراج ستیہ پال جس نے تمہارے آنے کی پیشگوئی کی اور تمہارے بارے میں تو میں اس کے علاوہ اور کیا کہوں مہاراج! کہ تم چندر گپت کی شے ہو۔ یرت ہمیں اپنے بارے میں بتاؤ تو وہ کم کون ہو۔ اگر تم نے یہ بتایا مہاراج! تو ہم دُستے رہیں گے کہ ہم نے تمہارا کوئی ایمان تو نہیں کیا۔"

"تم اس وجہ سے خوش ہو چندر گپت؟"
 "بے حد مہاراج! چندر گپت نے جواب دیا۔
 "بس تو اطمینان رکھو۔ میں تمہارے لئے ایسی ہی کو شش کرتا رہوں گا۔ فوجیں ہتھیاریں لیں گی۔ ہاں میں ان کے لئے جو آسائیاں فراہم کر سکتا ہوں کروں گا۔"
 "دھن داد مہاراج۔ مگر۔۔۔۔۔"
 "اس سے زیادہ جانتا تمہارے لئے بے مقصد ہے چندر گپت! اگر وہ تمہارے لئے ضروری ہوتا تو میں خود بتا دیتا۔" میں نے جواب دیا اور وہ اس بات پر خوش ہو گئے۔
 دوسرے دن ہم وہاں سے آگے بڑھ گئے۔ اور دن کا یہ پورا حصہ سکون سے گزریا۔ قریب میں کوئی بستی نہیں تھی۔ پھر اس رات ہم نے ایک دریا کے کنارے آرام کیا۔ یہ دریا کے سطح تھا، تیز و تند اور پھر پورے لئے ہوئے، دُور دُور تک سبزہ زار پھیلے ہوئے تھے۔ چنانچہ گھوڑوں کے چالے محفوظ کر لئے گئے اور گھوڑوں کو سبزہ زار پر چرنے کے لئے چھوڑ دیا گیا۔ ویسے ویران علاقہ تھا، کوئی کاشت وغیرہ نہیں نظر آتی تھی جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ آبادی دُور دُور تک نہیں ہے۔
 یہ رات چونکہ کسی خاص اہمیت کی حامل نہیں تھی سارے معاملات پرسکون تھے اس لئے میں اپنے دوست ستیہ پال کے خیمے میں پہنچ گیا۔ جو شاید میرا ہی انتظار کر رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس نے منہ پھلنے لگے ہوئے کہا۔
 "یاد آگیا ستیہ پال، میں نے تو سوچا چھوٹے مہاراج!"
 "تم بھی کوئی چھوٹے کی چیز ہو ستیہ پال!"
 "اے ہاں ہاں! بس رہتے دو۔ ایسی باتیں نہ کرو۔ اگر گھوڑے نہیں ہو گے تو سوچا ہو گا کہ اب ستیہ پال کے پاس کیا رکھا ہے۔ لوکیاں تو اس کا ساتھ چھوڑ گئیں پرنت مہاراج! ہم بڑے آدمی ضروری ہیں پر زبان کی کشتا کرتے ہیں۔ بڑھ چکی ہیں لگایا سسرلوں کو، ساری رات انتظار کرتے رہے۔ یہ سسرلیاں کہاں سے آگئیں ستیہ پال؟ میں نے قہر سے پوچھا۔
 "بس آگئیں کہیں سے۔ عہدیں اس سے کیا؟"
 "بلڈو تو کچھیں تو سہی کون ہیں؟"
 "آج آوری آج آؤ۔" وہ بولا۔ اور دوسرے خیمے کے پرے کے پچھلے سے چار لوکیاں باہر نکل آئیں۔ یہ سب دیہات کی الہر دوشیزائیں معلوم ہوتی تھیں۔ نہایت خوبصورت اور تندرست و توانا۔ نئے چہرے تھے جنہیں دیکھ کر میں یہ ان رہا گیا۔ ان کے چہروں کے تاثرات بھی خوب تھے۔
 "اے ستیہ پال! یہ کہاں سے آگئیں؟"
 "بس تم سستاؤں کے ساتھ کارنامے انجام دیتے ہو ستیہ پال! میں اپنا کام کرتا ہی رہتا ہے۔ اے بستی سے گزرتے تھے چار اٹھائیں۔"
 "اوہ! لیکن یہ تو تم نے اچھا نہیں کیا ستیہ پال۔ بستی ملے لیگی تھیں گے کہ انہیں ہم لے آئے۔"

”پہنچا دیں گے صبح کو کسٹروں کو، ہمیں کون سا چارٹا اٹا ہے؟“
”کیسے پہنچا دو گے؟“

”اے بس ایسے کام تم ستیہ پال کے لئے بہتے دیکر مہاراج! ان باتوں کی چٹامت کیا کرو؟ ستیہ پال نے جواب دیا۔ اور میں نے خاموش ہو کر گہری گہری سانسیں لیں۔“

”ٹھیک ہے جیسی تمہاری مرضی؟“

”بس تو دو تہااری دو تہااری۔ چھانٹ لو؟ اس نے انہماں گدھے پن کے انداز میں کہا۔ لیکن کیا کیا جاسکتا تھا؟ اس کی بجوت ہی ایسی تھی بہر حال اس کے کہنے کے مطابق میں نے دو چھانٹ لیں اور دوسری صبح انہیں بھول گیا۔ ابھی تو بہت کچھ کرنا تھا اور اس کے لئے تیار ہی تھی۔ چنانچہ حسب معمول ہم آگے بڑھ گئے۔ آج کے بائے میں ستاروں کی کوئی پیش گوئی نہیں تھی اور بہر حال آنے والا وقت تو آنا ہی تھا۔ اس کے لئے تو تیار رہا ہی ضروری تھا۔

ہم چھوٹے چھوٹے علاقوں کو زیر کرتے آگے بڑھتے رہے اور پھر براہ راست یونانی فوجوں سے ریل پر لگیا۔ مقامی لوگ پہلے ہی انہیں کافی جنگ کئے ہوئے تھے اور یونانی فوجیں بے حد پریشان تھیں چنانچہ وہ چند گیت کے مقابلے پر نہ مقرر سکیں۔ اس دوران کچھ دلچسپ واقعات بھی پیش آئے تھے مثلاً یہ کہ یونانی فوجوں میں بے شمار لوگ ایسے تھے جو مجھے جانتے تھے چند گیت کی فوجوں کے ساتھ تھے لڑتے دیکھ کر ان کے چھٹے چھوٹ گئے تھے اور بہت سے معرکے ایسے ہوتے جو صرف میری وجہ سے بغیر لڑے بھڑے ہی سر ہو جاتے۔ چند گیت میری بے حد عزت کرنے لگا تھا۔ وہ ہر کام میں میرا مشورہ ضرور لیتا۔ میری حیثیت حسب معمول کسی اتار جیسی تھی۔

پنجاب کا بیشتر علاقہ یونانی فوجوں سے آزاد کرایا گیا تھا۔ مقامی باشندوں نے پھر پورے ساتھ دیا تھا اور چند گیت کی حکومت کو تسلیم کر لیا تھا۔

چنانچہ چند گیت یہاں ایک مضبوط حکومت قائم کرنے میں مصروف ہو گیا اور میں صرف ستیہ پال کا ہماں بن کر رہ گیا۔ لیکن اس وقت میرے ذہن میں اور کوئی خاص خیال بھی نہ تھا۔ ستیہ پال کے ساتھ وہ سب کچھ مل جاتا تھا جس کی طلب کی جاسکتی تھی۔

کافی عرصے تک چند گیت فوجوں کو مضبوط بنانے اور پنجاب پر اپنے قدم گاڑنے میں مصروف رہا۔ اس نے اپنی ماں مورے کے نام پر مورہ خاندان کی بنیاد ڈالی۔ باپ سے ملے بہتوں کو نفرت تھی اور وہ مذا خاندان سے بد لڑنے کے خیال کو ذہن سے نہیں نکال سکتا تھا جس کا اظہار اس نے کئی بار مجھ سے کیا تھا۔ بالآخر یہاں کے کاموں سے فارغ ہو کر وہ گدھ دیش کی ریاست کی طرف چل دیا۔ اس وقت گدھ دیش پر راجہ جین چند جٹ نشین تھا۔ کسی قدر معیش پرست راجہ تھا لیکن اس نے چند گیت کی فوجوں کے مقابلے پر کئی کئی کوتاہی نہ کی۔ کئی روز تک جھیا تک جنگ لڑی۔ راجہ

دھن نے چند گیت کو شکست دینے کی ہر ممکن کوشش کر لی تھی لیکن ہم نے اس کی ایک نہ چلنے دی۔ اس طرح سے دھن کو شکست ہو گئی۔ اور چند گیت گدھ دیش کا راجہ بن گیا۔

راجہ چند گیت مورہ نے مورہ خاندان کی بنیادوں کو مضبوط کیا اور پھر آہستہ آہستہ شمالی ہند کی بہت سی ریاستیں فتح کر کے ایک وسیع و مضبوط سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ میں نے ایک طویل عرصہ ان لوگوں کے ساتھ گزار لیا تھا۔ ستیہ پال میرا دوست ہر وقت میرا ساتھی اور معاون تھا لیکن ایک روز وہ ایک حلقے کا شکار ہو گیا جس کا اندازہ خود اسے بھی نہ ہو گا۔ اسے سانپ نے کاٹ لیا تھا اور مرتے مرتے اس نے کہا۔

”ستائے دھو کا کر گئے مان مہاراج! انہوں نے مجھے نہیں بتایا تھا کہ میری موت اتنی قریب ہے۔“ میری کوئی کوشش ستیہ پال کو نہ پہنچا سکی اور میں خود بھی اس کے بعد ان علاقوں میں دل نہ لگا سکا چنانچہ میں نے ایک روز چند گیت سے ملاقات کی۔ حسب معمول چند گیت مجھے دیکھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

”وہ مہاراج! اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

”میں تم سے آگیا ہوں یا پھر چند گیت؟“ میں نے کہا اور چند گیت کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

”میں نہیں سمجھا مہاراج!“

”تمہیں معلوم ہے چند گیت اگر میں کہاں سے آیا تھا؟“

”ہاں مہاراج۔ مگر آپ کو کھلوان کی سوگند! آپ یہاں سے جانے کا نام نہیں۔“

”نہیں چند گیت! میرا ایک مشن تھا جو پورا ہو گیا۔ تم اب ناقابل تسخیر بن چکے ہو۔ مجھے میری دنیا میں واپس جانے دو؟“ چند گیت بہت رنجیدہ ہو گیا تھا۔ لیکن کچھ عرصے میں اس کا حال بے زار ہو چکا تھا۔

چنانچہ میں نے اس کے رنج و غم پر زیادہ توجہ نہیں دی اور میری جو حیثیت ان لوگوں کی نگاہوں میں تھی اسے برقرار رکھتے ہوئے میں نے انہیں حیثیت کی کہ جس طرح وہ مجھے سمندر سے نکال کر لائے تھے اسی طرح سمندر

بڑو کر دیں۔

مولس محافظ سمندر

تھے میرے جو صدیوں سے ساتھی تھے اور جنہوں نے میرا ساتھ نہیں چھوڑا تھا۔ سمندر آگ، آستائے ہمیشہ سے جوان ہمیشہ ساتھ دینے والے ان کے علاوہ کون مجھے جانتا تھا کسی کے غیر سے پیدا ہونے والے پیدا ہوتے۔ اپنی اپنی کہانی کی تکمیل کرتے اور پھر میں جا ملتے۔ بڑے بڑے دعوے کرتے تھے وہ، بڑے بڑے فیصلے کرتے لیکن ان کا اختتام ان پر سکڑا تھا۔ بہر حال انہیں موت کی آغوش میں جاسونا ہوتا اور اس کے بعد ہی۔ ان کی اصلیت انہیں اصلیت کی جانب لے آتی اور ہر ماں ان کے رات کو فضا میں بکھیر کر ان کے جاہ و جہوت کا مذاق اڑاتیں۔ یہ ہے انسان۔

پروفیسر۔ یہ ہے انسان کی حقیقت۔ ہاں میں نے صدیوں انسان بننے اور مٹنے دیکھے ہیں۔ کیا کیا نہیں کرتے وہ زندگی کے لیے پروفیسر سمندر میں ہواؤں کی گزشتوں سے پیدا ہونے والے طبلوں کی مانند جو آنکھ کھول کر آسمان کو دیکھتے ہیں اور پھر سمندر کی آغوش میں دم توڑ دیتے ہیں۔ کیوں نہیں سوچتے کہ ان کی حیات لمبا کی ہے۔ وہ حیات پر قادر نہیں ہیں اور جب وہ اپنی زندگی پر قادر نہیں ہیں تو ایسے بے لگے منصوبے کیوں بناتے ہیں وہ۔

کیا زندگی کے ساتھ اس سے بڑا مذاق اور کوئی ہو سکتا ہے؟ کیا انسان اس سے بڑا کوئی اور مذاق کرنا ہے اپنے ساتھ؟ میں نے انسان کو ان مختصر لمحات میں کیا کیا کرتے نہیں دیکھا۔ وہ ان ناپائیدار انسانوں کے لیے اپنے جیسے لاکھوں انسانوں کو موت کی آغوش میں پہنچا دیتا ہے اس مختصر وقت وہ اپنے بائیں میں کیوں نہیں سوچتا۔ یہ کیوں بھول جاتا ہے کہ وہ کبھی کا قرض ہے۔ زمین نے اسے فضا میں سانس لینے کی لمبا مہلت دی ہے اور اس کے بعد وہ پھر اسے پیسے کی راکھ بنائے گی اور یہ راکھ بھی کسی بد نما ظہیر کی شکل میں نہیں پڑی ہوگی کسی ایسی جگہ جہاں غلاظت کے انبار ہوں گے گندگی کی گندگی ہوگی۔ یہ ہے انسان اور یہ ہے اس کی حقیقت۔ کیا تم بھی اس پر غور کیا پروفیسر؟“

”اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے؟“ پروفیسر غارونے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

”تو پروفیسر انسان کے سوچنے کا انداز کیوں نہیں بدلتا؟“

”کیا تم یہ سوال کر رہے ہو؟“

”ہاں پروفیسر کیا یہ اہمیت نہیں رکھتا؟“ اس نے پوچھا۔

”کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا؟“ پروفیسر غارونے جواب دیا۔

”کیوں؟“

”میں تمہیں اس کا جواب دے دوں گا اگر تم میرے چند سوالوں کے جواب دے دو؟“

”ضرور میں کوشش کروں گا۔“ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”سمندر کا رنگ نیلا کیوں ہے؟“

”اس؟ اس نے ایک لمحے کے لیے سوچا، پھر بولا۔“ اس لیے کہ پانی بے رنگ ہوتا ہے اور وہ آسمان کی نیلا ہٹ منکس کرتا ہے۔“

”گویا یہ ایک فطری امر ہے؟“

”ہاں پروفیسر۔“

”اور ہمیشہ ایک رنگ پر کیوں بہتے ہیں؟“

”یہ بھی ایک فطری امر ہے۔“

”ستائے ہمیشہ سفید کیوں ہوتے ہیں، وہ اپنے رنگ کیوں نہیں تبدیل کرتے؟“

”کیونکہ وہ اس کی قدرت نہیں رکھتے۔“

”آگ کی فطرت جلا نا ہے۔ کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ آگ سرد ہو گئی ہو اس نے نمی پھیلائی ہو؟“ پروفیسر نے پوچھا۔

”ہرگز نہیں۔“

”کیوں؟ آخر کیوں؟“

”میں سمجھ نہیں سکا پروفیسر۔ وقتی نہیں سمجھ سکا۔“ اس نے نتیجہ انداز میں کہا۔

”یہ وہ تمام چیزیں ہیں جو بے پناہ قوت رکھتی ہیں جوازل سے ایک ہی رنگ میں ہیں اور بادل ایک ہی رنگ میں رہیں گی۔ یہ وہ ہیں جو فنا نہیں ہوتے لیکن اس کے باوجود وہ اپنی فطرت نہیں بدل سکتیں تو وہ جو ایک لمحے کے لیے سانس لیتا ہے وہ جس کی زندگی لمبا کی ہوتی ہے اپنی اس مختصر زندگی میں خود کو کیسے بدل سکتا ہے۔ وہ زندگی کا غور یہ ہے پیدا ہوتا ہے لیکن زندگی اس سے وفا نہیں کرتی موت اس پر حاوی رہتی ہے اور وہ موت کے شکنجے میں کسارتا ہے، پھر اس مختصر زندگی میں جو سوچ اس پر حاوی ہو جائے اسے بدلنے کے لیے بھی زمانے جا نہیں۔ یہ مختصر حیات اسے جو کچھ دیتی ہے وہ اسی پر قائل ہو جاتا ہے۔ سانس اسے زندگی کا غور بخشی ہیں اور وہ ان سانسوں کا جو بھی صرف دریافت کرے یہی بہتر ہے کہ اس کی فضا میں نہیں ہوتی۔ اگر ایک ہی انداز فکر سب کے ذہنوں میں جاگزیں ہو جائے تو غور کرو کیا ہو کون کسے برتر مانے، کون ظالم ہو اور کون غلام۔ یہ بے حقیقت جاندار تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان چند سانسوں کو بھی دوسرے کے لیے وقف کر دیتا ہے اس کے لیے جیتا ہے، اس کے لیے مرجاتا ہے اس لیے اس کی فطرت کی بات مت کرو۔

بات تو ان طاقتور چیزوں کی ہوتی ہے جیسے جواہری زندگی رکھتی ہیں۔“

پروفیسر کے جواب پر وہ کافی دیر تک خاموش رہ کر کچھ سوچتا رہا اور پھر اس کی آنکھوں میں حیرت کے آثار نمودار ہو گئے۔

”کافی حد تک درست کہہ رہے ہو پروفیسر۔ مگر کیا بدلتا ہوں تمہیں اور مگر کیا بدلتا ہوں اس دور کو جس نے انسان کی فضا کو اس حد تک جلا بخشی ہے اور پروفیسر تھا ہے یہ الفاظ میرے لیے اس دور کا حاصل ہیں۔ تمہارے یہ الفاظ میری کتاب میں تحریر ہوں گے وہ کتاب جو

159

ازل سے ابد تک کی قصیر ہوگی شاید۔

پروفیسر خاوند نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا تھا۔ فرزانہ اور فرزانہ جی نے جی سے پہلو بدل ہی تھیں اور جب یہ خاموشی طویل ہوئی تو فرزانہ بولی۔

”کس سوچ میں ڈوب گئے آپ دونوں؟“

”اوہ“ وہ چونک پڑا اور پھر سکتاتے ہوئے بولا، ”تمہاری لڑکیاں اب میری چند محنت کی خاموشی بھی نہیں برداشت کر سکتیں پروفیسر“

”ہاں۔ ہم سب تمہارے علم میں پھنس گئے ہیں“ پروفیسر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”یہ علم میرا نہیں ہے پروفیسر میرے خیال میں علم علم زندگی کو بہر انسان سفر و سوچ رکھتا ہے۔ اس کے ذہن میں مختلف خیالات ہوتے ہیں۔ اس کے اعضا کی تحریک اس کے لیے عمل کی راہ تھیں کرتی ہے لیکن ہر تحریک کام کو اس کی اپنی ذات ہوتی ہے۔ حالانکہ وہ اپنی ہر تحریک کو مختلف نام دیتا ہے۔ کبھی رفاہ عامہ کے لیے خود کو وقف کرتا ہے اور کبھی کسی ایک فرد کے لیے جو اس کی ذات کا مقصد ہوتا ہے۔ گویا اس کی جنبش خود اپنے طعن کرنے کے لیے ہوتی ہے اور پھر ایک وقت ایسا آتا ہے جسے وہ سکون کا نام دیتا ہے تو پروفیسر تم سکون کی منزل میں ہو اس جگہ جہاں انسان کی تحریک رک جاتی ہے اور یہ سکون اس کی ساری ذہنی جسمانی ضرورتیں پوری کرتا رہتا ہے۔ تمہارے سامنے ادوار کی کتاب کھلی رکھی ہے اور اس کتاب سے تمہاری ساری دلچسپیاں منسلک ہیں۔ تمہاری ذہنی آسودگی کے لیے یہ ایک ٹھوس قندار ہے اور تمہارے جسم کی ضرورتیں بھی پوری ہو رہی ہیں چنانچہ تمہارے ذہنوں کو جسموں کو اور کسی چیز کی طلب باقی نہیں رہی۔ اگر تم علم کو کتنا چاہتے ہو تو کہہ لو۔ الفاظ کی ساخت بدل جائے گی مفہوم نہیں بدلے گا۔“

”خدا کی پناہ تمہاری تشریحات بڑی جان لیوا ہیں“ پروفیسر نے پیشانی مسکتے ہوئے کہا۔

”لیکن آپ ان تشریحات سے انکار تو نہیں کر سکتے ڈیڈی؟“ فرزانہ نے کہا۔

”ہاں بھئی انکار کس حق کو ہے؟“ پروفیسر نے جواب دیا۔
”اللہ کے اسطے اب اس سمندر سے نکل بھی آؤ“ فرزانہ بولی۔
”تمہارے جذبات کے احترام میں“ وہ مسکرایا۔

”ہاں تو پروفیسر بات سمندر کی ہو رہی تھی“ راجہ چندر گپت نے نہایت شرافت کے ساتھ کھجے جہاں سے وصول کیا تھا، وہیں واپس پہنچا دیا۔ گویا میں سمندر کی امانت تھا اور انھوں نے ایمانداری کا ثبوت دے کر سمندر کی امانت واپس کر دی تھی میں نے بھی سوچا کہ اب اس علاقے میں میرے لیے کچھ نہیں رہ گیا ہے۔ پہلی جگہ تھی جہاں مجھے ایک ایسا علم نہیں مل سکا جس کی مجھے طلب تھی اور جو مجھے پسند آیا تھا اس کا ایک مقصد بھی تھا کہ یہاں کے

لوگ غبی تھے۔ وہ علم کو سینہ پر سینہ چلانے کے عادی تھے باہر جو کچھ اور لوگ ملے تھے وہ اس قابل تھے کہ ان سے کچھ حاصل کیا جاسکتا۔ چنانچہ اب یہاں رہنے سے فائدہ بھی کیا تھا۔ میں نے اسی لیے واپس پسند کی تھی اس کے بجائے کہیں کہیں اور جاتا، میں نے ہی بہتر سمجھا کہ اپنی بند پوری کروں اور سونے کے لیے پانی کا نرم گلاز بستر کشاؤ کش ہوتا ہے اس کا تصور تم نہیں کر سکتے۔

لیکن پروفیسر اس بار خوب ہو رہی تھی میرے ساتھ تہیہ کر رکھا تھا تمہاری زمین کے لوگوں نے کس سونے ہی نہ دیں گے۔ ٹھیک سے آنکھ بھی نہ لگ باقی تھی سمندر کے بلبلے آہستہ آہستہ ہلکے سے بہتے تھے غنودگی کی سی کیفیت پیدا ہو چکی تھی اور شاید اس وقت طے سمندر پر ہی تھا کہ کوئی چیز میرے بدن سے ٹکرائی۔ مختصر خاصی زور داتی۔ ایک دم سے ہوش آگیا اور میں نے گری سانس لیکر لیٹنے والی چیز کو دیکھا خیال تھا کہ کوئی کشتی ہوگی یا کسی بڑے بحری جہاز کا ٹیلا حصہ لیکن پھر یہ خیال غلط ثابت ہو گیا کیونکہ چیز میرے بدن سے ٹکرائی وہ پہلی نظر میں سمندر کے تارے والی نہیں تھی۔

ایک مخصوص جگہ کے درختوں کے تنے آپس میں جوڑے گئے تھے جن کی لمبائی انسانی قد سے دو گنا ہو کر اور چوڑائی تقریباً ڈیڑھ گنا۔ درختوں کے تنوں کے اس بجے پر ایک انسانی جسم لیٹا ہوا تھا۔ رنگین کپڑوں کے ڈھیر میں چھپا ہوا۔ اگر اس کے پھیلے ہوئے پاؤں اور پوری لمبائی میں پھیلے ہوئے ہاتھ نظر نہ رہے ہوتے تو یہ اندازہ بھی نہ ہوتا کہ وہ کوئی انسان ہے۔ چہرہ بھی کپڑوں کے ڈھیر میں چھپا ہوا تھا۔

ایک لمحے کے لیے دل چاہا کہ آنکھیں بند کر کے نہ میں غوطہ کھا دوں لیکن انسانوں کی غذا لکھ کر اور ان کے درمیان زندگی گزار کر ان کی کچھ برائی عادتیں خود سے چٹائی تھیں جن میں سے ایک تھی بھی تھا اور اس کی جس نے مجھ سے سے لاپرواہ نہ رہنے دیا۔ دیکھو تو سہی ہے کیا بلایں نے سوچا اور سونے ہوئے اعضا کو حرکت میں لانے کی کوششیں شروع کر دیں پھر جس بجے پر چڑھ گیا میرے وزن سے بھرے ایک سمت جھکا لیکن اس پر لیٹے ہوئے انسان کا جسم اپنی جگہ پر باور میں اس کے قریب پہنچ گیا کھلے ہوئے چہرے کو دیکھ کر مجھ پر حیرت طاری ہوئی۔

ایک وجہ یہ انسان تھا جس کا چہرہ گہرے نیلے اور مکمل روغن سے رنگا ہوا تھا۔ ہونٹ گہرے سرخ تھے اور آنکھوں کے پتے سفید تھے۔ اسے دیکھ کر یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ سکون کی گہری بند سوراہا ہو جو توں پر حسین مسکراہٹ سمجائے لیکن یہ بند کسی بھی اور سونے والا کو تھا۔ ذہن چونکہ جاگ گیا تھا اس لیے اب کوئی حرکت طاری نہ تھی۔ کپڑوں کے ڈھیر کو ہٹا کر میں نے اس کا بدن عیاں کر دیا۔

عجیب رنگین انسان تھا پکڑوں کے نیچے سے جو بدن نمایاں ہوا اس پر گلابی رنگ کا روغن تھا سینے پر دو خنجر کے ہوئے تھے برابر ہی ایک لمبی اور تیز دھار تلوار۔ بڑی اونچی تھی۔ پھیلے ہوئے ہاتھ خشک چڑے

کے تنوں سے بندھے ہوئے تھے اور غالباً یہی وجہ تھی کہ اس کا بدن اپنی جگہ سے جنبش نہیں کر رہا تھا۔ میں نے اسے زور سے سمجھوڑا تب مجھے احساس ہوا کہ وہ زندہ نہیں ہے۔ گویا یہ ایک لاش تھی خوب اب میں اس کا کیا کروں؟ ظاہر ہے وہ لاش مجھے اپنے بایں تفصیلات نہیں بتا سکتی تھی لیکن اس کا چہرہ ایسا عجیب تھا کہ میں نے جھک کر اس کے سینے پر سر رکھ دیا اور اچانک مجھے احساس ہوا کہ اس کے سینے میں دل کی دھڑکن موجود ہے۔ گویا وہ جو کوئی بھی تھا، زندہ تھا۔

لیکن اب کیا کروں؟ تاخیر نہ گاہے مہیب سمندر پھیلا ہوا تھا۔ اسے نکال کر خشکی پر بھی نہیں لیجا سکتا تھا۔ چنانچہ کچھ کرنا تھا اس کی جگہ پر کرنا تھا۔ سب سے پہلا کام جو میں نے کیا وہ یہ کہ ایک خنجر اٹھا کر اس کے پیروں اور ہاتھوں کے تھکے کاٹ دیے اور ہاتھ پاؤں مل کر اس کے خون کی روانی درست کرنے لگا۔

کانی دیر تک میں نے اس کے خون کی روانی درست کی اور پھر دوبارہ دل کی دھڑکن دیکھنے لگا۔ اس بار دھڑکن پہلے سے زیادہ تیز تھی اب میں نے اس کے دل کو مسنا شروع کیا اور مخصوص طریقے سے اس کی دھڑکن بحال کرنے کی کوشش کرنے لگا اور تھوڑی دیر کے بعد اسے مومل پر لے آیا اس کے ہونٹوں کا جوڑ کھینچ لگا تھا، پھر اس کی گردن میں جنبش ہونے لگی اور پھر پورے پھٹکنے لگے۔ وہ ہوش میں آتا جا رہا تھا میں زور زور سے اس کے گال پھٹھیلے اور بالآخر اس نے آنکھیں کھول دیں۔ چند ساعت بے خیالی کے انداز میں مجھے دیکھتا رہا اور پھر ذہن کے تار آنکھوں سے جڑ گئے۔ اب اس کی نگاہوں میں نفیس انداز اجاگر آیا تھا اور ہونٹ کھینچنے کے لیے زور لیتے تھے۔

کچھ بھی تھا پروفیسر میں نے کسی دوہیں انسانوں سے نفرت نہیں کی تھی اور وہ بھی کسی ایسے انسان سے جو کسی طور مظلوم ہو یا ایسی بے بسی کا شکار ہو کہ خود سے اپنے لیے کچھ نہ کر سکے میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کسی اجنبی زبان میں کچھ کہا لیکن تم جانتے ہو پروفیسر کہ دنیا کی کوئی زبان میرے لیے اجنبی نہیں۔ صرف اتنا کہنا ہوتا ہے کہ اس کا مفہوم سمجھنے کے لیے تاثرات کی کتاب پڑھنا ہوتی ہے۔ دوسرے لمحے میں نے اس کا مفہوم سمجھ لیا اور پھر الفاظ کی ساخت پر تھوڑا سا غور کر کے میں اس لمحے بھی قادر ہو گیا اس نے پھر اپنا سوال دہرایا تھا۔

”کون ہو تم؟“

”دوست!“ میں نے جواب دیا۔
”مجھا احساس ہو رہا ہے لیکن میں۔ یہ چاروں طرف پھیلا ہوا آسمان اور زمین کوئی زمین میں ابھی کچھ سوچنے سمجھنے سے قاصر ہوں۔“
”ذہنی قوتیں بحال ہونے میں کچھ وقت لگتا ہے تم تھوڑا سا انتظار کرو اس کے بعد سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔“ میں نے جواب دیا۔
”کیا تم مجھے سہارا دو گے؟ میں ابھی کھینچا جا رہا ہوں۔“

”تھوڑی دیر لیٹے رہو تو بہتر ہے“ میں نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

”اوہ ہزاروں اجنبی تمہارا شکریہ لیکن تم غور کرو کہ جس انسان کے ذہن کو سب سے زیادہ فکرن مہیا کرتا ہے۔“

”میں تمہارا تجسس دو کروں گا“ میں نے کہا۔

”تو بتاؤ میں کہاں ہوں؟“

”سمندر میں“ میں نے جواب دیا۔

”اوہ!“ اس نے اس لمحے کے ساتھ کہا اور آنکھیں بند کر لیں۔ پھر کافی دیر تک وہ اسے آنکھیں بند کیے لیٹا رہا اور میں نے اس کے سکون میں دخل اندازی مناسب نہیں سمجھی۔

میں اتنا تھا کہ میرا جواب سننے کے بعد وہ خود پر گزرتے ہوئے واقعات کو ذہن میں لا رہا ہے چنانچہ میں نے خاموشی ہی مناسب سمجھی۔

پھر تھوڑی دیر کے بعد اس نے آنکھیں کھول دیں۔ اس کی آنکھیں گہری سرخ ہو رہی تھیں اور ان میں عجیبے تاثرات تھے۔

”کیا نام ہے تمہارا؟“ اس نے پوچھا۔

”کچھ بھی سمجھ لو۔“

”کیا مطلب؟“

”میرے بایں میں جانتے سے پہلے اپنے بایں میں نہیں بتاؤ گے؟“

”نہیں!“ اس نے جواب دیا۔

”ہوں میرا نام سمندر ہے۔“ میں نے جواب دیا۔

”سمندر؟ کیا کہہ رہے تھے؟“

”پھیلاؤ پکڑا تھا“ میں نے جواب دیا۔

”اوہ۔ تو کیا تمہاری سنی قریب ہے؟“ اس نے کچھ سے پوچھا۔

”نہیں میرے دوست دور دور تک کوئی سنی نہیں ہے۔“ میں نے جواب دیا۔

”تو کیا تم اتنی دور پھیلاؤ پکڑنے نکل آئے؟“

”ہاں۔ یہی سمجھ لو میں ایک لمبے سفر پر نکلا ہوں۔ ظاہر ہے پھیلاؤ کے سوا میری اور کیا خوراک ہوگی؟“

”اوہ۔ تو قشتی ہے تمہارے پاس؟“

”نہیں کشتی بھی نہیں ہے۔“

”تو پھر؟ وہ حیرت سے بولا۔

”بس بازوؤں میرے پاس اور میں اپنے بازوؤں پر چھوڑ کر رہا ہوں۔“

ان کی موجودگی میں مجھے کشتی کی ضرورت نہیں ہے۔ سمندر میرا غلام ہے۔“

”لگتے بھی انوکھے انسان ہو۔“ وہ مسکرایا۔

”اور تم ابھی اپنے بایں میں نہیں بتاؤ گے؟“ میں نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

”صرف ایک بار اور پوچھوں گا میرے دوست اور اس کے بعد

تھیں اپنے ہالے میں سب کچھ بتا دوں گا۔ اس نے کہا۔

”پوچھو بھی پوچھو۔“ میں نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

”تو تھکا اعلق ان لوگوں سے تو نہیں ہے جو میرے وطن پر قبضہ

کرنے آئے ہیں اور جن کی سازشوں اور جبر و کستہوں نے ہمارے سکون کو

دھم دھم کر دیا ہے؟“

”نہیں میرے دوست۔ اگر میری بات پر یقین کر سکتے ہو تو کرو۔

میں کسی طرح تھکے دشمنوں میں شامل نہیں ہوں کسی بھی طرح تھکا ہوا نہیں

چاہتا، بلکہ اگر تھیں میری کسی قسم کی امداد کرو تو میں اس کے لیے تیار ہوں

اور اس کا اندازہ تمام بات سے لگا کر تم مردوں کی مانند سمجھیں ہر رہے

تھے میں نے تمہاری جہانی قوتیں بحال کیں اور تمہاری زندگی واپس لے آیا۔“

”ہاں تم درست کہتے ہو۔ ان بد بختوں نے مجھے زندگی میں ہی موت

دے دی تھی۔“

”تو اس کا مقصد ہے تم اب میری طرف سے ملنے ہو؟“

”ہاں۔“ اس نے کہا۔

”تو میرے اپنے ہالے میں تفصیل بتا دو۔“

”میں دوا ہوں، اپنے قبیلے کا لڑکا۔“

”اب مجھے اس قبیلے کے بارے میں تفصیل بتا دو۔“ میں نے کہا۔

”تفصیل؟“

”ہاں!“

”ہم لوگ پہاڑوں کے رہنے والے ہیں یہی ہمارا قدیم وطن ہے۔

قبیلے کا نام جو تاج ہے اور قبیلے کا سربراہ فو کا کہلاتا ہے۔ ہمارے قبائل میں لڑکی

کرتے ہیں اور اسی سن اپنی ساری ضروریات پوری کرتے ہیں۔ ہم لوگ پرامن

زندگی کے قائل ہیں لیکن فزون سپر گری سے بھی کافی دلچسپی رکھتے ہیں اور اگر بھی

قبیلے پر کوئی برا وقت آجائے تو سپاہیوں کو بھیج کر اسے آگے سے لڑیں ان

لوگوں کے لیے کیا کریں جو سازشیں بیکر پہاڑوں میں لگتے ہیں اور انھوں

نے ہمارے درمیان چھوٹ ڈوا دی ہے اور ہمیں داخل ہو کر ایسے ایسے چکر

چلائے ہیں کہ دنیا دھیر ہو گیا ہے۔ میں قبیلے کا فو تھا اور ان لوگوں کی

فطرت سے واقف ہو گیا تھا جو سازشیں کر کے اقتدار حاصل کرنے کے

خواہاں ہیں۔ تب انھوں نے مجھے زندگی میں ہی موت کی آغوش میں پہنچایا۔“

”اوہ تو یہ ہے تمہاری کہانی؟“

”ہاں!“ اس نے جواب دیا۔

”پھر اب تو تمہاری زندگی بچ گئی ہے اب تم کیا چاہتے ہو؟“

”میری دلی خواہش ہے کہ میں اپنی آبادیوں کو ان زردی مائل سفید فاموں سے پاک کروں۔“ فو نے جواب دیا۔

”تمہارے اپنے لوگ اس ہالے میں کیا رائے رکھتے ہیں؟“

”میرے لوگ سادہ لوح ہیں۔ گو وہ بھی ان سے نفرت کرتے ہیں

لیکن چند افراد ان کے حکمران جینس گئے ہیں اور وہ ان کے مددگار معاون

ہیں۔“

”خود تمہاری ان کے بارے میں کیا رائے ہے؟“

”غاصب اور لٹیروں کے بارے میں ابھی رائے کون رکھتا ہے!“

اس نے کہا۔

”ہوں۔“ میں نے ایک گہری سانس لی۔ یہ اندازہ تو میں نے پہلے

ہی لگایا تھا کہ درختوں کے اس بجرے کا چھتے آٹھنا خالی از عدلت

نہیں ہے اور عدلت شروع ہو گئی تھی۔ اب ان طالب امداد کا کیا کروں۔

ایک ترکیب تو یہ ہو سکتی ہے کہ ان حضرت کی گردن دبا کر انھیں حقیقی موت

کی نیند سلا کر خود انھیں بھی دنیا کے جھگڑوں سے نجات دلا دوں اور اپنے

آپ بھی آنکھیں بند کر کے سمندر کی تہ میں چلا جاؤں۔ دوسری صورت یہی

تھی کہ میں ان کے ساتھ لگ جاؤں اور پھر وہی سالے چکر شروع ہو جائیں

یہ اس بار آخر لوگ مجھے سونے کیوں نہیں دے رہے؟

لیکن پروفیسر کسی مذہبی یا اخلاقی دباؤ سے متاثر ہوتے ہوئے بھی

واقعات شاہدین کہیں نے بھی انسانوں سے اجتناب نہیں کیا۔ میں

نے ہمیشہ ان کے رکھوں کو سینے میں محسوس کیا اور ان کی امداد کے لیے ہمیشہ

ہو گیا یہی میری فطرت ہے پروفیسر اور میرا خیال ہے یہ فطرت میری نہیں

ہے۔ اگر میری یہ فطرت نہ ہوتی تو میں کسی کی امداد کے لیے مجبور تو تھا نہیں۔

”تمہارے چہرے پر یہ رنگ کیسے ہیں؟“

”رنگ۔ آہ۔“ میں اپنا چہرہ نہیں دیکھ سکتا۔“

”ہاں یہ بھی ٹھیک ہے لیکن تمہارا چہرہ نیلا ہے۔ ہر نوٹ سرخ

ہیں آنکھوں کے پوٹے سفید ہیں اور باقی بدن بھی رنگا ہوا ہے۔“

”چمک کا دیوتا“ رجم کر۔ ظاہر ہے انھوں نے مجھے مردہ سمجھ لیا تھا۔“

”کیا مطلب؟“

”انھوں نے مجھے مردہ سمجھ کر مردوں کی طرح رنگ دیا ہے۔“

”اوہ۔ تو گویا تمہارے قبیلے کی رسم ہے؟“

”ہاں۔ ہمارے ہاں مردوں کو مختلف رنگوں میں رنگ دیا جاتا ہے۔“

”لیکن تمہارے ہالے میں یہ غلطی کیسے ہوئی؟“

”کیا بتاؤں؟ میری نقل حیران ہے۔ سبوتا۔ کیا نعمت بھی ان لوگوں

کے ساتھ شریک ہو گئی؟“

”نعمت مکن ہے؟“

”میری محبوبہ!“ اس نے جواب دیا۔

”کیا کیا تھا اس نے؟“

”اسی نے مجھے شراب پلائی تھی اور اس کے بعد مجھے اب ہر ش

اگیا ہے۔ گواہو شراب میری موت کا باعث تھی اور میری موت کے لیے

نعمت کو گناہ کیا تھا، آخر کیوں؟“

”میرے دوست۔“ میں نے ایک گہری سانس لیکر کہا۔ تمہاری

باتیں محضوں کی شکل میں میرے علم میں آ رہی ہیں۔ ان بے شمار محضوں کو

جوڑ کر میں واقعات کی ایک زنجیر تو تیار کر سکتا ہوں لیکن اس کے لیے مجھے

تم سے بے شمار سوالات کرنا ہوں گے ممکن ہے تم ان سوالات سے گنا

جاؤ اور یہ بھی ممکن ہے کہ میں اپنی لچھ جاؤں اس لیے بہتر یہی ہے کہ تم اپنے

ہالے میں پوری تفصیل مجھے بتا دو لیکن اس کے لیے ایک بات کی وضاحت

ضرور کروں میں نے تمہارے ساتھ صرف یہ کیا ہے کہ تمہارے سانس

بحال کر دیے اور اب تم مکمل زندگی پانچے ہو گا اگر اس کے بعد تم بہ آسانی اپنے

مسائل سے نمٹ سکتے ہو تو میں زبردستی تمہارے معاملات میں مداخلت کرنے سے

دبھی نہیں رکھتا۔ اگر ایسی بات ہے تو تم ذہن پر کوئی زبردست ڈالو اور

ہم دونوں اپنے اپنے راستے سے لگیں جیسے صورت میں میں تم سے تمہارا

نام بھی پچھنے کی زحمت نہیں کروں گا اور اگر تم میری مدد کی ضرورت محسوس

کرتے ہو تو مجھے تمہیں اپنے ہالے میں پوری تفصیل بتانا ہو گی اس کے

بعد ہی تم کوئی دوسری بات کریں گے۔“

”اوہ۔ نہیں میرے دوست ایسی بات مت سوچو اس سبب میں

میں تمہا ہوں بلکہ اب یقین کروں محسوس ہوتا ہے کہ میں کسی میں بھی میں

تنبہا ہوں۔ شاید زرد لوگوں کا جادو دل گیا ہے۔ اب تو میں بتی والوں کو

اپنی زندگی کا یقین بھی نہیں دلا سکتا۔ ایسی حالت میں تو مجھے کسی سہارے

کی سخت ضرورت ہے۔ اگر تم مجھے سہارا دے سکو تو میں زندگی بھر تمہارا

ممنون رہوں گا۔“

”ٹھیک ہے میں جس طرح بھی تمہارے کام آسکوں گا۔“ اول گا۔

اب تم مجھے اپنے ہالے میں تفصیل بتا دو۔“

”قبیلے کے ہونے والے سردار کا نام فوای رکھا جاتا ہے۔ گویا

اسے ہونے والا سردار قرار دینے کا جاتا ہے۔ میں بھی اپنے قبیلے کا فو تھا۔ تب

زرد و سفید فام آئے اور ہمارے لیے بے شمار تحائف لائے ان تحائف

نے میرے لوگوں کو ان کا گروہ بنا لیا بہت سے لوگ ان کے گروہ ہو گئے

لیکن مجھے شروع سے وہ لوگ ناپسند تھے۔ میں نے پہلا کام یہ کیا کہ انھیں

اپنی آبادیوں سے دور قیام کرنے کے لیے کہا اور اس طرح انھیں شمالی

پہاڑوں میں جگہ لی لیکن وہ لوگ وہاں بھی خوش تھے اور انھوں نے اس

بات کا کوئی غور نہیں کیا بلکہ خوشی خوشی وہاں آباد ہو گئے اس کے ساتھ ہی

انھوں نے اپنے غرض اور دنیاویات کی بارش جاری رکھی اور ہمارے درمیان

زبردستی کھٹنے کی کوشش کرتے رہے۔

لیکن میں بدستور ان کا مخالف تھا اور انھیں پسندیدگی کی نگاہوں

سے نہیں دیکھتا تھا میری یہ بات خود میرے قبیلے کے بہت سے لوگ ناپسند

کرتے تھے چند لوگوں نے مجھے سمجھنے کی کوشش کی لیکن پھر میں نے ان

سے ایک سوال کیا۔ آخر یہ لوگ یہاں کیوں آئے ہیں۔ اس کا جواب

میرے قبیلے کے لوگ نہ دے سکے۔۔۔“

”اوہ۔ تمہاری بات درمیان سے کاٹ رہا ہوں۔ خود ان لوگوں

نے نہیں بتایا کہ وہ یہاں کیوں آئے ہیں؟ میں نے پوچھا۔

”غذ رنگ کیا تھا انھوں نے۔ انھوں نے کھادہ دنیا کو ستیا ح

ہیں اور یہاں سے آگے کے سندر سخت طوفانی ہیں۔ اگر وہ آگے جانے کی

کوشش کریں گے تو ان کے ہما تباہ ہو جائیں گے اور وہ زندگی سے ہاتھ

دھو بیٹھیں گے۔“

”پھر انھوں نے یہ نہیں بتایا کہ وہ کیا کریں گے؟“

”انھوں نے کہا کہ وہ بھی فو تھا بلکہ اس کے ساتھ ان کے فوادوں کی

جینیت سے رہیں گے اور ان کی مانند یہاں کاشت کر کے اور خوشی پال

کر زندگی بسر کریں گے۔“

”خوب! کیا ان کے ساتھ عورتیں بھی ہیں؟“

”ہاں لیکن تھوڑی تعداد میں۔“

”ان کی کل تعداد کتنی ہے؟“

”بے شمار ہیں جو چار جہازوں میں آئے تھے۔“

”اور ان کے جہاز کہاں ہیں؟“

”شمالی ساحل پر۔“ فو نے جواب دیا۔

”خیر۔ آگے بتاؤ۔“ میں نے کہا۔

”وہ لوگ اپنے قدم جمانے لگے۔ میں نے کئی بار ان کی بستیوں کا

معائنہ کیا لیکن وہ اپنی بستیوں میں میری آمد نہ نہیں کرتے تھے اور میرے ساتھ

ہمیشہ سرد مری کا برتاؤ کرتے تھے۔ پھر میں نے کچھ لوگوں کو اپنا ہم خیال بنایا

اور ان سے مطالبہ کیا کہ وہ ایک مختصر عرصہ کے اندر یہ جگہ چھوڑ دیں اور انھوں

نے وہی گھسا پٹا سوال دہرایا کہ کہاں جاتیں۔ تب میں نے کہا کہ ٹھیک

ہے۔ کیا ضروری ہے کہ وہ آگے کاٹ کر لیں وہ اسی طرف کیوں نہیں چلے

جاتے جو ہر سے آئے ہیں۔ وہ ٹال مٹول کرتے رہے۔ بالآخر میں نے کہہ دیا کہ

اگر انھوں نے یہاں سے روانگی کا فیصلہ نہ کیا تو پھر میں ان کے ساتھ بڑا

سلوک کروں گا اور انھیں زبردستی وہاں سے نکال دوں گا اور مجھے یقین ہے کہ

اسی اعلان کے نتیجے میں مجھے موت سے دوچار ہونا پڑا۔“

”اوہ۔ خوب تو یہ کہانی ہے تمہاری؟“

”ہاں۔ مکمل کہانی۔“

”کیا تمہارا تعلق بھی کسی مذہب سے ہے؟“

”مذہب؟“

”ہاں۔ تم دیوتاؤں کو ماننے ہو، ان کی پوجا کرتے ہو؟“

”ہاں۔ آسمان پر چمکنے والا ہوا مسموہ ہے۔“

”کون؟ جو دن کو چمکتا ہے یا رات کو؟“

”یہ اس کے دور وپ ہیں۔ دن کو وہ عقیان لیکر آتا ہے تاکہ

ہم محنت و شفقت اپنائیں اور جب ہم تھک جاتے ہیں تو رات کو وہ

ہائے لیے محبت کی ٹھنڈی روشنی لے کر آتا ہے اور ہنس سکون دیتا ہے۔
”ٹھیک“ میں نے گردن ہلائی اور اندازہ لگایا کہ وہ سورج کے
پجاری ہیں۔

”دیکھو۔ کیا تمہارے دیوتا نہیں ملتے؟“
”ہاں ہاں کیوں نہیں؟“ میں نے جواب دیا اور میرے اس گول
مول جواب سے وہ مطمئن ہو گیا اس نے مجھ سے کوئی دوسرا سوال نہیں
کیا تھا اور جب اس نے کوئی دوسری بات نہیں کی تو میں نے اس سے
سوال کیا ”تھکے ہاں مرنے والوں کو سمندر میں بہا دیا جاتا ہے؟“
”نہیں۔ انھیں رنگ لگا کر دفن کر دیا جاتا ہے۔“

”پھر تھکے ساتھ ایسا کیوں ہوتا ہے؟“
”ہمارے خیال میں فوہ کے ساتھ مقدس رومیں ہوتی ہیں۔ ان
روحوں کوئی میں نہیں فنی کیا جاتا۔ اگر ایسا کیا جائے تو زمین پورے آگنا بند
کر دیتی ہے اور پھر اس سے صرف بیاریاں چھوٹی ہیں۔“
”اوہ۔ تو فوہ کو سمندر میں بہا دیا جاتا ہے؟“

”ہاں۔“
”ٹھیک ہے میرے دوست۔ یوں تھکاری کہانی مکمل ہو گئی“ میں
نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”اگر تمہارے مکمل سمجھتے ہو؟“
”ہاں۔ میرا خیال ہے اب تم سے پوچھنے کے لیے کچھ نہیں رہ
گیا ہے۔ چنانچہ اب ہم آگے کی باتیں کریں گے۔“

”ٹھیک ہے۔“
”تم نے اپنی عجوبہ کا کیا نام بتایا تھا؟“

”لفافہ!“
”کیا تھکے ہاں شادی کا رواج ہے؟“

”ہاں۔“
”تھکاری شادی نہیں ہوتی؟“

”شادی تو ہوتی ہے۔ صرف پانچ شادیاں ہوتی ہیں میری کیونکہ
ابھی میری عمر زیادہ نہیں ہے۔“ اس نے جواب دیا۔

”بہت خوب۔ گویا عمر کم ہونے کی وجہ سے صرف پانچ شادیاں
ہوتی ہیں؟ میں نے مضحکہ خیز انداز میں کہا۔

”ہاں۔“
”کم از کم حد کیا ہے؟“

”کیا مطلب ہے؟“
”کیا تھکے ہاں ایک آدمی کی بہت سی بیویاں ہوتی ہیں؟“

”ہاں۔ کیا تھکے ہاں نہیں ہوتیں؟“
”ہمارے ہاں تو کچھ بھی نہیں ہوتا لیکن یہ تو بتانا، کیا صرف فوہ

زیادہ شادیاں کرتا ہے یا عام لوگ بھی؟“

”نہیں۔ شادی کے لیے کسی پر قید نہیں ہے۔ جس کا دل چاہے
جتنی کرے۔“

”تو کیا تھکے ہاں عورتوں کی تعداد بہت زیادہ ہے؟“
”ہاں کافی ہیں لیکن جو عورت جس مرد سے چاہے شادی کر سکتی ہے

اور اگر وہ کسی سے علیحدہ ہونا چاہے تب بھی اس پر کوئی پابندی نہیں ہے۔
یہی صورت مرد کی ہے لیکن تم جیرت سے یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟“

”میری بات جانے دو دوست۔ میں نے ابھی ایک بھی شادی
نہیں کی۔“

”اے۔ حالانکہ تھکاری عمر اتنی کم بھی نہیں ہے؟“ وہ تعجب سے بولا۔
”ہاں۔ بہت کم ہے۔“ میں نے جواب دیا۔

”تعجب ہے مجھے۔“
”ہونا بھی چاہیے۔ ویسے مجھ کو اس کے علاوہ ہوتی ہیں؟“

”ہاں۔ محبت تو ایک فطری جذبہ ہے۔“
”بے شک بے شک۔ کیا مجھ پر کے ساتھ شادی کرنا ضروری

ہوتا ہے؟“
”یہ تو فرضی پنچھر ہے۔“

”بڑے اچھے قوانین ہیں تھکے۔ مجھے پسند آئے۔ انسان پر بے جا
بوجھ نہیں ڈالے گئے۔ بہر حال اب مجھے اپنا ارادہ بتاؤ۔“

”اس وقت میں بے بس ہوں۔ یہ بھی نہیں جانتا کہ اپنے علاقے
سے کتنی دور نکل آیا ہوں۔“ اس نے جواب دیا۔

”یہ بھی اندازہ نہیں لگا سکتے کہ تھکے انتقال کو کتنا عرصہ گزر
چکا ہے؟“

”مجھے نہیں معلوم۔“
”اچھا یہ بتاؤ۔ کیا تھکا علاقہ بے حد وسیع ہے؟“

”ہاں۔ تم اس کی لمبائی چوڑائی نہیں ناپ سکتے۔“
”بہت سی بستیاں ہیں اس میں؟“

”ہاں۔“
”کیا ساری بستیوں کے لوگ تھکے پہناتے ہیں؟“

”ضروری نہیں۔ ویسے سال کے حشر میں عموماً ساری بستیوں
کے لوگ آتے ہیں۔ اس طرح ہر سستی کے چند لوگ مجھے جانتے ہوں گے۔“

”ہوں؟“ میں نے گردن ہلائی ”تب پھر چلے فوہ ہم چلتے
ہیں کتنی دور آئے ہیں اور کس سمت آئے ہیں؟ اس کے لیے زیادہ

پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ بہر حال ہم اپنی سستی تلاش کریں گے۔“
”ہاں تھکا رشتہ گار ہوں۔“ فوہ نے جواب دیا۔

تب میں خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔ بہر حال میں اس کی مدد کا
فیصلہ کر چکا تھا۔ اب جب حالات میرے ہائے میں فیصلہ کر چکے ہیں کہ

مجھے سونے نہ دیں گے تو ٹھیک ہے میں بھی سونے کے لیے بے چین

نہیں ہوں۔ تقریبات بھی سہی۔ میں نے ہواؤں کے رخ کا اندازہ لگایا۔
ہواؤں جس رخ سے آ رہی تھیں، اگر انھوں نے رخ نہیں بدلا ہے تو اسی

سمت فوہ کی سرزمین ہوگی لیکن اس بجے کو ہواؤں کے رخ پر جانے کے
لیے بہر حال کچھ انتظامات ضروری تھے۔ پہلے ان کے ہائے میں فیصلہ کرنا تھا۔

تب میں نے اس کی جانب دیکھا۔
”کیا اپنے بدن میں کچھ قوت پلتے ہو؟“

”میں اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کرتا ہوں۔“ اس نے کہا اور پھر وہ
اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اچھے خاصے تن و توش کا انسان تھا لیکن اس کے بدن

کی قوت سے میں نے اندازہ لگا لیا کہ اسے اپنی زمین سے چلے ہوئے بارہ عرصہ
نہیں گزرا ہے۔ اگر ایسی بات ہوتی تو بھوک کی وجہ سے وہ بے جان ہو چکا

ہوتا لیکن اس کے بدن میں اتنی طاقت نہیں تھی جس سے اندازہ ہوتا کہ
وہ طویل عرصے سے جھوکا ہے۔

اس بات سے کم از کم میں نے یہ اندازہ لگا لیا کہ اس کے بھرے
نے سمندر میں زیادہ فاصلہ نہیں طے کیا ہے۔ گویا ہواؤں کے مخالف

رخ پر اگر کوشش کی جائے تو فوہ کی بستیوں میں پہنچا جاسکتا ہے۔ لیکن
بہر حال سمندر کی مخالفت میں چلنا خاصا مشکل کام تھا اس کے لیے لہروں

کو کاٹنے کے لیے کسی چیز کا ہونا ضروری تھا اور میرے طوفانی ذہن نے
اس کا فیصلہ بھی کر لیا۔ درختوں کے تنوں کو چوڑ کر نائے ہوئے بھرے

راہیک تباہ کر لیا جائے تو اس کی چوڑائی میں کوئی خاص فرق نہیں
پڑتا۔ ان تنوں کو کناروں پر سوراخ کر کے اور ان سوراخوں میں ایک مضبوط

لکڑی پھنسا کر چوڑا لگایا جائے تو فوہ کا تجربے کر لکڑیوں کے ایک سرے
کو کھڑا سا جھیل اور پھر دونوں جانب سے ان سروں کو پتلا کرنے کے

بعد ایک تناں لگایا۔ اسی موٹے تنے سے میں نے لکڑیوں کے سرے دوبارہ
ٹھونکیے تاکہ وہ چوڑے ہوجائیں اور دوسرے تنے ان سے باہر نہ

نکل سکیں۔
فوہ بغیر کسی کاروائی دیکھ با تھا۔ شاید اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا

کہ میں کیا چاہتا ہوں۔ پھر میں نے اسی تجربے سے درخت کے تنے کے ایک
سرے کو کھڑا سا چیل اور اس میں انگلیاں پھنسا دیں۔ پھر ایک زوردار

آواز کے ساتھ تناں دوامیان سے دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔
فوہ کا مزاج جیت سے کھل گیا تھا اور وہ آہستہ سے پھر بڑھایا بھی

تھا بغیر کسی سمجھ میں نہیں آیا اور میں بدستور اپنے کام میں مصروف رہا۔
دونوں ٹکڑوں کو ایک مخصوص ناپ سے کاٹا اور پھر ان کے سرے لٹے

پتلے کیے کہ وہ بچوں کی گزرت میں آسکیں اس طرح میں نے دو ہتھوڑ
بنائے اور اس کام سے فارغ ہو کر فوہ کی جانب دیکھا۔

”وہیں تھکاری قوت اور ذہانت کی تعریف کیے بغیر نہ سکوں گا۔“
اس نے ہیکے انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

”تم مجھ کے بھرے فوہ؟“

”ایں ہاں اب احساس ہو رہا ہے۔“
”ظاہر ہے تم اس وقت سے مجھ کے ہونگے جب انھوں نے

تھکے مرنے کو سمجھ لیا تھا۔“
”ہاں یقیناً۔“

”سمندر میں تھکے کیا غذا مہیا کی جائے؟“
”اس کے لیے فکر مند نہ ہو میرے دوست۔ میں بھی اتنا کمزور

نہیں ہوں۔ تھکا سا تھکا کافی دیر تک بے کتا ہوں۔ فوہ کھڑا ہو کر بولا
لیکن پھر توازن برقرار نہ رکھ سکا اور کھٹکوں کے بل بھرے پر آگرا۔ پھر وہ سکوکر

بولا۔ ”نہیں دوست میرا خیال غلط تھا۔“ اور میرے ہونٹوں پر بھی اس کی
اس صاف گوئی سے مسکراہٹ پھیل گئی۔

”کیا خیال ہے کہ پچھلیاں بھی عمر خوراک ثابت ہوتی ہیں؟“
”ہاں بے حد حیات بخش۔“ وہ بولا۔

”کھلے میں دقت تو نہ ہوگی؟“
”نہیں۔ بھوک کے اس عالم میں تو درختوں کے پتے بھی چبلے

جاسکتے ہیں۔“ اس نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔
”تب میرا خیال ہے میں تھکے لیے پچھلیاں فراہم کروں۔“

”ممکن ہے؟“
”دیکھو نہیں۔“

”دیکھو کس طرح بڑھو گے؟“ اس نے پوچھا۔
”انتظار کرو۔ میں نے اسے جواب دیا اور دوسرے لمحے پانی میں

چھلانگ لگا دی سطح کے نیچے پانی میں دوڑتی ہوئی پچھلیوں کو دیکھنا اور
انھیں بڑھانا یقیناً ایک عام انسان کے لیے مشکل کام ہے لیکن میرے لیے

انتظام مشکل نہیں۔ چنانچہ دریلے ساز کی پچھلیوں کے ایک غول پر میں نے
جھپٹا مارا اور دو پچھلیاں میرے ہاتھ آگئیں چنانچہ انھیں تھکے ہوئے

میں نے سطح کا رخ کیا اور پھر دونوں پچھلیاں بھرے پر اچھال دیں۔ فوہ کی
ہلکی سی تحیر نہ آواز میرے کانوں میں گونجی لیکن میں نے اس پر توجہ نہ

دی اور دوبارہ پانی کے نیچے پہنچ گیا پچھلیاں اتنی مختلط نہیں تھیں کہ وہ
مجھ سے بچاؤ کا بندوبست نہ کریں۔ چنانچہ میں پھر ایک غول سے ٹکرایا اور

پچھلیاں میرے ہاتھ کیوں نہ آئیں۔ ان کو بھی میں نے بھرے پر پھینک دیا
اور میری بار جب میں اوپر آیا تو فوہ کا نلے پر ہی بیٹھا ہوا تھا۔

”اوہ، سبوتا میرے دوست بس یہ کافی ہیں اور پچھلیوں کا کیا
کرے گے؟“

”واقعی؟“ میں نے پوچھا۔
”دیکھو نہ ان کا وزن کافی ہے۔“ وہ بولا اور میں بھرے پر چڑھ آیا۔

طاقتور پچھلیاں بھرے پر پھیل رہی تھیں لیکن اب اس کی چوڑائی اتنی کم
بھی نہیں تھی کہ وہ واپس سمندر میں جاگرتیں۔

”میں نے تم نے کھانا شروع نہیں کیا؟“ میں نے پوچھا۔

”اب اتنا بھوکا بھی نہیں ہوں کہ تھارا انتظار نہ کر سکتا“ اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور میں نے وہ پھل اٹھا لیا اور چھل کر میرے نزدیک آگری مٹی اور پھر خوشی فرماتے ہوئے اس قدر دھشت کہاں بھی ہوگی کہ وہ اپنی دھشت بھول جائے۔ میں نے ایک ہاتھ سے پھل کی دم پکڑی اور دوسرے ہاتھ سے سر اور پھر میں نے اچھلتی ہوئی پھل کے بدن سے گوشت کا بڑا ٹکڑا اپنے دانتوں سے نوریق لیا اور اسے چبانے لگا۔

فرمانے شاید اس سے پہلے بھی کئی پھل نہیں کھا لی تھی چنانچہ وہ جھجک بٹھا لیکن پھر پھل کھاتے دیکھ کر وہ بھی رواں ہو گیا۔ اس طرح ہم نے پانچ پھلیاں صاف کر دیں اور پھلیوں کا گوشت سب غلاؤں سے کہیں زیادہ طاقتور تھا۔ فرمانے کے بدن میں بھی چپٹی نظر کرنے لگی تھی۔ اس نے زور سے گڑ گڑائی اور پھر ایک پتھر اٹھا لیا۔

”اب میں تھارا پھر پورا ساتھ سے سکتا ہوں“

”بس تو پھر شروع ہو جاؤ“ میں نے دوسرا پتھر اٹھا لیا اور ہم دونوں بجرے کو ہواؤں کے مخالفت رخ پھینکنے لگے۔

دوسرا پتھر انسان اس ہلکی سی کوجھلنے سے تھکے زنا کیوں نہ تیز ہوتی۔ فرمانے انھوں میں تیز چمک نظر آ رہی تھی۔ وہ بہت خوش معلوم ہوتا تھا۔ راستے میں وہ بولا۔

”میں نے محسوس کیا ہے دوست کہ تم عام انسانوں سے کافی مختلف ہو“

”کس لحاظ سے؟“ میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”تم نے جس انداز سے دھشت کے تھے کو حیرت دیا تھا اور جس انداز میں تم نے پھلیاں پکڑی ہیں وہ عام لوگوں کے کسی بات نہیں ہے۔“

”میں سمندر کی دنیا کا انسان ہوں اور پھلیوں سے میری کافی دوستی ہے۔“ میں نے سنہٹتے ہوئے کہا اور فرمانے بھی سنہٹنے لگا۔

بجرے کا تیز رفتار سفر جاری رہا۔ سورج ہمالے سروں سے گذر گیا اور پھر اس کا نارنجی گولہ سمندر میں ڈوب کر سرد ہو گیا۔ تاریکی پھیل گئی۔ فرمانے سمندر سے ساتھ بجرے کو رکھے رہا تھا میں نے اس کے انداز میں اطمینان تک یقین کے آثار نہیں پائے تھے۔ پھر مجھے خود ہی اس پر رحم آ گیا اور میں نے پتھرا اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ فرمانے سوا الیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔

”آرام کرو فرمانے“

”لیکن اگر تم نے پتھر اٹھا لیا تو یہ ہوا کے رخ پر بہنے لگے گا۔“

”نہیں تم اطمینان رکھو ایسا نہیں ہوگا۔“

”کیا مطلب؟“ گویا تم تنہا آگے بڑھاؤ گے؟ فرمانے نے کہا۔

”ہاں اس وقت تک جب تک تم آرام کرو گے میں اسے آگے بڑھاتا رہوں گا پھر جب تم حیاق و چوندر ہو جاؤ گے تو میں تمہیں اس کام

میں شریک کروں گا۔“

”اوہ! نہیں میرے محسن! میں ریگستانی نہیں کر سکتا۔“

”میں خود تم سے کہہ رہا ہوں فرمانے میری درخواست ہے کہ تم ایسا ہی کرو۔“ میں نے کہا اور وہ خاموش ہو گیا۔ بہر حال میں نے اسے آرام کرنے پر راضی کر لیا۔ وہ میری بات تو میں ایک رات کیا، ایک ماہ تک اس بجرے کو کھے سکتا تھا۔ فرمانے لیٹ گیا اور دھڑکی دیر تک مجھ سے باتیں کرتا رہا میں اس سلسلے کی بیویوں کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔

”ہاں۔ وہ پانچوں مجھے چاہتی ہیں اور کسی قیمت پر مجھ سے علیحدہ ہونے کو تیار نہیں ہیں۔ حالانکہ میں نے انھیں اجازت دے دی ہے کہ اگر وہ یا ان میں سے کوئی چاہے تو مجھ سے علیحدگی اختیار کر سکتی ہے۔“

”تم میں زیادہ سے زیادہ شایاں کس نے اور کتنی کی ہیں؟“ میں نے پوچھا۔

”یوں تو فرمانے کی بیویاں ہی زیادہ ہوتی ہیں۔ میرے باپ کے باپے ایک سو دو شایاں کی تھیں اور ان میں سے ایک بھی بیوی کو نہیں چھوڑا تھا۔“

”اولاد کی کیا پوزیشن رہی؟“

”اولاد جن کی کچھ گنتی وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔“

”خوب! تمہاری کوئی اولاد نہیں تھی؟“

”میری! ہاں میرے دو بیٹے ہیں۔ دو مختلف بیویوں سے۔“ اس نے جواب دیا۔

”خوب! تمہاری بیویوں نے لوگوں کی آنکھوں سے کیا کی ہے؟“

”مجھے خود حیرت ہے۔ حالانکہ وہ مجھے بہت چاہتی ہے۔“

”ممکن ہے اس نے تمہارے ساتھ فریب نہ کیا ہو؟“

”دو بتا ہی جائیں۔“

”اچھا کیا یہ ساری بیویاں یکجہاں رہتی ہیں؟“

”فرمانے بہت سے جھوٹے ہوتے ہیں اور چونکہ بیویوں کی تعداد عموماً زیادہ ہوتی ہے اس لیے وہ مختلف جھوٹوں میں رہتی ہیں۔“

”آپس میں جنگ تو نہیں ہوتی؟“

”بہت زیادہ ہوتی ہے۔ بعض اوقات تو یہ جنگ ہلاکت تک پہنچ جاتی ہے۔ ہمارے علاقے کے ایک بزرگ کو ان کی بیویوں نے ہلاک کر دیا۔ چونکہ بیویاں ان کی آپس میں لڑتی ہیں۔ وہ بے جا ان کے درمیان صلح کر لے تھے کہ تو خوار بیویوں نے ان پر حملہ کر دیا اور انھیں گھوٹے اور لائیں مار مار کر ہلاک کر دیا۔“

میں ہنستا رہا اور پھر جب میں نے فرمانے کی آواز میں نیند کی آمیزش پائی تو خاموش ہو گیا۔ پتھر پر بکرہ تو میرے ہاتھ چل رہے تھے۔ پھر لوں ہوا کہ ہواؤں کا رخ اچانک بدل گیا اور وہ اسی سمت چلنے لگیں جہاں سب سے جا رہے تھے۔ میں اس بات سے بہت خوش ہوا اور میں نے پتھر اچھوڑ دیا۔ اب ہوا میں ہماری مدد کر رہی تھیں اور بکرہ اسی سمت جا رہا تھا جہاں ہم جانا

چاہتے تھے۔ پتھر اچھوڑ کر میں بیٹھ گیا تب اچانک میری نگاہ آسمان پر چلائی۔ میرے دوست میری جانب گھول گئے تھے۔ دیکھ کر سکرانے لگے۔

”کیا حال ہے دوست؟ کچھ باتیں کر دے؟“ میں نے پوچھا اور انھوں نے اشارت میں جواب دیا۔ تب پھر پہلے یہ بتاؤ کہ کیا ہم نے صحیح رخ اختیار کیا ہے؟ اور ساتھ اشارت کرنے لگے۔ میں نے ان کے اشارے سمجھے تو اندازہ ہوا کہ میں فرمانے کے علاقے سے زیادہ دور نہیں ہوں۔ بس اس علاقے کے بارے میں میں نے ان سے زیادہ سوالات نہیں کیے اور دوسری باتیں کرنے لگیں جو ادوار کی باتیں تھیں اور خاصی رات گھنٹوں میں ستاروں سے گفتگو کرتا رہا۔

رات کی تاریکی میں سفیدی شامل ہونے لگی پھر روشنی پھیل گئی اور میں نے اپنے سونے والے دوست کی طرف دیکھا۔ گہری مست نیند سونے والا۔ سب کچھ بھول کر بے خبر ہو گیا تھا۔ میں نے صبح کے ناشتے کے لیے پھلیوں کا بندوبست کرنے کی سوجھی اور پانی میں اتر گیا۔ ناشتے کی تلاش میں نکلنے والی کئی پھلیاں خود ناشتے کا سامان بن گئیں اور میں بجرے پر ان کی اچھل کود دیکھتا رہا۔ پھر ایک زور آور پھل اچھل کر فرمانے کے پیٹ پر جا پڑی۔ کافی وزنی تھی۔ فرمانے کو کھینچ گیا۔ اس نے تھوڑا سا انگوٹھوں سے چاروں طرف دیکھا۔ شاید سونے کے بعد وہ ماحول کو بھول جاتا تھا پھر اس کی آنکھوں میں ماحول کی شناسائی واپس آ گئی۔

”اوہ! سبوتا یہ شہر پھلیاں ہے۔“

”شہر؟ ناشتہ کمر“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور وہ بھی مسکرانے لگا۔ پھر وہ اٹھ گیا۔ بجرے پر اوندھے منہ لیٹ کر اس نے سمندر کے ٹھیکے پانی سے منہ ہاتھ دھوئے اور پھر ہم دونوں نے پھلیاں کھانا شروع کر دیں۔ فرمانے انھوں میں ممنونیت کے آثار تھے پھلیاں کھانے کے بعد ہم نے ڈاکٹر لیں۔ کچھ پھل اتنی شاندار خوراک ہے کہ تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ پروفسر۔ یہ پانی کی ضرورت بھی پوری کر دیتی ہے اور جسم کی ساری غذائی ضروریات بھی ہم دونوں کو خاص پیاس نہیں لگی تھی۔

”تم جس طرح میری مدد کر رہے ہو دوست! میں تمہارے اس احسان کو کبھی نہیں بھولوں گا۔“

”بس بس۔ ابھی کچھ نہیں کیا میں نے۔ جب تمہاری سرزمین ان لوگوں سے پاک ہو جائے تو جی بھر کر نیند ہو لینا۔“

”کاش! ایسا ہو جائے۔“ وہ حسرت بھرے لہجے میں بولا اور میں نے خاموشی ہی مناسب سمجھی۔ ہیشہ بلند ہواگ دوسرے مناسب نہیں ہوتے جو ہوگا دیکھا جائے گا اور پھر کافی روز تک خاموشی چھانی رہی۔

فرمانے کی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا اور پھر وہ چونک پڑا۔ ”اے۔۔۔ یہ۔۔۔“

یہ بکرہ کیسے چل رہا ہے؟ کیا ہم نے سمت برقرار رکھی ہے؟

”ہاں۔ ہواؤں کے رخ بدل گئے ہیں۔“

”اوہ۔۔۔ یہ تو عجب بات ہے۔ رفتار بھی خاصی تیز ہے۔“

”ہاں اور تم تمہاری بستیوں کی طرف جا رہے ہیں۔“

”تمہیں یقین ہے؟“ وہ چونک کر بولا۔

”ہاں!“

”لیکن کس طرح؟“

”اس بارے میں تو پوچھو تو بہتر ہے۔“

”کیوں؟“

”کیونکہ میں تمہیں اس کا صحیح جواب نہیں دے سکوں گا۔“

”آخر کیوں؟ مجھ سے چھپانا چاہتے ہو؟“

”یہ بات نہیں ہے۔ تم لوں کچھ خصوصیتیں میرے اندر دوسرے لوگوں سے مختلف ہیں۔ میری ایک حس خاص اوقات میں متقبل کی پیشگوئی کر دیتی ہے۔“

”میں غلصہ دل سے تسلیم کرتا ہوں۔“ فرمانے نے کہا۔

”اوہ۔۔۔ وہ کیوں؟“

”سمندر میں تھکا راکشی شتی کے بغیر ہونا تعجب خیز نہیں ہے کیا؟ اور پھر تمہاری طاقت، میرا خیال ہے تم عام انسانوں سے کہیں زیادہ طاقتور ہو۔ اوہ۔۔۔ وہ۔۔۔ وہ دیکھو۔ وہ کیا ہے؟ فرمانے مضطرب انداز میں ایک طرف اشارہ کیا اور میں اس کے اشارے کی سمت دیکھنے لگا۔

سمندر کی سطح پر ایک چھوٹی لکیر نظر آ رہی تھی اور یہ ششی کی علامت تھی۔

”زمین ہے سبوتا۔“ وہ پھر بولا۔

”ہاں۔ زمین ہے۔“

”ممکن ہے۔ ممکن ہے یہ ہماری ہی زمین ہو۔“

”سو فیصدی ممکن ہے۔“ میں نے مضبوط لہجے میں جواب دیا۔

”تو آؤ۔۔۔ بجرے کو اور تیزی سے چلائے میں رفتار تیز ہو جائے گی۔“ اس نے اپنے اضطراب کو کھچنے کی کوشش کی اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

”اتنی جلد بازی کی ضرورت نہیں فرمانے۔ اب اس بارے میں بھی کچھ باتیں کر لیں۔ فاصلہ اتنا زیادہ بھی نہیں ہے۔ میں نے کہا۔

”اوہ۔ ضرور سبوتا۔ میں تمہاری ہر بات پر عمل کرنے کے لیے تیار ہوں۔“ فرمانے نے کہا۔

”تم نے کہا ہے کہ تمہاری بستیوں میں گھس آنے والے تھیں ناپسند کرتے ہیں۔“

”ہاں سبوتا۔ میری موجودہ حالت یقیناً ان کی وجہ سے ہے انھوں نے مجھے ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی اور اپنی دانست میں ہلاک کر دیا تھا۔“

”تمہاری موت کے بعد تمہاری بیٹی میں کیا ہوا ہوگا؟“

”کوئی دوسرا سراوا رہن کیا ہوگا۔“

”وہ کون ہو سکتا ہے؟“

”میری سہیلی کا کوئی ایسا انسان جو ان کے لیے پسندیدہ ہوگا۔“

”اوہ! میں نے گردن ہلائی اور پھر بولا: ”ایک بات اور بتاؤ، اگر تم واپس آتی ہو تو کتنا بڑا ہوگا؟“

”اچھا نہیں ہوگا سہوتا۔ بلاشبہ بے شمار لوگ ان کے طمع میں لیکن میرے حامیوں کی تعداد بھی کم نہیں ہے۔ وہ میری مدد کو اٹھ کھڑے ہوں گے اور غور نری ہوگی۔“

”اوہ! کیا تمھارے ساتھی میرا مطلب ہے فوٹا کے لوگ اس حد تک ان کے ساتھ ہوں گے کہ ان کے لیے جنگ بھی کر سکتے ہیں؟“

”کیا بعید ہے؟“ فوٹا نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

”ہوں۔ پھر بتی میں پہنچ کر تم کیا کرو گے؟“

”سب سے پہلے تو میں یہ معلوم کروں گا کہ یہ کون کی سی ہے؟“

”لیکن اگر چنانچہ یہ گئے تو؟“

”ہاں۔ امکانا نہیں۔“

”میں اس مسئلے میں تمھیں مشورہ دینا چاہتا ہوں۔“

”ہاں ضرور۔“ فوٹا نے مستعدی سے کہا۔

”وہ تمھاری سی ہوتی ہو تو وہاں تم خود کو چھپاؤ گے۔“

”اوہ۔ وہ کس طرح؟“

”بس ایک عام آدمی کی حیثیت سے ہی میں داخل ہوا اور پوشیدہ رہ کر حالات معلوم کرو اور پھر اپنے آدمیوں سے مل کر ان کے خلاف تیار ہاں کرو۔“

فوٹا کی آنکھیں سرت سے چمکنے لگیں اور پھر اس نے عجوبی سے میرا بازو تھام لیا۔ ”میں اب بھی نہیں جانتا میرے دوست کہ تم کون ہو لیکن نہ جانے کیوں میرا دل کہنے لگا ہے کہ تم میرے خوابوں کی تعبیر ہو زرد روگوں کے آجلے کی وجہ سے میں بے حد پریشان تھا۔ انھوں نے جس انداز میں اپنا حال بھیلایا تھا اس سے میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ ذہنی طور پر مجھ سے برتر ہیں اور مجھے ان کے مقابلے کے لیے سخت محنت کرنا پڑے گی۔ پھر جب میں ان کے مقابلے میں ناکام ہو گیا تھا تو میں نے تو احم کے سہارے لیے تھے۔ میں نے سوچا تھا کہ مجھے بھی کوئی ایسا دماغ مل جائے جو ان کے مقابلے میں بھرپور طور سے کام کر سکے اور تم تو تم ہی ہو۔“

”بہر حال تم میرے مشوروں پر کام کرنے کے لیے تیار ہو؟“

”یہی کوئی پوچھنے کی بات ہے؟“

”سندھ میں تیرا جانتے ہو؟“

”اچھی طرح۔“

”تب پہلے اپنے بدن سے یہ روغن صاف کر دو اور اسکی حالت میں آجاؤ۔“

”جاؤں؟ اس نے پوچھا۔

”ہاں۔ میں نے جواب دیا اور وہ بے تکان سندھ میں آ گیا۔ میں نے مجھے روک دیا کہ اس کے لیے مختلف منزلوں سے چھپ چلائے شروع کرنے اور وہ اپنے بدن کو مل کر اس پر سے گھرے سارے چھڑنے لگا۔

کافی مشکل پیش آئی تھی لیکن بہر حال وہ کامیاب ہو گیا۔ خاصا سرخ و سفید انسان تھا۔ حاذب لگا۔ نقوش کا تو پہلے ہی اندازہ ہو گیا تھا۔ پھوڑی دیر کے بعد وہ باہر نکل آیا۔ اب وہ خاصا چاقی و چوبند نظر آ رہا تھا۔ میں نے اس کے جسم اور پھر سر پر گئے۔ لیکن جیسے صاف کیے اور پھر کپڑوں کے اس ڈھیر میں اس کے لیے لباس تلاش کرنے لگا۔ پھوڑی دیر میں اس کی ہدایت بالکل بدل گئی تھی۔

”کیا خیال ہے تمھارا کیا تھا اسے ساتھی تھیں پچان نہیں گئے ہیں۔“

”میرا خیال ہے میری شکل میں تو کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔“

”یہ بھی ٹھیک ہے لیکن چلو دیکھتے ہیں۔“

”کوشش کریں گے کہ دونوں کی نگاہوں سے پچتے رہیں۔“ میں نے کہا اور فوٹا نے ہلکا کر خاموش ہو گیا۔

سندھ کی بھوری لکیر اب صرف لکیر شری قتی بلکہ پیلا ہٹ مائل مٹی کی زمین صاف نظر آنے لگی تھی اس دوران فوٹا کی نگاہیں انتہائی باریک بینی سے اس زمین کا جائزہ لیتی رہی تھیں۔ جب ہم کافی نزدیک پہنچ گئے تو فوٹا نے کہا۔

”مجھے یقین ہے کہ یہ میری سی نہیں ہے لیکن یہ بات بھی میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ پہلی کی زمین کا علاقہ ہمارا ہی ہے۔“

”ٹھیک ہے فوٹا کی بات ہے۔“

بھوری زمین اب قطعی نمایاں ہو گئی تھی۔ پیلا ہٹ میں ہر ذرت بڑے خوشنما نظر آ رہے تھے۔ میری نگاہیں کسی نسان ساحل کو تلاش کر رہی تھیں۔ ہم نے ایک لمبا چمکے کر مجھے کوسا حل سے لگا دیا اور پھر ہم دونوں پیچھے اتر گئے۔

لیکن میں نے اس بڑے کوسمند میں چھوٹا سا مناسب نہیں سمجھا لیکن تھا لہر میں اسے کنا لے کنا لے ایسی جگہ کے جائیں جہاں سے بیکھ لیا جائے اور میرا خیال تھا کہ وہاں کے لوگ کم از کم اسے پچان سکتے ہیں کیونکہ نگاہ ہرے اس کے ساتھ ان کی بہت سی یادیں وابستہ تھیں۔ ان کا سرور اسی جگہ پر آخری سفر بردہ روا ہوا تھا چنانچہ میں نے جگہ سے کونسا لے سے کھینٹ لیا۔ اب بہر حال درختوں کے تنوں سے بنا ہوا یہ تجربہ آتا بلکہ ابھی نہیں تھا کہ اسے کوئی ایک آدمی اٹھا سکے۔ فوٹا لگ کر مجھے دیکھنے لگا تھا۔

”اس کا کیا کر گئے؟“ اس نے پوچھا۔

لیکن میں نے اسے کوئی جواب دینے کے لیے یہ بتا دیا کہ وہ زنی جڑا اٹھا یا اور اسے میدھا کہ زمین پر نہ مارا۔ کڑیاں ٹوٹ گئیں اور تنے بکھر گئے۔ پھر میں نے درختوں کے گول تنے پانی میں اچھال دیے۔

”فوٹا کے ہاتھوں پر دلاؤ بزم سکرا ہٹ پھیل ہوئی تھی اس نے ایک قدم آگے بڑھا کر کہا۔

”میرا خیال ہے تم یہاں کوئی نشان چھوڑنا نہیں چاہتے؟“

”ہاں۔ جب تک ہم حالات کا جائزہ نہ لیں اپنے آپ کو

”بھلا کتنا ہوگا؟“

”بالکل ٹھیک۔ میں نے کہا تھا ناکارہ کے مقابلے کے لیے مجھے ان کی ایسی کسی دماغ کی ضرورت ہے۔ سو میرا خیال ہے تم اس کے لیے بہتر ہو۔“

”اسی تھی دوسری پرنا کرنا ہوں۔“

”آؤ! میں نے فوٹا کا شانہ چھتھاپایا اور ہم دونوں سرسبز درختوں کے گھٹنے کی طرف چل پڑے۔ درختوں کے جھنڈ کی دوسری جانب ایک چھوٹی سی گلی نظر آئی اور فوٹا پانی پینے کے لیے بے چین ہو گیا۔ سندھ میں کچھ چھلیاں گھول گئی تھیں لیکن پانی نہیں ملا تھا اور فوٹا بہر حال انسان ضروریات سے گرا نہیں تھا۔

میں نے اسے پانی پینے سے نہیں روکا بلکہ خود بھی جھیل کے کنارے گھسے منہ دیکھ کر پانی اور ٹھنڈے پانی سے لطف اندوز ہونے لگا۔ پھوڑی کے بعد فوٹا تازہ ہو گیا تھا۔

”پھر وہ گہری سانس لے کر میری طرف دیکھنے لگا۔“

”اب کیا کیا جائے؟“

”آؤ! آبادی میں چلتے ہیں۔“

”چلو! اس نے کہا اور ہم دونوں چل پڑے۔ راستے میں میں نے اس سے پوچھا۔

”کیا تم اس سی کے بارے میں کوئی اندازہ لگا سکتے؟“

”ابھی تک نہیں لیکن یہ بات میں ضرور کہہ سکتا ہوں کہ یہ فوٹا قابل کا اندازہ ہے۔“

”چلو خیر۔“

”آبادی میں چل کر پہنچ جائے گا کہ کون سی جگہ ہے۔“

تب میں نے اس آبادی کا پیلا مکان دیکھا جن مکانوں کو فوٹا نے پہنچا تھا۔ یہاں فوٹا نے عمارت عمارت کے تھے پہلی ٹی کے اندر کوئی گھاس لائی تھی اور اس سے پیشہ بود مکانات تعمیر کیے گئے تھے۔ ان مکانات کی ایک مخصوص ترتیب تھی۔

فوٹا کی آنکھوں میں ایک عجیب سی جھلک تھی۔ ایک انوکھا تاثر تھا اور بہر حال یہ ایک فطری چیز تھی۔ یہ اس کی سی تھی۔ اس کا علاقہ اس کی ملکیت جس سے اسے محروم کر لیا گیا تھا۔ ظاہر ہے اسے اس کا دکھ ہونا ہی چاہیے تھا۔ ان لوگوں سے نفرت ہوئی ہی چاہیے تھی جنہوں نے اسے ان گنیوں سے محروم کر لیا تھا۔

ہم نے جی سے اسے دو کا رخ اختیار کیا اور اس کا چکر لگنے لگے۔ ہم اس کا جائزہ لے رہے تھے اور پھر طویل تر چکر لگنے کے بعد ہم ایک جگہ روک گئے۔ فوٹا نے کہا۔

”اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو اس سی کا نام سکائی ہے۔“

”تمھاری سی سی ہے؟“

”ہاں! اس نے جواب دیا اور اگر یہ سکائی سی ہے تو یہاں کے

لوگ سو فیصد میرے وفادار ہیں۔“

”تمھیں یقین ہے؟“

”یہ شک لیکن اس کے باوجود میں چاہتا ہوں کہ کسی سے اس کے بارے میں معلومات حاصل کروں۔“

”اس سے پہلے اس سی میں کئے ہوئے؟“

”ہاں ایک بار سی کا سرور کا موبیل خصوصی وفادار ہے۔ وہ ایک طویل عرصے تک میرے پاس بھی رہ چکا تھا۔“

”خوب! تو کیا تمھیں اس کا مکان معلوم ہے؟“

”نہیں مکان نہیں جانتا۔ بہر حال پہلے یہ تو کر لیا جائے کہ یہ سکائی سی سی ہے یا نہیں۔ اس کے بعد بالکے بارے میں معلوم ہو سکتا ہے۔“

”تو یہ معلوم کرو۔“

”کوئی تمھارا مل جانے کو نہ کہ ہم دوسروں کے سامنے نہیں آنا چاہتے۔“

”ٹھیک ہے تلاش کرو۔“ میں نے گہری سانس لے کر کہا اور پھر ہم آگے بڑھ گئے۔ پوری سی کی کچھ لگے تھے۔ پھوڑی دیر کے بعد وہاں درختوں کے اسی جھنڈ کے قریب پہنچ گئے جہاں پہلے پھیل کے قریب تھے۔ میں نے طویل سانس لی اور بولا۔

”ٹھیک ہے فوٹا۔ اب تم اپنا کام کرو لیکن ہر شادی کے ساتھ میں نہیں چاہتا کہ کوئی تمھیں پچان لے۔“

”اور تم؟“

”میں اس جھیل میں نہاؤں گا۔“

”اوہ ضرور یہ ٹھیک ہے۔ میں پوری کوشش کر کے ساری معلومات حاصل کروں گا، اگر مجھے دیر ہو جائے تو تم کس طرح کا خیال کرنا۔ یہاں مجھے کوئی خطرو نہیں ہے۔“ فوٹا نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔ میں نے گردن ہلائی اور فوٹا چلا گیا۔ میں پھوڑی دور تک اسے جاتے دیکھتا رہا اور پھر گردن ہلا کر جھیل کی طرف چل پڑا۔ لیکن میں جھیل کے کنارے پہنچ کر ایک لمبے کے لئے رک جانا پڑا۔ ایک درخت کی چوڑی کچھ کپڑے رکھے ہوئے تھے اور اگر میرا اندازہ غلط نہیں تھا تو یقیناً یہ زمانہ اس جھیل کے لئے ہی تھا لیکن پھر میرے ذہن میں شرت ندرت اٹھی۔

اور میں دوسرے کنارے پر پہنچ گیا۔ پھر میں نے اپنا مختصر سا لباس اتار دیا اور جھیل میں آ کر جھیل کے دوسرے کنارے پر میں نے ایک سفید بدن پانی کی گہرائی میں دیکھا جس کی سطح کے نیچے اس کی طرف بڑھنے لگا۔ پھر اس وقت اسے میری موجودگی کا احساس ہوا جب میں اس کے نزدیک پہنچ چکا تھا۔

انتہائی سٹول بدن کی ایک تندرست و توانا لڑکی اور ایک بچہ اسے میری موجودگی کا احساس ہوا تو وہ پانی میں جھیل کی طرح غوطہ کھائی۔ وہ خود کو چھپانے کے لئے جھیل کی گہرائیوں میں تو گئی تھی۔ میں جانتا تھا اسے جھیل کی گہرائیوں میں بھی کچھ رکھا تھا لیکن بہر حال یہ بات زیادہ اچھی نہیں تھی۔ یوں بھی شفاف پانی میں وہ خود کو چھپا نہیں پاسی تھی اور میں اس سمت میں پہنچ

گیا تھا جہاں اس کا لباس رکھا ہوا تھا۔ گویا اس کے حصول کے لئے اُسے اسی طرف آ کر نظر انداز کر دیا۔ دیکھتا رہا۔ پڑا شخص اور سب سے بدین تھا تو قیامت بھی خوب تھا۔ بسے لیے جگہ ملے لی نہ بدینوں کی گھر رہے تھے اور اسے دیکھنا بھی کافی دلکش محسوس ہوا تھا۔ وہ بے بسی چھلی کی مانند پانی میں پکرائی جی۔ میں نے خود اس کی ملوث ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔

لیکن پھر جسے اس پر دم کیا۔ ممکن ہے ملک کسی جہاد اس لئے میں سے وہ
کنارہ چھوڑ دیا جس پر اس کے کپڑے رکھے ہوئے تھے۔ یہی تاثر ہوا دوسرے کنارے
کی طرف چل پڑا اور دوسری زمین سے پانی میں اس سے قبل بجلی گئی تھی۔ کبھی تھی۔
بلاشبہ بس ہوشی رکھا جیسے ایک سفید لکیر ایک سرے سے دوسرے سرے تک
کھینچ گئی۔ جہاد اپنی برق رفتاری سے پانی میں کسی کیر نے سے پہلی بار دیکھا تھا۔
چترم زون میں وہ ناسے پر پہنچ گئی۔ ایک لمحے کے لئے اور پھر بھی۔ لیکن
ایک بار پھر میں حیران رہ گیا۔ یہ ریاض تھا۔ درصفت اپنے لباس کے حصول کی عہد وجد
کر رہی ہے اور کنارے پر پہنچنے ہی وہ لباس کے لئے درجن کی جانب دوڑ جائے گی۔
لیکن یہ ریاض غلط تھا۔ پھول کے ڈھیر سے اس نے کوئی نہ نکالی اور اس پانی میں
چھلانگ مادی۔ یہ بات یہی سمجھ کر نہیں آئی تھی۔ اس نے پانی سے گردن نکال کر
مجھے دیکھا۔ اب میں اس کے سپرے کو بھی غور کر دیکھ سکتا تھا۔ مگر اس کی غصہ برت لڑی تھی۔
لیکن اس وقت اس کا ہجر و غصے سے اکثر نشان نہ ہوا تھا۔ پھر وہ کی طرح یہی طرف
آئی۔ تب میں نے اس کا ہاتھ لیا اور اس کے ہاتھ میں ایک عہد دار کے شکل کا ہجر دیکھ
کر میرے غمزدگیوں کو مسکراہٹ تبدیل کی تھی۔

میں نے شائے ہائے اگر اس لمبی کی ہے تو جانے گی کہاں، عمدہ لڑکی تھی۔
 پری نے کہ میں طالبِ جہت، خوشخوار اور طاقتور۔ گھنا تھا میرے وہ چمچے سے قرۃ
 باد منتر نہ ہوئی ہوا ایسے لوگ مجھے پسند نہ تھے۔ ویسے لڑکی نے اپنی کا تمام
 سکانی ہی لیا تھا جس سے اندازہ ہو جاتا تھا کہ یہ سستی فوہابی کی ہے کیونکہ کھانے
 بھی ہی کہا تھا کہ اگر یہ سکانی سستی ہے تو یہاں اسے بہت سی آسائیں مل جائیں گی
 بہر حال میں لڑکی کو تلاش کرنے کے لئے نہیں دوسرے میں جانا پاتا تھا کہ کون
 لڑکا اس کی جگہ والی آتا تھا۔

”اوہ۔ فوراً مسکرا پڑا۔ تب تو تہادی یہاں آد ایک نیک شکر گن ہے۔
شاید اس نے غصے میں تمہیں جنگلی سڑک کہا ہو گا۔“

"ہاں کے بارے میں؟"

"ہاں"

"میں اس مکان دیکھ آیا ہوں"

"بہت خوب۔ کیا وہ عجیب آبادی میں ہے؟"

"ہاں"

"کوئی حرج نہیں ہے۔ ہم رات کے وقت وہاں چلیں گے لیکن تم اسے براہِ حذر کسی پکٹی ہوئی اور تم نے کہاں سے حاصل کیا؟"

"افسوس۔ تمہاری سستی کے ایک باشندے کی ہے۔ لیکن مجاز طریقے سے نہیں حاصل کی گئی۔ سب کچھ اس کے پاس ہے۔"

"کوئی بات نہیں ہم اسے ایسی بہت سی چادریں دے دیں گے۔"

"میں اس کے پاس ایک مریض کی حیثیت سے گیا تھا۔"

"اودہ کو تو اس سے تم نے ملاقات بھی کی؟"

"ہاں۔" میرے ہوشوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"یقیناً تم اس کی باتوں سے غلط فہم ہو گئے۔ وہ بے حد بدین انسان ہے۔"

"ہاں۔ وہ ہمیں ہے۔ میں نے اعتراف کیا اور خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔ پھر چند ساعت کے بعد بولا۔

"میں نقد پر میرے دل پر ہرانا ہے۔"

"کیوں؟"

"تم جیسا ساقھی مجھے مل گیا۔ اگر یہ توتاؤ۔ کیا ہو سے تم نے میرے بارے میں بھی گفتگو کی؟"

"نہیں۔ یہ سب نہیں تھا۔"

"ہاں ٹھیک ہی ہوا۔ اب مجھے یہی جہن سے رات کا انتظار ہے اور نہ خست کی طرف چلو دیکھو کچھ لوگ آسپہ ہیں۔" اس نے دہر دیکھتے ہوئے کہا اور میں نے اس کی تجویز سے اتفاق کیا۔ ہم دونوں درخت پر چڑھ گئے تھے چند اذیتوں پر آگے یہ صرف مروت سے ہر حال وہ ہمارے رہے اور ہم خاموشی سے انہیں دیکھتے رہے۔

وہ واپس چلے گئے تو ہم درختوں سے نیچے اتر آئے۔ اودہ کو فوٹا کچھ درختوں سے پھل توڑے اور مجھے پیش کئے۔ اس کی آنکھوں میں شرمندگی کے آثار تھے۔ پھر وہ بہت سے بولا۔

"انہیں قبول کرو۔ یہ سب انہیں اپنی سستی میں ہوں لیکن انہیں کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہوگی تم جانتے ہو کہ میں کبلا وطن ہوں۔"

"اودہ۔ ان باتوں پر غور نہ کرو۔ جب تم فوٹا حاصل کرو تو میری خاطر مداخلت کر لینا۔ میں نے جواب دیا۔

پھر رات ہو گئی جس کا میں نے پہلے ہی سے انتظار تھا اور جب رات خوب گرمی ہو گئی تو ہم دونوں چل پڑے۔ سستی اب سنسان ہو گئی تھی بہت سے مکانوں میں تاریکی پھیل گئی تھی چند مکانوں میں روشنی نظر آ رہی تھی۔ ہر حال ہم دشمنی سے بچتے ہوئے آگے بڑھتے رہے اور ہمیں نے فوٹا کو ایک مکان پر لکھوا دیا۔

"سہوتا،" فوٹا نے مجھے پکارا۔

"ہوں؟"

"اگر مناسب سمجھو تو اپنی چادر مجھے دیدو۔"

"اودہ۔ لے لو کہ روگے؟"

"میں ہاں کے سامنے بھی فوراً نہیں آنا چاہتا۔"

"ٹھیک ہے۔" لے لو میں نے کہا اور فوٹا نے میری چادر لٹھلی بچھ کر ایک مکان کے دروازے پر پہنچ گئے۔

"دستک دو؟"

"تم بھی کسی مریض کی حیثیت سے ملو گے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔ لیکن وہ تمہیں پہچان تو نہیں لے گا؟"

"میرا خیال ہے نہیں۔ اس نے میری صورت نہیں دیکھی تھی۔ اور پھر اگر پہچان بھی لے تو اس سے کیا فرق پڑے گا؟"

"ہاں۔ کوئی فرق تو نہیں پڑے گا۔" فوٹا نے کہا اور میں نے ہاں کے مکان کے دروازے پر دستک دی۔ دوسری بار اور پھر تیسری بار دستک دینے پر اندر سے جواب ملا۔

"آ رہا ہوں۔ کون ہے؟"

"جلدی دروازہ کھولو۔" فوٹا نے کہا۔ اور دروازہ کھل گیا۔ لیکن دروازہ کھولنے والا خود ہاں نہیں تھا بلکہ ایک نوجوان تھا۔

"کیا بات ہے؟"

"ہاں کہاں ہے؟"

"اندر موجود ہے۔ کیا کام ہے؟" نوجوان نے پوچھا۔

"مریض کیا ہے؟" فوٹا نے جواب دیا۔

"دن کی روشنی میں آنا۔ اس وقت۔۔۔۔۔"

"اودہ، کیا ہاں کی خدمت میں کاجہ برسرِ دل لایا؟" فوٹا نے پوچھا۔

"نہیں۔ لیکن وہ خود بیمار ہے۔"

"کیا بیمار ہے؟"

"یہ نہیں معلوم۔"

"دن کی روشنی میں تو وہ ٹھیک تھا۔"

"اب ٹھیک نہیں ہے۔"

"تم کون ہو؟"

"میں اس کا بیٹا تھا ہوں۔ کیا تم اس بستی کے رہنے والے نہیں؟"

نوجوان نے ہمیں گھورتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔ ہم دوسری بستی سے آئے ہیں،" اس نے ہاں کے پاس ضروری ہے۔"

"کون سی بستی سے آئے ہو؟"

"سگاشے۔" تم خود غور کرو کہ کتنا طویل سفر کیا ہے ہم نے۔"

نے فوراً جواب دیا۔

"اگر تم اتنی دور سے آئے ہو تو ہمارے مہمان کی حیثیت سے تم

کو۔ لیکن ہاں کے تم صبح کو یہی ملاقات کر سکو گے۔" نوجوان نے کہا۔

"لیکن ہاں کی بیار ہے؟"

"اندر آیاؤ۔ تم یہاں ہو۔" نوجوان نے ملازمت سے کہا۔ اور دروازے سے مٹ گیا۔ ہم دونوں اندر داخل ہو گئے۔ مہمانوں کے قیام کے لئے الگ جگہ تھی۔ ہمیں ایک بڑے سے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ اور نوجوان بولا۔

"میں تمہارے لئے کھانے کا بندوبست کرتے جا رہا ہوں۔ آرام سے بیٹھو۔"

"سنو۔ کیا ہاں کو سوچا ہے؟"

"نہیں۔ وہ اپنی خواب گاہ میں ہیں۔"

"تم اسے ہمارا پیغام تو دے دو۔ اس کے بعد بھی اگر وہ ہم سے نہ ملے تو ہم اسی وقت واپس چلے جائیں گے۔"

"اچھا۔" نوجوان نے مجھے ہونے انداز میں کہا۔ اور پھر وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔ ہاں کی بیار کے باسے میں سوچ رہا تھا۔ کیا درحقیقت وہ میری وجہ سے پریشان ہو گیا ہے۔ ممکن ہے۔ ہر حال وہ ایک عمدہ انسان تھا۔

کافی دیر کے بعد ہاں کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ درحقیقت وہ پریشان نظر آ رہا تھا۔

"مجھے معاف کرنا دو۔ تم میرے انتظار کی پریشانی اٹھانا پڑی ہے۔ لیکن میں خود اچھا ہوا تھا۔ اگر آپ لوگ اتنی دور سے نہ آئے ہوتے تو بے چارے مجھے بتائے کیا بات ہے؟"

"ہم صرف تم سے ملنے آئے تھے۔"

"کیا مطلب۔ تم میں سے کوئی مریض نہیں ہے؟" ہاں نے جواب سے بولا۔

"امراض کی بھی مختلف قسمیں ہوتی ہیں۔ یوں سمجھو ہم مریض ہیں ہی اور اپنی ایک تکلیف کے لئے تمہارے پاس آئے ہیں۔" فوٹا نے کہا۔

"براہِ کرم ابھی ہونی گفتگو نہ کرو میں پہلے ہی کافی پریشان ہوں۔" ہاں نے کہا اور پھر اس کی نگاہ مجھ پر گئی۔ میرا خیال ہے میرے آتش زنگ نے اُسے میری جانب متوجہ کیا تھا۔ پھر اُس نے بے اختیار میرے ہاتھوں کی جانب دیکھا اور مضطربانہ انداز میں کھڑا ہو گیا۔

"تم۔" تم براہِ کرم کیا تم اپنا ہاتھ آگے بڑھاؤ گے؟ اس نے کہا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے خاموشی سے اپنا ہاتھ اُس کے ہاتھوں میں دے دیا تھا۔ ہاں نے فوراً میری ہنٹوں اور پھر پورے انداز میں میری کلائی پر گزرتی گئی۔

"تم۔" تم اپنی تکیا تمہاری ہی وجہ سے پریشان تھا۔ اس کی آنکھوں میں تیز چمک نظر آنے لگی تھی۔

"افوہ! تم تو مجھ سے عجیب ہو۔ تمہارا چہرہ تمہارا بدن اور تمہارے اہل کارنگ، تم کہاں چلے گئے تھے نوجوان۔ بلاشبہ تم کائنات کی عجیب (نہایت ہی) ہو۔" افوہ! تم مجھے عجیب ہو۔ تمہارے جاننے کے بعد سے میں مستقل

تمہارے بارے میں سوچتا رہا ہوں۔

"تو تم مجھے پہچان گئے؟"

"لاکھوں میں پہچان سکتا ہوں۔ گرد و پتہ کے لئے تم بتاؤ تو سہی تم کو کون؟ میں سگاشے کا چاکا ہوں لیکن میں نے وہاں پہنچی تمہارے جیسے کسی انسان کے بارے میں نہیں سنا کیا تم ہمیشہ سے سگاشے میں تھے؟"

"نہیں۔ ہاں! میں ہمیشہ سے یہاں نہیں تھا۔ لیکن اگر تم میرے بچانے اپنے مریض کی طرف متوجہ ہو جاؤ تو زیادہ بہتر ہے۔"

"لیکن تم نے کہا تھا کہ تم میں سے مریض کوئی نہیں ہے۔"

"ہاں۔ اور یہ بھی کہا تھا کہ امراض کی قسمیں ہوتی ہیں۔ میں نے جواب دیا۔

"لیکن تم سے مل کر میں خود بھی حیرت کا مریض بن گیا ہوں۔" ہاں نے بولا۔

"لیکن افسوس میں تمہارے لئے مزید کچھ حیرتیں لے آیا ہوں۔"

"تم میرے لئے کچھ بھی لائے ہو لیکن تمہارے بارے میں جان کر مجھے جس قدر خوشی ہوگی میں نہیں بتا سکتا۔"

"اور اس شخص کے بارے میں کیا خیال ہے؟" میں نے فوٹا کی طرف اشارہ کیا۔

"کیا یہ بھی تمہاری مانند ہیں؟ اگر یہ بات ہے تو یقیناً یہ بھی میرے لئے دکش ہوں گے۔" ہاں نے فوٹا کو گھورتے ہوئے بولا۔

"ممکن ہے یہ مجھ سے عجیب نکلیں۔"

"اوہ تب تو میں انہیں بھی دیکھنا پسند کروں گا۔"

"ایسے نہیں،" پہلے تم سے کچھ سوالات کرنا ہیں، ان کے جواب دو۔ میں نے کہا۔

"چلو سوالات کرو، میں ہر طرح تیار ہوں تم نے مجھے اس قدر حیران کر دیا ہے کہ اب میں تمہاری ہر شے ماننے کے لئے تیار ہوں۔" ہاں نے نہ حال سے انداز میں کہا۔

"تب میں پہلا سوال تمہارے قبیلے کے بارے میں کروں گا۔"

"میرے قبیلے کے بارے میں کیا پوچھنا چاہتے ہو؟"

"تمہارے قبیلے کا کیا نام ہے؟"

"تمہیں نہیں معلوم؟"

"براہِ کرم صرف میرے سوالات کے جواب دو۔"

"ٹھیک ہے، پوچھو۔" وہ گہری سانس لیکر بولا۔

"تمہارے قبیلے کے بارے میں پوچھا تھا۔"

"ہم فوٹا قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں۔"

"تمہارا سردار کون ہے؟"

"سردار۔" ہاں نے کچھ دیر کے بعد پرکرب کے انتظار کے بعد وہ آہستہ سے بولا۔ "اس کا نام شیا ہے۔"

"کیوں، کیا تم اسے پسند نہیں کرتے؟" میں نے پوچھا۔ فوٹا شاید میرے سوالات سے مطمئن تھا اس لئے خاموش بیٹھا تھا۔

مزدور کا سالانہ بھی درخت ہو رہا تھا۔ گویا یہ لوگ اپنے لہذا بھی نہ تھے اور دنیا کی برکتی ہوئی تہذیب کو اپنا نہ ہونے تھے۔ زندگی گزارنے کے دھنگ، اچھی لڑائی جیتنے تھے۔ میں اپنی کئی درمیان گھر تھا اور پھر ایک مسکن کی جگہ جب میں نے زیادہ لوگ نہ پائے تو ایک درمیان کے ایک شخص کو پایا۔ وہ مجھے نزدیک دیکھ کر لگ گیا تھا۔

"کیا تم مجھے بالکلے مکان تک پہنچا سکتے ہو؟" میں نے لڑائی وار میں کہا۔

"اوپر۔ شاید تم بہار ہو۔"

"ہاں۔ مہم۔ مجھے سخت بخار ہے۔"

"اوپر۔ میرے ساتھ آؤ۔ میں تمہیں وہاں پہنچا دوں۔" اس شخص نے ہوری سے کہا اور میں اس کے ساتھ چل پڑا۔ میرا درد و ضرورت سے زیادہ ہی انسانیت و

عطا راستے میں اس سے پوچھا کہ کونسا مکان کتنی دور ہے اور اس نے مجھے

دلا سہ دیا کہیں کیا ہی چاہتا ہے۔ میں نے اس سے کہا مجھے دوسرے ہی تباوے

لیکن مصمرا انسان مجھے بولنے کے حکم کے پاس ہی چھوڑ کر آیا اور باک مجھے دیکھنے لگا۔

مجھ اور لوگ ہمیں اس کے پاس بیٹھنے ہوئے تھے اور وہ ان کے لئے دو انہیں

تجوڑ کر رہا تھا۔ اس میں ہمارا گیا تھا اور اس طرح وہاں نہیں جایا جاسکتا تھا۔ کھڑی

دیر کے بعد میری باری آئی اور ہوا کے غصے کی طرف دیکھا۔

"میرے نزدیک آج آؤ۔" اس نے کہا اور میں اس کے قریب پہنچ گیا کیا بات

ہے؟" اس نے پوچھا۔

"شاید۔ شاید ہے۔ میں نے جواب دیا۔

"ہاں۔ مجھے لگاؤ گی مرضی کوئی غصہ ہو رہی ہے؟"

"صحیح۔" میں نے جواب دیا اور اس نے میری کان پھل اور پھر میری ہنسی پر

ہاتھ رکھتے ہی اس کے چہرے سے حیرت کے آثار کھین گئے۔

"اپنا چہرہ کھلو۔" اس نے کہا۔

"مہم۔ مجھے سردی۔۔۔۔"

"نام نہا۔ اس نے درمیان سے بات کاٹی۔

"مگر مجھے۔"

"تم میرا نہیں ہو۔ بالکل نہیں ہو۔ میں دعوے سے کہتا ہوں۔"

"تھک چکا۔ تب میں حواؤں؟"

"میرا کوہم رکھاؤ۔ یہ کیا ہے۔ نہیں میں تمہیں اس طرح نہیں جانے دوں

مگر تم میرے علم میں ایک لوگ انا ہوں۔"

"عجیب بات ہے میں تمہیں اور تم میری بیماری پر توجہ دینے کے بجائے اپنے

علم میں اضافہ کر رہے ہو۔"

"گوانی سے تو جان معلوم ہونے والے دوست۔ اگر تم میرا نکلے تو میں اپنا

کا احترام کرتے تھے۔ ان میں سے کسی نے تعریف نہیں کیا اور اٹھا کھڑے ہوئے۔

"آؤ میرے دوست۔" ہاؤنٹے میرا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا اور پھر وہ مجھے

کے اندر لے کر گئے۔ میں نے کہا جس عجیب و غریب برتن رکھے ہوئے تھے۔

"لے لے لے لے لے لے۔" اب اپنا ہاتھ آٹا رہا۔

"لیکن مجھے سردی لگے گی۔"

"اچھا؟" وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور پھر اس نے ایک برتن کے قریب جاکر

شعل اٹھائی اور برتن کے نیچے رکھ دی چند ساعت اسی جگہ کھڑا رہا پھر برتن کو

دیا۔ برتن سے بھاپ اٹھنے لگی اور ایسا ہی لگا جیسے کمرے میں آگ لگ گئی ہو۔

گرمی جو میری جگہ سے اب اس نے سسکا کر مجھے دیکھی اور بولا۔

"اب چادر اٹا دو۔ میری نہیں لگے گی۔"

اور میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس انسان میں کونسا یہ جو کچھ نظر آ رہا تھا

بات نہیں تھی۔ وہ تو مسلمان تھا اور اس کی سانس کا مکمل تھا کہ وہ ایک جگہ

اس آگ کی پیش میں توجہ داشت کر سکتا تھا۔ لیکن وہ خود اس کے

لگتا تھا جیسے وہ خود بھی اس پیش سے متاثر نہ ہو۔ وہ خود بھی غصے میں ہی

رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں چادر پھیل کر آگ لگ جیتا ہوں یا بھلا کون

اور گئی کے مہم میری زبان پر لگی آگ کی۔ لیکن مجھے بھی شرارت سے جی اور میں

چادر اور لیٹ لی۔

"کیا اب بھی سردی غصہ ہو رہی ہے؟" اس نے پھر مجھے دیکھتے ہوئے

پوچھا۔

"ہاں۔ سردی کم نہیں ہوئی۔" میں نے کہا۔

قریب پہنچ گیا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت کے آثار تھے۔

"کیا تم درست کہہ رہے ہو تو جان؟"

"ہاں؟"

"تب پھر میرا خیال ہے تمہیں ایک بہت ہی ایک مرض لگ ہے۔ یہی نہیں

یہ بھی ممکن نہیں ہے۔"

"وہ کونسا مرض ہے؟" میں نے پوچھا۔

"زہر مہل ہوا میں بعض اوقات انسان کے جسم کو حیات سے نکال دیتی ہے

تم جس قدر گرمی برداشت کر رہے ہو وہ عام آدمی برداشت نہیں کر سکتے لیکن گرمی میں

"وہی تہذیب خیال میں میں زندہ انسان نہیں ہوں؟"

"یہی تو نہیں کر سکتا۔"

"اوپر میرا خیال ہے میرے مرض کی دوامت سے میں موجود نہیں ہے مجھے

اس اور جانے دو۔" میں کھڑے ہو گیا۔

"اگر تم چلے گئے تو میں ساری زندگی غصہ میں مبتلا ہو جاؤں گا۔ نہیں نہیں

میں ایسے نہیں جانے دوں گا۔ تم ایسے نہیں جاسکتے۔"

"مگر میرا علاج ہے؟"

"تم بیماری نہیں ہو۔"

"جہاں ہوں میں؟" میں نے غصے سے انداز میں کہا۔ اور وہ میری خوشامدیں کرنے

اس نے جلدی سے ایک کردار وادہ بند کر دیا تھا۔

"سنو تو میں میں تمہیں روکنے والا کون ہوتا ہوں لیکن دیکھو اگر تم چلے گئے تو

میں کسی کام کا نہیں رہوں گا میں اس وقت تک سکون نہیں پاسکتا جب تک تمہارا

اس میں حلوتی نہ حاصل کروں۔ اس طرح تم دوسروں پر بھی احسان کرو گے۔"

"بس بس۔ جانے دو مجھے۔" میں نے کہا۔

"اچھا صرف چند ساعت اور صرف چند ساعت کے لئے۔" وہ بولا۔ اور

میرا گہاں اس نے جب یہ بات غصہ کر لی کہ میں نے چند ساعت کے لئے اس کی

بات مان لی ہے تو وہ دروازے کے پاس سے ہٹ گیا اور پھر اس نے بڑی ہمت سے

کہا۔ "مجھے چاہئے چند منٹ کے لئے بیٹھا ہوا آدمی اس کے نیچے سے شمع بھی ہٹا

تب اس نے آگے بڑھ کر وہ برتن بند کر دیا اور اس کے نیچے سے شمع بھی ہٹا

پھر وہ وہی ہی ساخت کے دوسرے برتن کے نزدیک پہنچ گیا اور اس نے شمع

اس کے نیچے رکھ دی چند ساعت انتظار گزارا پھر برتن کھول دیا۔

اب کیا ہو گا میں سوچ رہا تھا پھر میں نے حیرت انگیز طور پر کمرے کی فضا سو

گرتے غصہ کی۔ برتن سے ملنے والی بھاپ اٹھ رہی تھی اور کمرے میں کوئی بھی نہیں

ہاں نے دیکھا کہ وہ کوئی ایک کونے میں جا کر ابھرا جس نے ایک خال ہوئی سے کوئی

نکال کر پایا اور وہی لے کر اپنے بدن کے گرد لپیٹ لیا۔ اس نے صرف انہیں کھل دینے

دی تھیں اور پھر وہی لے کر اپنے بدن کے گرد لپیٹ لیا۔ اس نے صرف انہیں کھل دینے

کئے درخت چٹا ہو گیا تھا۔ اتنا سرد کہ انسان کی زندگی ممکن ہی نہ رہے۔ لیکن میرے لئے

اس کی یہ کوشش بھی بے صرف رہی تھی میں اطمینان سے بیٹھا رہا اور پھر اس کی دبی آواز

میرے کانوں تک پہنچی۔

"اب تمہاری کیا کیفیت ہے؟"

"نہ جانے تم کیا کہہ رہے ہو میں اب بھی اس حالت میں ہوں۔" میں نے بگڑے

ہوئے انداز میں کہا۔ اور اس کی آواز بند ہو گئی چند ساعت میں ہر اسما نہاٹے بیٹھا رہا

پھر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"اب تو عاؤں تمہارے پاس میرا کوئی علاج نہیں ہے۔ میں نے کہا اور وہ بولا

کھڑا ہو گیا۔ اس بار اس نے مجھے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ یوں لگا تھا جیسے

سکتا ہو گیا ہو میں دروازہ کھول کر باہر نکل آیا اور پھر تیز تر قدموں سے چلا ہوا

وہاں سے دور نکل آیا پھر میری دیر کے بعد میں اس راستے پر چل پڑا جہرے آیا

تھا اور پھر میں جھیل کے پاس پہنچ گیا جہاں تو میرا منتظر تھا وہ ایک درخت پر چڑھا

ہوا تھا۔ مجھے دیکھ کر درخت سے اتر آیا۔

"خیر۔ یہاں کیا کر رہے تھے؟" میں نے پوچھا۔

"اوپر۔ یہ بات مجھے معلوم نہیں تھی۔ اگر لوگ یہاں نہ نکل آتے ہیں؟"

"اوپر۔ کون؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔ ایک عجیب کامیاب آدمی۔ جسے تمنا میں کی تلاش تھی۔"

"بہت خوب پھر کیا ہوا؟"

"بس وہ یہاں رہ گیا۔ ریل ملتا رہے اور جھیل میں نہا کر وہاں چلے گئے۔"

"خوب۔ تو تمنا وقت بھی رہا نہیں گرا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور فورا

ہنسنے لگا۔ اس کی نگاہیں مجھے ٹول رہی تھیں اور اس سے باز نہ رہا کیا تو بول پڑا۔

"تم سناؤ کچھ پوچھا؟"

سب بگ بگ جست کے شور سے کتابی شکل میں دستیاب ہیں

انکا

دو صفحے مکمل قیمت: ۵۰ روپے فی صفحہ

۲۳ روپے

اقبال

دو صفحے مکمل قیمت: ۲۰ روپے فی صفحہ

۲۳ روپے

غلام احمد

قیمت: ۳۰ روپے

۲۳ روپے

کتابیات پبلی کیشنز، پوسٹ بکس ۲۳۱ - کراچی

”یہ اندازہ تم نے کس طرح لگایا ہے؟“
”تمہارے بچے سے پتہ چلتا ہے کہ تم اُسے پسند نہیں کرتے۔ میں نے کہا۔“

”ہاں۔ بے شمار لوگ اُسے پسند نہیں کرتے۔“
”کیوں؟“
”میں کہانی ہے، تمہیں اس سے کیا دلچسپی ہے؟“
”تم میرے سوالات کے جواب دینے کا وعدہ کر چکے ہو۔“
”ٹھیک ہے۔ دراصل ہمارا فوٹو شاید انہیں ہے۔ فوٹو وہ تھا جو سازشوں کا شکار ہو گیا۔“ ہاکو نے بے بسی اُداسی بھی۔

”کیا مطلب ہے؟ میں نے پوچھا۔“
”ہمارے زخموں کو تازہ نہ کرو دوست! ہم نے بڑی مشکل سے صبر کیا ہے۔“

”میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ تمہاری معلومات میں بیش بہا اضافہ کروں گا اس لئے یہ کڑے ٹھوٹ ایک بار پھر لیو۔“
”لیکن تمہیں اس سے کیا فائدہ ہوگا؟“
”ممکن ہے جو یہی جائے۔ یا پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمہیں ہی فائدہ ہو جائے۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔“

”تمہاری کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آرہی۔“
”میری باتیں سمجھنے کی کوشش کے بجائے پہلے اپنی کہانی پوری کرو۔ اس کے بعد ایک ایک بات تمہیں سمجھا دوں گا۔“

”کہانی تو زیادہ طویل نہیں ہے۔ نہ جانے کہاں سے آنے والے ہمارے درمیان منافرت پھیل رہی ہے۔ فوٹو کے سادہ لوح یہ بات نہیں سمجھ رہے۔ لیکن نہ فرور بھیجیں گے اس وقت جب کچھ بھی ان کے ہاتھ میں نہیں رہے گا۔“

”تمہارے سردار کے ساتھ انہوں نے کیا سلوک کیا ہے؟ میں نے پوچھا۔“
”کیا بتاؤں۔ مجھے تو اس کی لاش بھی نہیں دیکھنے دی گئی ورنہ میرے بتا سکتا تھا کہ اُسے نہرو دیا گیا ہے۔ ورنہ فوٹو اُسے کوئی بیاری ہی تھی۔“
”اوہ تمہارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اُسے نہرو دے کر مار دیا گیا؟“
”ہاں۔ میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں۔“

”اس کی لاش کا کیا کیا؟“
”سمندر میں بہا دی گئی۔“
”کیا کسی کو اس کی موت پر شبہ نہیں ہوا؟“
”اندھے ہو گئے ہیں سب کے سب کچھ نہیں سمجھ رہے۔ اس وقت سمجھیں گے جب ان کے ہاتھوں میں کچھ بھی نہیں رہے گا۔“

”آنے والے کون ہیں؟“
”ان کے بارے میں کوئی کچھ نہیں جانتا۔“
”کیا ان کی جڑیں بہت مضبوط ہیں؟“

”فوجا جب تک زندہ تھا ان کی دال نہیں گل رہی تھی۔ لیکن اس کی موت کے بعد انہیں رکنے والا کون ہے۔ کیا شبلا۔ جو ان کا چھوٹا بھائی تھا۔ وہ اہل سردار۔ جو اپنی مرضی سے کچھ نہیں کر سکتا اور جس کے شیر خوار رنگ کے زرد رویں۔“

”اوہ تو اس نے انہیں اپنا مشیر مقرر کیا ہے؟“
”اس نے کیا کیا ہے؟ اُسے سردار بنانے والے ہی وہ لوگ ہیں۔ ورنہ کیا وہ اہل کچھ اجی سرداری کے لئے رہ گیا تھا۔“

”لیکن کیا فوٹو کے حامیوں نے یہ سوال نہیں اٹھایا کہ آؤ ہم کس طرح لگاؤ؟“
”ان میں زبردست جتنیں پھیلی ہوئی ہے۔ لیکن فوٹو ادوں کو بھی پوری کوشش اس بات میں صرف ہو رہی ہے کہ وہ بھی ان کے مطیع ہو جائیں۔ پھر۔ ان کی سربراہی کون کرے۔ ظاہر ہے یہ ایک طرح کی بغاوت ہوگی اور بغاوت کے لئے بہت کچھ درکار ہوتا ہے۔“

”تو پھر کیا یہ آواز بگڑ گئی؟“
”جے گی نہیں۔ لیکن۔“
”لیکن کیا ہے؟“

”میں میرے دوست اس سے زیادہ میں کچھ نہیں بتا سکتا۔“ ہاکو مضطرب لگا۔

”اسے کیوں؟“
”بس اس بارے میں مجھے کچھ اور معلوم نہیں ہے۔“ ہاکو نے صراحت کی۔
”میں بولا۔ اودیش نے طویل سانس لے کر فوٹو کی طرف دیکھا۔“

”ٹھیک ہے۔ اب باقی باتیں تم خود پوچھو۔“ اور فوٹو نے آہستہ سے اپنے سر سے چادر اتار دی۔

”ہاکو نے دلچسپ لگا ہوں سے اسے دیکھا لیکن پھر دوسرے لمحے اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی رہ گئیں۔ منہ کھلا لیکن اس سے کوئی آواز نہ نکل سکی۔ پھر وہ اٹھا اور پاگلوں کی طرح فوٹو کے پیروں میں گر پڑا۔“

”میرے مالک! میرے آقا۔ کیا میری آنکھیں مجھے دھوکا دے رہی ہیں؟“
”نہیں ہاکو۔ میرے محترم بزرگ۔ اٹھو۔ مجھے شرمندہ نہ کرو۔ میں تمہارا احترام کرتا ہوں۔ تم میرے بزرگ ہو۔“ فوٹو بولا۔

”مجھے یقین دلادو میرے مالک! ہاکو رکتے ہوئے بولا۔“
”میں زندہ ہوں ہاکو۔“
”آہ۔ آہ۔ میرا دل حیرت سے خوشی سے پھٹا جا رہا ہے۔“

”خود کو سنبھالو ہاکو۔“
”میرے مالک۔ میرے آقا! کیا تو واقعی زندہ ہے؟“
”ہاں ہاں۔ میں زندہ ہوں۔“

”آہ! ابھی اُداسی میرے لئے جوتوں کے بہاؤ لے کر آیا ہے لیکن ان میں ستریں بھی شامل ہیں۔ میری خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔“

”میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا ہاکو! میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔“
”اب تو کوئی بھی ہے۔ مجھے اس سے غرض نہیں ہے۔ میں تو بس اتنا جانتا ہوں کہ تو میرے لئے نہیں بلکہ اس پورے علاقے کے لئے خوشیوں کا بیٹا میر بن کر آیا ہے۔“

”ہمارے لئے تو راک کا بندوبست کر دو ہاکو! ہم بھوکے ہیں۔“
”ابھی میرے مالک! ہاکو حلدی سے کھڑا ہو گیا۔“
”اور سنو! فوٹو نے اسے لپکھا۔“

”مالک ہے؟“
”میری آمد کو بھی پوشیدہ رکھو کسی کو میرے بارے میں اطلاع مت دینا۔ یہاں تک کہ اپنے گھر کے لوگوں کو بھی۔“

”ایسا ہی ہوگا مالک! ہاکو نے کہا اور باہر نکل گیا۔ جب فوٹو نے مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھا۔“
”میں نے غلط تو نہیں کہا تھا؟“

”کیا ہے؟“
”ہاکو مراد فوٹو ہے۔“ فوٹو بولا۔
”ہاں۔ اس کے انداز سے پتہ چلتا ہے۔“

”اس نے ٹھیک کہا۔ یہاں میرے حامیوں کی تعداد اب بھی کم نہیں ہے لیکن وہ کسی قیادت سے محروم ہیں۔“
”ان کی قیادت ہم کس کے؟ میں نے کہا۔“

”تم۔ تمہارے بارے میں میں اب اور کیا کہوں؟ فوٹو پھر پھر لگا ہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔“
”کیوں۔ کیا کوئی غلطی ہو گئی مجھ سے؟“

”ایسی باتیں مت کرو سوتلا۔ میں مرتے وقت تک تمہارے احسانات نہیں بھولوں گا۔ تم مجھے عظیم انسان ہو۔ تمہاری ذہانت اپنی مثال آپ ہے۔ تم نے جس چالابی سے ہاکو سے سوالات کئے اور اس کے خیالات معلوم کئے، میں عش عش کر رہا تھا۔“

”ابھی تو بہت کچھ کرنا ہے۔ میں نے کہا۔“
”میں بھی کچھ کرنا چاہتا ہوں۔“ فوٹو بولا۔

”کیا ہے؟“
”ایک پیش گوئی۔“
”کرو۔“

”اگر تمہارے ساتھ ہے تو ایک دن میری حکومت مجھے واپس مل جائے گی۔“

”اوہ! میرے دوست! میں تمہارے ساتھ آیا ہی اسی لئے ہوں کہ تمہاری حکومت واپس دلانے میں تمہاری مدد کروں۔“
”تب کا میانی میرے ساتھ ہے۔“ فوٹو نے کہا۔
”ہاکو نے ایک مخصوص جگہ اکرا بات ختم کر دی تھی۔ میں نے کہا۔“

”ہاں۔ مجھے یاد ہے۔“

”اُس سے اس بارے میں پوچھنا۔“

”ہاں۔ ابھی تو بہت سی باتیں کرنا ہیں اس سے۔“

”یقیناً۔ میں نے کہا اور پھر ہم دونوں خاموش ہو گئے۔ ہاکو واپس آ گیا تھا۔“

”چند ساعت انتظار کریں مالک! سب کچھ ارہا ہے۔“ وہ بولا۔
”ٹھیک ہے۔ میرے محرم بزرگ۔“ بیٹھ جلا۔ میرا خیال ہے اب تمہیں اس بارے میں بتانے سے عائد ہوگا کہ فوٹو کے حامی کیا کر رہے ہیں۔“

”جتنے کو تو بہت کچھ ہے مالک۔ آپ کھانا کھائیں۔ میں نے آپ کے آرام کا بندوبست کرنے کی ہدایت بھی کر دی ہے۔ آپ بے فکر رہیں کسی کو آپ کے بارے میں اطلاع میں مل سکے گی۔“

”ٹھیک ہے ہاکو۔ میں تمہاری اس محبت کو ہمیشہ یاد رکھوں گا۔“
”میں تو تیرے قدموں کی خاک ہوں آقا۔ میری کھال اور خون بھی تیرے کام آجائے تو میری خوش نصیبی ہوگی۔“ ہاکو عقیدت سے بولا۔

”پھر کھانا لیا۔“ ہاکو نے باہر سے ہی لے لیا۔ بہت عمدہ کھانا تھا۔ گوشت، پنیر اور اسی ہی دوسری چیزیں۔ خوب کھائیں اور پھر ہاکو سے باتیں ہونے لگیں۔

”آپ کے حامیوں نے لاکھوں بہاؤوں کو اپنا مسکن بنالیا ہے وہاں سے وہ زرد روٹاں سائوں پر لگا رکھے ہیں اور پھر پھر بھی جمع کر رہے ہیں تاکہ آپ کا انتقام بھی اس اور اس سرزمین کو لے والوں سے پاک کر سکیں۔“

”خوب۔ ان کا سربراہ کون ہے؟“
”کوئی ایک انسان نہیں ہے، ایک مشترکہ گروہ ہے جس میں لاتوں خوش فزرا اور باز پر شامل ہیں۔“

”اوہ! میرے تینوں وفادار۔“ فوٹو بولا۔
”بے شمار وفاداریں تیرے فوٹو۔ اور تیری زندگی سے انہیں نئی زندگی مل جائے گی۔“

”کیا تمہاری ان سے ملاقات ہوتی ہے ہاکو؟ فوٹو نے پوچھا۔“
”تیرا غلام بھی ان میں شریک ہے۔ اور جب چاند کی تاریکیاں ملتی ہیں تو وہ میرے ساتھ سب کچھ کر رہا ہے۔“

”ایک بات بتاؤ ہاکو؟ اس بارے میں نے کہا۔“
”پوچھو۔ اُنکے انسان؟ ہاکو نے پوری توجہ سے کہا۔“
”فوٹو کی موت کو کتنا عرصہ گزرا؟ میرا مطلب ہے جب اسے سمندر میں بہایا گیا؟“

”اوہ! یہ بات تو آٹھ ماہ پہلے ہوئی۔“
”میں معلوم۔ تم بتاؤ۔“
”تین چاند ڈوب گئے ہیں۔“

”اُسے؟ میں چونک پڑا۔“
”کیوں؟ فوٹو نے مجھے دیکھا۔“

کیا اس دوران تینیں سمندر میں ہوش کیا تھا؟
 نہیں۔ میں نے پہلی بار انھیں کھول کر تینیں دیکھا تھا۔
 پھر تم اتنے دن زندہ کیسے رہے؟
 ایں۔ ہاں۔ میرے بدن میں غذا پہنچی تھی اور۔۔۔ دائمی کیا یہ حیرت
 انگیز بات نہیں ہے؟
 کیا غلام کو صورت حال سے آگاہ کیا جاسکتا ہے، لیکن کبھی کیسوں
 کے صل میں بڑے سکے؟ ہاں۔ تو وہ اب انداز میں کہا۔
 اوروہ ہاں۔ میری زندگی میرے دوست سبوتا کی رہی تھی، انہوں
 نے مجھے سمندر سے نکالا تھا۔ قہار نے مختصر تفصیل بتائی، اور ہاں سوچ میں
 ڈوب گیا، پھر بولا۔
 کیا غلام کو اس سلسلہ میں ایک تجربہ کرنے کی اجازت مل جائے گی؟
 ہاں۔ ضرور۔ قہار نے کہا۔
 میرے دوست کی آواز کو میری آواز ہی سمجھا جائے۔ قہار نے ہاں
 سے کہا۔
 سر کھول پر ہاں۔ ہاں۔ اور پھر وہ تھوڑی دیر کے لئے اجازت لے
 کر چلا گیا۔
 خوب ہے یہ شخص، میں اس سے متاثر ہوا ہوں، یہ اپنے فن میں ماہر
 ہے، میں نے اس کا کارخانہ دیکھا ہے۔
 ہاں۔ ہاں۔ ہاں۔ درویش صفت ہے، عبادت کرتا ہے اور لوگوں کی
 خدمت کرتا ہے، یہ ایک پراسرار شخص ہے۔
 ہاں۔ ہاں۔ اس کے ہاتھوں میں کافی سامان تھا، چڑھے کی ٹکیاں
 بوتلیں اور۔۔۔ جانے کیا کیا۔
 لیٹ جاؤ ہاں۔ وہ بولا، اور فرمانے اس کے کھنے پر عمل کیا۔ تب
 ہاں۔ ایک مہلوں کوئی ناک پر لگایا اور آہستہ آہستہ قہار کی آنکھیں بند ہو
 گئیں، شاید وہ بے ہوش ہو گیا تھا، تب ہاں نے چڑھے کی ایک ٹکیا اس کی
 ناک میں اتاری۔ دوسری اس کے حق میں، ٹکیوں کے دوسرے سرے اس
 نے بوتلوں میں ڈال دیئے تھے، ٹکیوں کا رنگ بدلنے لگا تھا، اور شقائق
 بوتلوں میں رنگ بدل رہی تھیں۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ اس عمل سے نادم ہو
 گیا، اس نے نکلیاں نکال لیں اور پھر بوتلوں کے مہلوں کا مختلف طریقوں سے
 تجربہ کرنے لگا۔ پھر اس نے کوئی اور چیز قہار کی ناک سے لگائی اور قہار ہوش
 میں آگیا۔ وہ حیران لگا ہوں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا، اور پھر وہ پھر
 سے بولا۔
 کیا مجھے کچھ ہو گیا تھا سبوتا؟
 کیوں، کیا محسوس کر رہے ہو؟
 میں عجیب سا، اس کے علاوہ مجھے اپنا دل و دماغ کافی ہلکا محسوس
 ہو رہا ہے۔
 میں نے زہر کے آخری اثرات بھی آپ کے مدد سے کھینچ لئے آنا۔

ہاں۔ تم نے دیکھا ہاں۔ جیسا مدبر میرا غلام ہے، لیکن میں۔ میں تمہارا
 غلام ہوں سبوتا، تمہارے ساتھ میری خوش بختی وابستہ ہے۔
 ہوں۔ میں اس کے الفاظ سے متاثر ہو گیا، پھر میں نے کہا۔ ابھی
 ہندو مذہم ہمیں رہیں گے، حالات کا جائزہ لیجئے، پھر دوسرے چاند کی رات
 کو اس کے ساتھ لاکھا کی ہاڑیوں میں جائیں گے اور باقی فرج میں شامل
 ہو جائیں گے، لیکن تم قہار کی حیثیت سے ان میں نہیں جاؤ گے بلکہ قہار کے
 ایک دغا دار کی حیثیت سے ان فوجوں میں شامل رہو گے، اس طرح فوجوں
 کی لڑائی اور ان کی عمدہ تربیت بھی کی جاسکتی ہے، کیونکہ ہر حال میں فوجی
 اور دانی تو کرنا ہی ہوگی۔
 ہاں۔ ٹھیک ہے۔ قہار خوش ہو کر بولا۔
 اور اب سبوتا کو تو سردار بن ہی گیا ہے؟
 ہاں۔ یقیناً۔ لیکن۔۔۔
 ہاں۔ کوہ۔
 یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ میں دوسری حیثیت سے ان
 میں رہوں۔
 فوجوں میں؟
 ہاں۔
 کیوں، اس میں دیکھنے کی کیا بات ہے؟
 کیا میرے لوگ مجھے پہچان بھی نہیں سکتے؟
 صورت بدل لی جائے گی۔
 کس طرح؟
 تم خوب دائرہ میڑھا لو، بال بھی لے کر، وہاں پہنچنے کا طریقہ بھی
 دل ڈالو، اس کے علاوہ میں تمہیں آواز بدلنے کے کچھ بھی بتا دوں گا، اور
 پھر اس کو اندازہ نہیں ہے کہ تم زندہ ہو، اس لئے لوگ اس بات پر غور بھی
 نہیں کریں گے۔
 تم بھی میرے ساتھ رہو گے؟
 ہاں۔ میں تمہارے ساتھ رہوں گا۔
 تب ٹھیک ہے۔ قہار نے خوش ہو کر کہا، پھر بولا۔ لیکن ایک
 بات اور۔۔۔
 ہاں۔ ہاں، وہ بھی کوہ۔
 ہم ان فوجوں میں شامل کس طرح ہوں گے؟
 کیوں، یہ کوئی مشکل کام ہے، کیا ہاں ہمارے مدد نہیں کرے گا؟
 اوروہ ہاں۔ کتنی سیدھی سی بات ہے۔ قہار نے شرمندگی سے کہا۔
 اور پھر وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔
 نیند مجھے نہیں آ رہی تھی، میرا ذہن بھی انہیں خیالات میں ڈوبا
 ہوا تھا اور میں محسوس کر رہا تھا کہ قہار مجھے جاگ رہا ہے، غلام ہے اس کی
 اندر میں تو لڑائی ہی چاہتے تھیں۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے اسے مخاطب کیا۔

قہار۔
 اے، تم جاگ رہے ہو سبوتا؟
 ہاں۔
 مجھے بھی سبوتا نہیں آ رہی؟
 میں محسوس کر رہا ہوں۔
 لیکن تم کیوں نہیں سوئے؟
 بس ان حالات پر غور کر رہا ہوں۔
 میں بھی۔
 کیا سوچ رہے ہو تم؟
 تم سے جھوٹ نہیں بولی رہا، رات ہوتی ہے تو عورت کا تصور ذہن
 میں ابھرتا ہے، میری پانچ بیویاں ہیں، سب کی سب مجھے چاہتی تھیں، اور
 میں۔ میں غلام کو۔
 اوروہ۔
 اور اب بھی میں تمہی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔
 کیا سوچ رہے تھے؟
 یہی کہ غلام کی محنت غدار میں کس طرح بھلی گئی، یہ تو ظاہر ہو گیا
 کہ مجھے زہر سی نے دیا تھا، لیکن کیوں؟ وہ تو مجھے بہت چاہتی تھی۔
 ابھی اس بارے میں فیصلہ نہ کر سکا۔
 کیوں، کیا مطلب؟
 تم جانتے ہو تمہارے مقابلے میں زہر دو لوگوں کی ذہانت کا کام کر
 رہا ہے۔
 ہاں۔
 ممکن ہے غلام کو بھی یہ بات معلوم نہ ہو کہ شراب میں زہر ہے۔
 میں نے کہا اور قہار اٹھ کر بیٹھا، اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات نظر
 آنے لگے تھے، وہ بھی کچھ آنکھوں سے مجھے دیکھ رہا تھا، پھر وہ آہستہ سے
 بڑبڑایا۔
 ہاں۔ یہ ممکن ہے۔
 غلام سے ملنے کے بعد ہی یہ فیصلہ ہو سکتا ہے؟
 ٹھیک کہتے ہو۔
 چنانچہ اس وقت تک کے لئے یہ بات ذہن سے نکال دو۔
 میں اسے بہت چاہتا ہوں سبوتا۔
 یقیناً چاہتے ہو گے۔
 ایک بات بتاؤ سبوتا، کیا تم نے کبھی محبت نہیں کی، کیا تمہاری ایک
 بھی بیوی نہیں ہے، کیا تمہیں عورتوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے؟
 کیوں، یہ اندازہ تم نے کس طرح لگایا؟
 تم نے کبھی ایک عورت کا ذکر نہیں کیا۔
 کس کس کا ذکر کروں؟ میں نے آہستہ سے کہا۔

”کیا مطلب، کیا تمہاری بہت سی بیویاں ہیں؟“
 ”ہی نہیں، تمہیں؟ میں نے جواب دیا۔“
 ”ادھر کہاں پہنچاؤ؟ کیوں چھوڑ دیا تمہیں؟“
 ”بس وہ خود ہی مجھے چھوڑ گئی تھی۔“
 ”آخر کیوں، تم تو جتنا انگیز انسان ہو، اس قدر خوبصورت ہو کہ“
 ”کوئی عورت تمہیں نظر انداز نہیں کر سکتی۔“
 ”بس عام طور سے میری بیویاں مر جاتی ہیں، مجھے بیویوں کی یاد
 مت دلاؤ ورنہ میری نیند خراب ہو جائے گی، اب سو جاؤ۔“
 ”ٹھیک ہے، جیسی تمہاری مرضی؟ اس نے جواب دیا اور پھر دھڑکنے
 کی کوشش کرنے لگا۔ فوجی اپنی اس کوشش میں کہاں کہاں کامیاب ہوا اس
 بارے میں مجھے تو معلوم نہیں۔ ہاں میں آرام کی نیند سو گیا تھا اور اس وقت
 تک اس کا جواب تک سوچ نہیں نکلا تھا۔ آنکھ کھلی تو وہ میرے نزدیک
 موجود نہیں تھا۔ کافی دیر کے بعد وہ اسی آیا اور مجھے دیکھ کر مسکراتے لگا۔
 ”کہاں چلے گئے تھے؟“ میں نے پوچھا۔
 ”عبادت کرنے، آج طویل عرصہ کے بعد زندگی کا احساس ہوا ہے۔“
 ”کیا مطلب؟“
 ”عبادت نہ کرو تو روح بیابان رہتی ہے۔“
 ”تم عبادت کرنے کہاں گئے تھے؟“
 ”انسوس۔ میں دوسروں کی مانند کھلے میدان میں تو نہ جاسکا، لیکن
 مکان کی گھیت سے سوچ بڑھانے کے طور پر گھونے کا منظر صاف نظر آتا ہے۔“
 ”ہاں تو تمہارے ساتھ تھا؟“
 ”ہاں اس نے بھی میرے ساتھ ہی عبادت کی تھی۔“
 ”اب وہ کہاں گیا؟“
 ”اپنی ٹھکانی میں ہمارے لئے ناشتہ تیار کر رہا ہے، اس بارے
 میں وہ دوسروں پر بھروسہ نہیں کرے گا۔ فوج نے جواب دیا اور پھر پھوڑی
 دیکے بعد ہاں کو بابت خود ہمارے لئے ناشتہ کر آگیا۔ اس نے مسکرا کر
 مجھے بوسہ بڑھایا تھا۔
 ”تمہارے لئے میرے ذہن میں ہزار سوالات چل رہے ہیں، لیکن
 میری تو یہ اب ایک ایسے کام کی طرف مبذول ہو گئی ہے کہ دوسرے سالے
 لہو کے بارے میں میں نے سوچنا چھوڑ دیا ہے، وہ کہنے لگا۔
 ”ٹھیک ہے ہاں، میں تمہاری داناائی سے بہت متاثر ہوں، پہلے
 ہم ان کاموں سے منہ پھریں، پھر تم سے تمہارے علم و حکمت کے بارے
 میں معلومات حاصل کریں گا۔“
 ”بہر و چشم؟“ ہاں نے غصے سے جواب دیا۔
 ”اس وقت کا کبھی ہمارے ساتھ ناشتے میں شریک تھا، ناشتے کے
 دوران میں اس سے پوچھیں، تم نے اپنے گھر والوں کو ہمارے بارے میں
 کیا بتایا ہے؟“

”یہی میرے کچھ دوست مہمان خانے میں قیام پذیر ہیں، اور میں
 انہیں دوسروں سے روزگاہ میں کرنا چاہتا ہوں، میں نے ہدایت کر دی
 ہے کہ کوئی مہمان خانے کی طرف نہ آئے؟“ ہاں نے جواب دیا۔
 ”اے، ٹھیک ہے؟“ فوجی بولا۔
 ”لیکن اب کیا کرنا ہے؟“ ہاں نے جواب دیا۔
 ”جائے؟“
 ”فوجی ہاں، لیکن میرا خیال ہے میرے اوپر تو یہاں کوئی پابندی نہیں
 ہے۔“ میں نے کہا۔
 ”پابندی تو آفاقی رہی نہیں ہے، بس صرف اتنا احساس ہے کہ میں
 انہیں لوگوں کی نگاہوں میں نہیں آنا چاہتا۔“
 ”ہاں۔ یہ مناسب نہ ہوگا؟“ فوجی بولا۔
 ”مکان کے لوگ تیرے بہت عقیدت مند ہیں فوجی، انہوں نے تیرے
 تراش کر شاہراہ پر لگا رکھا ہے، مگر زمانہ اس کی زیارت کر لیں۔ سکاٹی کی عورت
 تیرے لئے عرصے تک یہی کرتی رہی تھی، بے شک۔“ فوجی نے پوچھا۔
 ”ایک اشارے پر جان قربان کرنے کے لئے تیار ہو جائے گا، لیکن جیسا کہ تم
 خیال ہے کہ کوئی دوسروں کی نگاہوں میں نہ آئے، اس لحاظ سے تیرا کسی
 کے سامنے نہ آنا بہتر ہے۔ دینی انتہی سہولت کی بات تو شاید اسے اس بستی میں
 کوئی بھی نہیں جانتا اور اگر لوگ اسے میرے مہمان کی حیثیت سے جان لیں
 میں تو میں لوگوں کو اس کے بارے میں کوئی گمانی تا دوں گا۔“
 ”ٹھیک ہے، ہمارا ارادہ یہ ہے کہ اگر ابھی عرصہ دلاؤ تک فوجی
 زندگی کا اعلان نہ کرے اور یہاں رہ کر اپنے چہرے میں تبدیلیاں پیدا کر
 پھر جب اس کی صورت اس حد تک بدل جائے کہ دوسرے لوگ اسے پہچان
 لیں تو وہ تیرے ساتھ لاکھا کی پہاڑیوں میں جائے، وہاں جہاں اس کے
 حامیوں اور شاہراہ کے بھینوں کا سکھ ہے تو تیرے ایار پر وہ لوگ ہم دونوں
 کو خود میں شامل کر لیں، یوں فوجی اپنے لئے اسے والوں کو خود ہی تربیت دے گا
 اور ان میں پڑشیدہ ہے گا۔ پھر جب وہ کاری ضرب لگائے کے قابل ہو
 جائے گا تو کھل کر سامنے آجائے گا۔ میں نے کہا اور ہاں کو تعریفی نگاہوں
 سے دیکھنے لگا۔
 ”بیشک تو جتنا اچھا ہے تیرا تہہ میری اس سے مختلف نہیں ہے۔“
 ”لیکن اس دوران ہم تیرے مہمان رہیں گے؟“
 ”آپنی خدمت سے بڑھ کر میری زندگی کا مقصد اور کیا ہو سکتا ہے۔“
 ”بس یہی ہمارا ارادہ ہے۔“
 ”نہایت مناسب ہے۔“
 ”سویرا ہنر ہے، ہونگی، اور کسی عمدہ بات ہی کہ سکاٹی بستی میں
 اوپر کوئی پابندی نہیں تھی، چنانچہ جب ایک پہر چڑھ گیا تو میں نے فوجی
 معذرت کی اور آوارہ گردی کے لئے باہر نکل آیا۔
 ”رخ میرا جیل کی جانب تھا اور خیال تھا ذہن میں کہ ممکن ہے میں

کے شفاف پانی میں وہی سفید پھل تیری ہو، راستہ مجھے معلوم تھا، سو میں
 چلتا رہا۔ ویسے بھی وہ جگہ سرسبز تھی اور وہاں کا ماحول بے حد پرکشش
 بشرطیکہ پانی میں لباس سے بے نیاز چمکا اور سڈول بدن اٹھکیاں کر رہا ہو۔
 گذر رہا تھا میں ایک درخت کے نیچے سے کہ ناگاہ ایک بار گراں
 میرے شانے سے ٹکرایا اور میں چونک کر رہا۔
 ”فرنی تھو تھا جو پڑا ہوا اگرا شہ نے پر کسی دوسرے انسان کے تو
 گیا تھا زندگی سے، لیکن چائیں بھی کچھ نہ بگاڑ سکتی تھیں میرا۔ ہاں ناکام
 رہا تھا وہ جس نے سوچا کچھ اور ہوگا۔“
 ”سو اچھی گئی میری نگاہ درخت کی جانب اور دیکھا میں نے اسی
 دربار کو کہ جس سے ملاقات ہوئی تھی جیل پر اور حیران مٹی وہ اپنی ناکامی
 پر کہ خیال تھا اس کا کہ اس فرنی بوجھ سے جانیر نہ ہو سکوں گا میں۔ سو
 پہل گئی سکاٹ میرے ہونٹوں پر اور دیکھ گیا کہ منہ سے کل کا اس کے
 سینے میں، تب میں پہنچ گیا درخت کے نیچے اور دیکھا اس کی جانب۔
 ”بس اب نیچے آؤ۔“ میں نے کہا لیکن وہ حیران لگا ہوں سے مجھے
 گھورتی رہی، شاید یہ غلبہ تھا حیرت کا۔ لیکن پھر نفرت خود کو رکھی اور اس
 نے پہلی بار ہاتھ پھر لیے میں کہا۔
 ”بڑی سخت جان ہے تو۔“
 ”اسی لئے میرا مشورہ ہے کہ درخت سے نیچے آؤ، یا پھر میں ہی
 درخت پر آجائے ہوں۔“
 ”میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گی؟“
 ”تو اس کا اعلان کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ میں نے ڈھٹائی سے
 کہا اور وہ خوشخوار لگا ہوں سے مجھے گھورتی رہی۔
 ”میں تمہارے نیچے آئے گا منظر ہوں۔“ میں نے پھر کہا۔ اور دیکھ
 اوجھار رہا تھا تمہاری تلاش میں جیل کی طرف۔
 ”تو سہ کوئی اور کہاں سے نازل ہوا ہے اس بستی میں کیا تجھے
 احساس نہیں ہے کہ بستی کے لوگ تیری اس غلط روش کو پسند نہ کریں گے
 سزا تو تجھے میں ہی دے دیں کہ نام شانہ ہے، اور جانتے ہیں بستی
 والے کہ جس نے آنکھ اٹھائی میری طرف سودھو بیٹھا زندگی سے ہاتھ۔
 لیکن تو فوجی عرب سے بھی واقف معلوم ہوتا ہے اور میں حیران ہوں
 کہ فرنی چکر کی چوٹ بھی تو نے آسانی سے برداشت کر لی، لیکن یہ نہ سمجھ
 کہ شانہ تجھے زندہ چھوڑ دے گی، تو نے وہ کیا ہے جس کی جرأت کبھی کسی
 کو نہ ہوئی؟“
 ”میں اپنا تصور جانا چاہتا ہوں۔“
 ”جب تو نے دیکھ لیا تھا کہ میں جیل میں ہوں تو تو نے پانی میں
 آنے کی جرأت کیسے کی؟“ وہ بولی۔
 ”میں نے نہیں جانتا تھا کہ پانی میں تو سہے، میں تو سمجھا تھا کہ کوئی

میں پری تنہا دیکھ کر پانی میں آگ لگانے آگئی ہے، سو میں اسے قریب
 سے دیکھنے کے پانی میں آگیا تھا۔“
 ”ہرگز نہیں۔ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو اپنے حسی کی
 تعریف سن کر مردوں کے قریب میں آجاتی ہیں، بیویاں بن جاتی ہیں ان کی،
 اور پیٹ بھلا لیتی ہیں اپنا۔ پھر نیچے پیدا کرنے کے علاوہ ان کا کوئی اور حرف
 نہیں ہوتا۔ میں اپنے پیٹ کو کسی طور پر اپنا پسند نہیں کر دوں گی۔“
 ”خوب، لیکن درخت سے نیچے تو آؤ۔“
 ”تیرے کہنے سے تمہیں آڑوں گی، بس تو چلا جا یہاں سے۔ اور
 یاد رکھ زندگی جانتا ہے اپنی لڑکائی سے چلا جائے، درخت میں تجھے زندہ نہیں
 چھوڑوں گی۔ آج تو پھر کے وار سے بچ گیا ہے، لیکن کل میں تیرے ساتھ
 کوئی اور بڑا سلوک کر دوں گی۔“
 ”میں تیرے ہر سلوک کا منتظر ہوں گا۔“
 ”کیوں آخر کیوں؟“
 ”اس لئے کہ تو مجھے اچھی لگتی ہے۔“
 ”مزارہ۔ میں کبھی تیرے قریب میں نہ آؤں گی، میں کبھی ہوں بس
 اب چلا جا یہاں سے۔“
 ”شانہ بتا تھا تو نے اپنا نام؟“
 ”ہاں وہ وہ۔“
 ”تو نیچے آؤ۔“ تو آنا وہ ہے جس طرح چاہے مجھے ہلاک کر دے
 لیکن یہ تو سوچ کر میں بھی تو ہزار ہوں کہ جو چاہوں حاصل کروں اور تو
 یقین کر کہ جیل پر میں تیری ہی تلاش میں جا رہا تھا۔“
 ”میں نے دیکھا کہ اس کی آنکھیں شدت فیض سے سرخ ہو گئیں۔ اس
 نے چادر ہٹ دیکھا اور پھر درخت کی ایک دوسری شاخ پر چڑھ گئی۔
 اس لئے کہ میں نہ پہنچ سکوں اس تک۔“

جاسوسی ڈائجسٹ کا مقبول ترین سلسلہ

حمرانہ

آٹھ حصوں میں - قیمت فی حصہ ۵۰ روپے

ایک ایسے نوجوان کی داستان جو حالات کے بغیر نہیں کر جہاں کی دنیا میں گرفتار ہو گیا۔

جس کا توقیر کا منفرد انداز بیان

کتابیات کی پیشکش پر سٹکس ۲۳ کراچی

درخت پر چڑھنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ میں درخت کے نزدیک پہنچ گیا اور اس کے تنے کی چوڑائی اتنی نہ تھی کہ میرے ہاتھوں کی گرفت میں نہ آسکتی۔

دو بار بھی ہوگی وہ مجھ سے اس وقت اور بھر نہ جانے کیا سوچا ہر گاس نے دوسرے سے جب درخت کی چوڑائی جگہ چڑھ رہی تھی اور وہ دوسرے کو کام سے لے کر نہیں تھا اور کمری ہوں گے ایسے عاشق جن کی بھرپور رخت پر بیٹھی ہوا وہ درخت سمیت لے جانے لے گا۔ میں پر جو وہاں سے زیادہ دور نہیں تھی۔

لیکن خود اس کی کیا حالت تھی میں اس وقت تو نہ دیکھ سکا البتہ ایک کھل جگہ جس میں نے درخت کو زمین پر رکھا تو دیکھا کہ بری طرح چٹی ہوئی تھی ایک شاخ سے اور اس کی انھیں خوف و وحشت سے پھیل گئی تھیں۔ سوا ب دور نہ تھی وہ میری گرفت سے۔

بلاشبہ حد تو اتنی تھی کہ میں نے کسی پھول کی مانند اسے شاخ سے تو لیا اور وہ بھی بے جان تھی۔ جسے ہونے پھول کی طرح کلاس کی عقل نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا ہر گاس میں نے پورا کیا پتا عہدہ اویں نے شاخوں سے پکڑ کر اسے اٹھالیا۔

وہ خوفزدہ لگا ہوں سے کچھ تھی کبھی درخت کی طرف اور کبھی میری جانب۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ یہاں سے جھانکنا چاہتی ہو نہ ہی اس کے انداز میں میرے لیے تفریق رہ گیا تھا۔

”تیرا شکریہ شائد“ میرا عمل اس سے زیادہ نہ تھا اور میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ تو اپنے جذبہ انتقام کو پس پشت ڈال لے۔ ہاں اگر تجھے میری تلاش میں وقت ہر تو سیکانی کے مدد اور حکیم ہاکو کے مہمان خانے میں مل آنا۔ اسی کا مہمان ہوں۔ سو حیرت زدہ لڑائی کو دیکھ چھوڑ کر میں واپس چل پڑا اور پروفیسر اب اتنا نا تجربہ کار تو نہیں تھا کہ لڑائی کی کیفیت کا اندازہ نہ لگا پانا۔ خوشی ہرئی قابو میں گئی تھی اور اب اسے میرے پیچھے ہی جھانکنا چاہیے تھا اور وہی ہوا۔ دوسری شام تھی کہ ہاکو کے کمرے میں آیا اور میری طرف رخ کر کے بولا۔

”جو علی نے بتایا ہے تھلے علاوہ کسی کا نہیں ہو سکتا، سو کیا تم اس سے ملاقات کرو گے سبوتا ہے؟“

”اے اے کون ہے؟ کیا بات ہے؟“

”سیکائی کی بیٹوی شیرنی۔ دراکا کی بیٹی شائد؟“ ہاکو نے جواب دیا۔

”اوہ؟“ میں کھڑا ہو گیا۔ ”کیا وہ آئی ہے؟“

”ہوں؟“ ہاکو نے جواب دیا۔

”کہاں ہے؟“

”باہر ہے۔ ملنے کی انتہائی کوششوں کے باوجود اسے نہیں مل سکا اور پھر وہ بھی خطرناک لڑکی ہے۔ اب تک پانچ افراد کو قتل کر چکی ہے۔

کون ہے جو اس سے نہیں ڈرتا؟ میں بھی ان میں شامل ہوں۔“

”آؤ۔ میں اس سے ملوں گا۔“

”مگر وہ تھلے سے کچھ لگ کیسے گئی؟“

”بس کوئی خاص بات نہیں ہے۔ یوشی جان پہچان ہو گئی ہے۔“

”جان پہچان؟ تم نے غلط کیا ہے سبوتا۔ وہ اس قابل نہیں ہے

کلاس سے کسی قسم کی جان پہچان پیدا کی جائے۔ بہر حال اب تو اس سے ملنا

ہی پڑے گا لیکن پوری ہوشیاری کے ساتھ۔“

”تو فکر نہ کرو۔ آؤ۔ میں نے کہا اور ہاکو میرے ساتھ ہی ساتھ چل

پڑا۔ راستے میں میں نے اس سے پوچھا کہ تم مجھ سے کس کے ہاتھ میں کچھ تو بتاؤ۔“

”بس وہ سیکائی کی بیٹی ہے۔ دراکا نے آتش نشان میں کود کر بیٹی کو

دیوتاؤں کے عتاب سے بچا تھا اور اس وقت اس لڑکی کے سوا اس کا

دنیا میں کوئی نہ تھا اور پھر جب اس نے بیٹی والوں پر احسان کیا تو بیٹی والوں

کے پاس اس احسان کی ادائیگی کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ

اس کی بیٹی کو نشان میں لگے ہوئے نازک پھول کی مانند پرورش کریں اور پھر

جسے پوری بیٹی کی محبت مل جائے وہ جس ملنے پر بھی چل پڑے۔ چنانچہ یہ

لڑکی پوری بیٹی میں گھوٹے پر سواری میں اپنا نانی نہیں رکھتی۔ اسے تیرہ بازی

میں بھی کمال حاصل ہے اور اوصاف و دائرے کے شکل کا ایک خوب پیشہ اس کے

پاس رہتا ہے جسے وہ آزادی سے استعمال کر لیتی ہے۔ جھلاکون دیکھ لے؟“

”اوہ۔ ٹھیک۔“

”لیکن اس سے ملنا خطرناک ہے۔ اس کے سامنے کا کوئی بڑا خطرہ ٹھیک

نہیں ہے؟“ ہاکو نے کہا۔

”میں ٹھیک کر لوں گا کہ تو کم غرور مت کرو۔“ میں اس کمرے میں داخل

ہو گیا جہاں شائد بھی ہوئی تھی۔ چہرے پر وہی تھی غاری تھی۔ میں اسے دیکھ کر

سکھایا اور جواب دیا وہ مجھے خوں لگا ہوں سے گھونے لگی لیکن پھر اس کے

چہرے میں تبدیلی پیدا ہوئی اور وہ مسکرایا لیکن اسی وقت ہاکو بھی اندر داخل

ہو گیا اور جو مسکراہٹ وہ نہ جانے کس طرح کھینچ کر لائی تھی ہاکو پر ہو گئی۔

”ہاں ہاں آجاؤ۔ آجاؤ۔ ہلکے سروں پر بیٹھ جاؤ۔ ظاہر ہے۔“

تھا اور گھر ہے۔ یہاں سب کچھ تھاری مرضی سے ہوتا ہے۔ اور میں نے ہاکو

کے چہرے پر بڑا حسی دیکھی۔

”یہ بات نہیں ہے تو کم تو میں چلا جاؤں؟“

”تھاری کو کتنی ہے ہاکو۔ کیا تمہیں اتنا اندازہ بھی نہیں ہے کہ

جب کوئی اپنے شناسا سے ملنے آتا ہے تو اس کے سر پر سواری نہیں کی جاتی

شائد نہ کسی انداز میں کہا۔

”اوہ۔ میں معافی چاہتا ہوں۔“ ہاکو باز نکل گیا اور وہ پھر

دیکھ کر مسکرائے لگی لیکن نہ جانے کس میں مجھے یہ محسوس ہوا کہ کلاس کی

مسکراہٹ اس کے چہرے پر پھیلے ہوئے تاخیرات سے ہر جگہ نہیں ہے۔

میں بھی اسے دیکھ کر مسکرائے لگا اور پھر میں نے اس سے کہا۔

”میں اپنی شناسا کو اپنے قریب دیکھ کر بے حد خوش ہوں بشرطیکہ

مجھ سے خفا نہ ہو۔“

”میں تجھ سے بے حد ناراض تھی۔ تو نے وہ عزت کی ہے جو ان جگہ

کوئی انسان نہیں کر سکا لیکن تو عام انسانوں سے جدا ہے۔ تو بے حد اڑکھا

ہے۔ آخر تمہارے بدن میں کون سی قوت بھری ہوئی ہے یقیناً کترے پر ہونٹوں

کی آتش مجھے تیرے پاس نہیں لاتی ہے بلکہ جس نے مجھے مجبور کیا ہے کہ

میں تیرے ہاتھ میں معلوم کروں۔“

”اگر تیرے دل سے نفرت کا جذبہ دور ہو گیا ہے تو پھر آنا شائد دوستی

کے لیے میں گفت گو کریں۔“

”دوستی؟“ وہ آہستہ سے بڑبڑائی اور پروفیسر اس وقت میں اس

کے چہرے سے کوئی اندازہ نہیں لگا سکا۔ پھر وہ مسکرائے لگی اور پہلی بار میں

نے محسوس کیا کہ اس کی مسکراہٹ میں شگفتگی ہے۔ لام ہو رہی تھی آہستہ آہستہ۔

”ہاں۔ کیا تو مجھ سے قابل نہیں سمجھتی؟“

”نہیں یہ بات نہیں ہے۔ میں سوچ رہی ہوں کہ کیا تجھ سے دوستی

کرنا مناسب ہوگا جبکہ میں نے آج تک کسی سے دوستی نہیں کی۔“

”کیوں نہیں کی؟“

”اس لیے کہ ان میں کوئی میرا ہم پیر نہیں تھا۔ عورتیں چھوٹی موٹی۔

انفول باتیں سننے میں مجھے ہرے ہوئے خود کو کوڑھنے کی عادی اور مجھے

کڑوروں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ مرد تو تو پوری بیٹی میں کوئی مرد اب نہیں

ہے جو میرے لیے مردوں کے۔ ایسے مردوں سے کیا دوستی کی جائے جو جو تو نے سے

الٹت بھی نہ ہوں؟ اس لیے میں نے ان میں سے کسی کو دوستی کے قابل ہی

نہیں سمجھا۔“ شائد نے جواب دیا۔

”اوہ۔ میرے ہاتھ میں تیرا کیا خیال ہے؟“ میں نے سکرانے

لگے ہوئے۔

”بلاشبہ تجھے سیکائی کے عام نوجوانوں سے مختلف نظر آتا ہے۔

لڑکوں سے مختلف نہ ہوتا تو۔ تو شاید میں یہاں نہیں آتی۔“

”ایک دوست کی حیثیت سے میں تمہیں خوش آمدید کہتا ہوں۔“

”میں اس کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔“ اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور

پروٹی حکیم ہاکو معلوم ہوتا ہے یہاں سے بہت دور چلا گیا۔

”ہاں۔ وہ بھی تم سے خوفزدہ معلوم ہوتا ہے۔“

”کون نہیں ڈرتا مجھ سے؟“ وہ غریبے میں پروٹی۔ لیکن میں بھی

ہاکو کی سے دشمنی نہیں رکھتی۔ ہاں اگر کوئی اپنی حد سے بڑھنے کی کوشش

کے تو پھر ضروری ہے کہ اس کے حدود میں دھکیل دیا جائے اور اگر پھر

اپی باز نہ کرے تو۔ پھر ضروری ہے کہ....“

”ہاں۔ میں نے سیکائی کے قریب سے کسی آدمیوں کی زندگی لے لی ہے۔“

”بہت کچھ کیا ہے میں نے۔ ان باتوں کو چھوڑ دو۔ اپنے ہاتھ میں بتاؤ۔“

”اپنے ہاتھ میں کیا بتاؤں؟ بس یوں کچھ ایک آوارہ گرد ہوں۔

لوٹتا پھرتا تھاری بیٹی میں آ نکلتا ہوں۔ یہاں سے کہیں اور چلا جاؤں گا۔“

”اوہ۔ ٹھیک ہے۔ میں تم سے تھلے ہاتھ میں مزید تفصیلات

نہیں پوچھوں گی۔ صرف ایک بات بتا دو۔ تھاری اس بے پناہ طاقت

کا کیا راز ہے؟“

”طاقت کا کوئی راز نہیں ہوتا شائد۔“ میں نے جواب دیا۔

”لیکن یہ انسانی طاقت تو نہیں تھی؟“

”پھر تھلے خیال میں کیا تھا؟“

”اگر کوئی اندازہ لگا سیتی تو تم سے اس ہاتھ میں پوچھنے نہ آتی۔ شائد

نے جواب دیا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ بھلا اس کی مثال نشان

کھینچنے میں کیا بتاتا۔ بتانے سے کوئی فائدہ بھی نہیں تھا اس کے علاوہ

میری باتی ہوئی باتیں اس کی کچھ بھی کیا آتیں۔ چنانچہ میں نے کہا۔

”میں تم سے کہتا ہوں کہ میں اس کی ایک تندرست انسان ہوں

اور اس کے علاوہ کوئی بات نہیں ہے۔ کیا تم نے میرے اندر کوئی خاص

بات محسوس کی ہے؟“

”ہاں۔ تمہارا رنگ تمہارا اندازہ نہ جانے کیوں کچھ عجیبی اجنبی سا

لگ رہا ہے۔“

”اوہ۔ یہ صرف تمہارا خیال ہے۔ درنا ایسی کوئی بات نہیں ہے۔“

میں نے جواب دیا اور وہ ایک طویل سانس لے کر غماخوش ہو گئی۔ اس کی

آنکھیں سوچ میں ڈوب گئی تھیں۔ چند ساعت کے بعد اس نے سر

ہلایا اور بولی۔

”حکیم ہاکو سے تمہاری صرف دوستی ہے؟“

”ہاں۔ کیوں؟“

”کچھ نہیں ایسے ہی پوچھ رہی تھی۔ کیا وہ تمہیں میرے ساتھ جانے

کی اجازت دے گا؟“

”کیوں نہیں میں کسی کا پابند تو نہیں ہوں۔“

”تب آؤ۔ سیکائی کے نواح میں گھر میں چلیں۔“ اس نے کہا اور

میں تیار ہو گیا لیکن میں نے اس سے کہا تھا کہ حکیم ہاکو کو اپنے جانے کی اطلاع

دے آؤں۔ بہر حال یہ ایک اخلاقی فرض بھی ہے اور وہ اس بات پر رضامند

ہو گئی اور میں اسے دیکھ کر پھر حکیم ہاکو کے پاس چلا گیا۔

حکیم ہاکو اندر فرما کے نزدیک بیٹھا اس سے گفتگو کر رہا تھا۔ مجھے

دیکھ کر وہ خاموش ہو گیا۔ پھر پھر خوش ہو گیا۔

”آؤ آؤ کیا وہ مل گئی ہے؟“ اس کا جو عجیب تھا مجھے سہی آنے لگی

لیکن میں نے سہی روک لی اور اس سے پوچھا۔

”تم عیسائی مذہب میں سے ہو؟“

”بدرجوں سے کون نہیں ڈرتا بھائی اور پھر بد مذہب بھی ایسی جو

سمندر کی گہرائیوں میں بھی پھیلنا چھوڑے۔ مگر تم نے اسے کہاں سے پچھے لگا لیا؟“

ہاکو نے کانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

”وہ ابھی نہیں موجود۔“

”تم۔ موجود ہے۔ کیا وہ دانے کے باہر ہے؟“ ہاکو نے بدحواس

ہوتے ہوئے کہا۔

”نہیں۔ اسی کمرے میں جہاں تم ہم دونوں کو چھوڑ کر نرسار ہو گئے تھے۔“

”اوہ۔ خیریت ہوئی؟ ہاؤس کے سانس چھوڑتے ہوئے کہا۔ میں اس بلاتے بہت خوفزدہ رہتا ہوں۔“

”اس کی وجہ کیا ہے ہاؤس؟“

”مختصر میں نہیں بتا سکتا ہوں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔“

”میں اس کے ساتھ جا رہا ہوں۔“

”کہاں؟ ہاؤس نے غور سے پوچھا۔“

”کیا اس نے تمہیں دعوت دی ہے؟“

”ہاں!“

”حیرت ہے۔ سخت حیرت ہے۔ ناممکن سا لگتا ہے مگر تم کہہ رہے ہو تو ٹھیک ہی کہہ رہے ہو گے۔ جاؤ لیکن۔ لیکن سخت ہوشیار رہنا۔“

”دونوں کی قسم تو یہاں پہاڑی کے آتش فشاں سے بھی زیادہ گرم اور خطرناک ہے۔ کوئی کام اس کی مرضی کے خلاف نہ کرنا۔ اگر گروہ گئی تو۔ تو تم خود بھی عجیب ہو لیکن میں نہیں کہہ سکتا کیا ہو۔“

”جو تباہی طغی کرے گا ہاؤس تو مرنے پر آمادہ ہے۔“

”میں مداخلت کی اور ہاؤس خاموش ہو گیا میں ہاؤس کے پاس سے چلا آیا۔“

”شام کی روشنی جیسے ہی مائل ہوئی میں چل رہی تھی اس نے کمرے دیکھا۔“

”آنکھوں میں کیسے ہی کیسے ہی ایک جگہ تھی اور پھر وہ دھیمی آواز میں غرائی۔“

”میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میں اس سے اجازت لینے نہیں گیا تھا، بلکہ اسے اطلاع دینے گیا تھا۔“

”چلو۔“ اس نے کہا اور میں نے آمادگی ظاہر کر دی۔ وہ میرے ساتھ باہر نکل آئی اور پھر بہت سی گز گئے۔ شام کے ساتھ چلتے ہوئے میں نے بہت سی دلچسپ باتیں محسوس کی تھیں۔ رستی والے مجھے شدید حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ ظاہر ہے میں ان کے لیے اڑکھا اور انہی تھا لیکن یہ بات بھی ان کے لیے حیران کن تھی کہ رستی کی جگہ پر میرے ساتھ اس دوستانہ انداز میں چل رہی تھی لیکن ان میں سے کسی نے بھی کچھ پچھنے کی جرات نہیں کی تھی، بلکہ وہ شام کو دیکھ کر راستہ کاٹ چلتے تھے۔“

”تو خوب رعب تھا اس رستی پر اس ناول کا۔ دعتا ہے رستے میں پتھر سے تراشا ہوا ایک عظیم نشان مجھے نظر آیا اور مجھے فو مال یاد آگئی۔ فو مال نے اپنے مجھے کے بارے میں بتایا تھا میں نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔“

”یکس کا مجھے ہے؟“

”تم نہیں جانتے؟“

”نہیں!“

”کیوں؟“ اس نے عجیب سا سوال کیا۔

”اس کیوں کا میں کیا جواب دوں؟“ میں نے کہا۔ ”کیا اس میں گنے والوں کے لیے اس جیسے کے بارے میں جاننا ضروری ہے؟“

”گویا تھا راتوں ان علاقوں سے ہے ہی نہیں؟“

”میں کہہ چکا ہوں آوارہ گرد ہوں۔“

”تو کیا آسمان سے آئے ہو آوارہ گردی کرنے۔ خیر مجھے کیا کہیں؟“

”یاد آ گیا ہوا اور اس کے ساتھ ہی اس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے اور وہ سکرانے لگی۔ زمانہ گئے؟“ اس نے پلایا پھر نے پوچھا اور میں اس کے گڑبگڑ کی طرح رنگ بدلنے پر حیران رہ گیا۔ بہر حال میں نے جواب دیا۔

”غور کی بھلا اور نفی میں سر ملایا۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔“

”عادت پڑ گئی ہے مجھے اس جیسے بات کرنے کی، تو خیال نہ کرو اصل یہ مجھے فرما کا ہے۔ ہلکے محبوب فرما کا، جسے سفید فاقوں نے مجھ سے مراد دیا اور اب وہ چور مارا رہا گیا ہے جو عورتوں سے بات کرتے ہیں۔“

”جی ہلکا ہے۔“

”سب بالابا؟“

”ہاں۔“ اس نے جواب دیا اور پھر چونک کر مجھے گھونٹنے لگی۔

”ایک دم گڑ گئی۔“

”کیوں کیا ہوا؟“

”کہیں تم ان لوگوں میں سے تو نہیں ہو جنہوں نے ہماری بہتیاں میں گندگی پھیلا دی ہے؟“

”میں ان لوگوں پر لعنت بھیجتا ہوں۔“

”اوہ۔ تو تو واقعی ان میں سے نہیں ہو؟“

”ہرگز نہیں۔“

”اس کے باوجود میں تمہیں اس بارے میں مزید کچھ نہیں بتاؤں گی۔ فرما کا ذکر کرتے ہوئے مجھے دکھ ہوتا ہے اور بعض اوقات مجھ پر ہوتا ہے جیسے میری آنکھوں میں آنسو ٹپکنے والے ہوں لیکن میں کہنا نہیں چاہتی کہ جس دن میری آنکھوں سے نکل گئے میں دونوں آنکھیں چھوڑ دوں گی۔“

”میں نے ایک گہری سانس لی۔ خوب ہے یہ لڑکی۔ بہر حال میں ہر انداز میں درندگی بے حد کشش تھی وہ میرے لیے اور اسی وجہ سے مجھے اور بے ساختہ جاری تھی۔ پھر اس کے بعد کافی دیر تک حسرت چھائی رہی اور پھر میں نے ہی اس سکوت کو توڑا۔“

”کہاں چل رہی ہو؟“ اور وہ چونک پڑی اس نے ایک لمحہ لیے اٹھنی لگا ہوں سے مجھے دیکھا پھر ایک گہری سانس سے کہہ لی۔

”سندھ پسند ہے تمہیں؟“

”پر قیص کرنے میں بہت لطف آتا ہے۔ کیا تمہیں کھلے سمندر میں خون محسوس ہوتا ہے؟“

”نہیں۔“ میں نے جواب دیا اور وہ ہنس پڑی۔

”کہیں تم میرے لیے تو ساری باتیں نہیں کہہ رہے ہیں سمندر میں بہت دھڑک لگ جاتی ہوں بعض اوقات اتنی دھڑک ایک رات میں واپس نہا سکوں اور کتنی دیر لگتی ہے کہ بالآخر سمندر نے مجھے نکل لیا۔ یہاں انسان کا شکار کرنے والی چھیلوں کی ہستات ہے۔ وہ بار بار سوچ چکے ہیں کہ کسی دن میری شہتی اٹ جائے گی اور آخر چھیلوں مجھے ہڑب کر جائیں گی۔“

”میں دوسرے دن میں پھر ان کے سینوں پر بیٹھ جاتی ہوں۔“

”نہیں میں خوشی سے تمہارے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہوں۔“

”تب ٹھیک ہے۔ سمندر میں کتنی رانی مجھے بہت پسند ہے لیکن گہرے سمندر میں چھیلوں بہت پریشان کرتی ہیں انسان وہاں نہیں سستا۔“

”وہی ہے تم بہت اچھی لڑکی ہو۔“ میں نے اسے جھیل کی یاد دلانی چاہی۔

”ہاں لیکن چھیلوں؟“

”اوہ۔ ہاں یہ بات تو ہے۔“ میں نے بھی بات کو دل اور تھوڑی دیر کے بعد سمندر کے ایک خاص کنارے پر پہنچ گئے۔ یہاں چھوٹی چھوٹی گئی بادبانی لہریاں کھڑکی نظر آ رہی تھیں۔

”کیشتیاں چھیلوں پڑنے والوں کی ہیں ابھی میں سے ایک کشتی پسند کر لو۔“

”وہ کشتی اچھی ہے لیکن کسی کو اعتراض تو نہ ہو گا؟“

”معال ہے کسی کی؟“ وہ غرائی اور میں خاموش ہو گیا۔ یہ اندازہ تو میں بھی لگا چکا تھا کہ واقعی اس کے سامنے ہونے کی مجال تو کسی کی نہیں تھی۔

”پھر وہی کشتی پانی میں اتر گئی اور شام نے بادبان کھول دیے۔ بادبان میں ہوا بھی اور کشتی تیزی سے آگے بڑھنے لگی۔ شام کشتی کے ایک کنارے پر بیٹھ جی سے بھی چھٹی تھی۔ اس طرح بیٹھنے سے اس کے سین پر کین بدن کے نقوش اور نمایاں ہو گئے تھے۔ بلاشبہ بمانی طور پر اسے دنیا کی خوبصورت ترین عورت کہا جاسکتا تھا اور پھر اس کا چہرہ اس کا چہرہ ایسے بے بال جو ہوا میں اڑ رہے تھے جس میں لگ رہے تھے ذوق نگاہ کے لیے بہت کچھ تھا۔

”میں اس چھوٹی کشتی کے دوسرے کنارے پر بیٹھا اس کے جسم کے نکالنے سے کوڑا تھا۔ سمندر کی خشک ہوا میں بدن کو فروخت ہنس رہی تھیں۔ میں اس کی کیفیت کا اندازہ لگانے کی کوشش بھی کر رہا تھا لیکن عجیب لڑکی تھی۔ اس کے چہرے سے اس کے دل کے جذبات کا کوئی اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔

”اس کی آنکھیں نمایاں گھوڑی تھیں۔ اگر وہ مجھ سے متاثر ہے تو اس اظہار کیوں نہیں کرتی۔ اگر اس کی زندہ صفت فطرت شکست کھا چکی ہے تو اسے بدل جانا چاہیے۔“

”شام نے اٹھ کر کیا سوچ رہی ہو؟“ میں نے خود ہی اسے مخاطب کیا۔

”اور وہ چونک پڑی جیسے کسی گہرے خیال میں ڈوبی ہوئی ہو۔“

”کچھ نہیں۔“ اس کا جواب بھی بے حد سادہ تھا اور یہ جواب دیتے ہوئے بھی اس کا چہرہ جذبات سے عاری رہا۔

”لیکن اس طرح خاموشی سے تو سمندر کی سیر میں کوئی لطف نہیں آئے گا۔“

”لطف؟“ اس نے میری طرف دیکھا اور پھر جیسے اس کی آنکھوں کی زندگی لوٹ آئی۔ وہ ایک دم سکرا پڑی۔ ”کشتی کو کھاری سمندر میں پہنچ جانے دو، وہاں لطف آئے گا۔ زندگی جب تک خطرات سے دوچار نہ ہو جائے لطف نہیں آتا۔“ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ہاں۔ یہ تو حقیقت ہے۔“ میں نے تائید کی۔

”بس تھوڑی دیر رک جاؤ۔ تیز ہواؤں نے کشتی کی رفتار خراب کر ڈالی ہے۔ ابھی تھوڑی دیر کے بعد مجھے سمندر میں ہوں گے۔“

”وہ تو ٹھیک ہے لیکن تمہاری خاموشی ابھی نہیں لگ رہی۔“

”میں کیا باتیں کروں؟“

”کچھ بھی۔ اپنے بارے میں ہی بتاؤ۔ اپنے خیالات ہی سناؤ۔ سنا ہے تمہارے باپ نے اس کشتی کے لیے اپنی جان کی قربانی دی تھی؟“

”میں نے نہیں دیکھا تھا اس وقت میں بہت چھوٹی تھی۔“ اس نے بیزاری سے جواب دیا اور مجھے اس کے اس انداز پر کافی حیرت ہوئی۔

”اس نے اس تذکرے سے غیر دلچسپی کا اظہار کیا تھا۔“

”تمہیں اپنے باپ کی قربانی پر فخر نہیں محسوس ہوتا؟“

”اوہ۔ فصول باتیں مت کرو۔ بے شائستگی ہوئے ہیں بے شمار کہانیاں ہوتی ہیں جو کچھ ہماری نگاہوں سے دور صرف کہانیوں کی حیثیت رکھتا ہو نہیں ان میں سے کسی ایک ہی قصے سے کیوں دلچسپی ہو۔“

”تمہیں اپنی ماں بھی یاد نہیں ہے؟“

”کوئی یاد نہیں ہے مجھے۔“ اس نے بیزاری سے کہا۔

”تمہارا گھر کہاں ہے؟“

”ترنگھاٹ کے کنارے۔ سرخ رنگ کی سب سے خوبصورت جھونپڑی۔“ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”تمہارا بڑا بھائی؟“

”ہاں اور کوئی نہیں کی عزت بھی نہیں کر سکتا میرے ساتھ کیونکہ اکثر سوتے سوتے مجھے غصہ آتا ہے اور یہاں چاہتا ہے کسی کو قتل کر دوں۔“

”انگلی لڑکی؟“ میں نے گہری سانس لے کر کہا۔ اس کی نگاہیں ابھر اٹھ چھٹک رہی تھیں۔ کشتی سمندر کا طویل سفر طے کر چکی تھی اور اب غرائی میں اس سے کھل رہی تھیں۔ ایک بار پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

”ہاں۔ انگلی ہوں۔ کیا تمہیں اس کا پتہ نہیں ہے؟“

”تھوڑا بہت۔“ میں نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

”لیکن حیرت انگیز تو یہی ہو۔ تم نے کھیل میں جس طرح خود کو بچا یا عام آدمی کے لیے بے مشکل تھا۔ بے حد پھرتیے اور طاقتور ہو تم۔ تم نے درخت کو۔“

185

نہ اٹھ دیا تھا اور۔ اور تم نے میرے ساتھ زیادتی بھی کی تھی۔
 "زیادتی؟" میں نے اسے غور دیکھا۔
 "ہاں۔ تم نے میرے ہونٹوں کو بیٹھوڑا لاکھا۔ تم نے اس طرح میرے غرور کو توڑا تھا جو میں اپنی نشانیات کے لیے رکھتی تھی۔"
 "لیکن غرور ابھی چیز تو میں ہوتا۔" میں نے کہتے ہوئے کہا۔
 "میں مردوں کو اپنی زندگی میں کوئی حیثیت دینا نہیں چاہتی مجھے عورتوں کے زندگی گزارنے کا انداز بائبل پسند نہیں۔"
 "اودہ، لیکن تجھیں ایسا مرد بھی مل سکتا تھا جو تجھیں تنہا ہی مرضی کے مطابق زندگی گزارنے دیتا۔"
 "یہ ناممکن ہے۔"
 "کیوں؟"
 "کیونکہ سارے مرد یکساں ہوتے ہیں، عورتوں پر حاکیگی کے خواہاں۔"
 "اودہ۔ تم پر ساری باتیں بھی سوچ سکتی ہو؟"
 "کیوں نہیں؟"
 "تم تو ابھی عجیب ہوشیار لیکن کیا تم پوری زندگی یوں ہی تنہا کر گزار دو گی؟"
 "کیا میں تجھیں تندرست نہیں نظر آ رہی؟"
 "آری یہ یوں بڑھتی ہی تو ہو گی؟"
 "اس سے پہلے مر جاؤ گی۔ جب محسوس کروں گی کہ اب سہاویں کے بغیر زندگی مشکل ہے تو سمندر کی آغوش میں پناہ لے لوں گی۔"
 "میں تجھیں ایک پیشکش کرتا ہوں شامرا۔" میں نے اس سے متاثر ہوتے ہوئے کہا۔
 "دیکھا؟"
 "تم میرے ساتھ زندگی گزارنے کا فیصلہ کرو میں تنہا ہی خوشیوں کی حفاظت کروں گا۔"
 "واقعی؟" اس نے عجیب لہجے میں پوچھا۔
 "ہاں۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔" میں نے جواب دیا اور وہ اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ آہستہ قدموں سے وہ میرے قریب پہنچی، کچھ باتیں کہیں، پروفیسر کریں بے وقت بن گیا تھا میں اس کے جذبات کی پذیرائی کے لیے تیار ہو گیا میرا خیال تھا کہ وہ ماحول سے متاثر ہو گئی ہے میری آنکھوں میں دھندلی ہوئی وہ بھی اور اس کے دونوں ہاتھ میرے سینے پر رکھے۔ میں نے اپنے دونوں ہاتھ اس کی کمریں ڈالنے کی کوشش کی لیکن۔۔۔ جو کچھ ہوا، اتنا غیر متوقع تھا کہ میں دنگ رہ گیا۔
 اس نے پوری قوت سے مجھے سمندر میں دھکے مارنے کی کوشش کی۔
 کناٹے پر بیٹھا ہوا تھا اور پھر ایسا کوئی خیال بھی نہیں تھا اس لیے نہایت اطمینان سے سمندر میں جا پڑا اور پھر مجھے شامرا کی نفرت جبری آواز سنائی دی۔

"گنبد سے کھڑے، شامرا کا منظر جتنے جھلکا تھا، اب اپنی حفاظت کر۔
 آؤ خور چھلیاں تجھے تیری اوقات یاد دلا دیں گی۔"
 اور بابائی خوشی آگے بڑھ گئی۔
 چند ساعت تو میں حیرت سے ساکت رہا۔ پھر میرے ذہن نے حماقت تسلیم کر لی اور پھر شرارت اُبھر آئی میں زور زور سے جھینپنے لگا، اس سے ہم کی بھیک مانگنے لگا۔ میں نے اپنی دی گھلیاں مجھے کھا جائیں گی، مجھے بچا یا جائے لیکن جواب میں شامرا کی نفرت جبری آوازوں کے ساتھ زبانی دیا۔
 التباس کا اظہار کا مضمون میری سمجھ میں نہیں آ سکا تھا۔
 شامرا نے بابائی کشتی کا رخ مڑا دیا اور اوجھ سیکانی کے ساحل کی طرف جاری ہوئی۔ جب وہ دور نکل گئی تو میں نے اپنے سر پر دو چادر گھونٹے رسید کیے اور اپنے صدیوں کے تجربے کو حماقت قرار دیا۔ ایک لڑکی صاف جل نے گئی تھی۔ اب سہاویں میں تیر کر کناٹے تک جانا ہوا۔
 خیر اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ غلطی ہی سمندر کی سیر پر ہی۔ میں نے سوچا اور بابائی میں غوطہ کھا دیا لیکن اسی وقت اونچی دم والی خور گھونٹنے پوری قوت سے میرے پاؤں پر کاٹا مارا۔ بڑی خوفناک طاقت تھی اس وحشی چھلی کی۔ میں نے اسے دیکھا اور میرے ہونٹوں پر سکراہٹ پھیل گئی ہاں ہاں۔ اس نے مجھے تیرے بائیں میں بتایا تھا کہ دیکھ لوں گا تجھے بھی اور اسے بھی۔ میں آگے بڑھ گیا لیکن چھلی بھی اس کی مانند ہی ضدی تھی اس نے پانی میں ایک لمبا چکر لیا اور پھر پوری قوت سے میری طرف آئی۔ اس بار اس نے سانسے سے مجھ پر حملہ کیا تھا۔ بلا درغضتہ ڈار ہی ہے میں نے سوچا اور اس کے ار کو ہاتھ پر روک کر اسے پیچھے دھکیل دیا اور پھر آگے بڑھا لیکن چھلی کی موت میرے ہی ہاتھوں آ رہی تھی تو میں کیا کرتا۔ وہ اپنے آپ کو ہاتھ پیر پیر کر ہی اور میں اسے طرح سے رہا تھا لیکن اس بار وہ میری ٹہلی کی طرف سے آئی اور جسم کے کسی نرم حصے کو نشانہ بنانا چاہا پاؤں نے اسے اپنی ٹہلی میں دبوچ لیا۔ چھلی چلتی تھی، وہ میری ٹہلی سے چھل گئی لیکن میرے مضبوط پنجے نے اس کی دم پکڑ لی اور اب چھلی کے لیے شکلات کا دور شروع ہو گیا۔ وہ دم چھلانے کے لیے خوفناک جدوجہد کر رہی تھی مگر دم کھڑ تو سستی تھی، پھر شامرا کی شکل تھا۔
 میں رنگ گیا۔ میں نے سوچا چھلی کو اپنی ساری حسرتیں نکال لینے دوں اس کے بددی گئے ہاتھوں کا گھول اپنی کوشش کرتی رہی اس کی دم کڑی زخمی ہو گئی تھی پھر جب وہ سست پڑنے لگی تو میں نے آخری بار دم کھا کر اسے چھوڑ دیا لیکن وارننگ بھی دے رہی تھی اگر اس نے چھلی کو کوشش کی تو وہ اس کی آخری کوشش ہو گی چھلی تیزی سے پانی میں غوطہ کھا گئی۔
 لیکن پروفیسر نے میں نے جانوں کی بک جیتی اور انتقام کا ایک دلچسپ تجربہ کیا چھلی غائب ہو گئی تھی اور میں آگے بڑھ رہا تھا۔ دلچسپ مجھے سانس کی سمت میں خوفناک ٹپک ٹپک محسوس ہوئی اور میں نے تعجب سے سطر پر سر اٹھا کر دیکھا۔ لا تعداد خور چھلیاں دم اٹھا رہی تھیں جس طرح کوئی فوج کسی پر حملہ کرنے جا رہی ہو۔

اور میں رنگ گیا۔ یہ اندازہ لگانے میں مجھے وقت نہ ہوئی کہ وہ سب میرے اوپر حملہ آور ہیں۔ گویا ان سے مقابلہ کرنا پڑے گا میں نے سوچا اور تیار ہو گیا۔ میرے پاس کوئی ہتھیار نہ تھا تو میں ان کا فیصلہ جلدی کرنا لیکن افسوس ایسی کوئی چیز میرے پاس نہیں تھی۔ تاہم میں اس وحشی فوج سے مقابلے کے لیے تیار ہو گیا چھلیاں کو خوش دھنستے میں ڈوبی آ رہی تھیں۔ پھر ان کی پہلی صف میرے اوپر حملہ آور ہو گئی۔ قریب آتے ہی وہ منتشر ہو گئی تھیں اور پھر وہ اپنی خوفی آنکھوں سے مجھے گھورتی ہوئی اپنے چوڑے منہ کھول کر میرے بدن پر لپکیں، جی سے ان کے لیے کھیلے دانت بھانک رہے تھے۔
 سب سے پہلے قریب آنے والی چھلی کے کھلے ہوئے منہ میں میں نے اپنا ہاتھ داخل کر دیا اور پھر اپنا انگوٹھا کھڑا کر کے اس کے تالوں میں گھسیٹ دیا چھلی شدید تکلیف سے تڑپتی لیکن میں نے دوسری حملہ آور چھلیوں کو چھوڑ کر اس چھلی کے دوسرے چوڑے بھی طاقت آزمائی کی اور اس کے منہ میں داخل کیا ہوا ہاتھ باہر کھینچ کر دونوں چوڑے گرفت میں لے لیے اور قوت صرف کر کے چھلی کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔
 آؤ خور چھلیاں غول کی دیوانی ہو رہی ہیں۔ ان کے سانسے خوں آجائے تو وہ یہ کھول جاتی ہیں کروں کا ہے۔ جتنا پتھر یہ بہترین ترکیب رہی۔ میں نے مرد چھلی کو ایک طرف اچھال دیا اور تقریباً ساری چھلیاں اس پر لپکیں لیکن ان کی تعداد کافی تھی اس لیے میں نے ان کے لیے اور سولت متیار کرنے کا فیصلہ کیا اور ایک اور چھلی کے ساتھ وہی سلوک کر کے اسے دوسری طرف اچھال دیا۔ اب میرے سانسے کا راستہ صاف ہو گیا تھا۔ ہاں میرے دونوں طرف سمندر میں بھونچال آیا ہوا تھا۔ بہر حال میں تیز رفتاری سے کناٹے کی طرف تیرنے لگا۔ خاصا طویل سفر تھا۔ چھلیاں بھلا میرے بدن پر کیا نشان لگا سکتی تھیں۔
 ساحل سے چھوٹی دھڑلک کر میں نے گردن اٹھائی۔ دور دور تک دیکھا لیکن کوئی نہیں تھا۔ ہاں چھلیوں کی ششیاں ضرور کھڑی ہوئی تھیں۔ ان میں وہ شش بھی تھی جو شامرا دیکھ کر آئی تھی۔ گویا وہ واپس جا چکی تھی اور اب اس کے یہاں رکنے کا جواز بھی کیا تھا اپنی دانست میں وہ اپنا کام ختم کر چکی تھی۔
 بالآخر میں ساحل پر پہنچ گیا اور پھر میں سمت کا تعین کر کے ہاڑ کے مکان کی طرف چل پڑا۔ خوب تفریح رہی آج کی بھی۔ بہر حال اس کے بلوغت میں اس لڑکی کی طرف سے بدل نہیں ہوا تھا اور یہ حقیقت تھی پروفیسر انسان کی سیانت سے بہت زیادہ آگتا جا تا ہے بلکہ بعض اوقات یہ آگتا ہٹ مختلف صورتیں اختیار کر لیتی ہے۔ عورتیں میری زندگی کی اہم ضرورت ہیں تھیں لیکن ان میں بڑی تعداد اور عورتوں کی رہی تھی جو مجھ پر فریفتہ ہو کر میرے لیے سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہو جاتی تھیں اور پھر مجھے ان کا ہر طرح کا تعاون حاصل ہوتا لیکن یہ تعداد بعض اوقات شش کھڑی ہوتی ہے اور ضرورت ہوتی ہے اختلاف کرنے والے کی۔

میری زندگی میں اختلاف کرنے والیاں بہت کم آئی تھیں اس لیے میں ان کی قدر کرتا تھا۔ یہ لڑکی میری پسند کے عین مطابق تھی میں اس کی فطرت کا خوب اندازہ کر چکا تھا۔ ہاڑ کے اس کے بائیں میں جو کچھ بتایا تھا اس سے اس کی فطرت کا ایک پہلو تو سامنے آچکا تھا یعنی وہ خیرات کے پھوڑے لیے جانے والے بیل کی مانند ہے جسے کوئی کچھ نہیں کتنا اور وہ اپنی من مانی کے لیے آزاد ہوتا ہے۔ یہاں بیل اور لڑکی کا فرق تھا، مگر صورت و دونوں کی یکساں تھی۔ لڑکی نے اپنی شخصیت کی ایک حیثیت بتا لی تھی اور اسے مجروح کرنے والے کو وہ کسی طور زندہ نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔ وہ قادر تھی اپنے لیے دوسروں کے رشتے پر لیکن یہ بات اس کے دل میں کانٹے کی طرح چھب رہی تھی کوئی ایسا بھی ہے جو اس کی قدرت کا تابع نہیں ہے اور جس نے اس کی نہایت کو نہایت ثابت کر دیا ہے۔
 چنانچہ وہ اس کے وجود کو بہر قیامت پر دشا دینا چاہتی تھی تاکہ اس کے دل میں کوئی کانٹا نہ چھبنا رہے۔
 لیکن اس کی بد بختی۔ یہ کانٹا فولاد کا تھا جسے توڑنا اس کے بس سے باہر تھا۔ اس کا اپنا ایک احساس تھا تو میری اپنی ایک پسند تھی۔ گویا اختلاف اور یہ اختلاف کرنے والے مجھے کچھ زیادہ ہی پسند آتی تھی اور میں اس کے ساتھ یادگار وقت گزارنا چاہتا تھا۔ میں اس سے پوری طرف لطف اندوز ہونا چاہتا تھا۔
 میں نے اپنے راستے اختیار کیے تھے کہ لوگوں کی نگاہیں کہے کہ مجھ پر بڑی اور بیش حکیم ہاڑ کے مکان پر پہنچ گیا مکان میں داخلے کے لیے بھی میں نے عقبی رخ اختیار کیا تھا اور میرے لیے اندر پہنچنا مشکل نہیں ہوا تھا۔
 اپنی رہائش گاہ میں پہنچ کر میں نے علیحدہ دُست کیا اور پھر اندرونی حصے میں دوکانی طرف چل پڑا۔ زونانی رہائش گاہ میں تہاہی تھا اور کسی گری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا مجھے دیکھ کر وہ چونک پڑا اور پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔
 "اؤ سبوتا، ہاڑ کا تھا کہ یہ بے حد فکر مند تھا۔" اس نے کہا۔
 "کیوں؟ وہ فکر مند کیوں تھا؟"
 "اس کے خیال میں تنہا ہی دوستی موت سے ہو گئی ہے۔ شامرا اس بستی کی خوفناک ترین مخلوق ہے۔ لوگ اس کی دوستی اور دشمنی دونوں سے خوفزدہ رہتے ہیں۔"
 "اس کے باوجود کہ وہ ایک خوبصورت لڑکی ہے؟" میں نے سکرانے ہونے کہا۔
 "وہ لوگ اسے ایک خوبصورت لڑکی کہتے ہیں۔"
 "اودہ" میں نے سطر پڑا، حالانکہ ایسی بات نہیں ہے۔"
 "بات تو ہے لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ لڑکیاں ہاڑ کے امن میں ہے۔" فونانے بھی سنتے ہوئے کہا۔ "وہ ایسے وہ رام ہو گئی؟"
 "ہاں۔ یہی بھو۔"

"یقیناً وہ تم میں لکھی لینے لگی ہے ورنہ وہاں کیوں آتی؟"
 "ہاں۔ وہ ضرورت سے زیادہ دلچسپی لے رہی ہے مجھ میں۔ میں نے مختصر کہا اس سے زیادہ میں نے اسے کچھ بتانے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔ فوجی دستاوت خاموش رہا۔ پھر ایک گری سانس لے کر کہنے لگا۔
 "میں بڑی عجیب بے بسی محسوس کر رہا ہوں۔"
 "کیوں؟" میں نے پوچھا۔
 "تم میری کیفیات کا احساس کرو۔ میں اپنے وطن میں ہوں میرے وطن کے لوگ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ میں جانتا ہوں وہ میری بازیابی کی خبر سن کر شاد ہو جائیں گے۔ میرے دشمن میری مملکت پر قابض ہیں۔ میں عورتوں کی طرح اس مکان میں پوشیدہ ہوں۔ کیا تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ ایک جنگجو انسان کے لیے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا کتنا مشکل کام ہے؟"
 "میں جانتا ہوں فوجیوں کے معاملے میں اس وقت تک دخل دینا بھی نہیں چاہتا جب تک تم خود نہ چاہو۔"
 "کیا مطلب ہے؟" فوجی تعجب سے بولا۔
 "ہاں کو تمہارا وفادار دوست ہے۔ یقیناً تم دونوں نے مل کر ایندھن کا پروگرام ضرور بنایا ہوگا۔ اب اگر اس بارے میں تم نے مجھے بتا دیا پسند نہیں کیا تو اس میں تمہاری کوئی مصلحت ہوگی۔ میں تمہارا بے غرض دوست ہوں اس لیے مجھے صرف اس کام سے دلچسپی ہے جو تم میرے لیے ضروری ہو۔ بلاوجہ تمہارے معاملات میں شائگ اڑانا مجھے پسند نہیں ہے۔"
 "اوہ۔ نہیں۔ ہرگز نہیں میرے دوست۔ سوچو دیوتا کی قسم۔ میرے دل میں ایسی کوئی بات نہیں تھی کہ میں تمہیں کسی بارے میں کچھ نہ بتاؤں بس ابھی کوئی ایسی بات نہیں ہوئی ہے جو قابل تذکرہ ہو۔"
 "فوجی! میرے دوست! مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے ویسے اتنا ضرور بتاؤ کہ تم کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟" میں نے غصے سے کہا۔
 "تم تو میری زندگی کے لیے بنیادی حیثیت رکھتے ہو۔ بس بتانا میں اور باکو تم سے بہت سی امیدیں وابستہ کر چکے ہیں۔"
 "میں ان پر پورا اتروں گا؟" میں نے جواب دیا۔
 "نہی! انہی کے لیے کیا گیا ہے کہ ہاں اپنے چند مخصوص لوگوں کو ایک خفیہ پیغام دے کر چند لوگوں کے پاس بھیجے۔ جہاں لوگوں کو ہمارا بلا ہے۔ پس یہ اپنے اپنے علاقوں کے سربراہ اور بے حد کام کے لوگ ہیں اور میرے وفادار بھی۔ انھیں یہاں بلانے کے لیے پوری صورت حال بھی معلوم ہو جائے گی اور کوئی ریح بھی سچا حال کے گا۔"
 "بالکل ٹھیک۔ ان میں سے کچھ لوگ تمہاری راجدھانی سے بھی ملے گا۔"
 "ہاں!"
 "مناسب ہے لیکن کیا ہا کو نے ان لوگوں کو تمہارے بارے میں بتا دیا ہے جو پیغام دے کر چاہے ہیں؟"
 "نہیں! قطعی نہیں۔ ہا کو میری زندگی اور میری آمد کو مکمل طور پر ضبط

میں رکھنا چاہتا ہے۔ اس نے جن لوگوں کو پیغام بھیجا ہے انھیں بھی میرے بارے میں کوئی نشان نہیں دیا ہے۔"
 "اوہ۔ میرے خیال میں یہ بڑی بات نہیں ہے۔"
 "ہاں۔ یہی بہتر ہے۔"
 "کیا وہ لوگ روانہ ہو چکے ہیں؟"
 "ہوئے واپس۔"
 "لیکن کیا جن لوگوں کو پیغام بھیجا گیا ہے وہ سب ہا کو جانتے ہیں اور اس کے پیغام کو اہمیت دیتے ہیں؟"
 "نہیں لیکن پیغام اہم نوعیت کا ہے اس میں دلچ ہے۔ وطن کی قسمت کے لیے، وطن کی بقا کے لیے ہا کو سے ملو۔"
 "اوہ! مجھے یہ الفاظ بہت پسند آئے تھے۔"
 "اور۔ وہ سب وطن پرست ہیں۔"
 "بس ٹھیک ہے میں مطمئن ہوں۔ میں نے سکرٹے ہوئے کہا اور فوجی خاموش ہو گیا۔ چند ساعت وہ سوچ میں ڈوبا رہا پھر اس کے ہوشوں پر اس کی مسکراہٹ پھیل گئی۔
 "تم یہ کئی کی خوشی ہرئی کے بارے میں بتاؤ کیا کیا گفتگو ہوئی اس سے۔ کیا اس نے تمہاری محبت کا اعتراف کر لیا؟"
 "بڑے غصے سے۔" میں اس سوال پر بے ساختہ ہنس پڑا اور فوجی کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ ظاہر ہے وہ میری کسی خوشی کا اندازہ نہ کر پا رہا۔
 "بڑی خوشی ہوئی۔ کم از کم یہاں تمہیں تنہائی کا احساس نہیں ہوگا۔"
 "ہاں! میں نے جواب دیا۔ اسی وقت ہا کو اندر آ گیا مجھے دیکھ کر وہ تعجب سے اچھل پڑا۔
 "ایک سبوتاژ اہم واپس آئے؟"
 "کیوں تمہیں میری واپسی کا یقین نہیں تھا؟" میں نے دلچسپ لگا ہوں سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔
 "سچ تو تو میری تمہاری طرف سے پریشان ضرور تھا۔ پس یہ خیال دل کو تسلی دے رہا تھا کہ اس بار وحشت زدہ ہرئی کا مقابل بھی کوئی عام انسان نہیں ہے۔"
 "بہر حال سب ٹھیک ٹھاک رہا۔ ہاں ایک بات میں تمہارے کہنا چاہتا ہوں ہا کو۔"
 "ضرور میرے دوست!"
 "فوجی! مانند تو مجھے تو پشیدہ نہیں رکھنا چاہتا اور پھر یوں بھی چند لوگ مجھے دیکھ چکے ہیں۔"
 "ہاں۔ اس کی ضرورت نہیں ہے۔"
 "تب میں تیری حکمت کا عمل دیکھنا چاہتا ہوں۔"
 "اوہ۔ میں نہیں سمجھا ہا کو نے کہا۔"
 "میں تیرے فن سے بہت متاثر ہوا ہوں۔ میں اس کے بارے میں

جانتا چاہتا ہوں کہ تم اس کا بے حد شوق ہے۔ یوں بھی یہ دو قتل کا دور ہے اس وقت جب ہم فوج کے لیے جدوجہد کے دور میں آئیں گے میں اپنا کام کروں گا اور تو اپنا لیکن اس وقت تک۔"
 "مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے بلکہ یقین کر سکتا ہے تو کہ میں تیری وجہ سے بہت پریشان ہوں۔ اگر میرا واسطہ دوسری بڑی حیرت سے نہ پڑ جاتا، میری مراد فوجا سے ہے تو شاید میں دیوانگی کی حد میں داخل ہو جاتا لیکن ایک حیرت نے دوسری حیرت کو دبا دیا ہے۔ ہا کو نے کہا۔
 "اوہ! پہلی حیرت میرے بارے میں تھی۔"
 "ہاں۔ تو میری سمجھ سے باہر ہے۔ اگر تو ایک عام انسان ہے تو میری ساری زندگی کے تجربات کا گارہ ہو جاتے ہیں اور تو غور کر لگی انسان کی پوری زندگی کی محنت ضائع ہو جائے تو اسے کتنے بڑے خسارے سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔"
 "سبوتاژ میرے لیے بھی ناقابل فہم ہے۔ ہا کو۔ میں نے اپنی پوری زندگی میں اتنا خوبصورت اور اتنا طاقتور جوان نہیں دیکھا۔"
 "خوبصورتی اور طاقت انسانی خصوصیات ہیں اور کسی بھی انسان میں یہ حد سے بڑھ سکتی ہے لیکن وہ مافوق البشر نہیں ہو سکتا۔ وہ سروری جو انسانی لوگوں میں خون کو پتھر بنائے اور وہ گرمی جو اس کی ہڈیوں کے گوشے کو کھلے۔ برداشت کرنا انسان کے بس کی بات نہیں ہے لیکن۔"
 "لیکن۔" ہا کو تھوڑے انداز میں خاموش ہو گیا۔
 "تو کیا تم نے سبوتاژ تجربے کیے تھے ہا کو؟" فوجی حیرت سے پوچھا۔
 "ہاں فوجی! اعتراض کرتا ہوں کہ ایک لمحے کے لیے میں تمہارے دوست کا بدترین دشمن بن گیا تھا میں نے اس کی زندگی لینے کی کوشش کی تھی۔ مجھے یوں لگا تھا جیسے شخص میرا امتحان لینے آیا ہو اور میں اسے مزہ پکھانا چاہتا تھا لیکن۔"
 "سبوتاژ ناقابل فہم ہے۔" فوجی نے کہا۔
 "بلاشبہ۔"
 "تم مجھے سمجھنا چاہتا ہو لیکن کیا تم مجھے اپنے فن کے بارے میں بتاؤ گے؟" میں نے ان کی گفتگو میں مداخلت کی۔
 "ہاں۔ یقیناً لیکن ایک شرط ہوگی، ہا کو نے سکرٹے ہوئے کہا۔
 "وہ کیا؟" میں نے پوچھا۔
 "تم مجھے اپنے بارے میں بتانے کے تفصیل سے اور میری آنکھیں کھول کر دو گے۔"
 "اوہ! مجھ اس میں کوئی اعتراض نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔
 "رات کو سائے کاموں سے فارغ ہو کر میں آرام کرنے بیٹ گیا لیکن میرا ذہن شائد کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اب اس کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیے؟ اس کے مکان کے بارے میں بھی مجھے معلوم ہو گیا تھا لیکن اس وقت اس کے پاس جانا مناسب نہیں ہے۔ بلاشبہ میں اس سے

تفریح کرنا چاہتا تھا لیکن آتش مزاج ہوئی کو اس وقت چھپرے کا کچھ مناسب نہیں تھا۔ ہاں صبح کو۔ اور اسی صبح پر۔
 "واہ۔ یہ عہدہ ترکیب ہے صبح کو جھیل پر اسے بکڑا جائے۔ ممکن ہے سورج کی کرنیں کے بعد وہ جھیل پر جاتی ہو۔ میں نے سوچا اور ملیر اندازہ غلط نہیں نکلا۔ دوسرے دن میں بھی مقامی لوگوں کی مانند جلدی جاگ گیا۔ وہ سب صبح فیزی کے پابند تھے۔ سورج نکلنے سے قبل وہ ایک کھلے میدان میں سورج نکلنے کا انتظار کرتے تھے۔
 "بہر حال میں شائد کی تلاش میں نکل گیا اور اتنا ہی مکمل تھا میرا خیال بھی سورج کی زیارت کے بعد وہ جھیل کی طرف چلی پڑی اور جب مجھے یقین ہو گیا کہ اس کا رخ اسی طرف ہے تو میں تیزی سے جھیل کی جانب دوڑنے لگا۔
 "شائد سے کافی پہلے میں جھیل پہنچ گیا۔ جھیل کے کنارے پر کھڑا تھا۔ حق جتنا میں پھرتی سے کنارے کے ایک درخت پر پہنچ گیا اور پھر گھٹنے پتوں کے درمیان چھپ کر بیٹھ گیا۔ میری نگاہیں باقاعدہ اس راستے پر جمی ہوئی تھیں جو جھیل کی جانب آتا تھا اور پھر میں نے دوسرے آگے دیکھا۔
 "شائد جھیل کے کنارے پہنچ گئی اس نے چاروں طرف دیکھا اور پھر متنب ہو کر اپنا تاباں کس لائے لگی۔ لباس اتار کر اس نے اسے سینا اور پھر ایک درخت کی جڑ میں رکھ کر دیکھا۔ اس انسان نما جھیل یا جھیل نما عورت کو پانی سے کھینچ کر لے دیکھا۔ سیاہ بھلا ہوا تھا اس کے بدن میں پانی میں وہ اس طرح تڑپ رہی تھی کہ آکھ جانا مشکل تھا۔
 "میرے بدن میں آگ سلگتی رہی اور وہ دنیا دیا مینا سے بے خبر جھیل میں قفس کرتی رہی۔ پھر میں جذبات سے چرنگ۔ یہ تو کچھ نہیں ہو رہا۔ وہ جھیل میں نہا کر ہے گی اور میں اسے دیکھتا ہوں گا۔ پھر وہ باہر آئے گی نہاں پسے گی اور چلی جائے گی۔ واہ! گویا ساری ک ساری حماقت بکھڑا ہونا چاہیے۔ اور دوسرے لمحے میری نگاہ اس کے لباس پر جا پڑی۔ اوہ۔ اسے احساس دلانا چاہیے کہ میں یہاں موجود ہوں میں آہستہ آہستہ درخت سے نیچے اترا اور اس کے لباس کے نزدیک پہنچ گیا۔ پھر میں نے خاموشی سے لباس اٹھایا اور واپس درخت پر پہنچ گیا۔ اب میں اطمینان سے اسے دیکھ رہا تھا۔
 "جی بھلے نہائی اور پھر بڑے ناز سے باہر نکل آئی۔ چاروں طرف سے بے فکر تھی۔ آہستہ آہستہ اس درخت کے نزدیک پہنچ گئی اور دوسرے لمحے میں نے اسے چوکنے دیکھا۔ اس نے پریشان نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا اور پھر درختوں کی جڑوں میں پکڑے تلاش کرتی پھری لیکن پھر سے تو میرے پاس تھے۔
 "وہ بڑی جرح بہتواس ہو گئی۔ ظاہر ہے سخت مشکل میں پھنس گئی تھی۔ تب میں نے ایک مختصر سے کپڑے کو رول کر کے زور سے اس کی طرف پھینکا اور کپڑا اس کے بدن سے جا مل گیا۔ وہ اچھل پڑی تھی۔
 "اور شاید صورت حال اس کی سمجھ میں آگئی۔ اس نے کپڑا اٹھا لیا لیکن اس مختصر سے کپڑے کا ہونا نہ ہونا برا رہا تھا۔ وہ اس سے اپنا بدن نہیں

ڈھلک سکتی تھی تاہم اس نے خود کو اس میں چھپانے کی ناکام کوشش کی اور درختوں کی جانب دیکھنے لگی۔ میں نے ایک پتھر اور درخت سے نیچے ٹٹکا دیا اور اس کی لنگاہ اس پر پڑ گئی۔ دوسرے لمبے وہ اچھل کر درخت کی آڑ میں ہو گئی تھی۔

”کون ہو تم؟ یہ کیا بد تمیزی ہے؟“ اس کی آواز میں خوفناک شیرینی کی ہی خواہش تھی لیکن میں خاموش رہا۔ لباس پھینک دو! اس نے پھر کہا لیکن میں نے بھی خود کو پتھر کی آڑ میں چھپا لیا تھا۔ ”تم کس نہیں ہے؟“ کیا اس حرکت کے بعد تم زندہ رہ سکو گے؟ کیا تم مجھے نہیں جانتے؟“

”ہاں۔ میں تمہیں جانتا ہوں لیکن میں زندہ رہنا نہیں چاہتا۔“

میں نے زور سے جواب دیا۔ اور شاید وہ میری آواز پہچان گئی۔ چند لمحات کے لیے وہ ساکت رہ گئی تھی۔ ظاہر ہے اسے اپنی سماعت پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ جھلاخونک سنا میں کسی کے زندہ رہنے کا کیا سوال تھا۔ انسانی عقل خوفناک جھلیوں کے رسیان سے کسی کے زندہ نکل آئے تو تسلیم نہیں کر سکتی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا بولے اور میں اس کی الجھن سے خوب لطف اندوز ہو رہا تھا۔ کافی پر تک خاموشی چھانی رہی۔ پھر اس کی لڑائی آواز سنا دی۔

”میرا لباس واپس کر دو۔“ اس درخت کے نزدیک اگر مجھ سے درخواست کرو؟ میں نے کہا۔ ”دیکھو یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ نہ جانے کہاں سے اس نے اپنے لیے یہ صبر پیدا کیا تھا۔“

”ہمت ساری باتیں ابھی نہیں ہوئیں اس لیے میں کوئی اچھائی نہیں کرنا چاہتا۔ اگر تمہیں اپنے لباس کی ضرورت ہے تو یہاں آ جاؤ ورنہ میں اطمینان سے یہاں بیٹھا ہوا ہوں۔ جب تک دل چاہے مجھے یہی رہو۔“ میں نے جواب دیا اور پھر خاموشی چھا گئی۔ میں جانتا تھا کہ اس کی حالت غراب ہو گئی لیکن غیب سے بس ہوئی تھی وہ اور اس کا بس نہیں چل پا تھا ورنہ وہ بوٹیاں چبا لیتی۔

”دیکھو میں اس طرح تمہارے سامنے نہیں آ سکتی۔“

”ناؤ۔ تمہاری مرضی؟“ میں نے لاپرواہی سے کہا۔ اس نے پھر کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ میں ابھی ہٹ کا پتھر تھا لیکن اس خوفناک عورت کی طرف سے میں ہر شب بد بھی تھا۔ نہ جانے کس کا لڑوائی میں مصروف ہو لیکن ایسی صورت میں وہ کوئی کاروائی بھی تو نہیں کر سکتی تھی۔ پھر شاید اس کی قوت برداشت جواب دے گئی اور میں نے دیکھا وہ پھری ہوئی شیرینی کی مانند اپنی جگہ سے نکل اور درخت کے نیچے پہنچ گئی۔ اسے گویا ختمے کی وجہ سے اپنی عزیمت کا کوئی احساس نہیں رہ گیا تھا۔ انھیں انکار کی طرح مٹ کر مٹ رہی تھیں۔

”لاؤ۔ میرا لباس۔“

”لباس دے دو۔ اس نے مشکل کہا۔“

”درخت پر کجاؤ۔“ میں نے جواب دیا اور وہ درخت پر چڑھنے کے لیے تیار ہو گئی۔ پھر جتنی وہ درخت کے تنے پر چڑھی میں نے لباس نیچے پھینک دیا۔ اس نے لباس کے ساتھ ہی نیچے پھلانگ لگا دی تھی اور پھر وہ لباس لے کر ایک طرف دوڑ گئی۔ پھر اس نے لباس پہن لیا۔ اس دوران میں درخت پر ہی ٹٹکا رہا تھا میں اندازہ نہیں لگا پا رہا تھا اس کے بعد اس کا رد عمل کیا ہوگا؟

لیکن پھر میں نے اسے درخت کی طرف آتے دیکھا اور وہ نیچے کھڑی ہو گئی۔ چہرے کی مشرقی کم ہو گئی تھی لیکن اب بھی ایک عجیب سی کیفیت اس پر طاری تھی۔

”کیا تم اس درخت پر ہی زندگی گزار دو گے؟“ اس نے کہا۔ ”اوہ۔ نیچے آ جاؤں؟“ میں نے پوچھا۔ ”اؤ بھی؟“ وہ ہنسے ناز سے بولی لیکن اب میں اس سے پوری طرح ہوشیار تھا۔

”اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ تم مجھ سے جھگڑا نہیں کرو گے؟“

”رہیں کروں گی۔“ اس نے جواب دیا۔

”وعدہ کرتی ہو؟“

”ہاں۔ اؤ۔“ اس نے نرم لہجہ میں کہا۔ اب ظاہر ہے اس سے خوفزدہ تو تھا نہیں جو مجھ سے ڈرتا تھا۔ میں درخت سے نیچے اتر آیا۔ اس کی طرف سے کوئی تحریک نہیں ہوئی تھی۔ وہ خاموشی سے مجھے دیکھتی رہی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ کچھ بچہ خستہ بھول گئی ہو۔

”تم زندہ کس طرح بچ گئے؟“ وہ آہستہ سے بولی۔

”کیا مطلب؟“

”کیا سمجھ میں تمہاری ملاقات پھلیوں سے نہیں ہوئی؟“

”میں تمہارے اس مذاق سے کافی لطف اندوز ہوا۔“

”اوہ! میں جانتی تھی کہ تم ایک عمدہ تیراک ہو! وہاں کٹائے ہوئے پتے جاؤ گے۔ یوں ہی تم ایک انوکھے انسان ہوؤ۔ تمہاری حیرت انگیز صلاحیتوں کا اندازہ لگانا چاہتی تھی۔“

”اوہ۔ تم بہت شریک ہو۔“ میں نے کہا۔

”اؤ تم نے مجھے بہت پریشان کیا ہے۔“ وہ مڑ گئی اور ایک لمحے کے لیے اس الجھن میں پڑ گیا۔ کیا وہ کوئی چال چل رہی ہے۔ یا پھر۔ یا پھر۔

”میرا حال اب اس کے ساتھ بدل رہا۔“ میں نے پوچھا۔

”پہلے تھی اب نہیں ہوں۔“

”اوہ! کہوں؟“

”میں تم انوکھے انسان ہوں۔“

”میری بھی یہی رائے ہے کہ مجھ سے جھگڑا پھوڑ دو اور دوتی کر لو۔“

ورنہ قدم قدم پر تمہیں پریشان کرنا رہیں گا۔“

”دیکھو مجھے دکھایاں۔“ وہ مجھے پریشان کرنے کی ابتداء کرنے کی تھی۔ جھلاسی تہن لڑائی کر یوں بے لباس دیکھا جاتا ہے۔ اس نے کہا اور پروفیسر اس کی شکل بالکل بدل گئی تھی، اندازہ خال بے حذر نرم ہو گئے تھے اور اس طرح اس کے تن کی ایک عجیب سی جمہوریت پیدا ہو گئی تھی جیسے بہت جلدی محسوس ہوئی۔

”پہلے کی بات کر رہی ہو؟“

”ہاں!“

”وہ صرف اتفاق تھا لیکن آج میں نے جلدی بوجھ کر حرکت کی تھی۔“

”آج بھی تم نے مجھے بہت پریشان کیا ہے۔“

اب کہاں لے جا کر ڈوبو گی؟ میں نے سنا کہ وہ بولے پوچھا۔

”بھروسہ نہیں کرو گے پھر پڑا؟ اس نے شکایتی انداز میں پوچھا۔“

”کہوں؟“

”ہاں!“ اس نے چہرہ دوسری طرف کر لیا۔ اب یہی سناہیت تو ختم ہو چکی ہے۔ وہ خور و ٹٹ لیا ہے جو خور و ٹٹا تھا۔ تم نے مجھے جس حال میں دیکھا ہے میں نہیں چاہتی کہ دنیا کا کوئی دوسرا مجھے اس حال میں دیکھے۔“

”اوہ!“ میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا اور وہ گم گئی بالکل نرم ہو گئی تھی پروفیسر عجیب لڑائی تھی میں نے اس کی تصویر پر ہاتھ رکھ کر اس کا چہرہ اونچا کیا۔ اب تمہاری سناہیت کا احترام میرے اوپر بھی فرض ہے۔ کہاں چل رہی ہو؟“

”میرا گھر نہیں دیکھو گے؟“

”ضرور!“ میں نے سنا کہ وہ نے کہا شکر تھا کہ وحشی ہرنی راہ پر آ گئی تھی۔ پھر وہ مجھے اپنے خوف و ضرورت مکان میں لے گئی جو مجھ کا ساتھ لیا۔

سے بہت خوبصورت سماج ہوا تھا۔ یہاں پہنچ کر اس کا رویہ اور نرم ہو گیا اس نے مجھ سے بیٹھنے کی درخواست کی اور پھر خود بھی میرے سامنے بیٹھ گئی۔ وہ عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے کہا۔

”مجھے اپنے بالے میں تفصیل سے نہیں بتاؤ گے؟“

”کیا بتاؤں۔ کوئی خاص بات نہیں ہے۔ ایک آوارہ گرد ہوں۔ زمین کے بہت سے خطوں میں گھوم چکا ہوں اور یوں گھومتا ہوا تمہاری بستی تک آ نکلا ہوں۔ اتفاق تھا کہ تم نظر آ گئیں۔ تم میری نگاہوں میں عام عورتوں سے مختلف نہ ہوئیں لیکن تم میرے اوپر جس طرح و متباد حملے کیے ان کی وجہ سے مجھے پسند آ گئیں اور اب میں تمہیں پیار کرنے لگا ہوں۔“

میں نے کہا۔

”اوہ! لیکن تم تم خود کیا ہو؟ تم نے درخت کو زمین سے لگا ہوا لیا تھا اور۔ اور تم نے سمندر میں اتنا فاصلہ تیر کر لے کیا تھا۔“

”آؤ مجھ کیوں کر بھول رہی ہو تم؟“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور وہ لگاؤں چلنے لگی۔

”ہاں جیکو وہاں آؤ مجھ کی جگہاں بھی موجود ہیں۔“

”میں نے ان میں سے چند جگہاں کو ہلاک کر دیا اور خون کی پیاسی جھلیاں اپنی ساتھیوں کی لاشوں پر ٹوٹ پڑیں۔“

”ہلاک کر دیا؟“ اس کی آواز میں شدید حیرت تھی۔

”ہاں!“

”سمندر میں؟“ وہ شدید حیرت سے بولی۔ لیکن تمہارے پاس تو کوئی ہتھیار بھی نہیں تھا۔“

”بعض اوقات میں ہتھیاروں کی ضرورت نہیں محسوس کرتا۔“

”تم ہنسنے والے کہاں کے ہو؟“

”میں کسی جگہ کا تعین نہیں ہے۔ کہا نا پتھر آوارہ گرد ہوں۔“

”مجھے تمہارا نام بھی نہیں معلوم ہے۔“

”تمہاری بستی کے لوگ مجھے سبوتا کے نام سے پکارتے ہیں۔“

”اوہ۔ بہر حال تم بستی کے سارے لوگوں سے عجیب ہو لیکن۔“

لیکن۔ وہ خاموش ہو گئی۔ اس نے جلد پورا نہیں کیا تھا۔

”ہاں۔ لیکن کیا ہے؟“

”تم نے میرے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا تھا کسی کو کبھی جڑت نہیں ہوئی تھی کہ۔ کہ شاد کے سامنے آجھا تھا اسکے لیکن تم نے۔ تم نے۔“

”اوہ۔ شائد اسے بھول جاؤ۔ میں تم نے میرے ساتھ دھوکا کیا تھا۔“

اس لیے میں نے اس وقت تمہیں پریشان کیا۔

وہ مسکراتے ہوئے۔ بے حد خوش سکرام تھا تھی کم بخت کی اور بہت ہی پسند آئی تھی وہ مجھے۔ ایک بار پھر میں اٹھ کر اس کے نزدیک پہنچ گیا۔

”مرد کی حیثیت سے کوئی تمہاری زندگی میں نہیں آیا؟“

”مرد۔ مجھے مردوں سے نفرت ہے۔ وہ بے اختیار بول پڑی۔“

”آخر کیوں؟“

”بس میں تمہیں تباہی چاہتی ہوں۔ مجھے مرد کی برتری پسند نہیں ہے میں میں ان کی وہ حیثیت قبول نہیں کر سکتی۔“

”اوہ۔ آج تک تم بستی کے کسی نوجوان سے متاثر نہیں ہوئیں؟“

”یہ الفاظ میرے لیے گال کی حیثیت رکھتے ہیں۔“

”عجیب ہو تم شائد۔ واقعی عجیب ہو۔ بہر حال میرے بالے میں اب تمہاری کیا رائے ہے؟“

”تم۔ بس تم ان سب سے مختلف ہو۔ تم بہت انوکھے ہو۔ کاش تم مرد نہ ہوتے۔“

”میرا خیال ہے اگر میں چند روز اور یہاں رہ گیا تو تم مردوں کے بالے میں اپنی رائے ضرور بدل دو گی۔“

”شاید۔“ اس نے نہ بدل لیا۔ کچھ عجیب سی کیفیات اس کے چہرے پر رقصاں تھیں۔ چند ساعت وہ خاموش رہی پھر بولی۔ میں تمہاری کیا خاطر کروں؟“

192 کیا عجب؟ میں نے جب سے پڑھا۔

193

192

طلب کی لیکن اپنی مختصر زندگی کا بھی احساس تھا۔ چنانچہ میں نے سوچا اگر کسی ایک راستے کا انتخاب کروں اور اسی پر چل پڑوں۔ سو سب سے اچھی بات یہی نظر آئی کہ انسانی جسم کی تکلیف کی نگرانی کروں تاکہ اپنے سکون کے علاوہ دوسروں کے لیے بھی کچھ ہو سکے۔

”عمدہ بات ہے ہاؤ۔ میں نے تقریبی انداز میں کہا۔

”میری سوچ کی نینک نیکی تو تسلیم کرتے ہو؟“

”بلاشبہ۔ میں نے جواب دیا۔

”تب میری انجمنوں کو رو کر دو۔“ ہاؤ نے ملتی بجم میں کہا۔

”میں تیار ہوں ہاؤ۔“ میں نے غلوں سے جواب دیا یا اس شخص کے علم اور اس کی باتوں سے میں کافی متاثر ہو گیا تھا۔

”اس کے علاوہ تم نے بھی کچھ کہا تھا۔“

”میں نے؟“

”ہاں!“

”تمہارا اشارہ کس طرف ہے؟“

”تم نے میرے علم، میرے فن سے کچھ غامضی تھی۔“

”اوہ۔ ہاں۔ بلاشبہ۔ تمہارے علم سے ہی میں نے حد متاثر ہوا ہوں ورنہ میرے لیے تم ایک عام انسان سے زیادہ نہ ہوتے۔“

”یہ میری صریح تعریف ہے۔“ ہاؤ نے سرت سے کہا۔ ”میری ازل خواہش ہے کہ صاحبِ چشم مجھے میرے علم سے بچائیں اور میری محنت کا ثمر ہے۔“

”یقیناً!“ میں نے جواب دیا۔

”سو میرے عزیز بھائی! جو کچھ ہے میرے ذہن میں جو کچھ ہے ان میں سے جس جس کا چاہا اور انتخاب کر لو اور اس کے بارے میں مجھ سے جو چاہو پوچھ لو لیکن سوچنا دوڑنا کے لیے مجھے بتا دو کہ میری اب تک کی کاوشوں میں کہاں غامضی رہ گئی؟“

”میں نہیں سمجھا۔“

”میں بھی نہیں سمجھا۔“ ہاؤ نے جواب دیا۔ ”وہ کونسی قوت تھی جس نے مجھ کو دینے والی سرودی اور گھولانے والی گرمی اتنی آسانی سے برداشت کر لی؟“

”تم بھی تو وہیں تھے ہاؤ!“

”ہاں لیکن بے اثری کے نول میں۔ اگر اس نول سے میری انگلی کا ناخن بھی باہر نکل آتا تو میری زندگی بحال تھی۔“

”اوہ! یہ بات تھی۔ میں نے گردن ہلاتی۔

”ہاں میں تمہاری مانند نہیں ہوں۔“ ہاؤ نے جواب دیا اور میں خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔ اسی اشارہ میں ہاؤ اپنی جگہ سے اٹھا اور اس نے مجھے ایک پیالے میں پانی بھر کر اس میں ایک مرتبان سے کسی مٹول کے تھوڑے ٹکڑے اور پھر پیالے پر اپنے قریب رکھ لیا۔ پانی کا رنگ بن

تھا۔ میں نے تعجب سے اسے دیکھا۔

”یہ کیا ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”اوہ۔ کوئی خاص چیز نہیں۔ مجھ اپنی انگلیوں میں سوزش محسوس ہوتی ہے۔ اس دوا سے انھیں تر کرنے پنے سے وہ ٹھیک ہوتی ہیں۔“ ہاؤ نے جواب دیا اور میں نے پانی کا رنگ بدلتے دیکھا۔ وہ ایک دم

سرخ ہو گیا تھا لیکن پھر وہ دوبارہ اصل رنگ پر آگیا۔ ہاؤ میری طرف دیکھنے لگا تھا۔

”ہاں تو حکیم ہاؤ! تم میرے بارے میں جاننے کے خواہش مند ہو لیکن میرے دوست جو کچھ میں تمہیں اپنے بارے میں بتاؤں گا وہ تمہارے لیے ناقابل یقین ہوگا۔“

”نہیں۔ ایسا نہ ہوگا۔“ ہاؤ نے وثوق سے کہا۔

”اس اعتماد سے کیوں کہہ رہے ہو؟“

”اس لیے کہ ناقابل یقین وہ محات تھے جن سے میں گذر چکا ہوں۔ اب کچھ ناقابل یقین نہیں ہے۔“

”اوہ۔ یہ بات ہے۔ تو پھر ایک بات بتاؤ حکیم ہاؤ! تمہاری نگاہیں میری کیا ہو گئی؟“ میں نے پوچھا۔

”تمہارے جسم و انداز کے مطابق تقریباً چالیس سال۔“ ہاؤ نے جواب دیا۔

”اگر میں تمہیں بتاؤں کہ میری عمر چالیس ہزار سال ہے تو تمہیں یقین آئے گا؟“ میں نے کہا اور ہاؤ تعجب سے میری طرف دیکھنے لگا۔

پھر بولا۔

”لیکن یہ ایک دلچسپ مذاق ہوگا۔“

”اور اگر میں تمہیں بتاؤں کہ میری عمر چالیس لاکھ سال بھی زیادہ ہے تو بھی تم یقین نہیں کرو گے۔“

”تم کتنا کیا چاہتے ہو؟“ ہاؤ نے بے چینی سے کہا اس کی نگاہیں میرے چہرے کو ٹھول رہی تھیں اور کبھی کبھی وہ پریشان کن انداز میں پانی کے پیالے کو کھٹکھٹانے لگتا۔

”یہی کہ میری عمر کوئی تین تین ہے۔ یہ چالیس ہزار سال بھی ہو سکتی ہے چالیس لاکھ سال یا اس سے بھی زیادہ۔۔۔۔۔“

”کیا مطلب ہے؟“ ہاؤ کا منہ سرت سے کھل گیا اس نے جلدی سے پیالے میں انگلیاں ڈبو دی تھیں۔

”ہاں میری عمر لا محدود ہے۔“

”مگر کس طرح؟“

”بس میں نہیں جانتا کہ میں کون ہوں۔ میں نے انسانی شکل اختیار کی۔ میں یوں سمجھ کر ارتقاء کے انسانیات کو اپنی نگاہوں سے دیکھتا رہا ہوں۔ میں نے صدیوں کے ساتھ سفر کیا ہے۔ لائنڈا صدیاں میری ہم سفر رہی ہیں۔ آگ میرے بدن کو جلا بخشتی ہے۔ پانی اور ہوا میری معاون

ہیں۔ مادی دنیا کی ہر شے میرے اوپر بے اثر ہے۔ ہاں انسانی ضروریات سے بھی میں عاری نہیں ہوں اور انسانی خصوصیات رکھتا ہوں۔ میں نے ہر دور کے انسانوں کے ساتھ زندگی گذاری ہے۔“

ہاؤ پاگوں کی طرح میری شکل دیکھ رہا تھا کبھی اس کی نگاہیں پانی کے برتن پر بھی جا پڑتی تھیں نہ جانے کیوں وہ بار بار پانی کے پیالے کی جانب دیکھ رہا تھا۔ بالآخر وہ بولا۔

”لیکن تم خود کو کیا کہو گے؟ دو تونا، کوئی آسانی قوت یا کچھ اور؟“

”کچھ نہیں۔ میں نے جب آکھ کھولی تو زمین بھی۔ آسانی اجسام میرے شعور میں ہیں لیکن بہم سے۔ میں ان کے بارے میں کوئی بات وثوق سے نہیں کہہ سکتا۔ ہاں جب میں نے زمین پر آکھ کھولی تو خود کو کسی شکل میں پایا جس میں میں موجود ہوں۔ اس صورت میں میں خود کو کوئی آسانی وجود تو نہیں کہہ سکتا۔“

”تم جو کچھ کہہ رہے ہو حیرت انگیز ہے لیکن لفظ بہ لفظ درست۔ آہ کیا یہ بات زمین کے کسی انسان کے لیے قابل قبول ہے؟“

”کچھ نہ تسلیم کیا اور کچھ یقین نہ کر سکے لیکن وہ فانی تھے بالآخر طے گئے اور میں آج بھی ان پر رہتا ہوں۔“

”تم صدیوں سے زندہ ہو؟“

”ہاں!“

”کیا تمہارے اندر تنبلیاں رونما ہوتی ہیں؟“

”نہیں!“

”گویا جس شکل میں موجود ہو، ہمیشہ سے ایسے ہو؟“

”ہاں۔ میں نے جواب دیا۔

”اوہ۔ روح متوڑ ہو گئی ہے کیسے کو تو تمہیں ہم۔ تمہاری ہستی کو اس طرح نظر انداز کرتے رہے لیکن کون پہلنے کا کون گھاسے گا؟ میری دوست

صدیاں تمہاری نگاہ میں کھل کتاب کی مانند ہوں گی۔ کیا کیا نہ دیکھا ہوگا تم نے اور اس وقت جب تم علم درست بھی ہو کیسے کیسے مدرتوں سے علوم نہ سیکھے ہوں گے تم نے؟“ ہاؤ کا منہ ہلنے ہوئے کہنے لگا۔ وہ مجھ سے بہت متاثر تھا اور بڑی عقیدت بھری نگاہوں سے مجھ دیکھ رہا تھا۔

”لیکن ہاؤ مجھے تعجب ہے کہ تم نے میری بات پر یقین کس طرح کر لیا؟“

”مجھے پورے وثوق سے کہنے دو کہ تم نے ایک لفظ بھی غلط نہیں کہا ہے۔“

”تم بار بار اس پیالے کی جانب کیوں متوجہ ہو رہے تھے؟“ میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

”مجھے صاف کر دو گے صدیوں کے بیٹے، ناراض تو نہ ہو گے؟“

”نہیں حکیم ہاؤ۔ میں تمہاری عزت کرتا ہوں۔“

”تب اسے میری کاوش سمجھو، جھوٹ اور سچ کی پرکھ کرنے کے لیے یہ میری کاوش ہے۔ تم کوئی جھوٹا ہو گے اس پانی کا رنگ سرخ

ہو جائے گا۔ تمہیں یاد ہوگا کہ تم نے اس کے بارے میں پوچھا تھا اور میں نے بتایا تھا کہ میری انگلیوں کی سوزش کے لیے ہے تب پانی کا رنگ سرخ ہو گیا تھا۔“

”مجھے یاد ہے۔“ میں نے دلچسپی سے کہا۔

”میں نے تمہارے الفاظ کو اپنی پرکھ سے پرکھا ہے اور دیوتا کی قسم تم نے جو کچھ بتایا ہے وہ عقل سے باہر ہے لیکن جھوٹ نہیں ہے۔“

”ہاں ہاؤ۔ یہ جھوٹ نہیں ہے۔“

”تب تو میں اسے فوکی تقدیر ہی کہوں گا کہ نادانستگی میں وہ تم سے جا مل گیا۔ تم جو صدیوں کا تجربہ رکھتے ہو۔ تم جو ناقابل تسخیر ہو لیکن فوٹا کے معاملے کو اتنی دقت سے نہ دیکھو سوتا۔ اگر تقدیر اس پر مہربان ہو گئی ہے تو اس کی پوری پوری مدد کرو اسے مشورے دو۔“

”اوہ۔ میں عملی طور پر اس کے ساتھ ہوں ہاؤ۔ تم لوگ جو کچھ کر رہے ہو وہ اپنے طور پر درست۔ ہر علاقے کے اپنے مسائل ہوتے ہیں۔ وہاں کے لوگ ان مسائل کے بارے میں بہتر طور پر سوچ سکتے ہیں۔ تم جو کچھ کر رہے ہو زیرک ذہن ہی کہہ سکتے ہیں۔ ہاں جب ان کی عملی شکل سامنے آئے گی تو ہر اس مشکل کا حل میں پیش کروں گا جو تمہارے لیے مشکل ہوگی۔“

”یہ بھی بہت بڑی بلکہ کتنا چاہیے نہایت اُمید افزا بات ہے۔“

”ہاؤ نے عقیدت سے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

”تو ہاؤ! اب تمہارے ذہن کو سکون نصیب ہوا ہے۔“

”بہت بڑا سکون۔ ظاہر ہے تم عالم انسانوں سے سی مختلف ہو تو پھر انسانی مضمرات سے آشنائیں ہو۔ گویا میرے علوم غلط نہیں ہیں محدود ضروری ہیں۔“ ہاؤ نے مسکراتے ہوئے کہا اور میں بھی مسکراتے لگا۔

”ہاں تیرے علوم غلط نہیں ہیں ہاؤ!“

”چند باتیں اور بتا سوتا ہے۔“ ہاؤ نے عاجزی سے کہا۔

”ہاں ہاں۔ میں تیار ہوں۔“ میں نے جواب دیا۔

”میں تیری جہاں حیثیت کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہوں۔“

”پوچھو!“

”کیا تجھے بھوک لگی ہے؟“

”نہیں۔ اسے بھوک نہ کہو۔ ہاں انسانوں کے ساتھ ہوتا ہوں تو ان کی رسومات میں شریک ہو جاتا ہوں اور کچھ اختلاف نہیں کرتا۔ ہاں اگر معدیوں خوراک نہ ملے تو اس کی طلب نہیں محسوس کرتا۔“ میں نے جواب دیا۔

”پاس؟“ ہاؤ نے پوچھا۔

”اس کی بھی ہی کیفیت ہے۔“

”خوب! فینڈ کے بارے میں کیا کیفیت ہے؟“

”وہ کیا ہے“ ہاگو نے بے حد دلچسپی سے پوچھا۔

”صد ہاؤز تک جاتے رہنے کے بعد میری فطرت میں معمول پیدا ہو جاتا ہے۔ اس جہاں سے بیزاری کا احساس پیدا ہونے لگتا ہے اور اس وقت دل چاہتا ہے کہ میں سو جاؤں۔ ایک طویل اور گہری نیند۔ اور میری کوئی مناسب جگہ تلاش کر کے سو جاتا ہوں۔ صدیوں کی نیند۔ ایک نینت کر کے کس دور میں میری آنکھ کھلے گی اور میری صدیوں سوتا رہتا ہوں اور جب جاگتا ہوں تو بھاش ہوتا ہوں۔“

”اوہ۔ اوہ۔ سو نے سے تھاری جسمانی ساخت پر کوئی اثر نہیں؟“

”نہیں۔ ہوائیں اور موسم میرے بدن پر اثر نہیں۔ اکثریں سنڈ کی آغوش میں سوتا ہوں۔ اس بار بھی ایسا ہی ہوا تھا۔“

”حیرت انگیز۔ دیوتاؤں کی قسم جیسا انگیزہ“ ہاگو نے کہا اور پھر بولا۔ ”اس بار سے تھاری کیا مڑا رہے ہے؟“

”میں نے سو نے کے لیے خود کو لڑن کی آغوش میں دے دیا تھا اور ابھی میری نیند گہری تھی نہیں ہوتی تھی کہ فوجا جھ سے اٹھ گیا۔“

”تو باقی نیند کے عالم میں تھے؟“

”ہاں اور وہ موت کے عالم میں۔“

”اوہ کیسی خوب خیر بات ہے لیکن سوتا کیا تم دوسری انسان ضرورتوں سے بھی مبرا ہو؟“

”اگر تھاری مراد عورت سے ہے تو نہیں جس مردوں میں میری کمزوری نہیں طلب رہا ہے اور عورت سے دور رہ کر میں نے اس کی طلب محسوس کی ہے۔“

”تو یقیناً ادوار میں تھاری مجبور بائیں رہی ہوں گی؟“

”تھرو کے اس دور میں بھی جب انسان جس سے ناواقف تھا اور پھر تہذیب کی طرف بڑھتے ہوئے ادوار میں بھی عورت ہمیشہ میرے ساتھ رہی ہے۔“

”اوہ۔ کیا تم نے کسی عورت سے شادی نہیں کی؟“

”شادی“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”شادی تو ایک رسم ہوتی ہے ہاگو۔ میں نے ہر تہذیب کی رسموں کو دیکھا ہے۔ لیکن خود پر طاری کرنے کے لیے بھی تیار نہیں ہوا۔ عورت، نوجوان کی عمر کے بعد پوری زندگی میرے ساتھ رہی ہے لیکن میری مرضی کے مطابق۔ میں نے خود کو کبھی کی تہذیب میں ڈھالنے کی کوشش نہیں کی۔“

”اوہ۔ تو تھاری مجبور بائیں تھاری زندگی کا ساتھ تو دے پاتی ہوں گی؟“

”نہیں۔ جو ان ہوتی تھیں، بوڑھی ہوجاتی تھیں اور جوانی تھیں۔“

”اولاد بھی نہیں ہوتی تھیں؟“

”ہاں۔ مجھے یہ آسانی بھی فراہم رہی ہے کیونکہ میرے بدن نے آگ سے جلا پانی ہے اس لیے شاید میں اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت سے محروم ہوں۔“

”کبھی کی مذہب سے نہیں متاثر ہوئے؟“ ہاگو نے پوچھا۔

”مذہب؟“ میں نے پریشان انداز میں کہا۔ ”میں نے جتنے مذہب کا تجربہ کیا ہے ان میں کچھ چیزیں مشترک پائی ہیں۔ سارے اچھے مذہب انسانیت کی فلاح کے لیے ہوتے ہیں۔ خود انسان کو اس کے فائدے میں ہیں مذہب کے متاثرین ہوتے ہیں۔ ہر اچھا کام اچھی چیز اپنی طرف متوجہ کرتی ہے لیکن چونکہ میں خود ان میں شامل نہیں تھا اس لیے میں نے ان میں سے کسی کو پانے کی کوشش نہیں کی۔“

”ہاگو نے پناہ عقیدت سے مجھے دیکھ لیا تھا۔ پھر اس نے عجیب سے لمحے میں کہا۔ ”آہ کیسے بڑے علم ہوتے ہوں گے تھیں۔ کیا کچھ نہ دیکھا ہوگا تم نے۔ کیا کچھ نہ سیکھا ہوگا۔“

”ہاں ہاگو۔ علم داں میرے لیے ہمیشہ باحیثیت ہے میں اور میں نے ان سے بہت کچھ سیکھا ہے۔“

”میری بچپنی کی تجربہ گاہ حاضر ہے میں تیرے سامنے کھیا حیثیت رکھتا ہوں۔ اس میں جو کچھ ہے تیرے لیے کھل کتاب ہوگا۔ تو مجھ سے ایک ایک چیز کے بارے میں پوچھ لے اور بلاشبہ بات میرے لیے قابل فخر ہوگی کہ میرا علم لافانی ہو گیا ہے۔ وہ ایک ایسے میں ہے جس میں صدیوں کے سب سے سترے راز چھپے ہوئے ہیں۔“

”میں تجھ سے ایک ایک چیز کے بارے میں پوچھوں گا۔ سو اتنا میں اس حق جھوٹ کے پانی سے کر دوں گا۔ اسے کن بنیادوں پر تیار کیا گیا ہے؟“

اور پھر وینسرا اس کی تفصیل تھانے لیے بیکار ہو گئی۔ کیونکہ تم اس کا صحیح تجربہ نہ کر سکو گے۔ مختصر یہ کہ اس روز میں ہاگو سے اس بارے میں معلوم حاصل کرتا رہا اور پھر میں نے چند تجربات بھی کیے اور ان سے خوب محظوظ ہوا۔ لیکن رات کا مجھے بے چینی سے انتظار تھا۔ رات میرے لیے کچھ نئے تجربات لانے والی تھی۔ یعنی ایک انتہائی حد تک پہنچی ہوئی وحشی عورت جب کسی سے ہیار کرنے لگتی ہے تو اس کے پیار کا انداز کیا ہوتا ہے۔

سورات آگنی اور جوبھی اندھیرا پھیلا میں شانہ کے پاس جانے کی تیاری کرنے لگا۔ ہاگو اور فوسا سے رات کی آخری ملاقات ہو چکی تھی اور اب سو نے کا وقت تھا میں اطمینان سے باہر نکل آیا اور پھر تارکیوں میں شانہ کے مکان کی جانب چل پڑا۔ گائیٹل ہلکے رنگ کا مکان تھا میں اطمینان سے چل قدم کرتا ہوا اس کے دروازے پر پہنچ گیا اور پہلی ہی دنگ پر شانہ باہر نکل آئی میں اس کی ہمارے کچھ کر سکر رہا تھا کھٹے سیاہ بادلوں کے درمیان چاند نکلا ہوا تھا۔ اس نے بالوں میں جگہ جگہ تھکے تھکے نولسری کے پھول الگے ہوئے تھے جو سیاہ بادلوں میں تھکے تھکے ستاروں کی مانند جگمگاتے تھے۔ اس کے علاوہ اس کا لباس بھی بے حد خوبصورت تھا۔

”اندرا کیا سو جاتا؟“ اس نے کہا اور میں اندر داخل ہو گیا۔ وہ مجھے مکان کے سب سے اندرونی حصے میں لے گئی جو دروازے سے زیادہ دور نہیں تھا لیکن نہایت خوبصورتی سے سمایا گیا تھا۔ بیٹھو۔ اس نے پیار

سے کہا اور میں اس کے اشارے پر بیٹھ گیا۔ اس وقت وہ ایک حسین عورت تھی اور میں ایک عورت کے حسن کا شکار محسوس ہو رہا تھا۔ چنانچہ سیری صلاحتیں حماقت کے غلات میں پوشیدہ ہو گئی تھیں۔

”دن کی گزندا سوتا؟“ اس نے پوچھا۔

”جس دن کا آغاز حسین ہو رہا ہے اچھا، کی گزندا ہے۔“

”میں تم سے متفق نہیں ہوں۔“

”کیوں؟“

”غزری نہیں کہ جو آغاز تھاری نگاہ میں اچھا ہو، وہ بھی کے لیے اچھا ہو بعض اوقات اس دن کی شام اچھی نہیں ہوتی۔“

”لیکن اس دن کے آغاز انجام کے شاد ہوتے ہیں دونوں میں کسی تیرے کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ خود تھارا اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟“

”بڑے چالاک ہو۔ بات کو خوب بدل دیتے ہو؟“ اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور میں بھی مسکراتے لگا۔ پھر میں نے کہا۔

”لیکن میں تھانے کے الفاظ کو کچھ نہیں سکا۔“

”بس یوڑی پوچھ رہی تھی۔ میں بھی آج دن بھر تھارے بارے میں ہی سوچتی رہی۔“

”میں جانتا تھا۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”کیا جانتے تھے؟“

”یہی کہ تم پورا دن میرے بارے میں سوچتی رہو گی۔“

”ہاں۔ تم مجھے ضرورت سے زیادہ ذہین لگتے ہو۔ کیا خاطر کروں تھاری؟“

اس حسین رات کی ابتداء کے طور پر، میں نے کہا اور وہ میرے اٹھنے کا ارادہ نہ بنا پ گئی اور جلدی سے بولی۔

”ابھی توقع کرو، جلد بازی اچھی چیز نہیں ہوتی میں ابھی آتی ہوں اس نے کہا اور باہر نکل گئی۔ میں نے ایک طویل سانس لی اور آرام سے بیٹھ گیا یہ بات بڑی دلکش تھی کہ وہ طبع جو کبھی تھی۔

میں انتظار کرتا رہا۔ اس دوران میرا ذہن ماضی میں چلا گیا تھا۔ لاکا لیس اس دور دوسری روکیاں مجھے یاد آ رہی تھیں۔ بے شمار لوکیاں جنھیں یاد کرنے کے لیے ذہن پر زور دینا پڑتا تھا لیکن سب کی سب پہلے کچھ نظر آتی تھیں اور بعد میں کچھ ہوجاتی تھیں۔ ہاں انھیں قابو میں کرنے کے لیے بہت سے ڈرامے کرتے ہوتے تھے۔ شانہ بھی دوسری عورتوں سے مختلف نہیں تھی۔

لیکن پروفیسر میرا خیال ہے انسان دنیا کی ہر چیز سے اکتا جاتا ہے لیکن کبھی بھی وہ نئی نئی چیزیں نہیں اکتاتا۔ اس کے لیے وہ طرح طرح کے جن کرنے سے نہیں کڑا اور جب اس کا حصول ممکن ہو جائے تو ایک انوکھا سکون محسوس ہوتا ہے یہی کیفیت اس وقت میری تھی۔

میں شانہ کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا لیکن کافی دیر گزر گئی اور وہ واپس نہ آئی۔ کس جگہ میں پرانی آہن کیس کی۔ جھلا میں یہاں کھانے پینے آیا ہوں۔ مجھے تو کسی چیز کی حاجت نہیں تھی میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا اور پھر میں نے اسے آواز دی لیکن میری آواز کا کوئی جواب نہیں ملا۔ حساب لاکھ پٹا سامان تھا۔

”شانہ!“ میں نے دروازے کے قریب آگے سے پکارا لیکن اسی وقت مجھے ہلکی سی آنکھ محسوس ہوئی، ایسی آنکھ جو عام نہیں ہوتی۔ جیرانی سے میرا منہ کھل گیا۔ میں نے دروازے کو زور سے دھکا دیا لیکن وہ باہر سے بند تھا اور دوسرے لمحے میرے ذہن میں ایک عجیب سا خیال برسرِ کار گیا۔

”شانہ!“ میرے منہ سے سرسراہٹ سی نکلی، کیا اس لوگ نے اب بھی ذہنی طور پر مجھے قبول نہیں کیا۔ دوسرے لمحے میں نے دروازے پر ہلات ماری اور دروازہ اکھڑ کر دوڑ جا پڑا۔ میرا خیال درست تھا۔

پورا مکان آگ کے شعلوں کی لپیٹ میں تھا۔ شانہ!“ میں نے چیخ کر اسے آواز دی اور مکان کے باہر سے شانہ کا دھشتہ تھکڑا۔

”جنگلی جانور بڑا ناز ہے تجھے خود پر تو سوچ رہا تھا کہ میں تیری لوانی ہو گئی ہوں۔ تیرے غلیظ اور کڑوہ بوٹوں کی حلاوت نے میرے بدن کو نکال کر نیا ہے۔ اس نے میری انسانیت کا غور توڑ دیا ہے۔ مرد میں عورت نہیں ہوں میں نے متاثر ہونا نہیں سیکھا ہے۔ دن میں میں نے تجھے دفن اس لیے برداشت کر لیا تھا کہ تو جسمانی طور پر ماضی کی طرح طاقتور ہے میں تجھے زیرِ زکسوں کی لیکن تو کیا سمجھتا تھا، اپنی اس شدید تویہن کے بعد میں تجھے زندہ پھوڑ دیتی۔ میں نے تجھے رات کو اسی لیے بلایا تھا کہ میں دن میں اپنا کام مکمل کروں اور بلاآخر تو سارے آہن مردوں کی مانند میرے خیر میں گیا اور اب کل دن کی روشنی میں تیری جھلسی ہوئی لاش شہر کی سب سے بارون جگہ چنک دوں گی اور کتوں کو پھر احساس ہو جائے گا کہ شانہ کسی مرد سے متاثر ہونے کے لیے پیلا ہی نہیں ہوتی۔“

پروفیسر۔ میں نے اس شہیدِ طمان عورت کے الفاظ سننے اور اپنی کھوپڑی پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ خوب کا سیاب دھوکا دیا تھا اس نے مجھ اور حقیقت بڑی اونچی فطرت کی مالک تھی وہ۔

سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ انتقام کے شعلے اس کی روح میں اس طرح حلول کر گئے تھے کہ وہ میری موت کے لیے اپنا گھر بھی جلا سکتی تھی۔ آگ اس شاندار طریقے سے لگتی تھی کہ اب وہ چاروں طرف سے مکان کے اندر کی جانب بڑھ رہی تھی۔ گویا باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ بے شک یہ بے وقوف لوگ دن بھر مکان کے ارد گرد ایسے انتظامات کرتی رہی ہوں گی کہ آگ اس طرح بھڑکے کہ کچھ نہ سکے۔ اس نے پورا دن اسی کام میں صرف کیا ہوگا۔ لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ شانہ نے کہا تھا کہ وہ میری خاطر کرنا چاہتی ہے سوا اس نسلِ نبی بات ہی پوری کی تھی۔

لوگ کسی بھی مہمان کو مختلف مشروبات یا گرم چائے نہیں شلا تو وہ پیش کرتے ہیں۔ مہمان کی اپنی پسند ہوتی ہے۔ اگر میں کسی کے گھر مہمان جانا اور مجھے سے میری پسندیدہ چیز بھی جاتی تو تو میرا مہمان کو میری طرح کی پیشہ ہوتا یا پھر وہ سوچتا شاید میں اس سے کوئی اچھا مذاق کرنا ہوں یعنی اگر میں اس سے کہتا اگر وہ میری خاطر کرنا چاہتا ہے تو میرے لیے عمل کرنا اس کا بندوبست کر دے تو سوچو پھر فیکر کہ وہ اس وقت میرے بلے میں کیا سوچتا بلاشبہ شام ایک اچھی میزبان کی کلاس نے میری سبک پسندیدہ شے مجھے پیش کر دی تھی۔

تو پھر میں جلتے ہوئے مکان میں یوں نہ لذت محسوس کرنا شعلوں کی زبانیں میرے بدن پر سان کر رہی تھیں۔ جوں جوں وہ بلند ہو رہے تھے میری آنکھوں میں نشہ بڑھتا جا رہا تھا اور پھر میں شعلوں کے ریمان لیٹ گیا۔ اٹھیلیں کرتا رہا ان سے۔ اور شعلے میرے بدن کو چاٹتے ہوئے درمیان کے مختلف حصے جل جل کر گرتے رہے۔ یہاں تک کہ پورا مکان راگھ کے پھر میں بدل گیا۔ تب میں اٹھا اور خاموشی سے باہر نکل آیا۔ مجھے یقین تھا کہ شام کہیں قریب ہی موجود ہوگی۔ حیران کن بات یہ تھی کہ جلتے ہوئے مکان کے بارے میں بستی والوں کو کوئی اطلاع نہیں ملتی تھی یا لگتی تھی تو کسی نے اس طرف آنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ آگ بجھانے کی غرض سے نہیں تو اسے دیکھنے کی غرض سے ہی سی۔

وہ اس طرف آئے تو یقیناً ممکن ہے شام کی آتش مزاجی نے انھیں اس سے روکا ہو۔ پھر حال اس وقت میرے بدن کا لباس بھی جل چکا تھا۔ اور میں میں شام کے سامنے اس انداز میں نہیں آنا چاہتا تھا اس لیے میں انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ ہال کے مکان کی طرف چل پڑا۔ اور پھر اس کے عقبی حصے سے اندر داخل ہو گیا۔ نئے لباس کی تلاش میں مجھے خود ہی ہال کے مکان کی تلاشی لینا پڑی تھی۔ اور بات یہی کیا ہوئی پروفیسر اگر اس صبح بھی میں جھیل پر شام سے ملاقات نہ کرتا، البتہ اتنا اندازہ لگایا تھا میں نے کہ یہ لوگ بے حد کینہ پرور ہے اور معاف نہیں کرے گی اپنی سائیت شکی پر مجھے۔ گویا اس کے ذہن میں یہ تصور رسائے تعزرات پر حاوی ہے کہ میں نے اس کے برہنہ جسم کو دیکھا اور توہین کی اس کی سائیت کی یعنی مراد اس کی نگاہ میں بھی کوئی حیثیت نہیں پاسکتے۔

تو پھر کہوں میں اس سے ایسا سلوک کروں جس میں دوستی کا عنصر ہو۔ ہاں خود میری اپنی بھی تو کوئی حیثیت تھی۔

تو بات پھر اس مرحلے پر کہ اب صحت میں اپنے مسائل سے خلدیغ ہاتھوں میں نہیں آنا۔ اور اب تو کم بہت گھر بھی جلا بھی تھی اپنا میوکل نہ آتی وہ جھیل پر۔ گویا اسے گھر کے زبان کا کوئی احساس نہ تھا اور بڑی ہی بے نشان نظر آ رہی تھی اور اگر میں چاہتا تو ان بھی اسے لباس سے محروم کر دیتا۔ لیکن میں اس سے انجینیت کا اظہار نہ چاہتا تھا۔ چنانچہ جب وہ کمرے کے اندر

جھیل میں کود پڑی تو میں جھیل کے کنارے جا کر ابرا۔

اور یہ تو ناممکن تھا کہ وہ مجھے نہ دیکھتی اور یہ بھی ناممکن تھا کہ مجھے مجھے کے بعد وہ احساس پر قابو رکھ باقی چہاں میں سے اسے کسی مردہ جھیل کی مانند سطح آب پر ساکت دیکھا۔ اس کی پٹی پٹی آنکھیں مجھے دیکھ رہی تھیں اور بھول گئی تھی اس وقت وہ اپنے بدن کی برقی کو۔ نہ یہ احساس تھا اس کے ذہن میں کہ وہ لباس سے عاری ہے۔ گویا خود کو چھپانے کا خیال اس کے تصور سے نکل چکا تھا اور لہذا وہ غور کر رہی تھی کہ بعض اوقات موت انسان سے اس قدر ڈر کیوں بھانپتی ہے۔ حیرت کے یہ لمحات زیادہ طویل نہ تھے۔

دوسرے لمحے وہ مجھ کی مانند تڑپتی اور اس کنارے کی سمت پسپا ہواں اس کا لباس موجود تھا۔ گویا اس کا خیال ہو گا کہ کہیں انتقام میں نے اس کے لباس کو قطعی طور پر ضائع تو نہیں کر دیا۔

لیکن میں ساکت کھڑا رہا اپنی جگہ اور اس نے لباس پہن لیا۔ میرا خیال تھا کہ وہ مجھ سے گفتگو کرے گی لیکن جو کچھ اس نے کیا وہ بھی فطرت کے عین مطابق تھا اور اس حالت میں ایسی کسی لڑکی کو یہ کرنا بھی چاہیے تھا۔ وہ اس برقی رفتاری سے دوڑی کہ پلٹ کر کچھ بھی نہ دیکھا اور میں جو کچھا رہ گیا۔ پھر میں نے ایک طویل سانس لی اور اوپری کے لیے نکل گیا۔

سوراج ہال اور فرما کر شام پر میرا انتظار رہ کرنا پڑا لیکن ناشتے کے دوران فرمانے مجھے سے کہا۔

”میں منتظر ہوں کسی بھی خیر خیر کے لیے۔“ وہ نے سکاکی کی سب سے خراب لڑکی کو اپنی بیوی بتایا۔ بجائے یہ غریب غمے نے کی ہے اس کا تین ہے کیونکہ مجھے رات کو نیند نہیں آتی تھی سو میں نے اسے سوتا کے کمرے کی جانب اور نہ پایا اسے ہاں۔ تو جوں اوتوں میں اس کے مکانوں سے باہر نکل جایا جاتا ہے وہ مجھ سے ملنے کی آہن ہوتی ہیں۔“

اور وہ اسی بات پر مجھے بے اختیار ہنسی لگی کہ کیا میں مجھے بھرا تھا گری رات۔ فرمانے چھپ لگا ہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ ”کیوں۔“ میں نے غلط کہا ہوتا ہے اس نے چند سات کے پھر پچھا۔ ”نہیں فرمانے تمہارا اندازہ درست ہے۔“ ”لیکن مجھے میرے سوال کا جواب نہیں ملا۔“ ”ابھی اس میں دیر ہے۔“ ”میں یہ بھی چاہتا ہوں۔“ ”کیا مطلب ہے۔“

”میں چاہتا ہوں سو تاکہ اس وقت تک میں اپنے مسائل سے خلدیغ ہو چکا ہوں تاکہ پوری چھپی سے تمہارے معاملات میں شریک ہو سکوں۔“ ”اوہ“ میرا خیال ہے تمہیں اس کا پورا پورا موقع ملے گا۔ میں نے جواب دیا اور فرمانے خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔ اس کے چہرے پر اداسی کی لکیریں نمودار ہو گئی تھیں۔ اور میں بغیر اس کی شکل دیکھ رہا تھا۔

”میں بتا سکتا ہوں فرمانے تم کیا سوچ رہے ہو۔“ ”میں۔“ بچے فرمانے چونک کر میری شکل دیکھی۔ ”ہاں۔“

”بتاؤ وہ تقریبی انداز میں بولا۔“ ”نعم۔“ یقیناً اس وقت وہ تمہارے ذہن میں ابھرا کرتی ہے میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”تمہاری حیرت ایک حلیہ تھوڑا کاتو میں پہلے ہی قائل ہوں لیکن پہلی اس وقت کی قیاد شناسی کی داد نہ دیتا میرے پس سے باہر ہے۔ ہاں تمہارا خیال درست تھا میں اس وقت اسی کے بالے میں سوچ رہا تھا میں سوچ رہا تھا کہ کس حال میں ہوگی۔ اور اگر اس نے کسی کے کیا پر مجھ سے یوٹانی کی تو۔“ مجھے اس کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیے۔ اور اگر وہ بے قصوب ہے تو۔ اس کی کیا حالت ہوگی۔ اس نے میرے بالے میں کس انداز سے سوچا ہوگا۔ ”اوہ“ تمہاری سوچ مناسب ہے۔“

”بعض اوقات میں پریشان ہو جاتا ہوں سو بتا۔“ تم ہی بتاؤ اگر نعم بے وفا لگے تو اس کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیے۔“ ”خود تمہارے ذہن میں کیا خیال ہے فرمانے۔“

”میرے ذہن میں۔“ کبھی دل چاہتا ہے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کروں کبھی دل چاہتا ہے کہ اسے بالکل نظر انداز کر دوں۔ اور اس پر کوئی تو جبری نہ دوں۔“

”ہوں۔“ میں نے آہستہ سے کہا ”میرا حال فرمانے اس وقت کے معاملات میں جب تم دوسرے معاملات سے غٹ لو گے اس لیے اس وقت تک سب کچھ ذہن سے نکال دو۔“

”ہاں۔“ میں کہتا ہوں۔“ فرمانے جواب دیا۔ ”کافی تیز تک میں فرمانے باتیں کرتا ہوں میرے دل میں لگدیاں ہوتی ہیں شام کے بالے میں کچھ سننا چاہتا تھا میں اس کی حالت دیکھنا چاہتا تھا۔ اس پر کیا گری۔ میری زندگی نے اس کی کیا کیفیت کی۔“ ”دوپہر کے کھانے پر باکونے مجھے تحیر آئے بھی میں بتایا۔“ اسے سامنے شام کا مکان رات کو حل کر لکھ ہو گیا۔

”کیا ہے فرمانے چکر پڑا میں نے سرسری انداز میں ہال کی طرف دیکھا۔ ہال کا خیال تھا کہ یہ خبر میرے لیے بہت سستی خیز ہوگی۔ لیکن میں نے اس کا کوئی نوٹس نہیں لیا تھا۔

”کیا تمہیں اس کی اطلاع تھی سو بتاؤ فرمانے پوچھا۔“ ”ہاں۔“ مجھے معلوم تھا۔“

”لیکن کس طرح۔“ اور کیا خود شام نے اس وقت مکان میں موجود تھی؟ ”نہیں۔“ شام صبح سالم ہے۔ اسے سستی میں دیکھا گیا ہے چند لوگوں نے اس سے پوچھنے کی کوشش بھی کی لیکن اس نے انہیں تھوڑا دنگا ہوں دیکھا اور پھر لوگوں کی ہمت نہیں پڑ سکی۔ ہال کو نے جواب دیا۔

”اوہ سو بتا۔“ اس کا مطلب ہے تم نے بہت کچھ چھپایا ہے فرمانے کہا۔

”وہ فرمانے جو تمہارے لیے بیکار تھا۔“ میں نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

”کیا مطلب ہے۔“ ”چند ایسے واقعات جو میرے لیے بھی قابل فخر نہیں ہیں۔“ ”سو بتا۔“ براہ کرم اگر تمنا سب نہ گھبر تو۔“ ”تمہارے خیال میں شام نے سے میری دوستی ہوئی ہے اور تم لوگ بہت جلد ایک دوسرے کو پائیاں گے۔“ ”ہاں۔“ کیا یہ غلط ہے؟

”ہاں فرمانے درحقیقت میری اس سے زبردست دشمنی چل رہی ہے وہ میری جان کی گاہک ہے۔ پھلچن اس نے مجھے سمندر کال حصے میں ڈبوئے کی کوشش کی جہاں آدم خور کھیلوں کے غول کے غول پائے جاتے ہیں۔ اور پھر میں نے کھیلوں سے خوفناک جنگ کر کے خود کو بچا یا اور کڑے تنگ پہنچا۔ پچھلی رات میں اس کے مکان میں تھا جب آگ لگ گئی تھی اور مکان کا دروازہ بند کر دیا گیا۔“

”آگ لگ گئی تھی؟“ ”وہاں تو عجب سے کہا۔“ ”ہاں۔“ ”آگ کس نے لگائی تھی؟“

ہمارے عرصہ صحت مجھ سے باکونے

ایک سستی خیز گزشتہ



ایک سال کی کہانی کے جو خطوط اسے حکایت ہو گئے ہیں وہ اس سے کیا ہے

جس اس نے ان کو ملی تو وہ ایک ایسی ہی شے ہو گیا تھا

وہ ایک ہی زندگی میں اس کے عقاب میں تھیں

اس نے کوئی کوئی اثر نہ تھا وہ کوئی نہ رہا

کتابیات پبلی کیشنز

پوسٹ بکس 23، رمضان چیمبر، پوربائے، لاہور، پاکستان

فون: 5802551-5802552-5895313

199

198

لیکن پھر شاید اسے عجب میں کوئی آہستہ مٹائی دی تھی۔ دوسرے لمحے وہ دروازے سے غائب ہو گئی۔ اور پھر چند ساعت کے بعد پورے استود ایک آدمی کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔ ملازم قسم کا آدمی باغیوں میں ایک بڑا خواں اٹھائے ہوئے تھا۔

خواں میرے سامنے رکھ دیا گیا۔ اس میں انواع و اقسام کے چلنے والے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ کوئی مشروب بھی تھا۔

”شروع کرو میرے معزز مہمان!“ پورے نے اسی شفقت بھرے لہجے میں کہا۔ اور جو بھی میرے سامنے آکر بیٹھا گیا میں نے بھی تکلف نہیں کیا تھا۔ اس کی ضرورت بھی کیا تھی۔ میں نے اس لڑکی کے بائیں میں سوچ رہا تھا۔ خامی خوبصورت تھی اور اس کی آنکھوں میں مجھے جو کچھ نظر آیا تھا وہ بھی نہیں تھا۔ یقیناً اس کی آنکھوں نے مجھے کچھ پیغام دیے تھے۔ پورے بھی خاموشی سے کھارہا تھا۔ اس کی آنکھیں بھی گہری سوچ میں ڈوب گئی تھیں پھر ہلکے اس نے گردن اٹھاتے ہوئے کہا۔

”میکانی کے لوگوں کو معلوم ہے کہ تم اس طرف آئے ہو؟“
”نہیں۔ میں نے کسی کو بتانے کی ضرورت نہیں محسوس کی۔“
”بتا دیتے تو شاید وہ نہیں یہاں آئے بھی نہیں دیتے۔“

”اوہ! کیوں؟“

”وہ ہم سے نفرت کرتے ہیں۔“

”اوہ۔ اس کی کوئی خاص وجہ؟“

”میں نہیں جانتا۔ خواں! کہ تم اندر سے کیا ہو۔ میکانی والوں کے لئے کس قسم کے جذبات رکھتے ہو۔ میں یہ بھی نہیں جانتا کہ تم کسی خاص مقصد کے تحت یہاں آئے ہو۔ یا صرف دوسری نکل آئے ہو۔ لیکن تم کچھ بھی ہو میرے لئے مہمان ہو۔ اور میں ایک میزبان کے طور پر تمہارا احترام کرتا ہوں۔ ہاں اگر پسند کرو تو اپنے اپنے میں بتا دو۔“

”اپنے بائیں میں؟“

”ظاہر ہے تم میکانی کے باشندے تو نہیں ہو بلکہ اپنے انداز سے اس پورے خطے کے باشندے نہیں معلوم ہوتے پھر تم کون ہو اور حکیم یا کو سے تمہارا کیا تعلق ہے؟“

”کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں مندر کے راستے سفر کرتا اس طرف آنکلا تھا۔ کچھ تیار ہو گیا تھا اس لئے لوگوں سے پوچھ گچھ کر کے باؤنک پہنچ گیا۔ اور اس نے مجھے اپنا مہمان بنالیا۔“

”اوہ! یہ بات ہے۔“

”ہاں۔“

”تب ٹھیک ہے تم میکانی کے مہمان ہو۔ جب ہاں کہو کہ یہاں سے دل بھی جانے تو یہاں بھی کچھ روز گزارنے کی دعوت قبول کرو۔“
”مزدور مجھے کیا احترام ہو سکتا ہے۔ لیکن میکانی کے لوگ م سے نفرت کیوں کرتے ہیں؟“

”صرف اس لئے کہ ہم اس علاقے میں پیدا نہیں ہوئے بس اس کا اختلاف ہے انہیں ہم سے۔ زمینیں وسیع ہے اور ہم اس کے برصغیر میں رہ سکتے ہیں۔ نہ جانے لوگوں نے اسے صرف اپنی ذات پر ختم کیوں سمجھا ہے۔ ہم بھی انسان ہیں اور زمین پر زندگی گزارنے کا حق رکھتے ہیں۔ میں یہاں نے ہمارے اس حق کو تسلیم نہیں کیا۔“

”اوہ! میں نے متفہم سے کہا۔“

”لیکن انسان۔ یہ صرف ان زمین کی ضرورت پوری کرنے کے لئے مجبور ہے۔ ان لوگوں کی نفرت کے باوجود ہمیں زمین کے کچھ کونے تو مل سکتے ہیں۔ ہم نے نفرت کا مستحکم بدھیشہ محنت سے یکبارہ اور آج بھی اسی اصول پر کاربند ہیں۔“

”اچھا اصول ہے۔“ میں پورے کی ہلکی ہلکی اس پر کان ہی نہیں رکھ رہا تھا۔
”تم نے میکانی کے لوگوں سے ہمارے بارے میں سنا ہوگا؟“

”ہاں۔“

”کیا کہتے ہیں وہ لوگ؟“
”نفرت کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے تم نے ان کے فداکار قتل کروا دیے۔“ میں نے سکون سے جواب دیا۔

”ہاں! ان کا یہ خیال ہے۔ لیکن ہم صرف سرچھپانے کے قتل کی نئی حکومت بن گئی ہے اور اظہار ہے وہ مقامی لوگوں کی حکومت ہے۔“
”ہاں۔ لیکن ان کے خیال کے مطابق نیا حکمران تمہارا چٹو ہے۔“
”یہ بھی ان کا خیال خاص ہے۔“

”اور فداکار قتل کے بارے میں؟“

”تم خود سوچو۔ ہمیں کیا ضرورت تھی۔ وہ اپنی موت مر اس میں ہوا کیا اچھے؟ اور پورے کی روحانیت کا راز کھل گیا۔ اسے فدا کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا۔ لیکن پھر اسے میرے بارے میں کیسے معلوم ہو گیا؟ بہر حال اس بارے میں بھی پتہ چل جائے گا۔ تھوڑی دیر کے بعد کھاتے پینے سے فراغت ہو گئی۔“

”بہر حال تمہاری آمد کا شکریہ۔ خود حکیم یا کو کا اس بارے میں کیا خیال ہے؟ پورے نے اپنے کام شروع کر دیا۔

”میں نے اس سے اس بارے میں نہیں پوچھا۔ ظاہر ہے یہ میرا دلچسپی کا موضوع نہیں ہے۔ میں تو آوارہ گرد ہوں۔ پھر میرے یہاں ہوں یہاں سے چلا جاؤں گا۔“

”اوہ! یہ بھی درست ہے۔ لیکن کیا تمہیں یہ علاقہ پسند نہیں آیا؟“
”نہیں۔ اچھا علاقہ ہے۔“

”پھر یہاں رہائش کیوں نہیں اختیار کر لیتے؟“
”میرے یہی فطرت کے خلاف ہے۔“

”اوہ! پھر بھی۔ میں تمہیں یہاں کچھ عرصہ قیام کی دعوت دیتا ہوں!“
”شکریہ استود۔ ابھی تو میں یہاں ہوں۔“

”تم اگر چاہو تو میں تمہیں اپنے اعلیٰ لوگوں سے بھی ملاؤں۔ ہم ان کے لوگوں کی دل سے قدر کرتے ہیں۔“

”میں اس دعوت کو غور قبول کروں گا۔“ میں نے جواب دیا۔ اور پھر میں نے کہا۔ ”میں تمہاری بستی دیکھنے کا خواہش مند ہوں۔“

”اوہ! ایسی جلدی کیا ہے۔ ابھی تم یہاں چند روز قیام کرو۔“

”آج نہیں۔ میں نے بالو کو بتایا نہیں تھا کہ میں کہاں جا رہا ہوں۔ میں اس سے اجازت لیکر چند روز کے لئے یہاں آ جاؤں گا۔“

”اوہ! میرے دوست! پھر مشکل ہوگا۔ وہ تمہیں اجازت نہیں دے گا۔“

”نہیں استود! میں صرف اس کا مہمان ہوں یا بند نہیں۔“

”وہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن پھر وہ تمہارے بارے میں شک و شبہ میں مبتلا ہو جائیں گے۔“

”تب پھر میں انہیں بتاؤں گا ہی نہیں کہ میں کہاں جا رہا ہوں۔“

”ہاں یہی مناسب ہے۔“

”ٹھیک ہے۔ میں بہت جلد یہاں آ جاؤں گا۔“ میں نے جواب دیا۔ اور پورے استود گردن ہلانے لگا۔ پھر اس کے ہوتوں پر مسکراہٹ نظر آئی۔
”تم نے بستی دیکھنے کے لئے کہا تھا۔“

”ہاں۔“

”تم چاہو تو میں اس کا بندوبست کر سکتا ہوں۔“

”میں نے محسوس کیا ہے کہ میکانی کی نسبت تمہاری بستی خالص۔“

اور صاف ستھری ہے۔ میں اسے دیکھنے کا خواہش مند ہوں۔“

”ٹھیک ہے۔ میں اس کا بندوبست کئے دیتا ہوں۔ پورے۔“

کہا اور ایک بار پھر وہ مجھ سے اجازت لے کر چلا گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد واپس آیا۔ اس کے ساتھ دو جوان آدمی تھے جو عمدہ لباسوں میں ملبوس تھے۔
”یہ دو دونوں تمہیں بستی دکھادیں گے۔“

”شکریہ استود۔ میں تمہاری اس مہمان نوازی کو ہمیشہ یاد رکھوں گا اور بہت جلد دوبارہ یہاں آنے کی کوشش کروں گا۔“ استود نے مجھ سے گرمجوشی سے مصافحہ کیا تھا اور پھر میں ان دونوں کے ساتھ باہر نکل آیا۔

دونوں آدمی خاموش چلتے تھے اور سحلت مندی سے میرے ساتھ چل رہے تھے۔
”میں بستی دیکھ رہا تھا۔ بلاشبہ میکانی کی نسبت یہ مثالی بستی تھی۔ وہ دونوں مجھے اپنی زراعت اور اپنے زمین بہن کے انداز کے بارے میں بتانے لگے۔ پھر ان میں سے ایک نے کہا۔“

”ہمیں معلوم ہے کہ میکانی کے رہنے والے زندگی کی بہت سی ضرورتوں میں ہم سے بہت پیچھے ہیں۔ ہم غلوں کی طرح ان کی مدد کرتا چاہتے ہیں اور انہیں زندگی کی سہولتوں کے حصول میں مدد دینا چاہتے ہیں۔ لیکن وہ ہم سے بغض رکھتے ہیں اور صرف ہماری مخالفت کرنے میں خوش رہتے ہیں۔“

”کیا تم لوگوں نے ان سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی؟“
”بار بار۔ لیکن وہ ہمارے وجود سے نفرت کرتے ہیں۔“

”اس طرح تو وہ تمہیں زندگی کی ضرورتوں کے حصول میں پریشان بھی کرتے ہوں گے۔“

”بہر مگر طریقے سے۔“

”دوسرے لوگوں سے رابطہ قائم کرنے میں تمہیں اپنے ساحل سے کام لینا ہوتا ہوگا؟“

”ہاں۔“

”میں ساحل دیکھنا چاہتا ہوں۔“

”اوہ! انہوں نے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد ہم ساحل پر پہنچ گئے۔ میں نے یہاں عمدہ قسم کی کشتیاں دیکھیں۔ ان میں بعض کشتیاں کافی بڑی تھیں۔ یہاں سے میں نے میکانی کا ایک ساحل بھی دیکھا جو بہت زیادہ دور نہیں تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ اگر کبھی میکانی والوں اور ان لوگوں میں براہ راست تصادم ہوا تو ایک دوسرے پر حملہ کرنے کے لئے یہ ساحل عمدہ ثابت ہو سکتے ہیں۔

میں ساحل کے ساتھ دوڑ نکلا۔ دو دنوں میرے ساتھ تھے اور پھر جب میں وہاں سے ہٹ رہا تھا تو ایک میکانی نے اسی لڑکی کو دیکھا اس نے لباس تبدیل کر لیا تھا اور تیز رفتاری سے اس طرف آ رہی تھی پھر وہ

”ماں! کچھ گئی“

بابا استود تمہیں طلب کرتا ہے۔“ اس نے کہا۔

”مہمان کو بھی؟“

”نہیں صرف تمہیں۔ مہمان کو میرے پیرودہ کو۔“ اس نے کہا۔ دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر گہری سانس لیکر گردن ہلا دی پھر وہ دونوں آگے بڑھ گئے۔ لڑکی انہیں چلتے دیکھتی رہی پھر اس نے مسکراتی نگاہوں سے میری جانب دیکھا اور بولی۔ ”میرا نام پوسیتا ہے۔“

”اوہ! خوبصورت نام ہے۔“

”شکریہ۔ لیکن مجھے اپنا نام نہ بتانا۔ میں جانتی ہوں۔“ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”اچھا۔ کیا نام ہے میرا؟“

”سبوتا۔“ اس نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔ اس کی مسکراہٹ بیدار کن تھی۔

”خوب! یہ خیال ہے یہاں سب روحانی قوتوں کے مالک ہیں۔“

”تم نے بھی میرا نام روحانی قوتوں کے لئے ہی معلوم کیا ہے نا؟“

”نہیں! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ کیوں۔ تمہیں روحانی قوتوں کا خیال کیوں آیا؟“

”بستی کے سردار استود نے بھی مجھ سے تعجب کا اظہار کیا تھا۔ اس نے مجھے بتا دیا تھا کہ میں بالو کا مہمان ہوں۔“

”اوہ! اس نے تمہیں پہچان لیا ہوگا۔“

203

”مگر کس طرح؟“

”میں نے اسے تہلے بائے میں بتایا تھا۔“

”تم نے؟ میں نے تعجب سے پوچھا۔“

”ہاں۔ اس وقت میرا باپ ہے۔“

”اودہ تو اصل روحانی قوت تھاری ہے؟“

”کبھی کہیں ہوں کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔“

”پھر۔۔۔ تم کسی کسی طرح سے تو میرے بائے میں معلوم ہوا ہوگا؟“

”ہاں۔ لیکن ابھی نہیں بتاؤں گی۔“ وہ کسی قدر شرمیلی ہوئی۔

”اودہ پھر کب؟“

”بس پہلے تم سے کچھ باتیں کروں گی۔ تمہیں یاد ہے تھوڑی دیر پہلے

میں نے تمہیں اس وقت ڈبا کے کر کے میں دیکھا تھا۔“

”ہاں مجھے یاد ہے۔“

”میں تم سے اسی وقت گفتگو کرتی لیکن پیچھے سے اس وقت ڈبا لگے تھے۔“

”ہاں۔ میں نے محسوس کیا تھا۔“

”تم نے میرے اس طرح بھاگ جانے کا برا تو نہیں منایا تھا؟“

”نہیں۔ اس وقت میں آپس میں جانتا تھا۔“

”اودہ ہاں یہ بھی ٹھیک ہے۔ لیکن میں تمہیں اسی وقت پہچان گئی تھی۔“

”تم نے کہا ہے کہ تم خود مجھے بتاؤ گی کہ تم مجھے کس طرح جانتی ہو۔“

”اے اب میں اس وقت تک نہیں پوچھوں گا جب تک تم خود نہیں بتاؤ گی۔“

”اودہ۔“ وہ ہنس پڑی۔ ”اودہ بستی میں اب تم کیا دیکھو گے۔ سمندر

کے کنارے کنارے چل رہی تھی کرتے ہیں۔ ویسے بستی کی اور کسی چیز سے

تمہیں دلچسپی نہیں ہے؟“

”قطعی نہیں۔“

”ویسے میں بھی بہت چالاک ہوں۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں نے تم

سے ملنے کے لئے کیا چال چلی؟“

”مجھے نہیں معلوم۔“ میں نے اس کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

”اچھا اب میں تمہیں بتائے دیتی ہوں کہ مجھے تہلے بائے میں

کیسے معلوم۔ یہ بتاؤ۔ شائد کو جانتے ہو؟“ اس نے پوچھا۔ صرف ایک

لمحے کے لئے میرے قدم کے اور پھر میں نے خود پر قابو پایا۔

”ہاں۔ اچھی طرح؟“

”پوری سیکائی میں اس کی دوستی صرف دو افراد سے ہے۔ ایک ر

اور دوسری سلاک۔ کیا مجھے؟“

”اودہ وہ تمہاری دوست ہے؟ میں نے تعجب سے پوچھا۔“

”اور سلاک کی بھی۔“

”سلاک کون ہے؟“

”وہ سیکائی میں ہی رہتی ہے۔“

”خوب۔“ میں نے گودن ہلاتے ہوئے کہا۔

”تو شائد نے بتایا تھا کہ وہ آجکل سخت پریشان ہے۔ اور اس کی

وجہ سیکائی میں گھس آنے والا ایک اجنبی ہے جس کا نام سوتا ہے۔ شائد

نے بتایا تھا کہ سوتا نے اس کی بے عزتی کی ہے اور وہ اس سے انتقام

لے کر رہے گی۔ یہ بات اس نے چند روز قبل بتائی تھی۔ اس کے بعد میری

اُس سے آج ملاقات ہوئی۔۔۔۔۔۔“

”آج؟ میں چونک پڑا۔“

”ہاں۔ اُسے یہاں سے گئے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی۔“

”اودہ کہاں گئی ہے وہ؟“

”والس سیکائی۔“

”خوب۔“ ہاں تو اُس نے کیا بتایا تھا؟“

”وہ دلوانی اپنا مکان حلا چھوٹی ہے۔ اس نے پوری تفصیل بتائی

ہوئے کہا تھا کہ باکو کا اجنبی جہاں انسان نہیں معلوم ہوتا۔ وہ آتنا تھا تو تہے

کہ درخت بڑے اٹھا ڈالتا ہے۔ آدم خود پھیلوں کے پورے غول کے

درمیان سے صاف نکل آتا ہے اور جلتے ہوئے مکان سے بھی صاف نکل

آتا ہے۔ بڑی حیران بھی وہ۔“

”بہت خوب۔ لیکن اُس نے تمہیں میری پہچان کیا بتائی تھی؟“

”اُس نے کہا تھا کہ وہ سیکائی میں رہنے والوں سے کیسے مختلف

ہے۔ اس کا رنگ آگ کی مانند ہے اور اس کا بدن سیدھا خوبصورت ہے

چنانچہ میں نے تمہیں دیکھتے ہی صاف پہچان لیا۔ سیکائی میں اور خود چلا کر

بستی میں تمہارے جیسا کوئی نوجوان نہیں ہے۔“

”اُس نے اپنا مکان کیوں حلا دیا تھا؟“

”بس وہ انتقام میں پاگل ہو رہی تھی۔ وہ برقیہ پر تین ہلاک

کر دینا چاہتی ہے۔“

”ہوں۔“ میں نے ایک گہری سانس لی۔ ”اب اس کا مکان

جل چکا ہے۔ اب وہ کہاں گئی ہے؟“

”سلاک کے پاس۔ جب تک اس کا مکان دوبارہ نہیں بن جائے

گا وہ سلاک کے پاس رہے گی۔“

”سلاک کون ہے؟“

”جوتی کی بیٹی۔ اُمی کی طرح وحشیانہ شوق رکھتی ہے۔“

”تمہارے پاس وہ اکثر آتی رہتی ہے؟“

”ہاں۔“

”اس وقت بھی اُسے بہت چاہتا ہوگا؟“

”ہاں۔ لیکن تم کیسے انسان ہو مستقل اُمی کے بائے میں گفتگو

رہے ہو۔ تم نے مجھ سے میرے بائے میں کوئی گفتگو نہیں کی۔ اس کے

مجھے میں شکایتی لگتا تھا۔“

”اس کے بعد میں تم سے تمہارے بائے میں ہی گفتگو کرنے والا

تھا۔ میں نے کہا اور اس کا چہرہ بھال ہو گیا۔“

”میں نہیں بتاؤں میں نے کتنی چالاکی سے کام لیا ہے؟“

”بتاؤ۔“

”بس میرے دل میں تم سے ملاقات کی خواہش تھی اور میں تاک

ہیں لگی ہوئی تھی میں نے چھپ کر باکی باتیں سنیں۔ پتہ ہے اُس نے ان

دونوں کو کیا ہدایات دی تھیں؟“

”نہیں۔ بتاؤ۔ میں نے لچھی سے کہا۔“

”اُس نے انہیں ہدایات دی تھیں کہ تمہیں غری جھٹے کی طرف نہ

لے جایا جائے اور کسی چیز کے بائے میں تفصیل نہ بتائی جائے۔“

”اودہ غری جھٹے میں کیا بات ہے؟“

”بس وہاں ہماری بستی کے مفادات کے کام ہوتے ہیں۔ وہاں

مطلوبہ ہوتا ہے اور دوسرے علاقوں سے بھی اسلحہ آتا ہے۔ دیکھو تانا

سیکائی والے کبھی تمہارے اوپر حملہ بھی کر سکتے ہیں۔“

”ہاں۔ یہ تو ہے۔“ میں نے جلدی سے کہا۔

”میں بس سمجھ گئی کہ بابا تمہارے اوپر شک بھی کرتا ہے لیکن اس کی

باتوں سے ایک اور بات کا بھی اظہار ہوتا تھا۔“

”کس بات کا؟“

”اسے اندازہ ہے کہ تم بہر حال باہر کے انسان ہو لیکن ہے تم

سیکائی والوں کے لئے دل میں کوئی ہمدردی نہ رکھتے ہو۔ بابا کا خیال تھا کہ

اگر تمہارے دوست بن جاؤ تو سیکائی میں رہ کر سیکائی والوں کے بارے

میں معلومات بھی فراہم کر سکتے ہو۔“

”اودہ۔ کیا شائد اسے اس بارے میں مکمل معلومات حاصل نہیں

ہوتی ہیں؟ میں نے بے اختیار پوچھا۔“

”کہاں۔ وہ تو پاگل ہے کسی معاملے سے دلچسپی ہی نہیں رکھتی۔

بس کوئی اور میری بات معلوم ہو تو بتا دیتی ہے۔ درنہ۔ اور پھر وہ

بھی اُس کی مرضی پر ہے۔ درنہ کو تو اس سے کیا پوچھ سکتا ہے۔“

”ہاں۔ بڑی پریشانی ہوتی ہوگی۔ لیکن تم نے آخر اس وقت سے

کیا کہا؟“

”بس میں نے بابا کو تمہاری خوبیاں بتائیں۔ اور وہ حیران رہ گیا۔

میں اُس کی فطرت سے اچھی طرح واقف ہوں۔ بس اُس نے کہا کہ میں

فورا جیادوں۔ ان دونوں کو بھیج دوں اور خود تم سے دوستی کروں پھر ہم

اپس اپنے لئے استعمال کریں گے۔ اور میں تو یہی چاہتی تھی۔“

”واہ۔ تم جیاداک ہو۔“ میں نے ہنس کر کہا۔

”اور خوبصورت؟“ اُس نے مجھے دیکھا۔

”خوبصورت تو بے پناہ ہو۔“

”اودہ۔ اس کا ہر خوبصورتی سے کانپنے لگا چند ساعت وہ بخود سی

اہی مشرقی ہوئی ننگا ہوں سے مجھے دیکھتی رہی پھر بولی۔ بہت سے لوگوں

نے مجھ سے یہ بات کہی ہے لیکن مجھے ذرا بھی اچھی نہیں لگی۔ لیکن تمہارے

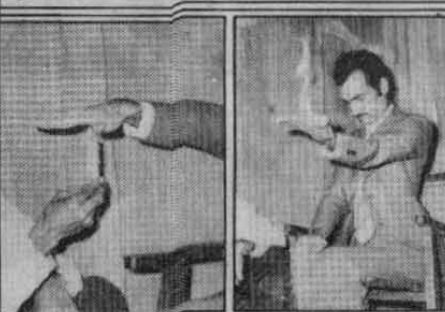
علم ہینازم پر ایک نئی کتاب

ایک ماہر ہینازم نے تحریر کیا ہے

ہینازم کی جدید حقیقت

قیمت ۴۰ روپے۔ ڈاک خرچ ۲ روپے

اُردو زبان کی پہلی کتاب جس میں اس عمل کی حقیقی تصاویر بھی دی گئی ہیں۔



- ہینازم کے بارے میں آج تک کی تمام تحقیقات کا پختہ
- جدید طریقے اور مشقیں
- ہینازم کی مشقوں کے لیے مکمل لائسنس اور پورا پروگرام
- نئے شمار سوالات کے جواب
- ہینازم کے موضوع پر ایک مکمل اور مستند کتاب جس میں مصنف کے ذاتی تجربے بھی شامل ہیں۔

اگر کاروبار کے لیے سیاہ دائرہ اور مشقوں کو سمجھنے کے لیے حقیقی تصاویر۔

مکمل نفسیات پورٹل

205

سکائی

کچھ جی ہر ہر نشانہ میری فطرت کے عین مطابق
سکائی تھی۔ عورتیں تو میری زندگی میں لاتعداد تھیں۔
لیکن میں نے بتلائی دور کے بعد۔ پیشان عورتوں کو ترجیح دی ہوگی سبایاں
خصوصیت کی حامل ہوتی تھیں۔ یہ بچوں تو سب سے پہلے تھیں جو بھوکے لوگ تھے جو بھوکے
تندرست اور صحت کرنے والے تھیں۔ شام کی بات اور تھی۔ یہ وہ لوگ تھے جس
نے ابھی تک مجھے قبول نہیں کیا تھا اور میری زندگی کی گاہک بنی ہوئی تھی۔ جیلا
مجھ سے وہ بچے کیوں نہ ہوں گے۔
چنانچہ دوسری صبح ناشتہ کے بعد میں نے ہاگو سے جوتی کے بارے
میں پوچھا۔ پوچھنا تو مجھے بتایا تھا کہ شامہ جوتی کی بیٹی سلا کا کے پاس ہوگی۔
”اوہ۔ کیوں۔ جوتی کو تم کیا جانو؟“ ہاگو نے چونک کر پوچھا۔
”کیوں کوئی خاص حیثیت رکھتا ہے وہ؟ تم چونک کیوں پڑے؟“
میں نے اٹاس سے سوال کر لیا۔
”یہ بات نہیں ہے۔ بس بوٹی پوچھ لیا تھا۔ سکائی کے لوگوں سے
تھاری واقفیت جیتنا سچا بات نہیں ہے۔“ ہاگو نے جواب دیا۔
”حالانکہ تم خود کو کچھ بے پروا کرتے تھے۔ میرے بارے میں حیرت کرنا
چھوڑ دیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ بات تم صرف مجھ کو خوش کرنے کے لیے
کہہ دیتے ہو۔“
”اوہ۔ میں معافی چاہتا ہوں لیکن تصور یہ بھی نہیں ہے۔ تم
بعض اوقات وہ باتیں کہتے ہو جن کو کوئی جواز بھی ذہن میں نہیں آتا، لیکن
ازراہ کہ میری محبت پر کسی غلط فہمی کا شکار مت ہونا، یہ سوالات صرف میں نے
اپنی حیرت دور کرنے کے لیے کیے تھے۔“
”اس کے باوجود تم نے ابھی تک جوتی کے بارے میں کچھ نہیں بتایا؟“
میں نے سکتے ہوئے کہا۔
”اوہ۔ جوتی قصبہ کا ایک باشندہ ہے۔ کاوا بارہ پشہ ہے جس کو کوئی
اہم آدمی نہیں ہے۔ صرف اپنی بوجی کی وجہ سے مشہور ہے۔“
”خوب اگیاں رہتا ہے؟“ میں نے پوچھا۔
”تم نے فو کا کسٹی مجھے دیکھا ہے؟“
”ہاں۔“ میں نے جواب دیا۔
”جب تم مجھے سے نزدیک پہنچے تو تمہیں اس کے ہمیں ہاتھ کی
سمت ایک مکان نظر آئے گا جس کی چھت پر بانس کی ایک جھونپڑی بنی ہوئی
ہے۔ میرا خیال ہے پورے سکائی میں صرف ایک ہی مکان پر ایسی جھونپڑی ہے
یہ جوتی کے مکان کی خاص نشانی ہے۔“
”ٹھیک ہے۔“ میں نے گردن ہلا کر اطمینان کا اظہار کیا اس جھونپڑی
کے بارے میں میں نے تفصیل نہیں پوچھی تھی اور پھر میں نے حسب معمول آوارہ
گردی کی تھی۔ اس آتش فشاں کو میں تلاش کرنا چاہتا تھا اور بہر حال مجھے
اس کا پتہ معلوم ہو گیا تھا۔ میں اطمینان سے فو کا کسٹی جیسے کے پاس پہنچ گیا
اور پھر میں نے وہ مکان بھی دیکھ لیا جس کی چھت پر ایک بد نما جھونپڑی بنی

ہوتی تھی۔ یہی جوتی کا مکان تھا۔

میں نے اطمینان سے مکان کے دروازے پر دستک دی۔ اندر سے
کوئی جواب نہ ملا۔ میں انتظار کرتا رہا اور چند ساعت کے بعد دروازہ کھل گیا۔
لیکن مجھے جو شکل نظر آئی اسے دیکھ کر میں نے دل ہی دل میں گری گری سانسیں
لی تھیں۔
لوگ ابھی کافی حسین تھے لیکن اس کے انداز سے بھی کسی قدر وحشت
شکتی تھی۔ لباس بھی وہ عجیب ہی پہنے ہوئے تھے۔ پھر اس کے ہونٹوں پر عجیب
سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ بچہ کی نگاہ سے مجھے دیکھ رہی تھی۔
”کسو۔ کیا بات ہے؟“ اس نے پوچھا۔
”جوتی کا مکان یہی ہے؟“ میں نے کہا۔
”ہاں۔ کیا تمہیں جوتی سے ملنا ہے؟“
”تھاریا کیا نام ہے؟“ میں نے اس کی بات کا جواب لیے بغیر دوسرا
سوال کر ڈالا۔
”سلا کا!“
”تب میں تم سے ہی ملنے آیا تھا۔“
”اوہ۔ اندر آ جاؤ۔ جوتی کی بیوی جوتی میں کسی اجنبی کو اندر لانے کی
اجازت نہیں ہوتی لیکن میں تمہیں یہ فرمائش رہی ہوں۔“
”میں اس کے لیے شکر گزار ہوں۔“ میں نے کہا اور لوگ کے ساتھ اندر
داخل ہو گیا۔ مکان اندر سے خوب کشادہ تھا۔ بہت سے کمرے تھے اس میں۔
لوگ مجھے ساتھ لیکر ایک کمرے میں داخل ہو گئی اور اس نے مجھے بیٹھنے کی پیشکش کی۔
میں بیٹھ گیا اور پھر میں نے سلا کا پر نگاہ ڈالی۔ عام طور سے سکائی کی
لوگیاں حسین نہیں تھیں۔ میں مناسب نہیں لیکن جن لوگوں سے میں مل رہا
تھا وہ کچھ خاص ہی تھیں۔ ایک پھر میری تقدیر میں ہمیشہ خاص لوگیاں ہی
ہوتی تھیں۔

”ہاں اب بتاؤ تم یہاں کیسے آئے ہو؟ کون ہو؟ میں نے اس سے
قبل تمہیں کچھ نہیں دیکھا۔ اس نے کہا۔
”بس ایک آوارہ گرد ہوں۔ کافی دنوں سے تھاری بستی میں آیا ہوا
ہوں اور کچھ دکانوں کا سامان ہوں۔ تمہارے پاس ایک خاص مقصد سے آیا ہوں۔“
”کیا حکیم ہاگو نے تمہیں میرے پاس بھیجا ہے؟“
”نہیں۔“
”تو پھر تمہیں میرا نام اور پتہ کیسے معلوم ہوا؟“
”تم مجھ سے بے درپے سوالات کر رہی ہو۔ پہلے میرے یہاں آنے کا
مقصد شہر اور اگر مناسبت سمجھو تو مجھے مطمئن کر دو۔“
”چلو جی سی۔ تو تم اپنے آنے کا مطلب بیان کر دو۔“
”میں شامہ کی تلاش میں آیا ہوں۔“ میں نے جواب دیا اور صاف
محسوس کی یہ بات کہ لوگ کسی قدر بدحواس ہو گئی تھے۔
”شامہ کون نشانہ؟“ اس نے بے اختیار کہا اور کسی قدر چورسی

نظر آنے لگی۔

”وہ تھاری دوست ہے۔“ میں نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔
”اوہ۔ وہ میری دوست شامہ، گھر وہ۔ وہ یہاں کہاں ہے اور
تم کو اسے تلاش کرنے ہے؟ میرا مطلب ہے تم اسے کس طرح جانتے ہو؟“
”تو اپنے حواس درست کر لو سلا کا۔ میری ذات سے کسی قسم کا خوف
نہ محسوس کرو۔ اگر تم مجھے یہاں ناپسند کرتی ہو تو میں چلا جاؤں گا۔“

”خوف؟“ اچانک اس کے لمحے میں غراہٹ آگئی۔ ”پوری دنیا میں
میں کسی سے نہیں ڈرتی۔ یہاں تک کہ اگر مجھے جیسوں سے بھی نہیں ڈھانے
کیوں میرا ذہن پر گھبرا گیا ہے۔ اچھا تم مجھے چند محلات کی اجازت دو میں پانی پانی
آؤں۔۔۔۔۔“

”ہاں ضرور۔“ میں نے سکتے ہوئے کہا میرے احساس نے مجھے بتا
دیا تھا کہ کوئی خاص بات ضرور ہے۔ بہر حال میں اطمینان سے اس کی واپسی
کا انتظار کرنے لگا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ واپس آگئی۔ اس کے چہرے
کے تاثرات میں کچھ اور تذبذب لیاں آگئی تھیں۔ اب وہ مطمئن بھی تھی اور اس کے
چہرے کی لکیروں میں سے تردد بھی جھانک رہا تھا۔

”ہاں۔ تو تم نے کیا پوچھا تھا؟“
”میں نے شامہ کے بارے میں پوچھا تھا۔“

”تمہیں کس نے بتایا کہ وہ میرے پاس ہے؟“ سلا کا نے سوال کیا۔
”پوری سکائی بستی جانتی ہے کہ تم اس کی واحد دوست ہو۔“
”اوہ۔ ہاں یہ بھی ٹھیک ہے لیکن۔۔۔۔۔ بہر حال وہ میرے پاس آئی
تھی لیکن کہیں جی گئی اور کچھ بنا کر نہیں گئی لیکن تم اپنے بارے میں کچھ نہیں
بتاؤ گے؟“

”بس مجھ اس کی تلاش تھی۔“ میں نے کہا۔
”کیا تم اس سے محبت کرتے ہو؟“ اچانک سلا کا نے پوچھا۔
”یہ سوال تم نے کیوں کیا؟“ میں نے اسے گھورا اور اس نے چہرے پر
سے ادھر ادھر دیکھا۔ پھر آواز دبا کر بولی۔

”جواب دو۔ کیا تم اسے چاہتے ہو؟“
”نہیں۔“ میں نے کسی فوری خیال کے تحت کہا۔
”پھر اسے کیوں تلاش کرتے ہو؟“

”میری اس سے دشمنی چل رہی ہے۔ اس نے کسی بار میری زندگی لینے
کی کوشش کی ہے اور نا کام رہی ہے۔ میں اب بھی اسے بڑھ کر چاہتا ہوں۔“
”سو تم اب تھاریا نام؟“ وہ پچھلے ہوئے سانس کے ساتھ بولی۔
”ہاں!“

”تو سنو سوتا! ابھی چند ساعت قبل وہ یہاں موجود تھی۔ چم دنوں اور
چھت پرتھے اور اس نے تمہیں دوسرے دیکھ لیا تھا۔ ابھی جب میں پانی پانی
کے لیے اندر گئی تھی تو اس نے مجھ سے کہا کہ میں تمہیں شہریت پلاؤں اور اس

شہریت میں تمہیں زہر دے دوں۔ وہ ہر قیمت پر تھاری جان لینا چاہتی ہے۔
زہر میرے پاس موجود نہیں تھا اس نے کہا میں تھوڑی دیر تمہیں ہاتھوں
میں لگائے رکھوں۔ وہ ابھی زہر لے آئے گی سو وہ زہر لینے لگی۔
لیکن سب تو اس میں تھاری جان لینا نہیں چاہتی۔“

”اوہ!“ میں نے سلا کا کو دلچسپ نگاہوں سے دیکھا۔ ”کیا سلا کا!
تم مجھ پر ہیراں کیوں ہو گئی ہو؟“

”بہر اذائق مت آڑاؤ۔ بس تمہیں دیکھ کر میرے دل میں یہ خواہش
بیدار ہوئی ہے کہ تھاری جان نہ لے جائے۔“ سلا کا نے جھلا کر کہا۔

”بہر حال تھاریا شکر یہ تھاری دوست واپس آتی ہوگی اس لیے
اب میں کیا کروں؟“

”تم۔ تم ایک نا کام کرنا میں ابھی تھوڑی دیر کے بعد تمہارے لیے شہریت
لاؤں گی۔ اس وقت جب وہ واپس آجائے گی تو تم نہایت چالاک رہے۔ اسے
زمین پر گرا دینا۔ تمہیں نہایت ہوشیاری سے کام لینا ہوگا۔ بہت ہوشیاری سے۔“

”ٹھیک ہے۔ میں ایسا ہی کروں گا لیکن اس کے بعد۔“
”اس کے بعد تمہارا اظہار کیا ہے؟“ میں نے پوچھا۔
”لاش کو کھانے لگانے کی ذمہ داری لے لوں گی اور پھر جب وہ چلی جائے گی۔
تو۔۔۔۔۔ سلا کا ایک دم خاموش ہو گئی۔

”تو پھر کیا ہوگا سلا کا؟“ میں نے شرارت سے پوچھا۔
”دیکھو اگر تم نے میرا مذاق اڑانے کی کوشش کی تو۔۔۔۔۔ تو شامہ کی واپسی
سے پہلے ہی میں تھاری گردن اڑا دوں گی سمجھے؟“ سلا کا نے غور سے میرے چہرے میں دیکھا۔
”اوہ۔ مجھے معاف کرنا سلا کا۔ نہ جانے تم میری باتوں کو کبھی سن غلط
سمجھ رہی ہو۔ میں نے صرف یہی پوچھا ہے کہ اس کے بعد کیا ہوگا؟“

”جب وہ چلی جائے تو تم بھی چلے جانا۔“ سلا کا نے ناخوشگوارانہ طرز میں کہا۔
”ٹھیک ہے سلا کا۔ میں تھاری ہدایت پر عمل کروں گا۔“

”اس کے علاوہ۔“ سلا کا نے کہا۔ ”تم شہریت آنے کے بعد بھی مجھ
سے اس انداز میں گفتگو کرتے رہنا جیسے شامہ کے بارے میں میری تم سے کوئی
خاص گفتگو نہ ہوئی ہو اور تم اس کے بارے میں مجھ سے معلومات حاصل کر رہے ہو۔“

”ٹھیک ہے۔“ میں نے سادہ فہمی سے گردن ہلا دی۔
”وہی تم مجھ کو لے کر یہاں پہنچے ہو۔ نہ جانے کس طرح تم اس کے
حملوں سے بچتے رہے ہو۔ انسان ہی ہو کبھی نہ کبھی شکار ہو جاؤ گے لیکن اس نے
تمہارے بارے میں حیرت انگیز داستانیں سنائی ہیں۔“ سلا کا کسی قدر نرم ہو گئی۔
”مثلاً؟“

”تم نے درخت سمیت اسے اٹھا لیا تھا؟“

”اوہ۔ درخت تھاری کتنا بڑا اور پھر میں نے دیکھ لیا تھا کہ وہ جڑ سے
اٹھا رہا ہے۔ ویسے میں عام لوگوں کی بہ نسبت زیادہ طاقتور ہوں۔“
”تو بصورت بھی ہو؟“ سلا کا مسکرائی۔
”شکر یہ!“

"اور انکے بھی۔ اچھا اور محرم چھپوں سے کیسے نکالے گئے تھے؟" سلاک نے
 بچوں کے سے انداز میں پوچھا۔
 "بس خولڑی سی جالال سے۔ اس نے اپنی دانست میں مجھے سمندر میں
 ڈبو دیا تھا لیکن میں اسی کی قسم میں ہلک کر واپس ساحل تک پہنچ گیا بس اتنی
 احتیاط کی تھی کہ وہ مجھے دیکھنے نہ پائے۔"
 "اوہ۔ پھر بھی بڑی مشکل پیش آئی ہوگی؟"
 "ہاں۔ زندگی بچانے کے لیے سخت جدوجہد کرنی پڑی تھی۔"
 "اور آگ سے کیسے نکل آئے؟" سلاک نے پوچھا۔
 "جیسے ہوتے مکان کا کچھلا دروازہ اسی طرح اکھاڑا تھا جس طرح
 وہ درخت اکھاڑا تھا جس سامنے کے رخ سے باہر نہیں نکلا۔ یہ مجھے خطہ تھا
 کہ شائد وہاں موجود ہوگی۔" میں نے جواب دیا۔
 "کمال ہے۔ جیسے شانہ بے قوت تو ہے۔ بس غصے میں دیوانہ ہو جاتی ہے
 اور سوچ کچھ کھو جاتی ہے لیکن۔۔۔ لیکن اس کے باوجود میں تمہیں گاہ کرتی ہوں کہ
 اس سے زندگی بچانے کی کوشش کرو۔ وہ بے حد خطرناک ہے۔ یا تو تم سکائی
 سے نکل جانے کی کوشش کرو یا پھر۔۔۔ یا پھر اسے قتل کر دو۔"
 "آخری الفاظ سلاک نے عجیب سے لہجے میں کہے تھے۔
 "اوہ۔ وہ بخاری دوست ہے؟" میں نے حیرت سے کہا اور سلاک
 نے گردن جھکا لیا۔ اس نے کچھ کہنے کی کوشش کی اور پھر سنبھل گئی۔
 "بس اب خاموش رہو۔ وہ زیادہ دیر نہیں لگائے گی میں اسے
 دیکھ کر آتی ہوں۔ اس مکان کا بھی عجیب دروازہ ہے۔" اس نے کہا اور میں نے گردن
 ہلا دی۔ پھر وہ اندر چلی گئی اور پھر خاموشی میری واپس آئی۔ اس کے ہاتھوں میں
 صراحی اور گلاس تھا جسے اس نے کھنکھایا اس کے ساتھ ہی غیر محسوس انداز میں
 اشارہ کیا تھا، جیسے بتا رہی ہو کہ شائد دروازے کے قریب موجود ہے۔ میرے
 ہونٹوں پر سکڑا ہٹ چھل گئی۔ سلاک نے گلاس میں شراب اٹھا لیا اور میرے
 قریب پہنچ کر بولی۔
 "شراب پیو سوتا۔"
 "شراب سلاک لیکن تم نے بھی تک مجھے شائد کے بارے میں کوئی تسلی
 بخش جواب نہیں دیا۔"
 "میں کیا جواب دے سکتی ہوں، سوائل اس کے کہ تم نے شائد کو غلط
 سمجھا تھا۔ وہ دنیا کے کسی مرد سے متاثر نہیں ہو سکتی اور صرف کسی کی غلط فہمی
 ہو سکتی ہے۔ اس غلط فہمی میں کسی کا کیا قصور ہے؟"
 "کیا وہ پوری زندگی کسی مرد سے متاثر نہیں ہوئی؟"
 "ہرگز نہیں۔ سلاک نے جواب دیا۔
 "اور تم؟" میں نے سنا کہ وہ بولے پوچھا۔
 "کیا؟" وہ چونک پڑی۔
 "تم کسی سے متاثر ہوئی ہو؟" میں نے اسی انداز میں پوچھا۔
 "میرے بارے میں تم کو کوئی سوال پوچھنے کا حق نہیں رکھتا۔ سلاک کا

انداز میں پھر جھٹکا ہٹ پیدا ہو گئی۔
 "رکھتا ہوں اسی لیے یہ سوال کیا ہے۔ بولو۔ کیا تم زندگی میں کسی مرد
 سے متاثر ہوئی ہو؟"
 "نہیں۔" اس نے جواب دیا۔
 "لیکن میں چاہتا ہوں تم مجھ سے پیار کرو۔
 میں نے شربت کا برتن ہلاتے ہوئے پوچھا۔
 "تم۔ تم۔ پاگل معلوم ہوتے ہو شائد۔"
 "اس وقت نہیں۔ تو وہ بڑی کر دوزخ۔"
 "ورنہ کیا؟" سلاک خاموشی سے اٹھ کھڑی تھی۔ اس کی آنکھوں میں جنون کے
 آثار ابھر آئے تھے۔
 "ورنہ میں یہ شربت پی لوں گا۔"
 "پی لو۔ مری جاؤ۔ تم بڑی اسی قابل۔ سلاک نے زہریلے لہجے میں کہا۔
 "ایک بار پھر سوچ لو۔ میں نے کہا اور سلاک کا دانت پیسنے لگی۔ پھر استغاثی
 نفرت انگیز لہجے میں بولی۔
 "میں تم پر لعنت بھیجتی ہوں۔ واقعی تم بے حد گھٹیا شخصیت کے مالک
 ہو۔ تمہارا مرنے کا حق نہیں ہے۔"
 "بخاری مرضی! میں نے کہا اور خاموشی سے شربت کا گلاس منہ سے
 لگایا اور پھر سارا شربت معدے میں اٹھل لیا۔
 سلاک کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا۔ اس نے بے اختیار اٹھنے کی کوشش
 کی لیکن پھر خود ہی جھک گئی۔ اس کی آنکھوں میں بدحواسی کے آثار نظر آ رہے تھے۔
 اور یوں لگتا تھا جیسے اس کا بدن بے جان ہو گیا ہو۔
 "کیا خیال ہے سلاک، کیا میں کوئی غلط انسان ہوں؟ مجھ کو بتا دو۔"
 میں نے صراحت کا باقی شربت بھی گلاس میں اٹھل لیا۔
 سلاک کے انداز میں پھر یہ جینی پیدا ہو گئی۔ اس نے شائد دوبارہ اپنے
 کی کوشش کی تھی لیکن جسم نے ساتھ نہیں دیا تھا۔ میں نے وہ شربت بھی پی لیا
 اور سلاک نے آنکھیں بند کر لیں۔ ظاہر ہے شربت تو میرا کیا گاڑا تاہم فیئر سیکرین
 نے تفرقہ کار پروگرام بنالیا تھا چنانچہ چند ساعت کے بعد میری زبان دھڑلنے لگی۔
 "اچھا سلاک! تمہارا شکریہ! میں نے جھک لیا اور پھر اس قسم کا مظاہرہ
 کرنے لگا جیسے شہزادہ ایتھن کا شکار ہوں۔ زمین پر گر رہا۔ چند ساعت توڑ پٹا
 بھی رہا اور پھر سرد ہو گیا۔ میری آنکھیں کھلی رہ گئی تھیں لیکن میرا کمال تھا کہ میں
 نے انہیں بے نوری کی کیفیت سے دی تھی۔ گویا ان لوگوں کو بے قوت
 بنانے کی خوب چال کھیلی تھی میں نے کھلی آنکھوں سے ان کی ساری کیفیات کا
 جائزہ بھی لے سکا تھا اور ان لوگوں کو شہر بھی نہیں تھا۔
 میں نے سلاک کے چہرے پر غم کے نقش دیکھے اس نے ٹھنڈی ٹھنڈی
 سانس بھری تھی اور ٹھنڈی سی نظر آئے تھی۔
 تب اندرونی دروازہ کھلا اور شائد اندر آ گئی۔ اس کے ہونٹوں پر
 بڑی دلاوری مسکراہٹ تھی۔ اس نے کہتے ہی سلاک کے دونوں شانوں پر

اتھ رکھ دیے اور پیاسے بولی۔
 "اوہ سلاک! میری پیاسی! تم نے میرے دل کی آگ سرد کر دی ہے تم
 نے یہ ارادہ کام کیا ہے جس کا احسان میں کبھی نہیں بھول سکتی مگر یہ تم سے کیا
 ہو کہ اس کو بھانپا۔" شائد نے نفرت سے میری طرف دیکھا اور پھر سلاک کے
 جواب کا انتظار کیے بغیر میری طرف آگئی جھکی اور خاموشی سے میری ٹانگ بکھتی رہی۔
 "تمہارے کیا انسان تھا۔ بد بخت۔ خود کو ناقابل تسخیر سمجھتا تھا۔"
 اس نے کسی تڑپ سے بولے لہجے میں کہا۔
 لیکن سلاک بالکل خاموش تھی۔ تب شائد نے بھی اس بات کو محسوس
 کر لیا اور وہ سلاک کی طرف دیکھنے لگی۔
 "کیا بات ہے سلاک؟" اس نے پوچھا۔
 "کچھ نہیں شائد۔ سلاک نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔
 "تم کچھ کھیل رہی ہو؟"
 "ہاں۔ اسے قتل کر کے مجھے خوشی نہیں ہوئی ہے۔"
 "کیوں؟"
 "ظاہر ہے وہ میرا دشمن نہیں تھا۔"
 "میرا دشمن تھا اور دشمن نہیں ہے؟" شائد نے پوچھا۔
 "لیکن وہ تمہارا دشمن بھی تو نہیں تھا۔ ایک ہنسنا جھینٹا انسان شہزادوں
 کا رسیا۔"
 "تمہارے دشمن نہیں تسلیم کرتیں؟" شائد نے روٹھے ہوئے لہجے میں پوچھا
 "کیا دشمن کی تھی اس نے تم سے۔ بولو جواب دو۔ کیا اسے دشمنی ہوگی
 کہ اس نے تمہیں جھیل میں نہانے دیکھا تھا؟"
 کبھی اس نے بخاری زندگی لینے کی کوشش بھی کی۔ بولو جواب دو۔"
 "تم نے گھنٹہ گزر کر ہی ہوسلاک۔ میں اس سے نفرت کرتی تھی اس
 کی جان لینا چاہتی تھی سو میں نے لے لی۔" شائد نے جھجھکاتے ہوئے انداز میں کہا۔
 "افسوس۔ میں اس میں شریک ہوں۔"
 "ہوں۔ تو تمہیں اس سے بہتر دی تھی؟"
 "تھی نہیں ہو گئی تھی۔ وہ صرف ایک کھنڈا انسان تھا۔"
 "تم نے دوستی کا رشتہ توڑ دیا ہے سلاک۔ میں تمہارے لیے دنیا کا ہر کام
 کر سکتی ہوں لیکن تم میرے لیے ایک چھوٹا سا کام کر کے اس قسم کی گھنٹہ گزری ہو۔"
 "میں اس بارے میں کچھ نہیں کہوں گی۔ سلاک نے کہا۔
 "ٹھیک ہے۔ میں جا رہی ہوں اور اب تمہارے پاس کبھی نہیں آؤ گی۔"
 "اس کی لاش کا کیا کیا جائے؟" سلاک نے اسے دیکھ کر کوشش
 نہیں کی تھی۔
 "میں نہیں جانتی۔" شائد بولی اور بار بار نکل گئی۔ سلاک نے اٹھنے کی کوشش
 بھی نہیں کی تھی۔ وہ خاموشی سے جھکی رہی اور کافی دیر اسی طرح گذر گئی۔
 پھر اس نے ایک طویل سانس لی اور میرے نزدیک آگئی۔
 "بڑے انکھے بڑے عجیب تھے تم۔ یوں لگا ہے جیسے مجھ سے

غلطی ہو گئی ہو۔ بخاری بات مان لینی تو کیا حرج تھا لیکن۔ تم تو شائد کو پسند
 کرتے تھے۔ اسے جس کے پاس محبت نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ میں اس کی
 طرح ظالم نہیں ہوں۔ تم نے خود اپنی جان دی ہے لیکن میں۔۔۔ میں
 بخاری آخری خواہش ضرور پوری کروں گی۔"
 وہ جھکی اور اس نے مجھے ہونٹوں پر بوسہ دیکھ دیے۔ شائد جا بکلی تھی
 اور اب اس طرح چلے گئے کہ کوئی ہوا بھی نہیں تھا اس لیے میں نے اطمینان
 سے ہاتھ اٹھا کر اس کی گردن میں جھانک کر دیے۔
 لیکن میرے بدن کی تحریک محسوس کر کے سلاک بڑی طرح پھل پڑی تھی۔ وہ میری
 گرفت سے تیز نکل سکی لیکن اس کی آنکھیں شدت سے جھپک رہی تھیں
 اور جب اسے انہیں ہو گیا کہ میں زندہ ہوں تو اس نے میری گرفت سے نکلنے کی
 کوشش شروع کر دی۔
 لیکن میں نے کافی دیر کے بعد اسے چھوڑا تھا۔
 سلاک مجھے دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں حیرت اور خوشی کے آثار تھے۔
 "تم۔ تم زندہ ہو؟" اس نے مشکل کہا۔
 "ہاں۔ کیوں؟" میں نے حیرت کا انداز کیا۔
 "لیکن تم نے تو۔ تم نے تو شربت پی لیا تھا؟"
 "تم نے منہ نہ کیا تھا مجھے؟"
 "ہاں۔ اس میں زہر تھا۔ شائد نے اپنے ہاتھ سے ملایا تھا اور زہر بھی
 زہر ملا لیا۔ تم زندہ کیسے نکلے گئے؟"
 "میں تمہارے لیے۔"
 "دیکھو مجھے سچ سچ بتا دو یہ سب کیا ہے۔ تم نے شربت میرے سامنے
 پیا تھا بلکہ سارا شربت پی لیا تھا۔"
 "ٹھیک ہے۔ میں گھٹیا لیکن تمہارے لبوں کی حلاوت نے مجھے
 زندگی بخش دی۔" اور میں نے کھینچا سلاک کے خدو خال کا تناؤ کم ہو گیا۔ اس کی
 آنکھوں میں انفعال اتر آیا اور پھر اس نے دوبارہ میری گردن پر ہاتھ ڈال دیے
 "میں۔ میں بخاری موت سے کتنے میں رہ گئی تھی سبوتا مجھے بہت
 غم ہوا تھا۔ میں اعتراض کرتی ہوں مجھے بہت غم ہوا تھا۔"
 "اوہ! میں تمہارا شکر گزار ہوں۔" میں نے کہا۔ سلاک نے ہتھیرا ڈال
 دیے تھے۔
 "لیکن تم۔ تم شائد کو چاہتے ہو؟"
 "ہرگز نہیں۔" میں نے جواب دیا۔
 "اوہ۔ پھر اس کے گرد کیوں منڈلاتے رہے ہو؟ اس کی تلاش
 میں یہاں تک کیوں آئے تھے؟"
 "جس طرح دوست کی ایک حیثیت ہوتی ہے سلاک، اسی طرح
 دشمن کی حیثیت رکھتا ہے۔ مجھے شائد کی دشمنی پسند ہے۔"
 "تم دہلے ہی ہو۔"

”یہی سمجھو“

”لیکن۔ لیکن شریعت پینے کے باوجود قہر زندہ کیسے نکلتی ہے؟ سلاک کے ذہن میں پھر وہی سوال ابھرا۔

”اوہ۔ ان فضول باتوں میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے سلاک۔ تم بتاؤ۔ اب تمہاری دلی کیفیات کیا ہیں؟“

”میں۔ میں کیا بتاؤں۔ تو پسند آگئے ہر اور میں نہیں چاہنے لگی ہوں۔“

”ہوں۔ میں تھوڑی دیر خاموش رہا، پھر بولا۔ شائد تمہاری دوستی ختم ہو گئی ہے۔“

”وہ تھوڑے دن ناراض ہے، گھر ٹھیک ہو جائے گی لیکن تمہارے سلسلے میں ممکن ہے کچھ زیادہ ہی بگڑ جائے۔“

”اب وہ کہاں گئی ہوگی؟“

”معلوم نہیں۔ بستی والے اس مکان کو میرے لیے میں ممکن ہے بڑی گئی ہو۔“

”آخر بستی والے اس سے اتنے متاثر کیوں ہیں؟ وہ اپنے ہر فعل میں آزاد ہے۔ اس پر کوئی روک ٹوک کیوں نہیں ہے؟“

”اس کے باپ نے پوری عمر کو بچا بچا۔ اس کی حیثیت ایک روحانی بچھڑے کی سی ہے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ اگر اسے کسی نے نقصان پہنچا یا تو پوری بستی تباہ ہو جائے گی۔“

”تو وہ ہر کام کے لیے آزاد ہے۔“

”ہاں۔ بستی والے اس کی ہر خدمت اپنی زندگی سمجھتے ہیں۔“

”کمال ہے۔ میں نے ایک گری سائنس لی اور پھر سلاک کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر میرے ہوشوں پر سکا ہٹ پھیل گئی۔“

”غیر چھوڑو شائد ان باتیں اپنی اپنی کریں۔“

”اپنی تو اب کوئی بات نہیں ہے۔“

”تم نے بھی پوری زندگی کسی مرد کو نہیں چاہا۔“

”یقین کر دوں گے۔“

”کیوں نہیں۔“

”تو یقین کر لو۔ کبھی نہیں۔ میں بھی شائد کی طرح مردوں سے نفرت کرتی تھی۔“

”خفی اسے کیا مراد ہے؟“

”تم بھی تو مرد ہو اور۔ میں تم سے نفرت نہیں کرتی۔“

”محبت کرتی ہو؟“

میرے اس سوال پر وہ کافی دیر تک خاموش رہی۔ پھر ایک گہری سانس لے کر بولی۔ ایسا ہی لگتا ہے جیسے میں تم سے محبت کرنے لگی ہوں۔ اور میرے ہوشوں پر سکا ہٹ پھیل گئی۔ میں نے سلاک کا جائزہ لیا۔ خوبصورت تو کافی تھی لیکن۔ وہ وحشت کچھ اور ہی مقام رکھتی تھی۔

”مکن ہے سلاک، شائد تم سے دوبارہ ملاقات کی کوشش کرے۔ تم ایسے ہی تباہ کن ہیں۔ میرا دل اس سے بڑھ کر نہیں جھکوا دی ہے۔“

”میرا خیال ہے وہ جلد مجھ سے نہیں ملے گی۔ وہ اسی قسم کی لڑکی ہے۔“

”تمہارا باپ جبرتی کب واپس آتا ہے؟“

”مشاہد کو۔“

”اس وقت تک تم تنہا رہتی ہو؟“

”ہاں۔“

”اچھا۔ اب مجھے اجازت دو۔“

”اوہ۔ بیٹھو۔ کہاں جاؤ گے؟“ سلاک نے کسی قدر پریشانی سے کہا۔

”پھر آؤں گا سلاک، اس وقت اگر کے پاس واپس جا رہا ہوں۔“

”انتظار کر رہا ہوگا۔“

”میں تمہارے بارے میں اب بھی لاعلم ہوں۔“

”جتنا بتا چکا ہوں اس سے زیادہ بات نہیں ہے۔ تم اس سلسلے میں زیادہ نہ سوچو۔“

”اس بستی میں تو رہو گے یا یہاں سے کہیں چلے جاؤ گے؟“ سلاک نے پوچھا۔

”ابھی تو یہاں سے جانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔“

”کبھی مت جانا۔ اس نے میرے شانے پر دونوں ہاتھ رکھ رکھنے لگے۔“

”ٹھیک ہے۔ اگر تمہاری ہی خواہش ہے تو۔“ میں نے سکو کر کہا۔

”میں باہر نکلا تو سلاک دروازے تک میرے ساتھ آئی۔“

”کب آؤ گے؟“ اس نے پوچھا۔

”جب تم کو۔“

”کل دن میں۔ شام کو یا آج رات۔“

”ٹھیک ہے۔“ میں نے جواب دیا اور پھر میں وہاں سے چلا آیا۔ دل کی دلی میں بے شمار قہر ابھی بے تحاشی سے ایک بیک نشہ ترین شدہ۔ پستی اسلا اور شانہ شکست میں پھنس گیا تھا۔

لیکن پر وقیع انسان کی فطرت عجیب ہے۔ وہ اسی چیز کو قوت دیتا ہے جو اس سے دھور جھگتی ہے۔ دونوں لڑکیاں بھی بے حد حسین تھیں۔ مجھے پسند تھیں لیکن اس شہر کے کی بات ہی اور تھی۔ میرا دل اب بھی اس کی طرف مائل تھا اور سلاک کے پاس سے آنے کے بعد میں اسی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

کم محنت نے کوئی موقع نہیں چھوڑا۔ اب بھی وہ میری موت سے قہر خوش تھی۔ اس کے چہرے پر کس قدر نفرت تھی لیکن یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی۔

اگر اس شہر کی خانہ کو مطلع نہ کیا تو پھر زندگی میں خود کو تجربہ کار کنا حماقت ہوگی لیکن اس خود کو اس طرح اس پر نظر کیا جائے؟ اور یہ خیال ہے اس کے لیے آج کا دن تو موزوں نہیں ہے۔ بہر حال کوئی عفو موقع نکال لیا جائیگا۔

میں ہاؤس کے مکان پر پہنچ گیا۔ ہاؤس پر غیور میں مصروف تھا اس لیے میں نے فوٹا کے پاس چلا گیا۔ فوٹا نے حسب معمول سکوڑنے سے باز رہا استقبال کیا تھا۔ وہ کسی نہ کسی شکل پر نظر آ رہا تھا۔

”کبھی میں ہی تمہارے بارے میں بڑی عجیب باتیں سوچتا ہوں سہوتا۔“

”شلاہ۔“ میں نے کہا۔

”یہی کہ تمہاری زندگی کس قدر شاندار ہے، بلکہ زندگی تو تمہاری ہی ہے۔“

”ہاؤس کی جب تمہارے بارے میں گفتگو کرتا ہے تو اس کی آنکھوں میں کس قدر محبت آتا ہے۔“

”میرے بارے میں سوچ کر وقت ضائع مت کیا کرو فوٹا۔“

”پھر کیا کروں؟ وقت کا اور صرف تم ہی کیا ہے میرے پاس۔“

”اگر ہاؤس کی طرح تمہاری شکل نہیں بدل سکتا ہے۔“

”شکلیں ہمیں بھی بدل جاتی ہیں اور پھر اس سے فائدہ بھی کیا ہے۔“

”اگر وہ عارضی طور پر تمہاری شکل بدل سکتا تو تم بستی میں آزادی سے گھوم پھر سکتے تھے یہاں قید نہ ہونا پڑتا تھیں۔“

”ہاؤس کوئی خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں ہے۔ ویسے اس کے ذہن میں ایک بات ضرور ہے۔ وہ یہ کہ کوئی ایسی جگہ بنائی جائے جہاں ہم باقاعدہ کام شروع کر سکیں۔“

”ہاں۔ اس کا تذکرہ تم نے پہلے بھی کیا تھا۔“

”ہاؤس نے اس سے کام کر رہا ہے۔ وہ اپنے معاملات کو بھی صرف اسی وجہ سے نہیں چھوڑنا چاہتا کہ لوگ اس کی طرف متوجہ نہ ہو جائیں اور خاص کی تو دل خواہش ہے کہ وہ پورا وقت اسی کام میں صرف کرے۔ بہر حال اب تو ہمیں شدت سے ان کے والوں کا انتظار ہے۔“

”ذہنی سے انتظار کرو فوٹا۔ سازشیں کھینے کے لیے محنت کرنا ہوتی ہے۔ صبر کرنا پڑتا ہے۔“

”مجھے حساس ہے لیکن سہوتا تم بھی تو ہمیں کچھ بتانے والے تھے؟“

”آج رات؟“

”ہاں۔“

”ٹھیک ہے۔ میری بات کی اہمیت یوں ہی ہے کہ ممکن ہے میں اپنی ترکیب کا گڑھ بنانا پڑے اس لیے وہاں زرد و انسانوں پر نگاہ رکھنا ضروری ہے۔“

”تم نے اس کے بارے میں عجیب امکانات کیا تھا۔“

”ہاں اور یہ بہر حال تشویشناک بات ہے۔“

”یقیناً۔ میں اس پر توجہ دینا ہوگی۔ میں نے اور دو گونے بعد میں گفتگو کی تھی۔ تمہارے اوپر شب سے ہم یقیناً غرور مند ہیں بس نہ جانے کیوں ذہن کی کوئی رنگ غراب ہو گئی تھی۔“ فوٹا نے کہا۔ میں نے اس بارے میں کوئی بات نہیں کی تھی۔

بہر حال پھر رات گئے تک میں فوٹا کے ساتھ ہی رہا۔ بے شمار باتیں ہوئی تھیں۔ فوٹا نے اپنے عشق کی کہانی بھی دہرائی تھی اور اپنی سابقہ عہدوں کے قصے بھی سنائے تھے۔ پھر حکیم ہاؤس کی فائن ہو کر گیا اور رات کا کھانا کھانے کے بعد فوٹا فارغ ہو گئے۔

پھر صبح بستی میں خاموشی چھا گئی تو ہم باہر نکلے۔ فوٹا نے ایک چادر ڈال دی

ہوئی تھی۔ میں اور ہاؤس کو خود کو چھپائے ہوئے تھے۔ طویل مسافت طے کر کے میں ان دونوں کو اس معاملے پر لے گیا۔ اس نے ان سفید فاموں کی بستی دیکھی جاسکتی تھی۔ بستی کی روشنائی نظر آرہی تھیں لیکن ان دونوں کی توجہ بھی تک اس طرف نہیں گئی تھی۔

”اس معاملے کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے ہاؤس؟ میں نے پوچھا۔“

”معاملے کے بارے میں؟“ بات ہاؤس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

”ہاں۔ کیا یہ کسی لحاظ سے کوئی اہمیت رکھتا ہے؟“

”میں نہیں کہہ سکتا۔ ہاؤس نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ فوٹا بھی میری بات کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے ان لوگوں کو زیادہ الجھانا پسند نہیں کیا اور پھر میں نے کہا۔ وہ روشنائی دیکھو فوٹا۔ یہ اس بستی کی روشنائی ہیں جو تمہارے دشمنوں کی بستی ہے۔ دن کی روشنی میں یہ بستی صاف نظر آتی ہے اور اسی طرف وہ کھلا سنبھلے جہاں سے زرد و تمہارے علاقے کی دوسری بستیوں سے رابطہ قائم رکھتے ہیں۔“

”اوہ۔ اوہ۔ ہاں یقیناً۔ یہ وہی سمت ہے۔“

”اس جگہ کو کوئی ایسی عمارت تعمیر کرنا جہاں سے تم مسلسل سمندر پر نگاہ رکھ سکو اس طرح میں ان کی سرگرمیوں کا پتہ چلنا ہے گا۔ اس کے علاوہ اگر ان کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کا فیصلہ ہو تو وہ کارروائی دھڑے سے ہی کی جاسکتی ہے۔ جبکہ ان لوگوں کی نگاہوں میں اس سمت کی کوئی مینشیت نہیں ہے۔“

”درحقیقت سہوتا، یہ تو انکھی بات ہے۔ آج تک پوری سکاٹی بستی کے کسی شخص نے اس طرف توجہ نہیں دی تھی۔“ ہاؤس بولا۔

”بلاشبہ یہ ایک قیمتی نشان دی ہے۔“

”پھر اب کیا کیا جائے گا؟“ میں نے پوچھا۔

”اوہ۔ میرا کام ہے سہوتا۔ تو حکومت کے ریس میں کل سے ہی یہاں ایک عمارت کی تعمیر شروع کر دیتا ہوں۔ میں لوگوں سے یہی کہوں گا کہ میں اس عمارت میں حکمت کے تجربات کروں گا۔ کمزوری کی عمارت صرف چند روز میں تعمیر ہو جائے گی۔“

”بس میں ہی بتانا چاہتا تھا۔“ میں نے کہا اور پھر وہاں سے واپسی کی تھی۔

فوٹا کے لیے جو کام ہونے لگا تھا اس میں میرا کردار اس سے پہلے کے ایسے کاموں سے مختلف نہیں تھا۔ یعنی میں ان لوگوں کی مدد کرنا وہ تھا لیکن میرا کام صرف اتنا ہوتا تھا کہ ہاؤس کو لوگوں کو اپنے تجربے سے فائدہ پہنچاؤں یا پھر ان کے لیے ایسا کام کروں جو ان کے بس سے باہر ہو۔ میری بستی میں ابھی تو تعمیر ہوئی تھیں اور اگر ان تعمیرات میں میرا دل لگ جائے تو ٹھیک ہے ورنہ پھر بیزاری حاوی ہو جائی تھی اور سکاٹی بستی میں تو میرا دل ایک وقت میں جگہوں پر لگ گیا تھا اور میں تو یہی خوب تھیں اور ان کے ساتھ تفریح کی جاسکتی تھی۔

دوسری صبح حسب معمول غیور روایت زندگی سے فارغ ہوا۔ شائد

213

دفعہ کیا اور پھر آوارہ گردی کے لیے نکل آیا۔ جیسی سے گزرتے ہوئے یونی میں نے
شاندکے مکان کی طرف سے گزرتے کا فیصلہ کیا اور یہ دیکھ کر مجھے خاصی ہیرت ہوئی
کہ شاندکے مکان تیار ہو چکا تھا۔ یقیناً وہ اپنے مکان میں موجود ہوگی۔
لیکن اس وقت شاندکے مکان میں جانے کے بجائے میں نے سلا کا
کے پاس جانا ہی بہتر سمجھا۔ ناگہان کو کچھ دیر سوئے ہی دیا جانے تو بہتر ہے اور
پھر تھوڑی دیر کے بعد میں سلا کا کے مکان پر غصا۔
سلا کا مجھے دروازے پر ہی نظر آئی۔ وہ میری منتظر تھی۔ میں اوپر سے
تھیں دیکھ رہی تھی۔ جیسی تم نظر کرنے میں نیچے جھاگی۔
”انتظار کر رہی تھیں سلا کا؟“
”ہاں۔ شہت سے۔“
”اور کوئی خاص بات تو نہیں؟“ میں نے اندر داخل ہوتے ہوئے
پوچھا۔ ”میرا مطلب ہے شاندکے باسے میں کوئی اطلاع؟“
”رات کو کوئی تھی میرے پاس۔“
”اوہ! آئی تھی؟“
”ہاں۔ کہنے لگی وہ اپنی فطرت کے خلاف مجھ سے کچھ تو کرنے آئی
ہے۔ میں نے اس کے لیے برا کام کیا ہے جسے وہ نظر انداز نہیں کر سکتی۔“
”خوب! تم نے کیا کیا؟“
”بس میں نے اسے معاف کر دیا۔“
”اور وہ تو پھر ہو گئی؟“
”ہاں۔ سلا کا نے سکر لے ہوئے جواب دیا۔
”اس نے میری لاش کے باسے میں پوچھا ہو گا؟“
”میں نے یہی جواب دیا کہ بڑی شکل سے میں اسے سند میں بہا کر آئی
ہوں اور اس بات پر بھی وہ بہت خوش ہوئی تھی۔“
”اٹوکی لڑکی ہے۔“ میں نے گہری سانس لے کر کہا اور پھر سلا کا خاموش
ہو گئی۔ تھوڑی دیر تک خاموش رہنے کے بعد وہ اٹھ گئی۔
”میں نے تھکے لیے کچھ چیزیں تیار کی ہیں اؤں۔“ اس نے
کہا اور باہر نکل گئی۔ میں مسکراتا رہا تھا۔ ہر لڑکی ایک ہی انداز میں محبت کرتی
ہے۔ کوئی بھی تبدیلی نہیں ہوتی اس میں اور سلا کا بھی ایک عام ہی لڑکی تھی۔
ہاں مختلف تھی تو شاندکے جس کم محبت کو محبت کرنا ہی نہیں آتی ہاں نفرت میں
وہ لاجواب تھی۔
سلا کا نے کافی کاوش کی تھی۔ میں نے بھی اس کا دل رکھنے کے لیے
بہت کچھ کھایا اور اس کی تعریف بھی کی۔ سلا کا بہت خوش ہوئی تھی پھر اس
نے کہا۔
”تم رو دیا کرو۔ میں تھکے لیے اچھی چیزیں پکایا کروں گی۔“
”ٹھیک ہے سلا کا۔ حالانکہ میں تھیں کوئی تکلیف نہیں دینا چاہتا۔“
”تھکے سے کچھ کہتے تھے مجھے کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ سلا کا نے کہا اور
میں نے گے گڑھ کو اسے خوش میں لے لیا۔ سلا کا کے طور آج کافی بدلے ہوئے

تھے۔ اس نے سکون سے خود کو میری آغوش میں سوئپ دیا اور پھر اس کے
میں قدم بہ قدم منازل کیوں نہ گئے کرتا میں اسے بازوؤں میں لے کر دوسرے
کمرے میں پہنچ گیا۔ میرے کمرے میں روئے سلا کا کو نکال کر لیا تھا اور وہ
بالکل بے خود ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں غماں بھر آیا تھا اور پھر اس نے میری
تحریک میں مداخلت نہیں کی۔ اس پر حیرت کی کیفیت طاری تھی اور اس کے
بعد وہ میری مددگار بن گئی۔ یوں ایک طویل عرصے کے بعد سلا کا کی جیسی نے مجھے
خراج پیش کیا۔ سلا کا بے حد خوش تھی اور میں بھی خوش تھا۔ اتنی سی تبدیلی
ضرور ہوئی کہ میں نے دو تین دن تک شاندکی جستجو نہیں کی۔ شاندکے ہی اس دوران
دو مرتبہ سلا کا نے مل تھی اور اس نے ایک دلچسپ بات بتائی تھی۔ اس نے کہا
تھا کہ شاندکے میں میری لاش تلاش کر رہی ہے۔
”کیوں کیا وہ میری لاش سے بھی کوئی انتقام لینا چاہتی ہے؟“ میں
نے مسکرا کر پوچھا۔
”وہ صرف یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ تھاری لاش کا پھیلنے کے لیے کیا حکم
سلا کا مسکرا کر بولی اور میں نے دنگا۔
سلا کا کے ساتھ خوب دن گز رہے تھے۔ وہ ہر صبح میرا انتظار کرتی تھی
اور میرے پہنچنے پر خوش ہو جاتی تھی اور پھر تقریباً سارا دن اس کے ساتھ ہی گذرتا
دوپہر کو کھانا بھی اس کے ساتھ ہی کھاتا تھا اور پھر لیے ہی ایک دن کی بات ہے
اس وقت کی بات جب میں سلا کا کے ساتھ داؤدیش نے رہا تھا۔ ہمارے کمرے
کا دروازہ یونی بند تھا کیونکہ آج تک کوئی نہیں آیا تھا۔
لیکن اس دن آج ایک دروازہ کھل گیا اور ہم دونوں چونک پڑے
سلا کا پھلی کی طرح تڑپ کر اٹھ کھڑی تھی۔
”کوئی ہے؟“ اس نے سراسیمہ سے انداز میں کہا۔
”تو خوفزدہ کیوں ہو؟ جو کوئی ہوگا اندر آجائے گا۔“ میں نے جواب دیا
اور دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔
”لیکن اس طرح اس طرح کوئی نہیں آ سکتا۔ اور آئے اور وہ
کھول کر ایک دم دروازے کے سامنے سے ہٹ گیا ہے۔“
”اوہ۔ سلا کا! جو کوئی ہوگا اندر آجائے گا۔“ میں نے جھلنے ہوئے
انداز میں کہا۔
”نہیں سہوتا۔ براہ کرم۔ براہ کرم مجھے دیکھ لینے دو۔ سلا کا نے کہا
اور پھر وہ ایک چادر اپنے بدن سے لپیٹ کر باہر نکل گئی۔ میں نے البتہ اپنی جگہ
اٹھنے کی کوشش نہیں کی تھی اور اسی جگہ سلا کا کا انتظار کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے
بعد وہ واپس آئی اور میں نے اس کا چہرہ دیکھا۔ سلا کا کا چہرہ کسی حد تک مٹا
کا منظر تھا۔
”کیا ہوا؟“ میں نے پوچھا۔
”مذہبانے کون تھا۔ کوئی تھا ضرور۔ لیکن نہایت چھرتی ہے ہاں۔
نکل گیا۔“ اس نے جواب دیا۔
”تم کسی سے خوفزدہ ہو؟“

”اوہ۔ خوفزدہ تو میں کسی سے بھی نہیں ہوں۔ یہاں تک کہ اپنے باپ
کوئی سے بھی نہیں میں اپنے طور پر زندگی گزارنے کے لیے خود مختار ہوں لیکن
آخر کون تھا اور اگر آیا تھا تو اس طرح چلا گیا؟“
”اگر تم کی طرح اٹھتی ہو تو میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔“
”نہیں نہیں سہوتا۔ ناراض نہ ہو۔ تم خود کو تو میری اچھی قدرتی
ہے لیکن اس اچھی میں خوف نہیں ہے۔“
سلا کا منہ سے کچھ بھی کہتی رہی۔ اس کے بعد اس نے اس واقعے کا تذکرہ
کیا نہیں کیا لیکن میں نے پورے دن اس کے انداز میں اچھی محسوس کی۔
اس شام واپس اپنی تو قوما اور کو کا فی پر جوش تھے۔ دونوں حسب معمول
مرکز سے بیٹھے تھے۔
”دلچسپ بات یہ ہے کہ ایک وقت وہ خوش بیاں ہیں۔ اول یہ کہ سائل
کا مکان تیار ہو گیا ہے اور پے پے کیا گیا ہے کہ آج رات فرما اس مکان میں منتقل
ہو جائے اور فرما ہے ہنگامہ رکھنے والا کون ہوگا۔ دوسری خوشخبری یہ ہے کہ الجوش
اور ماس یہاں پہنچ چکے ہیں۔“ ہاگو نے مجھے بتایا۔
”یہ دونوں کون ہیں؟“ میں نے پوچھا۔
”دو دیر۔ دوسرا درجہ ہو فرما کے وفادار ہیں۔“ ہاگو نے جواب دیا۔
”خوب! انھیں کہاں پھر لیا ہے تم نے؟“
”دلشام کے مکان پر اور دلشام قابل اعتبار انسان ہے لیکن آج رات
ان کو یہاں منتقل کرتے ہیں ان دونوں کو یہاں بلاؤں گا۔“
”لیکن تمہارا مشورہ درکار ہے سہوتا۔ میرا اس مکان میں منتقل ہونا مناسب
ہی ہوگا یا نہیں؟“ فرما نے پوچھا۔
”اس میں کوئی عرصہ بھی نہیں ہے فرما، بلکہ میرے خیال میں بہتر ہے۔
تھکے لیے ایک دلچسپ شغل بھی ہو جائے گا۔“
”میرا بھی یہ خیال تھا۔“ ہاگو جلدی سے بولا۔
”ان کو گوں سے کیا گفتگو کرے؟“ میں نے پوچھا۔
”ابھی کچھ نہیں میں ان کو یہ البتہ بتا دوں گا کہ انھیں یہاں ایک اہم
مصورے کے لیے بلا گیا ہے لیکن اس مصورے کی تکمیل اسی وقت ہوگی اور اس پر
تکست بھی اسی وقت شروع ہوگی جب تمام لوگ پہنچ جائیں گے۔ میرا خیال ہے
انھیں انتظار میں وقت نہ ہوگی اور نہ ہی کسی پریشانی۔“
”ٹھیک ہے ہاگو۔ ان معاملات کو تم بہتر طور پر انجام دو گے۔“ میں
نے مسکراتے ہوئے کہا اور ہاگو پر خیال انداز میں گردن ملائے لگا۔
ہاگو نے سمجھنے کے سنا ہے بنے ہوئے ٹکڑی کے مکان میں اس کا نشاندگی
کے سامنے لوازمات اٹھے کر دیے تھے تب رات کو فرما کو اس مکان میں پہنچا دیا
گیا میں نے بھی ملے کیا تھا کہ رات فرما کے ساتھ اسی مکان میں گزاروں گا جس
پر فرما رہے نہ تو فرما کا عرصہ خاص تھا اور ہاگو کا۔ تو سہوتا کے کہنے سے یہ فیصلہ
مکان میں یہ جاری رہی رات تھی اور فرما اس رات بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ ہم
مکان کی ایک کھڑکی میں بیٹھے چاندنی میں ڈوبے سمندر کا نظارہ کر رہے تھے۔ رات

خاصی گزری تھی۔ تب فرما نے کہا۔
”تھیں عینہ تو نہیں آ رہی سہوتا؟“
”نہیں فرما! لیکن اگر تم سنا چا ہو۔“
”میں تو آج شاید ساری رات نہ سو سکوں گا۔“
”کیوں؟“
”سہوتا! تو مجھے طویل زندگی کی خواہش ہے اور یہ کھڑکی کی یقین کرو
کھڑکی ایک دلکش تصویر رکھتی ہے لیکن اس کے ساتھ جو ذرا دیریاں ہوتی ہیں،
وہ عینہ کیلک نہیں لیتی ہیں۔ ایک عام انسان کھڑکی کی بہ نسبت زیادہ خوش و
خترم رہتا ہے لیکن اس کے باوجود میرے دل میں اس وقت تک زندہ رہنے
کی آرزو ضرور ہے۔ جب تک میں اپنی سرزمین کو ان غاصبوں سے پاک نہ دیکھ
لوں اور جوں جوں اس سلسلے میں کامیاب اقدامات ہو رہے ہیں میری خوشیوں
میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔“
”مجھے تمہاری خوشی سے سرت ہے فرما۔“
”میں جانتا ہوں میرے عزیز دوست۔ تھکے اسانات کی توفیرت
بھی نہیں تیار کی جا سکتی۔ بس جو کچھ ہے میرے دل میں ہے۔ فرما نے کہا۔
”دل میں ہی کھوٹا کھوٹا جھگانے باتوں سے کوئی خوش نہیں ہوتی۔“
”میں تیری عظمت کا اعتراف کرتا ہوں سہوتا! لیکن ایک بات تو بتا۔“
”پوچھو فرما!۔“
”تھکے اس طوالت سے اتنا صبر تو نہیں ہو رہی؟“
”اس لیے نہیں کہ میں ذہنی اور جسمانی طور پر آزاد ہوں۔ اگر معاملہ یوں
ہو جاتا تو میرے لیے دہشت سی ذرا دیریاں کر دیتا تو میں انتظار نہ کر سکتا تھا۔ میں
اب تک کوئی نہ کوئی قدم اٹھاتا ہوں اور پھر نتیجہ کا انتظار کرتا۔“
”اوہ۔ ہاں میں جانتا ہوں لیکن۔“
”مجھے اس پر اعتراض نہیں ہے فرما۔“
”کیا سلا کی کوئی روک۔“ یا شاندکے سے رام ہو گئی ہے؟“
”شاندکے بات نہ کر۔ وہ تو خود آتش فشاں کی مٹی معلوم ہوتی ہے میں
نے سمجھتے ہوئے کہا۔
”ہاں۔ میں نے اس روک کے بلے میں بہت کچھ سنا ہے لیکن انہوں۔
اب تک اس سے مل نہیں سکا۔“
”لٹنے کی کوشش بھی نہ کرنا فرما۔ واقعی خطرناک ہے۔“ میں نے ہنستے
ہوئے کہا۔
”تھکے ساتھ کیسی چل رہی ہے؟“
”نہایت دلکش!۔“ میں نے جواب دیا اور پھر میں نے فرما کو بتلا سے
اب تک کی تفصیل بتادی۔ اس میں سلا کا کا بھی ذکر تھا اور اس سے دوستی کا بھی۔
فرما حیرت سے منہ کھڑے ہو کر میری کہانی سن رہا تھا اور پھر اسے شدید حیرت ہوئی اور
پھر اس کی تیرہوں پر ہل گئے۔
”لیکن شاندکے پر حیرت ناپسندیدہ ہے۔ اسے اس بدتمیزی کی مزاحمت

ہوگی۔ اس نے کہا اور میں نے ہاتھ اٹھا دیا۔

”نہیں۔ فو۔ تم نہیں جانتے۔ ایسی لوگیاں ہمیشہ میری پسندیدہ رہی ہیں۔ میرا دل اس کا معاملہ ہے۔ تم فکر مت کرو۔ میں اس سے ٹٹ لوں گا۔“ میں نے کہا۔

”جیسی تمہاری مرضی سہوتا۔ لیکن میں ایک کام کے لیے تم سے کنا چاہتا تھا۔“

”ہاں کہو۔“ میں نے جواب دیا۔

”میری ذہنی حالت کے بدلے میں تمہیں اندازہ ہوگا۔ خاص طور سے تنہائی اور بھر ایک طویل صبر آزما وقت۔ یہ ساری باتیں مل کر مجھے بہت پریشان کرتی ہیں اور بعض اوقات میرے ذہن میں ایک طلب پیدا ہو جاتی ہے۔ یوں تو اگر میں ہاگو سے کون تو وہ سکاٹی کی کسی بھی خوبصورت لڑکی کو میری خدمتگار کی حیثیت سے متعین کر سکتا ہوں لیکن اس میں دو باتیں ہیں۔ اول تو میں ہاگو کا احترام کرتا ہوں اور اس سے ایسی کوئی بات نہیں کر سکتا۔ دوسری بات یہ کہ سکاٹی کی کوئی لڑکی اس سلسلے میں رازدار نہیں ہونی چاہیے۔“

”ٹھیک ہے۔ فو۔ اصل بات کرو۔“ میں نے کہا۔

”وہ رہ کر میرے دل میں غلامی کی یاد چھکتی ہے۔“

”اوہ!“ میں نے گہری سانس لی۔

”ایک تو یہ جس کے نام اس سلسلے میں میرا مطلب ہے میری موت کی سازش میں شریک تھی یا نہیں، دوسری اس کی محبت۔ یہ دونوں چیزیں بعض اوقات مجھے اتنا پریشان کرتی ہیں کہ میں عقل و ہوش سے بیگانہ ہو جاتا ہوں۔“

”اوہ۔ یقیناً تم جتنی تنہا زندگی گزار رہے ہو مجھے اس کا احساس ہے اور میں تم سے بہادری دیکھتا ہوں لیکن مجھے بتاؤ میں تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں؟“

”تم۔ میری عزت نہیں ہو رہی تم سے کہنے کی۔“

”میرا خیال ہے تمہیں تکلف نہیں کرنا چاہیے۔ بتاؤ کیا چاہتے ہو؟“

”حالانکہ اس میں ابھی ہے لیکن مجھے صرف ایک بات بتاؤ۔ کیا تم میرے لیے یہ کام کر سکتے ہو کہ کسی بھی طرح غلام کر کے آؤ؟“

”اوہ۔ کیوں نہیں کر سکتا۔ لیکن اس کا ذریعہ کیا ہوگا؟“

”ظاہر ہے اس سلسلے میں بھی ایک طویل پروگرام چل کرنا ہوگا اور میں نہیں کہہ سکتا کہ میں کتنے عرصہ جدوجہد کر رہا ہوں اس لیے میں اپنے ذہن کے اس کاٹنے کو دور کرنا چاہتا تھا۔“

”ہوں، لیکن کیا میرے لیے اس سلسلے میں کچھ مشکلات پیش نہیں آئیں گی فو؟“

”یقیناً لیکن تم سے یہ درخواست میں نے اسی لیے کی ہے کہ تم مشکلات پر قابو پانے کی اہلیت رکھتے ہو۔“

”تب بتاؤ مجھے کیا کرنا ہوگا؟“ میں نے پوچھا۔

”ہمیں زیادہ اس کا انتظار کرنا ہوگا۔ زیادہ اس خاص طور سے میری بہتی یعنی شگایا کار بننے والا ہے۔ وہاں ایک بڑا سردار۔ وہ جس جہاز سے آئے گا وہ جہاز وہیں واپس جائے گا۔ تم اس جہاز سے چلے جانا۔ زیادہ اس کے کوئی غلام

شناخت میں تمہاری مدد کریں گے باقی کام تمہارا ہوگا۔“

”اوہ ٹھیک ہے فو۔ میں تیرے لیے یہ کام کروں گا۔“ میں نے سر ہلاتے ہوئے جواب دیا اور فو نے جذباتی انداز میں میرا ہاتھ پکڑ لیا۔

”مذہب نے کیا سوچا تھا میں نے اور جو سوچا تھا مجھ سے کہ یہ سب سنا۔“

ایک انسان کی بے بسی کی درخواست ہے۔ اس کے بدلے میں کسی غلط انداز میں

موت سوچنا۔ اس نے گھیر لیا۔

”کوئی احساس ذکر فو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ بہر حال مجھے اپنی

تک بھولنے کی ذمہ داری تیری ہوگی اور اس کے بعد میری ذمہ داری۔“

”ہاں۔“ فو نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔ فو خاموش ہو کر گئی۔

سوچ میں مگر ہوا تھا۔ رات کے آخری پہاڑ میں سوسنے کے لیے لیٹ گئے اور اس دن صبح جاگنے میں کافی دیر ہو گئی تھی۔ فو نے اپنے ہاتھوں سے میرے سینے پر

تیار کیا تھا لیکن میں نے اس سے معذرت کر لی۔

”کیوں؟“ فو نے تعجب سے پوچھا۔

”یہ ذمہ داری آج کل سلا کاٹنے بھجال لی ہے۔ وہ اس وقت ناشہ

نہیں کرتی جب تک میں نہیں چھو جاتا۔“

”واہ!“ فو مسکرایا۔ پھر بولا۔ ”ٹھیک ہے سنا، تم اپنی محبوبہ کے

جاؤ میں تو ناشہ شروع کرتا ہوں۔“ میں نے چہرہ وغیرہ صاف کیا اور پھر سلا

کی طرف چل پڑا۔ فو کے تختے کے نزدیک سے گزر کر میں جوتی کے مکان پر پہنچ

گیا۔ اس مکان کے دروازے کا مگر طرح پرکھتے رہتے تھے۔ میں کنگے دروازے سے

اند داخل ہو گیا۔ سلا کا شاہد اندرونی کمرے میں تھی اور اس نے چھت سے مجھے

دیکھا تھا۔ ”یہ آج دیکھی ہو گئی تھی۔ ممکن ہے وہ دیر سے آئے کہ جب سے ناظر

ہو گئی ہو۔“

میں اندوہی کر کے کی طرف چل پڑا تیسرے کمرے میں عوامی ہفت

ہوئی تھی۔ اس کا دروازہ بھی کھلا ہوا تھا۔ میں نے اندر قدم رکھا اور ایک ہی نگاہ

میں مجھے احساس ہو گیا کہ کوئی گواہ ہے۔

تب پروفیسر میں نے کمرے کے عین درمیان فرش پر سلا کا گود لیا۔

چاروں شانے چت پڑی تھی۔ سینے کے عین درمیان خون کا نشان ابھرا اور اٹھا

بہت کافی خون فرش پر پھیلا ہوا تھا۔

میں ساکت کھڑا رہ گیا۔ سلا کا مچکی تھی اور کمرے کی حالت بے ترتیب

تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے سخت جدوجہد ہوئی ہو اور میرے ذہن میں صرف ایک

ہی نام ابھرا۔ شانہ۔ وحشی شانہ جس نے اپنی دوست سلا کا قتل کر دیا

تھا۔ واقعات کی لگائیوں میں رہی تھیں۔ کل جس وقت میں سلا کا کے پیوں میں

تھا۔ آنے والی یقیناً شانہ تھی۔ وہ ہر دونوں کو دیکھ کر فرار ہو گئی اور آج یقیناً وہ اس

وقت آئی ہوگی جب جوتی چلا گیا ہوگا اور پھر اس نے سلا کا سے میری زندگی کے

بالے میں باز پرس کی ہوگی۔ سلا کا میری جست میں دیوانی ہو رہی تھی۔ ضرور اس نے شانہ سے جمع گفتگو کی ہوگی اور شانہ کی وحشت اس کی خوفناک فطرت سلا کا

کی زندگی پر داشت نہ کر سکی ہوگی۔

کمرے میں جگہ جگہ سلا کا کے بال کچھے پڑے تھے۔ اس کے چہرے پر

کئی گہری خراشیں بھی تھیں جس کا مطلب ہے کہ سلا کا نے شانہ سے جنگ بھی

کی تھی لیکن اس بات کا اندازہ مجھ سے زیادہ کسی ہوسکتا ہے کہ سلا کا کی طرز شانہ

کی جسمانی قوتوں کی پہچان نہیں تھی۔

تو پروفیسر پھر ایک عورت کی زندگی میری وجہ سے چلی گئی تھی۔ یہ کوئی

نئی بات نہیں تھی۔ نہ شانہ کی سب سے کراس وقت تک ایسے بے شمار واقعات

میری نگاہوں میں آچکے تھے۔ افسوس تو ضرور ہوتا تھا لیکن عام لوگوں سے کم۔

چنانچہ تھوڑی دیر تک تو اس ساکت و جامد کھڑا رہا اور پھر ایک طویل سانس

لے کر اہمیں پڑا۔ شانہ پڑنے پر سنی بارفتہ آیا تھا۔ اچھی لڑکی نے میری جان لینے کی کوشش

تو کی تھی لیکن اس نے سلا کا کو اس کی بے دردی سے قتل کر دیا۔ وہ میرے تختے کو آواز

دے رہی تھی۔ تھوڑی سی سانس کے لیے ضروری تھی۔ کم زور میں اس سے کنا چاہتا

تھا کہ میرے معاملے میں کسی دوسرے کے ساتھ برا سلوک نہ کیا جائے۔

سوسن واپس نکل آیا وہاں سے اور اب مجھے شانہ کی تلاش تھی۔ اس کے

یہ میں نے پہلے اس کے گھر کا رخ کیا اور تھوڑی دیر کے بعد میں اس کے نئے پریشہ

مکان کے سامنے پہنچ گیا۔ میں نے مکان کے دروازے کو دھکا دیا اور وہ کھل گیا۔

”شانہ!“ میں نے آواز دی لیکن مجھے کوئی جواب نہیں ملا تھا۔ تب

میں نے دروازہ بند کر دیا اور پھر اسے مکان میں تلاش کرنے لگا لیکن تھوڑی دیر کے

بعد ہی مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ مکان میں موجود نہیں ہے۔ شانہ کی دوسری پسندیدہ جگہ

بھیل تھی جتنا بھر بھیل کی طرف ہی نکل گیا لیکن آج وہ بھیل پر بھی نہ تھی۔

پوری سیٹی میں ایک انسان کو تلاش کر لینا آسان کام نہیں تھا لیکن اس

کے باوجود میں دوپہر تک اسے جتنی میں تلاش کرتا رہا اور اب ایک ہی جگہ باقی تھی۔

یعنی پوسیتا!

ممکن ہے وہ اس کے پاس گئی ہو اور کئی دنوں کے بعد مجھے پوسیتا دانی

تھی لیکن جسے میں نے فراموش نہ کرتا لیکن ان دنوں سلا کا میں ایسا ابھرا تھا کہ

پوسیتا ذہن سے نکل گئی تھی۔ بہر حال میں نے اس کے پاس جانے کا فیصلہ کر لیا لیکن

اس سے پہلے میں نے فو کے پاس جانا مناسب خیال کیا تھا۔

سائل کے نزدیک مکان میں میں نے فو کو پکارا اور فو نے خفیہ دروازے

مجھے دیکھ کر دروازہ کھول دیا۔

”آؤ سہوتا۔ خلاف توقع۔“ اس نے کہا۔

”ہاں فو! تمہیں ایک اطلاع دینے آیا تھا۔“

”کیا؟ آؤ اندر آ جاؤ۔“

”ممکن ہے آج رات میں واپس نہ آؤں۔“

”اوہ کہاں جا رہے ہو؟ کیا سلا کا کے ساتھ؟“

”نہیں۔ آج کی رات میں نے لوگوں کی سیٹی میں گزار دی۔“

”اے۔ کیوں؟“

”یوں تو میں شانہ کی تلاش میں وہاں جا رہا ہوں لیکن اگر پوسیتا نے

روکنے کی کوشش کی تو رگ بھی جھڑکے گا۔“

”اوہ۔ شانہ وہاں گئی ہے؟“ فو نے پوچھا۔

”امکان ہے اس بات کا۔ وحشی لڑکی نے ایک بار چورشت کا مظاہرہ

کیا ہے۔“

”اور ہو کیا ہوا؟“

”اس نے سلا کا کو قتل کر دیا۔“

”اے۔“ فو چونک پڑا۔ پھر میں نے اسے پوری تفصیل بتائی اور فو نا آت

سے گردن ہلانے لگا۔ پھر بولا۔ ”کیا اب بھی تم اسے سزا نہیں دو گے؟“

”تھکے ہاں اس مجرم کی سزا ہے فو! میں نے سوال کیا۔“

”ہاں یقینی سزا ہے لیکن سستی والوں نے تو اسے کوئی اور ہی حیثیت دے

رکھی ہے۔ اس کو سزا دے گا میرا خیال ہے جی کے قانون کے محافظ بھی اس

کے سامنے جے ہیں۔ لیکن ان کے ذہنوں میں یہ خوف بٹھا ہوا ہے کہ اگر انھوں نے

شانہ کو نقصان پہنچایا تو ان کے اوپر عذاب نازل ہوگا اور ان دیکھی قوتوں سے سب

خوفزدہ رہتے ہیں۔“

”ٹھیک ہے۔ پھر میں ہی اسے کیا سزا دوں گا۔“

”لیکن اس کے باوجود۔“ اس نے اچھا نہیں کیا۔“

”ہاں دوسرے انداز میں میں اسے ٹھیک کروں گا اور اسی لیے میں اس

کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہوں۔“

”ٹھیک ہے سہوتا۔ جیسا تم مناسب سمجھو۔“

”میں تمہیں اس لیے اطلاع دے رہی ہے کہ تم پریشان نہ ہو۔“

”تمہارا شکریہ اور حقیقت اگر تم نہ آتے تو میں پریشان ہوتا۔“

”اب میں چلتا ہوں۔“ میں نے کہا اور پھر میں فو کے پاس سے باہر نکل

آیا۔ سمندر کے راستے پر گریں میں بہا سانی جتنی پہنچ سکتا تھا لیکن میں اس بہتی کے لوگوں

کو اس طرف متوجہ نہیں کرنا چاہتا تھا اس لیے میں نے وہی پہاڑوں کا راستہ

اختیار کیا تھا اور پھر میں برق رفتاری سے سفر کرنے لگا۔

بعض اوقات مجھے اپنی ذات پر بھی سیٹی آتی تھی پروفیسر۔ میری زندگی بھی

خوب تھی۔ کوئی مسئلہ تھا میری ذات کے ساتھ۔ چاہتا تو کسی پہاڑ کی چوٹی پر بھی

صدیاں گزار دیتا لیکن زندگی پر تحریک چاہتی ہے۔ یکسانیت زندگی کے لیے سب

سے خوفناک ذہن ہے اور انسان اس ذہن کا شکار ہو کر بالکل بے کار ہو جاتا ہے اس

لیے میں نے اپنے اندر جتنا تھا اور تحریک رہتا تھا۔

خاصا طویل سفر طے کیا تھا میں نے اور پھر دوسرے سستی نظر آنے لگی۔ تھوڑی

دیر کے بعد میں اس کے نزدیک پہنچ گیا اور میرا واسطی دانی دونوں محافظوں سے

پڑا جس سے میں پہنچ بھی ل چکا تھا۔ شاید وہ مجھے پہچان گئے تھے۔

”کیا تم ستوڑ سے ملنے آئے ہو؟“

”ہاں۔“ میں نے جواب دیا۔

”میں تمہاری مہمانی کروں؟“

”میری عمر کی ضرورت نہیں ہے۔ میں ستوڑ کے مکان کا راستہ

جاتا ہوں اور اگر آئندہ ایسی کوئی کوشش کی گئی تو میں استوز سے کہہ دوں گا کہ میں آئندہ اس کی بستی میں نہیں آؤں گا۔

”اوہ۔ یہ بات نہیں ہے، وہاں تم بستی جا سکتے ہو جب استوز بخاری عزت کرتا ہے تو تمہارے لیے بھی باعزت ہو۔“

”شکریہ“ میں نے کہا اور پھر اطمینان سے استوز کے مکان کی طرف بڑھ گیا۔ بوڑھا پکا شالٹے مکان میں ہی موجود تھا۔ اس نے بڑی گرمجوشی سے میرا استقبال کیا تھا۔ اس کی آنکھوں سے وہی نگاری ٹپک رہی تھی۔

”آہ سبوتا! میں تو میری دوبارہ آمد سے یابوس ہی ہو گیا تھا۔ اس نے مجھے گلے لگاتے ہوئے کہا۔

”کیوں؟“ میں نے مسکرا کر پوچھا۔

”بس میرا خیال تھا سکا کی کے کڈ رت پسندوں کو میری یہاں آمد کے بارے میں معلوم ہو گیا اور یہ امر لازم ہے کہ اس بات کو قطعی طور پر ناپسند کرتے ہیں۔ میرا خیال تھا تو مجھے سب سے نکال دیا گیا یا پھر میرا ہتلا کر لیا گیا۔“

”تو نے غلط سوچا استوز۔ نہ تو وہ مجھے گلے لگانے کی جرأت کر سکتے ہیں اور سزا دینا تو ان کے بس کی بات ہی نہیں۔ اس کے علاوہ میں تو ایک مہمان ہوں اور میرے خیال میں مہمان پر پابندیاں عائد کرنا کسی زبان کا اصول نہیں ہے۔“

”دُرست کہا تو نے۔ لیکن سکا کی کے انتہا پسند بعض اوقات ہر انسانی اصولوں کو نظر انداز کرتے ہیں۔“

”میرے سنے میں انھیں یہ اختیار نہیں ہے۔“

”پھر بھی۔ کیا انھیں اس بات کا علم ہے کہ تو یہاں آیا تھا؟“

”میں نے خود ہی بتایا۔“

”کسے؟ حکیم یا کوکو؟“ سردار نے پوچھا۔

”ہاں!“

”تب تو اس نے تجھ سے بے شمار سوالات کیے ہوں گے؟“ بوڑھے

نے اشتیاق سے پوچھا۔

”ہاں! لیکن ان سوالات کے جوابات میں غصہ سے دیے گئے۔“

”مثلاً؟“

”مثلاً یہی کہ سب والوں نے میرے ساتھ کیسا سلوک کیا۔ کیا انھوں نے

سکا کی والوں کے خلاف نفرت کا اظہار کیا۔ وغیرہ وغیرہ اور چونکہ میرے ساتھ

یہاں ایک سو کی سوک نہیں کیا گیا تھا اس لیے میں نے انھیں جواب بھی ہی دیے۔“

”بہت خوب! کیا تو نے ان کے انداز میں کھانا کھا دیا؟“

”میرا تعلق صرف حکیم یا کوکو سے ہے اور اس کے اندر میں نے ایسی کوئی

بات نہیں پائی۔ میں بوڑھے کی کمراس سے بڑا رہا ہوں۔“

”اوہ۔ بہر حال تیری دوبارہ آمد کا شکریہ ادا کرنا میرے بارے میں

تذکرے کرتی رہتی ہے اور مجھے یاد کرتی رہتی ہے۔“ زبیرک بوڑھے نے میری بیزار

محسوس کر لی تھی۔

”ہاں! میں نے پوہیتا سے وعدہ کیا تھا کہ میں آؤں گا۔ میں نے جواب دیا۔“

”اور سب کے کیا حالات ہیں؟ ہم سے نفرت کرنے والے کس حال میں ہیں؟“

”ٹھیک ہیں۔ اپنے اپنے کاموں میں مصروف رہتے ہیں۔ پوسٹیا کہاں ہے؟“

”اوہ۔ اس کی دوست شامز آئی تھی اس کے ساتھ ساحل کی جانب

گئی ہے۔ اگرچہ چار تو وہاں جا سکتے ہو۔ وہ یقیناً انھیں دیکھ کر خوش ہوگی۔“

”مجھے اجازت ہے؟“ میں نے پوچھا اور بوڑھے نے سر ہٹا کر ہنسنے

گردن ملا دی۔ اس نے سوچا ہو گا کہ وہ کام جو وہ انجام دینے کی کوشش کر رہا

ہے اس کی جی بھر طور پر اپنی امانت کے لیے۔

سو میں ساحل کی جانب چل پڑا اور ابھی میری نگاہیں شامز اور پوسیتا کو

تلاش ہی کر رہی تھیں کہ پوسیتا نے مجھے دیکھ لیا۔ وہ تنہا ہی تھی۔ سیدھی سیدھی

طرف آئی تھی اور میری نگاہ بھی اس پر پڑ گئی۔

میں نے اندازہ لگایا تھا کہ شامز نے اسے حالات سے لاعلم رکھا ہو گا

اور بہر حال پوسیتا بھی خوش نہ ہوگی۔ خاص طور سے اس لیے کہ میں اس کے پاس

نہیں آیا تھا۔ چنانچہ دوسرے لمحے میں نے عورت کو ٹھکانے لگانے کے الفاظ

ڈھونڈنے لگے۔ شامز کہاں گئی؟

پوسیتا میرے پاس پہنچ گئی۔ اس کے ہونٹوں پر چھکی سی مسکراہٹ تھی اور

پھر وہ میرے نزدیک پہنچ گئی۔

”پانی سے جھپے بادل ہر دل کی امنگ ہوتے ہیں۔ کس کی خوشی نہیں

ہوتی کہ ان کے سائے اور سب سے لطف اندوز ہوں لیکن وہ اپنی مرضی سے ہر شے

میں اور جب چاہتے ہیں ہواؤں کے ساتھ دوڑ چلے جاتے ہیں۔ اس نے کہا

اور میں اس کے الفاظ پر غور کرنے لگا۔ بڑا خوبصورت انداز تھا شکایت کا۔

”کیسی ہو پوسیتا؟“ میں نے اس کی شکایت کو نظر انداز کر کے پوچھا۔

”اچھی ہوتی تو میں آسانی سے بھگتا ہی جا سکتی۔ اس نے جواب دیا۔

”شکایت کر رہی ہوں؟“

”ہاں! اپنے دل میں اتنا خلوص پاتی ہوں کہ دوسرے پر بھی اتنی محسوس

ہونے لگتا ہے۔“

”تم ناراض ہو پوسیتا؟“

”ابھی اس منزل پر نہیں پہنچی۔ اس نے غصے سے کہا۔

”اب یہ بھی بتا دو، تمہیں کیسے مناؤں؟“ میں نے مسکرا کر کہا۔

”مجھ اس قابل سمجھتے ہو؟“

”کیوں نہیں؟“

”تو میں حکم دے دو کہ میں ٹھیک بہجائوں۔ تعیل کروں گی۔ پوسیتا کی

آنکھوں میں آنسو نکل آئے اور میں اس سے بہت متاثر ہوا۔

”شامز تھکے ساتھ تھی؟“ میں نے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں۔ ابھی ٹھوڑی دیر پہلے گئی ہے۔“

”اوہ۔ سستی واپس چلی گئی؟“

”ہاں!“



ہیناٹرم کی تحقیقات

ہیناٹرم جدیدیات

ڈاک خرچ: ۲۳ روپے

قیمت: ۴۰ روپے

ہیناٹرم کے بارے میں آج تک کی تمام تحقیقات کا چنچر۔

جدید طریقے اور مشقیں۔

ہیناٹرم کی مشقوں کے لیے مکمل لائحہ عمل اور پورا پروگرام۔

بے شمار قارئین کے ہزاروں سوالوں کے جواب۔

ہیناٹرم کے موضوع پر ایک مکمل کتاب جس میں مصنف کے ذاتی تجربے بھی شامل ہیں۔

ارتکازِ توجہ کے لیے سیاہ دائرہ اور مختلف تصاویر

مکتبہ نفسیات

پوسٹ بکس ۹۴۴ کراچی

”خیر چھڑو اسے۔ آؤ۔“ میں اسے داہیں سامں کی طرف لے چلا اور پھر کافی دیر پہنچ کر میں نے اسے ایک پتھر پر بٹھا دیا۔
 ”پوسیتا! اگر تم ردیفی نہیں تو۔۔۔ تو مجھے یہاں اچھا نہیں لگے گا۔ مجھ سے باتیں کرو۔“

”شکایت کی اجازت ہے؟“

”ہاں!“

”تو بتاؤ، کیوں نہیں آئے تھے دن سے؟“

”حکیم کو گئے کچھ دن دریاں پھر کر دی تھیں۔ اخلاق اس کے مدد کرنی

پڑی۔ میں نے جواب دیا۔

”سلا کا کا نام نہ لو گے؟“

”تو وہ شخص بھی کسی غلط فہمی کا شکار بنا گئی؟“ میں نے گہری آنکھیں کھلی

”کوئی؟“

”شناؤ؟“ میں نے جواب دیا۔

”ہاں۔ اسی نے مجھے بتایا ہے۔ پوسیتا نے جواب دیا۔

”اور خود اسے قتل کر گئی ہے؟“

”ہاں!“ پوسیتا نے بے خوفی سے کہا۔

”ناقابل برداشت ہوئی جاتی ہے وہ۔ اس نے تمہیں یہی بتایا ہو گا

کہ میں اسی کی تلاش میں سلا کا کے پاس گیا تھا؟“

”ہاں!“

”پوری کہانی سنائی تھی اس نے؟“

”تقریباً!“

”مہر اور اسے میں نے کہا اور پوسیتا عجیب سی لگا ہوں سے مجھے کہنے لگی

اور پھر اس نے شائد کہانی دہرائی۔ اس نے کہا کہ جب میں پہلی بار سلا کا کے

پاس پہنچا تو شائد وہیں تھی اور شائد نے سلا کا کو اس بات کے لیے تیار کیا کہ وہ مجھے

زہر نے لے اور سلا کا نے نہ جانے کیا چالاکی کی اور میں زہر سے بھی نہ مر سکا لیکن

سلا کا نے اسے دھوکے میں رکھا اور بتایا کہ اس نے میری لاش ٹھکانے لگا دی ہے

لیکن وہ خود مجھے چاہنے لگی تھی اور میرے ساتھ رنگ رلیاں سنار ہی تھی اور لیکن

شائد نے مجھے اور اسے ساتھ دیکھ لیا۔ تب۔۔۔ آج صبح اس نے سلا کا کو اس

دھوکہ دی پر موت کی نیند نہ سلا دیا۔

”ہوں۔“ میں نے پوری کہانی خاموشی سے سنی۔ پھر بولا: ”اس کے علاوہ

بھی اس نے کچھ کہا تھا؟“

”وہ بڑی بے ڈھب لڑکی ہے۔ بتا۔ میری رائے ہے تم اس سے دشمنی

ترک کر دو اور اس کے متعلق ذہن سے بڑے خیالات نکال دو۔“

”اس کے علاوہ کیا کہی تھی وہ؟“ میں نے ہر سوٹ بھیج کر پوچھا۔

”کئی کہی تھی مگر اب اس کی زندگی کا صرف ایک شے ہے اور یہ مشن

تھاری موت ہے۔ وہ تمہیں ہر قیمت پر ہلاک کرنا چاہتی ہے۔“

”خوب! جو وہ کر سکے گی۔“ میں نے غصے سے کہا۔

”میری بات مان کو سناؤ!“

”اس سے معافی مانگ لوں؟“ میں نے مسکرا کر کہا۔

”تم اگر کو تو میں اس کے لیے کوشش کروں؟“

”میری اواز اس کی سمجھ کے لیے؟“

”ہاں!“

”جس دن تم نے ایسی کوئی کوشش کی پوسیتا، اس کے بعد میں کبھی

نکلنے پاس نہیں آؤں گا۔“

”آہ۔ تم بھی بڑے خدائی ہو۔“

”کئی سمجھ لو۔“

”تمہیں سلا کا کی موت کا افسوس ہو گا؟“

”ہاں۔ اس لیے کہ وہ بے چاری غلط فہمی میں رہی گئی۔ لیکن غصہ۔

کیا تم نے شائد کو بتا دیا تھا کہ تم سے مل چکا ہوں؟“

”نہیں۔ میں اس سے خوفزدہ نہ رہی ہوں۔“

”یہ بہت اچھا کیا تم نے۔“

”تم نے غلط فہمی کی کیا بات کہی تھی سناؤ؟“ پوسیتا نے غور سے میری

شکلی دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”کیا سلا کا کا نام مجھے تم سے ہی معلوم نہیں ہوا تھا؟“

”ہاں!“

”میں شائد کی تلاش میں ہی اس کے پاس پہنچا تھا، اس غریب نے میری

زندگی بچانے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی بلکہ میں نے ہی چالاکی سے اس شے کو

نہیں پایا۔ مجھے شے ہر گاہ تھا۔ اس کے بعد شائد کے ایسا پر اس نے میری لاش

سند میں چھپوا دی لیکن ظاہر ہے میں زندہ تھا۔ اسی دوران حکیم کو اپنے لٹنا وہ

کام میرے پیر کو کرنا اور میں اس میں مصروف ہو گیا۔ یوں نہی میرے دلیں سامی

تو میں سلا کا کی طرف جا نکلا۔ اصل میں میں اسے خوفزدہ کرنا چاہتا تھا اور وہی ہوا۔

وہ مجھے دیکھ کر بدبشت زدہ ہو گئی اور میں نے اس سے پوچھا کہ اب وہ اپنے لیے

سزا منتخب کر لے۔ وہ میری موت ساجوت کر رہی تھی کہ اسی دوران شائد پہنچ گئی

اور بدبخت غلط فہمی کا شکار ہو گئی۔ میرے گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ اس کے

ساتھ پیسوں کو کرے گی۔“

اور میں نے محسوس کیا کہ پوسیتا کی حالت میں اچانک نمایاں تبدیلی

پیدا ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں کی آواز اس کیفیت ایک دم دُور ہو گئی تھی اور

میں اس کی وجہ جانتا تھا۔

”تو۔ تو سناؤ بات تم۔ تم سلا کا سے محبت نہیں کرنے لگے تھے؟ اس

نے خوشی کو باتے ہوئے پوچھا۔

”تمہارے خیال میں میں روزانہ کسی دکانی سے محبت کرنے لگتا ہوں؟“

”نہیں۔ لیکن۔۔۔ اوہ۔ میں بھی تو غلط فہمی کا شکار ہو گئی تھی لیکن اس

میں میرا کیا قصور ہے۔ وہ بے اختیار میرے نزدیک آگئی اور پھر اس نے مجھے اپنے

بازوؤں میں جکڑ لیا۔ میں نے خود بھی اس کا پھر پور ساتھ دیا تھا۔

پوسٹیا کی محبت پھٹ پڑی تھی۔ وہ بار بار مجھے پُرم سے جی ملنے لگتا تھا۔
دور ہو گئے تھے اس کے۔ بہر حال کافی دیر کے بعد وہ پُرم کوٹ ہوئی۔

”ہیکس سوتا“ تم میری بات مان لو۔ غلطی دیر کے بعد اس نے کہا۔
”کون سی بات ہے؟“

”شانہ سے تمہاری دشمنی ٹھیک نہیں ہے۔“
”میں نے بھی تم صرف اسے زہی کیا ہے اس کے خلاف کوئی کارروائی

نہیں کی لیکن میرا خیال ہے اب اس باسے میں بھی سوچنا ہی پڑے گا۔“
”ایک بات بتاؤ سوتا۔ تم شانہ میں اس قدر دیکھی ہو کہ اسے بے ہوش

پوسٹیا نے پوچھا۔
”تھیں اس کے بارے میں تفصیل معلوم ہے۔ میں نے اتفاق سے اسے

بھیل میں ملتے دیکھ لیا تھا۔ یہی اس وقت سے وہ میری دشمن ہو گئی۔ مجھے اس
کی برتری سے اختلاف ہے۔ وہ کیوں دیکھتی ہے کہ وہ کوئی آفاقی مخلوق ہے اور

کیوں میرے قتل کے لیے کوشش کرے؟ جس وقت وہ اپنی شکست تسلیم کرے گی
میں اس کی طرف سے توجہ پھڑوڑوں گا۔“

”تو۔ تمہارے دل میں اس کے لیے اور کوئی بات نہیں ہے؟“
”اور کیا بات ہو گی؟“

”تم اسے چاہتے تو نہیں؟“
”تمہارا کیا خیال ہے؟ میں نے پوسٹیا کو گھورتے ہوئے کہا۔

”نہیں نہیں۔ میری بات پر ناراض نہ ہو۔ یہ بات خود اس نے ہی
ہے۔ اس کا خیال ہے کہ تم اسے اپنی عورت بنانا چاہتے ہو۔“

”اوہ۔ پاگل ہے وہ؟“
”اور تم نے اس کا بوسہ لیا تھا؟“

”وہ جی ہاں۔ احساس کسری میں مبتلا کرنے کے لیے۔“
”تب تو وہ کچھ پاگل ہے۔ پوسٹیا سنس پڑی اور دیکھ بھنی بنی

وہ بہت خوش نظر آ رہی تھی۔ چہرہ خوش ہو گیا۔ لیکن وہ بے خود ہو گیا
ہے۔ اگر اسے علم ہو جائے کہ میں۔ میں بھی تمہیں چاہتی ہوں تو وہ مجھے جی قتل

کرنے کی کوشش کرے گی۔“
”اوہ۔ اس سے پہلے میں اسے ٹھیک کر دوں گا۔ میں نے جواب دیا اور

پوسٹیا سنس ہو گئی۔ آج تو وہ بائیں بے اختیار ہو رہی تھی اور
میں بھی اس کا بھرپور ساتھ دیتا رہا اور چلتے کوئی خیال آیا۔

”بابا اسے تھکے؟“ اس نے پوچھا۔
”ہاں۔ انھوں نے ہی شانہ کے بارے میں بتایا تھا۔“

”ایک بات کہوں سوتا۔ تمہیں جھوٹ بولنا آتا ہے؟“ پوسٹیا نے
سنس کر پوچھا۔

”کیوں؟“ میں نے چونک کر کہا۔
”تم مجھے برا بھلا نہیں ایک دوسرے قصہ کے لیے پسند کرتے ہو۔“

”جیسا بتا ہے کہ تم سکائی کی باتیں یہاں آکر بتاؤ اور اس نے اسے قصہ کے لیے

مجھے تھکائے دیکھو۔ لگا ہے۔ میں چاہتی ہوں بابا بھی تمہیں چاہئے۔ اس لیے
بابا کی لکھی کے لیے بھی کچھ ہونا چاہیے۔“

”اوہ۔ مثلاً؟“
”سکائی کے بارے میں کچھ جھوٹی باتیں جو بابا کی لکھی کا باعث ہو

اس طرح مجھے تھکائے ساتھ زیادہ سے زیادہ ہونے کی آزادی مل جائے گی۔“
”ہوں۔ میں نے ایک گری سانس لی۔ پھر کیا کیا جائے؟“

”تمہاری طرف سے جھوٹ میں بول دوں گی لیکن میں اس سے بچنے
کر لینا چاہیے۔ ایک بات بتاؤ۔ کیا تم آج بھی واپس چلے جاؤ گے؟“

”سکائی؟“
”ہاں!“

”تمہاری کیا خواہش ہے؟“
”میری تو دلی خواہش ہے کہ تم ہمیشہ کے لیے یہاں رہ جاؤ۔ کبھی میں جانا

لیکن۔ بابا۔ وہ کیا سوچے گا؟“
”اسی کے لیے توجہ دہشت کرنا ہے مگر وہ رہاؤ گے؟“

”اگر تم کوئی تو انکا کسوں گے؟“ میں نے کہا لیکن دل ہی دل میں میں
سوچ رہا تھا کہ میرے تھکائے بھی بڑے دن آ رہے ہیں۔ شانہ کو معلوم ہو گیا تو حقیقت

وہ تمہاری بھی دشمنی کر جائے گی۔ میں کہاں تک تمہاری حفاظت کروں گا لیکن یہ
خیال ہی دل میں تھا کہ سلا کا مرنے کے لیے میری ایک محبوبہ اور بی بی

کے لیے جگہ خالی تھی اور اس کے لیے پوسٹیا بہر حال ایک عمدہ حیثیت رکھتی تھی۔
”ٹھیک ہے پوسٹیا۔ بابا کو مطمئن کرنے کے لیے جو تمہیں سب کچھ کرنا

”میں ہی سوچ رہی ہوں۔ ویسے میں کوشش کروں گی کہ بابا براہ راست
تم سے کوئی گفتگو نہ کرے لیکن انصافاً میں تمہیں بتائے دے رہی ہوں میں کہوں

گی کہ سکائی میں کچھ اجنبی لوگ آئے ہیں۔ ان کا مقصد تم معلوم کرنے کی کوشش
کر رہے ہیں۔ پوسٹیا علم ہو گیا کہ وہ چھوٹے جہاز بھی حال ہی میں سکائی کے ساحل

سے لگے ہیں۔“
”ہاں مجھے علم ہے۔ میں نے ایک گری سانس لے کر کہا۔

”بس تو تمہارا خیال ہے کہ ان جہازوں میں اس قدر آگاہی ہے کہ تم
اس کے بارے میں معلوم کر رہے ہو۔“

”ہوں۔ میں نے بغیر سانس کے کہا لیکن دل ہی دل میں تیز ہو گئے
بغیر نہ رہ سکا تھا۔ یہ اس کا اندازہ بھی ہو گیا کہ وہ لوگ سکائی کے سمندریں ہونے

والی منتقلی و حرکت پر نگاہ رکھتے ہیں۔“
”ٹھیک ہے نا؟“ پوسٹیا نے پوچھا۔

”ہاں۔ مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟“
”اس طرح بابا تمہیں بہت زیادہ اہمیت دے گا اور تمہارے یہاں

آگے سے بہت خوش ہو گا۔ تم نے جھوٹی بی بی اطلاعات دیتے رہیں گے۔“
”مناسب!“ میں نے جواب دیا۔

”تو آج رات تم ہمیں رہو گے؟“

”رہ جاؤں گا۔“

”میں بابا سے کہوں گی کہ رات کو وہ مجھے تھکائے پاس رہنے کی
اجازت دے دے تاکہ میں تم سے مزید معلومات حاصل کروں۔“

”وہ اجازت دے دے گا؟“ میں نے پوچھا۔
”تم نہیں سمجھتے سوتا۔ جو لوگوں کو یہاں کافی شکلات پیش آ رہی ہیں

اور یہاں مضبوطی سے قدم چمانے کے لیے ہیں بڑی قربانیاں دینا پڑ رہی ہیں۔ بابا
بھی اس سلسلے میں مخلص ترین لوگوں میں شمار ہوتا ہے۔“

”لیکن اب تو تمہاری پسند کی حکومت آگئی ہے۔“ میں نے کہا۔
”ہاں۔ شانہ رانا مارا رہے ہیں۔ ہم جلد از جلد یہاں سے ہٹ کر خود مارا کوئی

آدمی مکران ہو جائے اور ہم اس کے لیے جھڑپ کر سکتے ہیں۔ پوسٹیا نے
جواب دیا اور میں نے ہی دل میں سوچی محسوس کی۔ ہاں کہہ دے یہ ایک نئی فریب تھی۔

بہر حال پوسٹیا کے ساتھ ساحل سمندر پر کافی وقت گزرنے کے بعد ہم وہاں
استون کے مکان کی طرف چل پڑے۔ پوسٹیا مجھے اسی عمارت کے ایک کمرے میں لے

آئی اور پھر اس نے میری خاطر دھڑا شروع کر دی۔ وہ بے حد خوش نظر آ رہی تھی۔
چہرہ تھوڑی دیر کے لیے مجھ سے معذرت کر کے چلی گئی۔ غالباً استون کو اپنی کارروائی

سے باخبر کرنے کے لیے۔ چہرہ واپس آئی تو اس نے لباس تبدیل کر لیا تھا اور
پہلے سے بھی نکھر رہی نظر آ رہی تھی۔ اس نے سبھاو کی چند چیزیں بھی استعمال

کی تھیں اور اس کی آنکھوں میں سرسرت کی تندلیں روشنی تھیں۔ وہ میرے نزدیک
بیٹھ گئی۔

”بابا کو میں نے بہت سی باتیں بتادی ہیں اور وہ بھی بہت خوش ہے۔
خاص طور سے اس دوسرے کمرے کے خیال میں چونکہ تمہارا تعلق براہ راست سکائی

اور اس علاقے کے باشندوں سے نہیں ہے اس لیے تم قابل اعتماد ثابت ہو گے
لیکن میں نے ایک بات بابا سے کہی ہے وہ یہ کہ وہ براہ راست تم سے تعین

نہ کر کے بلکہ میں تم سے معلومات حاصل کر کے اس تک پہنچاؤں۔ اس طرح میں نے
تمہیں انھیں سے پکایا ہے۔“

”تمہارا شکریہ پوسٹیا۔ لیکن ایک بات پر مجھے حیرت ہے؟“
”کس بات پر؟“ پوسٹیا نے پوچھا۔

”کیا تمہیں اپنے بابا کے شے سے اختلاف ہے؟“
”بہرگز نہیں۔ لیکن میں ان باتوں کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں جانتی۔

میری اپنی رائے صرف اتنی ہے کہ ہم جس انسان ہیں اور زمین تنگ نہیں ہے۔ ہمیں
بھی سکون و اطمینان سے یہاں رہنے دیا جائے۔ ہم بھی محنت کریں گے اور

کھائیں گے۔“
”ہاں یہ مطالبہ برا نہیں ہے۔ بہر حال ٹھیک ہے۔ یہ ان لوگوں کا ذاتی

معاملہ ہے مگر تمہیں تھکائے بابا نے مجھ سے گھٹنے ٹیک کر اجازت دے دی ہے؟“
”پہلے ہی دے دی تھی۔ بابا اس علاقے کے سربراہ ہیں اور اس طرح ایک

کے سرگرم کارکن۔ اپنی دانست میں وہ بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لیے تیار ہیں
اور مجھے بھی انھوں نے یہی سبق دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ کسی بھی تحریک کی کامیابی

کے لیے قربانی کا جذبہ بے حد اہمیت رکھتا ہے۔ خواہ کسی قسم کی قربانی ہو۔ ان
کے خیال میں تم بے حد کام کے آدمی ثابت ہو سکتے ہو اس لیے انھوں نے مجھے

اجازت دی ہے کہ تمہیں شیشے میں اتارنے کے لیے جو کچھ بھی تم کو راپڑے کیا جائے
اور اس میں تمہیں شیشے میں اتاروں گی۔ پوسٹیا مسکرا دی۔

”میں تیار ہوں۔“ میں نے بھی مسکراتے ہوئے جواب دیا۔
چنانچہ پوسٹیا مجھے شیشے میں اتارنے لگی۔ اس رات کی کے سامنے کاؤ دی

بننے میں لطف آ رہا تھا۔ اس صورت میں ایک خوبصورت تبدیل کا بھی احساس
ہو رہا تھا۔ چنانچہ میری ضروریات سے فارغ ہونے کے بعد میں نے سونے کی

اجازت مانگی۔ اس دوران استون مجھ ایک بار بھی نہیں ملا تھا۔ پوسٹیا نے
عجیب سی نگاہوں سے مجھ دیکھا۔

”نیند آ رہی ہے؟“ اس نے غماز آگیاں مجھے میں پوچھا۔
”نہیں۔“ میں نے جواب دیا۔

”پھر سو سناؤ کہیں چاہتے ہو؟“
”صرف تمہارے خیال سے۔“

”کیا مطلب؟“
”میں کہیں تم تھکی ہوئی نہ ہو اور اخلافا سونے کے لیے نہ کہہ رہی ہو۔“

”تمہارے ساتھ تو میں زندگی بھر نہیں تھک سکتی۔“
”اوہ۔ واقعی؟“ میں نے پوچھا۔

”تمہیں شک ہے سوتا؟“
”نہیں۔ بس عجیب سا لگ رہا ہے۔“

”کیوں؟“
”کیا تم ایک اجنبی سے اس قدر متاثر ہو سکتی ہو؟“

”پوری زندگی میں ایک باغیچہ پر ہرگز کسی اجنبی سے متاثر ہوتی ہے
اور پھر وہ اجنبی اس کے سوائے قصورات کا مالک بن جاتا ہے۔ پوسٹیا نے جذباتی

مجھے میں کہا۔
”تو تمہاری زندگی میں۔“

”وہ اجنبی آ گیا ہے۔ پوسٹیا غمور لگا ہوں سے مجھے کھینچتی ہوئی بولی۔
”اوہ۔ وہ میں ہوں۔“

”ہاں سوتا وہ تم ہی ہو۔ انکے۔ خوابوں کے سینے میں جڑیوں کی مانند
جن میں جانے کے بعد یقین نہیں آتا۔ باہر بھی چاندنی کھلے گی مسائل سنسان

ہو گا اور چاندنی ارمیاں ہجرے دلوں کو تلاش کرے گی۔ سمندر کی موجیں ہیں نزدیک
سے دیکھنے کے لیے ہماری طرف لپکیں گی۔ تم نے لڑن کا شوق دیکھا ہے سوتا؟“

”ہاں۔ مگر مجھی اس انداز سے غور نہیں کیا۔“
”آج کرو گے؟“ اس نے بڑے خوبصورت انداز میں دعوت دی۔

”ہاں۔ تمہارے ساتھ رہ کر میں ان کی زبان کچھ سکوں گا۔“
”تو آؤ چلیں۔“

”چلیں؟“ میں نے سوال کیا۔

”ہاں!“

”مگر ابھی تو چاند نہیں نکلا؟“

”میں جانتی ہوں چاند نکلتے سے پہلے ہم ساحل پہنچ جائیں تاکہ چاند نکلے تو ہمیں دیکھ کر حیران رہ جائے۔“

”چلو“ میں نے اس رمان بھری لڑکی کا دل دلوڑا جس کے دل میں پہلی بار احساس جاگے تھے۔ میری بات پر وفیر نے اس بات سے تم سے لیا ۱۵۔۱۰ کون واقف ہوگا میری زندگی میں ایسی یہ کتنی بار کھلی تھی۔

پوسیتا کا لباس ہوا میں آؤ رہا تھا۔ اس کے بدن سے ہر کچھنے والی ہوا ایک کنواری خوشبو نکال رہی تھی۔ بے حد خوش صورت لگ رہی تھی وہ اور میں اس کے ساتھ چلتے ہوئے ایک عجیب سی کیفیت محسوس کر رہا تھا۔ فطرتی دیکھ کے بعد ہم ساحل پہنچ گئے جگہ جگہ چٹانیں ابھری ہوئی تھیں پوسیتا مجھے ایک مخصوص جگہ گئی۔

”میری پسندیدہ جگہ ہے“ مجھے اس نے کہا اور میں چٹان پر بیٹھ گیا۔ چٹان کے نیچے تختی نرم زیر پتھر کی تھی۔ پوسیتا میرے قدموں کے نیچے بیٹھنے لگی۔

”اے اے۔ وہاں نہیں پوسیتا“

”بیٹھے دو سہوڑا۔ میری دل خواہ تھی تمہیں نہیں معلوم سہوڑا، میرے دل کی کیا خواہش تھیں پائی بعض خواہش کی حیثیت سے تو میں خود بھی واقف نہیں ہوں۔ میں نے تمہیں پہلے بار دیکھا تھا سہوڑا تو میری ذہنی کیفیت عجیب ہو گئی تھی۔ میرا خیال تھا کہ تم — کہ تم شاید کوئی پادری ہو۔“

”اوہ!“ میں نے گردن ملائی۔

”مجھے بہت دکھ ہوا تھا سہوڑا۔ میں نے سوچا میرے خوابوں کی تعبیر کسی دوسرے کی محبت میں گرتا رہے لیکن پھر میں ملحق ہو گئی۔ تم تو بڑے اونکھے ہو کچھ بھی نہیں جانتے۔ تم کسی سے محبت کرنا بھی نہیں جانتے۔“

اور پر وفیر میرے سر پر ہاتھیں تھپکتے لگے لیکن اب اس مصدم ہونے کو حقیقت بتا کر میں اس کا دل بھی نہیں توڑنا چاہتا تھا۔

پھر چاند نے بادلوں سے جھانکنا اور پوسیتا بچوں کی طرح خوش ہونے لگی۔ اس نے میرے زانو پر گردن ٹکا دی اور سیدھی لگا ہوں سے مجھے دیکھنے لگی میں نے بھی اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دی تھیں۔

”سہوڑا!“ اس نے مجھے پکارا ”کیسا محسوس کر رہے ہو؟“

”بے حد عجیب۔ تم مجھے بہت پیاری لگ رہی ہو پوسیتا“

”تم بھی اس دنیا کی مخلوق نہیں معلوم ہوتے سہوڑا۔ زمین پر پتھارا جیسا حصین شاید ہی ہو پوسیتا نہ کہا۔ اس کے لیے میں ایک عجیب سا نشان تھا۔ میں نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے لیا اور اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس کا ایک ہاتھ میرے ہاتھ کی گلائی پر رکھا تھا اور اس کے بعد پر وفیر میرے تجربے سے اعلان کیا کہ عورت پرناؤں وقت کا پڑا ہے۔ اس کی سانسیں گرم ہو رہی ہیں اور جب سانسیں گرم ہوجاتی ہیں تو نرم بشر کے ذہن میں کئے کھڑی زبان

کی کچھن کوں محسوس کرے۔ ملے محسوسات فنا ہو جاتے ہیں پر وفیر صرف ایک احساس باقی رہتا ہے کسی کے دل وہاں سے قریب پہنچنے کا احساس۔

چاند اپنی منزل میں طے کر اٹھا اور ہم اس کی راہ میں رکاوٹ تھے اور نہ وہ ہمارے راستے میں۔ سو جب اس نے اپنا سفر طے کیا اور جان توڑ دی۔ اگلے کے بھونے نے جب اس کے من کا سارا دس پوسیتا کو دیکھا تو اس کا احساس ہوا۔ آجائے کا پتہ چلا۔ زندگی کی خبر ہوئی اور یوں لگا جیسے روشنی نے ہم پر بھی ظلم کیا ہو۔

”سہوڑا!“ پوسیتا کی آواز ابھری۔

”ہاں پوسیتا!“

”اے صبح ہو گئی۔“

”ہم اسے نہیں روک سکتے تھے۔“

”روشنی اتنی بے رحم دکھ رہتی ہے؟“

”ذہنی طور پر اسے بھی فنا ہونا پڑتا ہے۔ چاند چھ نکلے گا اور ہم اس کے حسن سے پوری طرح لطف اندوز ہوں گے۔“ میں نے جواب دیا۔

”تم چلے تو نہیں جاؤ گے سہوڑا؟ زندگی کا ہر لمحہ مجھے تمہارے بغیر نہیں ہوگا۔ آہ! چاند کا انتظار کتنا اذیت ناک ہوگا۔ سہوڑا تم چلے تو نہیں جاؤ گے؟“

”میں پوسیتا کی دنیا میں رہنا ہوگا پوسیتا۔ کائنات میں صرف ہم دو جاندار نہیں ہیں۔ میں دو سکے جانداروں کا بھی احساس کرنا ہوگا۔“

”آہ! کائنات میں ہمارے سوا کوئی نہیں ہے۔ اسے کیا حق ہے کہ ہماری خلوتوں میں مداخلت کرے۔“

سور پر وفیر، ہلکے ہوئی لڑکی تھی۔ بڑی شکل سے راہ راست پر لایا لیکن وہ کہاں چھپا پھولنے والی تھی اور غماض طور سے ایسی صورت میں جس کا اس کے باپ نے اسے کھلی اجازت دے دی تھی۔ بڑھا مطلب پرست بالآخر چکر میں لگ گیا تھا۔

لیکن دن کی روشنی پوسیتا کو کافی حد تک روشن کرنے میں آئی تھی اس نے خود ہی کہا آج کی رات اور ہاں گذارو سہوڑا۔ کل البتہ تم دن کی روشنی میں کھائی چلے جانا لیکن سہوڑا، چاند نکلتے ہی وہاں آجائے اور نہ میں سندھ میں کوکر خود کشتی کروں گی۔“

”اوہ۔ دن کی روشنی میں میرے چلے جانے کا خیال کیوں کیا پوسیتا؟“

”بابا کا نشانے مجھ سے بات کی تھی۔“

”کیا کہا تھا؟“

”وہ ان دو آدمیوں کی آمد کا مقصد معلوم کرنا چاہتا ہے جن کے چہرے ہمارا ساحل سے لگے ہیں۔“

”میرے ذریعے؟“

”ہاں!“

”مگر میں ان کے بدلے میں کیا معلوم کر سکتا ہوں؟“

”تم بے فکر رہو۔ یہ کام میں کرتی رہو گی، بس بابا کو متوجہ رکھنا ہے۔ وہ بے حد عظیم الشان انسان ہے۔ مگر میں اس سے کچھ نہ کچھ کتنی ذہنوں کو توجہ دے

مجھے تھا کہ ساتھ رہنے کی کھلی آزادی نہ دے۔“

”اوہ۔ تو کیا تم خود ہی اس سے کچھ کہہ دینی؟“

”ہاں۔ میں تمہیں پریشان نہیں کروں گی۔ پوسیتا نے جواب دیا۔

سور پر وفیر اس میں کوئی حرج نہیں تھا لیکن ہلکی سی آنکھیں میرے ذہن میں ضرور پیدا ہو گئی تھیں۔ یہ اونچی بات تھی میں غصے سے کانٹا کاٹا تھا۔ ساقی فو کاٹا تھا اور سپارہ دشمن کی ٹوکی سے کر رہا تھا۔ ہر چند وہ میرے دشمن نہیں تھے لیکن بہ حال فطرت میں اتنی کمزوری بھی نہیں تھی کہ پوسیتا کے لیے فو کا ساتھ چھوڑ دیتا۔

دو پہر کو پوسیتا نے سیکے ساتھ ہی کھانا کھایا۔ شام تک سیکے سینے پر رکھ کر آرام کیا اور پھر ساحل پر چلنے کی فرمائش کی جو اس کی پسندیدہ جگہ تھی۔ حسین اور سنسان! اور ہم اپنی مخصوص چٹان پر جا بیٹھے۔

پوسیتا بہت خوش تھی۔ اس کے چہرے پر لالچہ و کھل کھلے ہوئے تھے۔

”میں سوچتی ہوں سہوڑا، انسان اپنے ذہن تک نہیں پہنچ سکتا اسے اپنی ذات کے پڑوں کے بدلے میں بھی کچھ نہیں معلوم ہوتا میں اس میں خوش تھی۔ کوئی ایسا بار نہیں تھا جو میرے ذہن پر برکتیں بھیجی ہو۔ دل میں ایک عجیب سی خلش جاگ اٹھی تھی۔

ایک اونکھا احساس ذہن کے پڑوں سے نکلتا تھا اس احساس کی جڑ تو نہیں تلاش کر سکتی تھی لیکن اب اندازہ ہوا وہ تو تھے۔ تم میری زندگی کا خلا تھے اور اب وہ خلا پُر ہو گیا ہے۔ میں تم سے کہہ چکی ہوں سہوڑا، مجھے اپنے لوگوں سے عمل سے کوئی کچھ نہیں ہے۔ میں تو صرف ایک مہنتی بڑی زندگی کی شائق ہوں لیکن میں تم سے

ایک درخواست کروں گی۔“

”کیا پوسیتا؟“

”تم مکانی والوں کا ساتھ چھوڑ دو۔“

”اوہ کیوں؟“

”تاکہ تم ساری زندگی میرے ساتھ رہ سکو۔“

”اوہ!“ میں اس کی بات پر غور کرنے لگا۔

”یوں لگتا ہے جیسے مجھے بغیر کائنات ادھوری تھی۔ مجھے بغیر کچھ نہیں تھا سہوڑا اور اب کائنات مکمل ہو گئی ہو۔“

”میں کوشش کروں گا پوسیتا، حالانکہ کیم کاواس میں شدید مداخلت کرے گا۔“

”تم مکانی میں تو نہیں پیدا ہوئے، تم ان سے دشمنی کرنا کیسی طرح تم بابا کا دل حیرت لوتا کہ وہ مجھے ساری زندگی مجھے ساتھ رہنے کی اجازت دے دے۔“

”میں سیکھ رہی ہوں تو صرف یہ خواہش ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں۔“

”اوہ۔ میں سمجھتا ہوں پوسیتا!“ میں نے جواب دیا لیکن بہ حال یہ بات میرے لیے آنکھیں کی ضرورت تھی۔ صرف پوسیتا کے لیے سائے موصول توڑ دینا میرے بس کی بات نہیں تھی حالانکہ میں اچھی طرح جانتا تھا کہ پوسیتا بذات خود نہ اتنی چالاک ہے کہ اتنی گمراہیوں کا کھیل کھیلے اور نہ ہی وہ ان باتوں میں کچھ سمجھتی ہے البتہ اس کا باپ واقعی عیار تھا اور اپنے خیالات میں اس قدر پختہ تھا کہ اس نے صرف فطرتی سی معلومات حاصل کرنے کے لیے اپنی نوجوان لڑکی کو گارڈ کی تھی اس بات سے ان کے بدلے میں اندازہ ہوتا تھا کہ وہ کس قدر خطرناک عزائم رکھتے ہیں۔

سور چا اٹھنا سہوڑا جہاں چاہے گا کسی بے صرف انسان کو اس تدارکات نے کر لینے ساتھ رکھے۔ ہاں اگر میں ان کے دشمنوں کے خلاف کام کروں تو پھر تو صرف پوسیتا بلکہ نہ جانے کتنی لڑکیاں میری غلامی میں نہ ہی جائیں گی۔

”تو پھر تیار ہو سہوڑا؟“ پوسیتا نے کہا۔

”تم ابھی اس مسئلے میں غور نہ کرنا۔ حالات کو دیکھو۔ بہ حال میں تمہیں چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوں اور کھائے قرب کے لیے ہر کوشش کروں گا۔“

میں نے پوسیتا کے ذہن سے یہ خیالات نکالنے کے لیے اسے اپنے قریب کھینچ لیا اور پوسیتا نے خود کو میری آغوش میں گرا دیا۔

پوسیتا نے خود بھرے ہی کہ — اچانک اس نے نہ جانے کیا دیکھ لیا۔ وہ تیزی سے چہرہ پر سرور ساکت ہو گئی۔ اس کی آنکھیں خوف کے انداز میں ایک طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ میں خود بھی حیران ہو گیا تھا۔ میں نے بھی اس سمت دیکھی مگر سہوڑا۔ پوسیتا نے دیکھا تھا لیکن دیکھ کر وہ دہشت زدہ ہو گئی تھی۔ اسے دیکھ کر میرے جوتوں پر کراہت چھل گئی۔ ہاں وہ شام کی تھی۔

مکان کی خوش برقی، جوبلا شامی نمایاں شخصیت کی حال تھی کہ جہاں وہ بہرتی چاند تلسے مانہ پڑ جاتے تھے۔ اس وقت بھی وہ بے حد خوبصورت لگ رہی تھی لیکن اس کے چہرے پر عجیبے رنگ تھے۔ وہ خود بھی کچھ تیرس کی تھی اور میں جانتا تھا کہ یہ تیر مجھے یہاں دیکھ کر جاگا ہے لیکن چہرہ سنبھل گئی۔

”پوسیتا! کیا تم اپنی جگہ چھوڑ سکتی ہو؟“ اس نے کہا اور پوسیتا میرے پہلو میں اور کھٹ گئی میں نے بھی شانے کے درمیان کو محسوس کیا تھا۔

”اپنی جگہ سے اٹھ جائے پوسیتا میں تم سے ملنے آئی ہوں۔“ شانے نے پھر کہا اور اچانک میرے ذہن میں ایک خیال بیدار ہو گیا۔ میرے جوتوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ چھیل گئی اور میں نے پوسیتا کی گردن میں ہاتھ ڈال کر اسے خود سے چسایا۔

”وہ اس وقت سیکھ پاس ہے تمہیں یہاں آنے کی جرات کیسے ہوتی؟“ میں نے شام کو گھومتے ہوئے کہا اور اس کی آنکھوں میں آگ جل اٹھی۔

”میں تم سے مخاطب تو نہیں ہوں۔“ اس نے کہا۔

”لیکن میں تم سے ہی کہہ رہا ہوں۔ میں تمہارے یہاں آنے کی وجہ معلوم کر رہا ہوں۔ ایک نوجوان بڑے کی خدمت میں آنے کے کچھ آداب ہوتے ہیں۔“

”پوسیتا کب سے بخاری دوست ہے؟“ شانے نے پوچھا۔

”تمہارے سوال کا جواب یہ ضروری تو نہیں ہے۔ میں اب جاک جاؤ۔“

میں اپنی محبوب کے پاس ہوں۔

”پوسیتا! کیا تمہارے کانوں میں میری آواز نہیں پہنچ رہی۔ میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں۔“

”پوسیتا! اپنی دوست سے کہہ دو تم اس وقت مصروف ہو نہیں سکتیں۔“

جب تمہیں مجھ سے فرصت ملے گی تب تم اس سے ملو گی۔ میں نے کہا اور اب شانے کی قوت برداشت جواب نہ گئی۔ وہ قہقہہ شری کی طرح غرائی ہوتی آگے دھکی لیکن میں بھی جیتے کی چھٹی سے اس کے سامنے کھڑا ہو گیا اور میں نے پوسیتا کو

اپنی پشت پر سے لیا۔

”تو۔ تو تو اس کے محافظ ہو“ شام نے جونٹ بھیج کر کہا۔

”صرف محافظ بلکہ محبوب بھی“

”لیکن وہ میری دوست ہے۔“

”سلا کا بھی بخاری دوست تھی جسے تم نے مار ڈالا“

”اس نے بخاری کی تھی“ شام نے غرائی۔

”تھکے دشمن کو زندہ رہنے دیا ہے“

”ہاں۔“

”پوسیتا بھی تھکے دشمن کی محبوبہ ہے۔“

”ہاں۔ یہ بھی بخاری ہے۔ شام نے جواب دیا۔

”اور تم اسے قتل کر دو گی۔“

”ایسی خبر تک مرادوں کی اسے کمرے کے بعد بھی یاد رکھ گی۔ شام نے

نے جونٹ چاہے ہوئے کہ پوسیتا کے بدن میں کسی بڑے پیدائشی قتل

”مرزا“ میں نے آہستہ سے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

”ہاں مرزا“

”اور یہ بات وہیں سامنے لکڑی ہو۔“

”ہاں۔ میں تم سے ڈرتی نہیں ہوں۔“

”پوسیتا! آگے آؤ۔ اس سے بات کرو۔ میں نے پوسیتا کا بازو پکڑ کر

ساتھ کر دیا۔

”مگر تو نے شام سے خوف کھا تو میں نہیں ہیشہ کے لیے چھوڑ دوں گا۔“

میں نے دوبارہ کہا اور پوسیتا کے اندر نمایاں تبدیلی پیدا ہو گئی اس نے شام

ہونٹوں پر ہان چیرتے ہوئے میری طرف دیکھا اور پوسیتا کی طرف شام کی آتش بار

تک جوں کی تاب لا کر اس عام انسان کے سب کی بات نہیں تھی۔ پوسیتا کی نگاہیں

بھی جھٹک گئیں۔

”جانتی ہو میں کون ہے؟“ شام نے کہا۔

”ہاں! پوسیتا! زنی آواز پر قابو پا کر بولی۔

”کون ہے؟“

”سبوتا!“

”کیا میں نے تمہیں اس کے بارے میں نہیں بتایا تھا؟“

”بتایا تھا۔ پوسیتا نے کہا۔

”تو تمہیں معلوم تھا کہ میرا دشمن ہے؟“

”ہاں۔“

”خوب! اب سے اسے جانتی ہو۔“

”کئی دن پہلے اس وقت سے جب تم اپنا مکان محلہ کریم سے پاس

آئی تھیں۔ سلا کا پتہ میں نے ہی سوتا کھتا تھا۔“

”اوہ! لیکن تم نے پہلے تو اس کے بارے میں نہیں بتایا۔“

”میں نے چھپایا تھا۔“

”گویا مجھ سے بخاری کی تھی۔“ سلا کا دیا تھا مجھے۔“

”میں سبوتا سے محبت کرنے کی تھی۔“

”اور سبوتا سلا کا ہے۔“ مجھ سے کہیں۔“

”وہ کچھ بھی گنہگار ہونا چھوٹا ہے۔“ سلا کا نے کہا۔

”میں اور اب اس کے سوا کوئی میری نگاہ میں نہیں ہے۔“

”اوقات سے زیادہ بول رہی ہو پوسیتا۔“ مجھے نہیں مانتیں پتہ شام نے

نے کہا۔ پوسیتا کے منہ سے کوئی آواز نہ نکل سکی۔ میں بخاری کی سزا خور دینی ہوں۔

میں نے محسوس کیا کہ شام کا ہاتھ غیر محسوس انداز میں اپنی پیٹ میں آگے خنجر کی طرف

بڑھ رہا ہے جتنا پتہ میں جی ہوتا ہوا کہ گیا۔

”میں نے اب ساری باتیں فراموش کر دی ہیں۔“ پوسیتا نے کہا۔

”لیکن تم اپنی موت فراموش نہ کر سکو گی۔“ شام نے کہا اور اس برق رفتاری

سے خنجر نکال کر پوسیتا پر حملہ آور ہو کر اس کی گت کر دیا۔ گریں اپنی زندگی کی سب

زیادہ بچنے کی کام نہ دیتا تو وحشت زدہ لڑکی نے پوسیتا کا تمام کمرہ اٹھا لیا

میں نے بروقت اس کی گت کر دی اور شام کی گت کر دی اور پتہ میں گت کر دی۔

پوسیتا سمجھنے پر تھی اور شام مجھ سے گت کر دینے کی جہد و جد

کڑی تھی لیکن میں نے اپنی انگلیوں کی گرفت سخت کر دی اور پتہ میں جہد و جد

آگ میں پک کر کھڑے ہو جانے والے ہاتھ تھے۔ شام نے پتہ میں ہاتھ پکڑ کر

انسان تھی۔ عورت تھی میری گرفت میں اس کی ہڈی پھٹنے لگی اور خنجر اس کے ہاتھ

سے نکل کر پیٹ پر پڑا۔ تب میں نے اسے زور سے دھکا دیا اور وہ دوڑ جا کر

میں نے خنجر اٹھا لیا اور پتہ میں اس کی نوک اپنی ران پر رکھی اور اسے

موٹنے لگا۔ ران کھلی ہوئی تھی اور خنجر کی نوک کا دباؤ اس کے گوشت پر نمایاں تھا۔

لیکن پتہ میں لڑکیوں نے تعجب سے دیکھا کہ یہ لڑنے والا خنجر درمیان سے د

ھکڑے ہو گیا تھا۔ میں نے وہ نوں کھڑے سمند میں اچھال دیے اور پتہ میں سے

سر دھجے میں کہا۔

”شام! میں تمہیں بتا رہی ہوں فوراً واپس چل جا۔“

”میں پوسیتا

کے ہاتھوں تمہیں دیں کروں گا۔“

شام نے خنجر سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی لیکن اس کی وحشت خیزی کا وہی

عالم تھا۔ اس نے پتہ میں سبوتا کی طرف چلا گیا۔ لیکن میں غافل تو نہیں تھا۔

میں نے اسے درمیان میں ہی دبوچ لیا اور ایک بار پتہ پر اچھال دیا۔ اب باقی

شام نے میری طرف گری تھی لیکن اس بار وہ۔ پتہ پر نہ رہی۔ اب اس کا نشانہ میں

ہی تھا۔ وہ وحشیانہ انداز میں مجھ پر حملہ آور ہوئی تھی میں نے اسے دونوں ہاتھوں

پر روکا اور وہ سرے مجھ میں سے سرے سے اٹھ گیا۔ شام نے سخت مددگار کی

تھی لیکن اب مجھے غصہ آگیا تھا میری گرفت سے نہ نکلا اس کے سب کی بات نہیں

تھی میں اسے یہ ہوئے سمند کی طرف چل پڑا اور پتہ میں اسے گھرے پانی

میں اچھال دیا۔

شام چپک سے پانی میں گری اور نیچے چھپی ہوئی تھی اس کے بعد علم سے

دیکھتے ہی بے یار و پاں رہیں ابھی تھی۔

پوسیتا نے پتہ میں سے سب کچھ دیکھ ہی تھی۔ کافی دیر گزری لیکن شام

کا کوئی پتہ نہیں تھا۔

”دوب گئی۔“ پوسیتا آہستہ سے بولی۔

”اس دھوکے میں مت رہنا پوسیتا!“

”ہاں۔“ پوسیتا نے چونک کر میری طرف دیکھا۔

”وہ کچھ بھی طرح بھی ترسکتی ہے اور ہر حال وہ ایک غیر معمولی لڑکی ہے۔“

مجھے یقین ہے وہ سمند میں بھی بیٹھے گا۔ کوئی دوزخ لگ گئی ہوگی۔“

”لیکن کہیں۔“

”میں اس بے عزتی کے بعد اس نے یہی مناسب سمجھا ہوگا۔“ میں نے

سننے ہوئے کہا اور پوسیتا مجھ سے لپٹ گئی۔

”یہ سب کچھ تم میرے لیے کیا ہے میرے لیے۔“ آہ! اب اگر مجھے موت

بھی آجائے تو کوئی غم نہ ہوگا۔ کوئی میرے لیے یہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ صرف میرے

لیے۔ صرف میرے لیے۔“ وہ بے اختیار ہو کر مجھ سے چٹنے لگی اور میں نے بھی اس

کا ہجر لو پو جواب دیا تھا۔

شام نے حقیقت کہیں دوزخ لگ گئی تھی اس کے بعد وہ نظری نہیں تھی۔

اتنا میں ضرور جانتا تھا کہ وہ سمند میں ڈوبی نہیں ہوگی۔ پوسیتا کی جھٹک

ہوئی تھی۔ پتہ میں اس سے اٹھنے اور وہیں اسٹونڈ کے مکان میں آگئے۔ پوسیتا

خنخڑی دیر کے لیے مجھ سے اجازت لے کر کچھ گئی اور میں بستر پر لیٹ گیا اور میرے

ذہن میں خیالات کا چرچہ ترس پڑا۔ ان ساتوں واقعات پر غور کر رہا تھا۔

شام پر میرا آخری وار تھا۔ پتہ میں زبردست چوٹ تھی ایک عورت کی

نسوانیت پر اس سے کاری ضرب نہیں لگ سکتی تھی۔ ایک عورت کے لیے اس

کی تہلیل کی تھی اور ایک ایسے شخص نے کی تھی جو دنیا پر اس کا جاننے والا تھا۔ شام

مجھے قتل کرنے کی ہر کوشش میں کامیاب رہی تھی۔ اس کے بعد اس کا کیا راز

ہوگا کہ یہ بات تو پیش تھی کہ وہ اب پوسیتا کی نظر ناگ دشمن تھی اور اس وقت

تک سکون سے نہیں چلی سکتی تھی جب تک اسے قتل نہ کر لے۔ ظاہر ہے میں بڑقت

تو پوسیتا کی حفاظت نہیں کر سکتا تھا۔ پوسیتا کو خود ہی اپنے لیے کچھ کرنا ہوگا۔

پتہ میں اس کی حفاظت کی طرف مڑ گیا۔ میری طرف مڑی ہے لیکن کیا اسے شام

پر ترجیح دی جا سکتی ہے؟ میں نے خود کو ٹولا۔

لیکن اپنی نظریات کا کیا کرنا تھا کہ گت کر دی تھی۔ جسے آگ پسند تھی۔ دلو

سلا کا اور نہ ہی پوسیتا اس کا جواب تھیں اس کا اپنا مقام اب گت تھا لیکن یہ

جتنی ہی مشکل سی تھی تو میں نے اسے والی تھی۔ اب تو صرف ایک ہی ترکیب

تھی۔ زبردستی اسے کچھ کرنا تھا۔ زندگی کی لہروں سے روشناس کر دیا

جلنے اور اس کے بعد۔

پوسیتا مجھے تنہا چھوڑنے والی تھی۔ خیالات کے پتھر میں چھٹا ہوا تھا

کہ آپس کی اس کے چہرے کا چہرہ میں صاف محسوس ہو رہا تھا۔

میرے ہونٹوں پر سلا کا چھل کی تھی۔ میں نے بازو پھیلا دیے اور وہ میرے

زریب ہو کر لیٹ گئی۔

”خوفزدہ ہو پوسیتا۔“ میں نے پوچھا۔

”کیا جواب دوں؟“

”جواب میں ہو۔“ میں نے کہا۔

”میں اس سے انکار نہیں کروں گی کہ میں اس سے ڈرتی ہوں کیونکہ

میں اس کی شیطانی قوت کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔“

”اور وہ بڑی زور دیتی ہے۔“

”لیکن ایک بات کا اور یقین کرو گے ہوگا۔“

”کیوں نہیں؟“ میں نے جواب دیا۔

”اگر میں زندگی نہ چاہی تب بھی مجھے کوئی رنج نہ ہوگا۔ پوری زندگی میں زندگی

کے لے میں کوئی ایسی آرزو نہ ہوئی ہے جسے زندہ رکھتی ہے اور جب مطلوب مل جائے

تو زندگی میں مطلوب کے سوا کچھ نہیں رہتا۔ پھر شاید وہ اپنی پسند کے لیے نہ رہتا

ہے۔ در نہ اسے اپنی زندگی سے کوئی کچھ نہیں رہ جاتی کسی پسندیدہ ہٹے کا قرب

زندگی کا سب سے بڑا دشمن ہوتا ہے۔ میرے دل میں یہ آرزو نہ رہے کہ میں ساری

زندگی تمہارے قرب کے سہارے گزار دوں لیکن مگر بخاری وجہ سے جان چلی بھی

جائے تو حفاظت کا احساس نہ ہوگا۔“

”اوہ۔ پوسیتا۔ بے فکر ہو۔ اس نے تمہیں قتل کرنے کی کوشش کی

تو میں تم سے قتل کروں گا۔“ اول تو میرے ساتھ رہتی ہو لیکن جس وقت میں موجود

نہ ہوں تم خود اپنی حفاظت کرنا۔“

”میں؟“ پوسیتا نے عجیبے عجیبے میں کہا۔

”ہاں!“

”میں کس طرح حفاظت کروں گی؟“

”اسٹونڈ کہہ کر شام کا دامن بند کر دو۔ اس سے کوئی شام نہ

ٹھیک نہیں ہے۔ اس نے مجھے یہاں لکچیا تو میں نے ہاتھ سے لے کر لے۔ اس

طرح میں ٹھیک سے کام نہیں کروں گا۔ اسٹونڈ سے بھی کہہ دینا کہ وہ بخاری

زندگی کے لیے خطہ بن سکتی ہے اور ظاہر ہے بخاری سستی کے لوگ اس کا اتنا

احترام نہیں کرتے جتنا سلا کی والے جتنا یہاں اس کے ساتھ براسلوگ بھی

ہو سکتا ہے۔ اس بات سے شام بھی واقف ہوگی۔“

”ٹھیک ہے۔ میں باسے بات کروں گی۔“ پوسیتا نے کہا۔

پھر رات ہو گئی۔ کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر پوسیتا میری طرف دیکھنے

لگی۔ اس کی آنکھوں میں غماز آگیا۔ کبھی تب بھی گت کر دی تھی۔

”کیا خیال ہے پوسیتا، کیا تم سمند کے کنارے چاندنی کے کھیت میں

ہبٹو کی؟“

”تمہیں میری بات پر یقین نہیں ہے سبوتا؟“

”کون کی بات پر؟“

”اب میں موت سے خوفزدہ نہیں ہوں۔“

”اوہ! مجھے یقین ہے۔ تب آپ کو یقین اپنی مخصوص جگہ۔“ مجھے بھی بخانا

پسند ہے حد پسنداتی ہے۔“

”چلو“ پوسیتا نے کہا اور ہم دونوں مکان سے نکل آئے۔ سرنیک کے کناٹے کناٹے چلتے ہوئے ہماری مخصوص جگہ پہنچ گئے۔ چاندب سول بھی تک نہیں نکلا تھا۔ ہم اس کا انتظار کرنے لگے۔ ٹھنڈی ہوا ہل رہی تھی اور اس کی ہیر پر کھیت تھا۔ ایسی حالت میں پوسیتا کا قرب مجھے بہت بھرا تھا۔

ہم دونوں ٹھنڈی ریت پر لیٹ گئے۔ پوسیتا نے سیکے سینے پر سر رکھ دیا تھا اور میرے سینے کے بالوں سے کھیل رہی تھی۔ وہ خاموش تھی۔ نہ جانے اس کے ذہن میں کیا خیالات تھے۔ میں نے بھی خاموشی اختیار کی۔ میں اس کے خیالات میں حارص نہیں ہونا چاہتا تھا۔ پھر اس وقت جان بول گیا۔

چاندب نے پچھل گئی اور اس میں ہو گیا اور اس میں حارص میں حارص زبان بن جاتے ہیں۔ زبان کی خاموشی بھی اچھی لگتی ہے۔ چنانچہ زبان خاموش تھی اور سنا زل قدم بہ قدم طے ہو رہی تھیں۔ پرستے تانوں کو دیکھتا تھا کہ کتنی قہقہے پڑتا تھا۔ سنا کی ہر جگہ میں شاگرد کی خاموشی ہی مناسب ہوتی ہے۔ لیکن اسے استاد کے اشاروں پر سر خود کرنا چاہیے۔ لیکن اچانک استاد کو نہ جانے کیا ہو گیا۔ ان کا جوش ایک دم سرد ہو گیا تھا اور ان کی نگاہیں ایک طرف اٹھ گئی تھیں۔ مجھے جوشی احساس ہوا میں نے بھی چونک کر دیکھا اور سنا نہ ٹھوڑے ہی فاصلے پر نکل آئی۔ وہ خاموش کھڑی ہوئی تھی۔

اسے شاید اندازہ نہیں ہوا تھا کہ ہم دونوں نے اسے دیکھ لیا ہے۔ لیکن ہمارے اچانک سکوت پر اسے احساس ہو گیا اور دوسرے لمحے اس نے سنا کی طرف چلا آگے۔ رگڑی اور غڑپا سے پانی میں کود گئی۔

”پوسیتا! میں نے پوسیتا کو مخاطب کیا۔
”ہوں!“ اس نے آہستہ سے کہا۔
”وہ کیسے ہے؟“
”نہیں۔“

”پھر پریشان کیوں ہو گئیں؟“
”بالکل پریشان نہیں ہوئی ہوں۔ بس یہ سوچ رہی تھی کہ یہ بھی میں منڈلا رہی ہے۔“

”منڈلا نہ دو۔ اس کا غور شکست کھا رہا ہے۔“
”وہ پس متوجہ پلے ہی بھاگ گئی۔“
”ہاں۔ شاید وہ پیچھے رہنا چاہتی تھی۔“
”وہ تم سے خوفزدہ ہے پوسیتا۔“

”ظاہر ہے میں نے اسے سبق سننے یا بے ادب اگر اس نے میرے کسی معاملے میں مداخلت کرنے کی کوشش کی تو اسے اس سے بڑا سبق ملے گا۔“
”سبوتا! ایک بات سیکھ ذہن میں بار بار رکھ رہی ہے۔“
”بناؤ۔“

”شناختی رہی رہی ہے۔ اس نے کئی بار انھیں قتل کرنے کی کوشش بھی کی ہے لیکن نہ جانے کیوں مجھے یہ احساس ہوتا ہے کہ۔ کہ وہ تم سے محبت کرتی ہے۔“
”لوکا خیال ہے۔ میں نے منی خیر انداز میں کہا۔

”عورت کے انکھ روپ ہوتے ہیں۔ بعض اوقات وہ خود اپنے ذہن کو نہیں سمجھ پاتی۔ بس بڑی میرے دل میں یہ خیال آیا ہے۔“
”لیکن کیا عورت کو قتل کرنا محبوب بھی پسند ہوتے ہیں؟ کیا وہ اپنے جھڑوں میں دیکھنا پسند کرتی ہے؟ کیا اسے محبوب کی جھلی ہوئی لاش بھی عزیز ہوتی ہے؟ یا زہر قاتل سے تلوپ تلوپ کر دم دیتا ہوا مجبور بھی اس کے لیے دلکش ہوتا ہے؟“
”میں نہیں سمجھتی سبوتا۔“

”یہ تمہارا وہم ہے پوسیتا۔ میرے خیال میں اس کے سوا کچھ نہیں۔ وہ صرف انتقام کی دیوانی ہے اور مجھ سے بدلہ لینا چاہتی ہے۔“
”شاید۔“

”چھوڑو! ان باتوں کو کس کھن میں پھنس گئیں؟ میں نے اسے اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا اور پوسیتا سکونے لگی۔

بہر حال وہ رات بھی ہم نے سنا کے کناٹے چاندب کی کھیت میں گزاری اور صبح کی پہلی کرن کے ساتھ واپس آ گئے۔ اس کے بعد سنا نے نظر نہیں آئی تھی اور پھر میں نے پوسیتا سے جانے کی اجازت طلب کی اور پوسیتا کے چہرے پر عجیب سے تاثرات چھیل گئے۔

”جانبے ہو سبوتا۔“
”ہاں پوسیتا! واپس آ جاؤ گا۔“
”کب؟“
”اگر تمہاری دوری برداشت نہ کر سکا تو کبھی بھی وقت۔“

”سبوتا! تم یہاں کے باشندے نہیں ہو۔ سنا کی بستی تھیں اتنی کیوں بھاگتی ہے؟ اگر ہم دونوں یہاں سے کہیں چلیں؟ اس نے کہا۔
”کہاں پوسیتا؟ میں نے پوچھا۔
”کہیں بھی۔ یہ تمہاری مرضی پر منحصر ہے۔ ساری دنیا میں مجھے اپنے بابا سے سب سے زیادہ محبت تھی لیکن اب میں خود کو لڑائی میں ہوں تو مجھے تمہاری محبت اس سے بڑھ کر محسوس ہوتی ہے۔ تمہارے لیے میں بابا کو ہوا بھی دے سکتی ہوں۔“

”مجھے احساس ہے پوسیتا۔“
”پھر کیا تم سیکھ لے رہے ہو؟“
”کبھی سکتا ہوں پوسیتا لیکن میں حالات کا انتظار کرنا چاہتا ہوں۔“

پھر بھی صورت حال ہلنے کا قابو ہے۔ اگر کبھی حالات ایسے ہوتے تو میں یہاں سے لے چلوں گا۔ میں نے جواب دیا اور پوسیتا ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گئی۔ بے چاری لوکی کھن میں پھنس گئی تھی۔

پھر میں وہاں سے چل پڑا۔ فوراً سے ایک رات کے لیے کہا تھا لیکن دو راتیں گزر چکی تھیں۔ وہ فرماندہ ہو گا۔ لڑنے میں میں نے اسے بائیں میں سوچا۔ بہر حال مجھے فوراً سے واقعی کچھ بھی نہیں اور میں اس کے بائیں میں اس انداز میں سوچ رہا تھا۔

”اعتماد میں کیا لیکن مجھے دیکھ کر اطمینان کے گہرے گہرے سانس لیے۔“
”سناؤ فرما، کیا خبر ہے؟“
”دو جہاز اور گئے ہیں۔“
”اوہ۔ کیا اس میں سے کوئی جہاز شکایا ہے بھی کیا ہے؟“
”نہیں۔ زہر داس ابھی نہیں آیا۔“

”میرے دو افراد کون ہیں؟“
”دوسرا دار۔ یہ بھی میرے وفادار ہیں اور اس کا ثبوت اس بات سے ملے گا کہ وہ ہالو کی ایک آواز پر دوڑنے آئے۔“
”ہاں۔ اس سے ان کی وطن دوستی کا ثبوت ملے گا۔“
”نئی جہاز کے حالات سناؤ۔“ فوراً سے سنا نے کہہ دیا۔

”اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ خوبصورت راتیں پوسیتا کے ساتھ گزاریں۔“
”مجھے یقین تھا کہ سنا کی لڑکیاں تمہاری دیوانی ہو جائیں گی۔ تم نے انہیں لڑائی کی سیر نہیں کی اور لڑکیوں کو کھانے کے قریب کرنے کا موقع نہیں ملا اور نہ مجھے یقین تھا کہ ان کی پوری فوج تمہارے پیچھے ہٹے گی۔“ فوراً سے کہہ دیا۔

”بہر حال بے فکر ہو فرما۔ زہر داس کے آتے ہی میں تمہارے کام کے لیے چل پڑوں گا۔“ میں نے جواب دیا اور فوراً کی آنکھوں میں ممنونیت کے آثار نظر آنے لگے۔ پھر وہ بولا۔

”ان کی جہاز کا سرور کا پکا شکا کھلا ہے۔“
”ہاں!“
”پوسیتا! اس کی بیٹی ہے؟“
”ہاں!“ میں نے جواب دیا۔
”کیا نام ہے؟“
”اسٹرو!“

”تم سے ملاقات ہوئی ہے؟“
”جتنی جگہ چاہیے۔“

”اوہ۔ ہاں لیکن اس نے تمہیں وہاں رہنے کی اجازت کیسے دیدی؟“
”اسی لالچی میں کہ میرے ذیلے اسے یہاں کے بائیں میں معلومات حاصل ہوتی رہیں گی۔“

”اوہ۔ کچھ پوچھا نہیں اس نے؟“
”براہ راست نہیں لیکن اس کے سوال و جواب کا شعور اس کی بیٹی نے ہی سمجھا لیا ہے اور میں اس کے کام میں مداخلت کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔“ میں نے جواب دیا۔

”کیا مطلب؟“ فوراً سے کہہ دیا اور میں نے اسے پوسیتا کے بائیں میں پوری تفصیل بتادی۔
”اوہ!“ فوراً سے کہہ دیا اور اس سے کہہ کر انہیں ہر سکتا۔“
”ویسے وہ ان جہازوں کی آکر کے بائیں میں کھن میں چڑے ہوئے ہیں۔“
”ظاہر ہے انھیں علم ہو گا۔“ فوراً سے گردن ہلاتی ہوئی کہیا انھوں نے پوچھنے کی

”کوشش کی تھی۔“

”اسٹرو کی بائیں ہے کہ وہ براہ راست مجھ سے کوئی گفتگو نہیں کرے گا۔“
”یہ شغف اس نے اپنی بیٹی کے سر پر کر لیا ہے۔“
”خوب!“ فوراً سے کہی سے کہا۔ ”بہر حال مجھے خوشی ہے کہ سبوتا کا تمہارا

وقت اچھا لگا رہا ہے۔ وہ دن میں تمہارے لیے پریشان رہتا۔“
”کان میں میرے نے فوراً سے ساتھ گزاری۔ پھر اس کی اجازت سے ہالو کی طرف چل پڑا۔ عکرم اور اپنے مضامین میں مصروف تھا۔ اس نے میرا خیر مقدم کیا اور کچھ جانے کا اشارہ کیا۔ مجھے سے ہالو کی محنت کا جائزہ لینے لگا۔ ویسے بڑا دلچسپ شخص تھا۔ ہالو مجھے اپنی تشنیں کی تفصیل بھی بتاتا تھا۔ ہالو اور اس کی محنت کا مجھے یہ اندازہ

لے رہا تھا۔ بہت دیر کے بعد اس کو مریضوں سے فرصت ملی اور اس نے سنا کے تے ہوئے میری جانب دیکھا۔
”مجھے یقین ہے تمہیں اس شخص سے آگاہی نہیں ہوئی؟“
”قطعی نہیں! ہالو! بلکہ میں خاصا لطیف انداز ہوا ہوں۔“

”خیر! اپنے بائیں میں بتاؤ فرما تمہارے لیے یہ زمین تھا۔“
”میں نے اس سے کہہ دیا کہ وہ میری ماں بننے کی کوشش نہ کرے۔“
”میں نے سنا کے تے ہوئے کہا اور ہالو کچھ غصے سے سنا لے لگا۔ پھر کانی دینک ہالو سے گفتگو کرتی رہی۔ اس کے بعد ذہن میں نہ جانے کیوں شائد کا خیال آ گیا۔

”کیا وہ جیسی میں ہوگی یا بدستور پوسیتا کی تاک میں ہوگی۔ بہر حال خطرناک لڑکی ہے۔ کہیں پوسیتا کو ہالو کرنے میں کامیاب نہ ہو جائے۔ میں ہالو کے پاس سے اٹھ گیا۔ ہالو نے سیکرے معاملے میں مداخلت کرنا چھوڑ دی تھی۔ اب تو وہ یہ بھی نہیں پوچھتا تھا کہ میرا سید پر وگرام کیا ہے۔“

بہر حال میں عکرم ہالو کے پاس سے اٹھ کر سیدھا شائد کے گھر کی طرف چل پڑا۔ بس بڑی ذہن میں شرارت اٹھاتی تھی اور نہ کوئی خاص مقصد نہیں تھا۔ پھر ہی کے بعد شائد کے ٹوئیر شدہ مکان پہنچ گیا، شائد کے مکان کا دروازہ بند ملا۔ وہ گھر پر موجود نہیں تھی۔ اس کا مقصد ہے کہ بدستور پوسیتا کی تاک میں لگی ہوئی تھی۔ دیکھنا یہ ہے کہ پوسیتا اس سے اپنی جان بچا سکتی ہے یا نہیں۔ اب ظاہر ہے میں پوری زندگی تو اس کی نگرانی کر رہی نہیں سکتا تھا پوسیتا کو خود ہی ہوشیار رہنا تھا۔

پھر جھیل کی طرف بھی بڑی رخ ہو گیا تھا۔ یہ گمان بھی نہیں تھا کہ شائد کیوں اچانک یہاں نظر آجائے گی لیکن آج وہ جھیل میں نہیں تھی بلکہ جھیل کے کنارے ایک پتھر پر بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ خیالات میں اس قدر محو تھی کہ اسے میرے قدموں کی چاپ بھی نہیں سنانا پڑی اور میں اس سے غور سے غافل پر پہنچ کر گر گیا۔ پھر میں نے اطمینان سے لباس اتارا اور جھیل میں ایک لمبی چھلانگ لگا دی۔

پانی کے چھپکے سے وہ چوٹی تھی اور پھر اس نے سبوتا کے لگا ہوں سے مجھے دیکھا۔ پھر مضطرب انداز میں اٹھ کھڑی ہوئی۔ چند ساعت میری طرف دیکھتی رہی۔

پھر رخ بدل گیا۔ ہالو دینک خاموش کھڑی رہی۔ گتھ دوسری طرف ہی رہا تھا۔ میں اطمینان سے جھیل میں جھانکتا رہتا رہتا اور مارچ میں نے دیکھا کہ وہ آگے بڑھ گئی۔ لیکن آج اس کا انداز ڈھیلا ڈھالا تھا۔ اس کی چال میں بھی تیزی نہیں تھی۔ چال

میں نے اس سے زیادہ مناسب نہیں سمجھا اور اطمینان سے نہاتا رہا۔ پھر چھیل سے نکل آیا اور اس کے بعد میری سستی میں آوارہ گردی کرنا رہا۔

پوسٹنگ کے منتظر رہنے میں کوئی خاص بات پیدا نہیں کی تھی اس لیے اس کے پاس جانے کو دل بھی نہیں چاہا۔ رات کو وہاں سے نکلے گا اور پھر فوسٹ سے تھوڑی دیر باتیں کرنے کے بعد آرام کرنے بیٹ گیا اور سو گیا۔ دوسری صبح سے شام تک کا وقت میں نے فوسٹ کے ساتھ ہی گزارا تھا۔ فوسٹ بھی میری سستی پر حیران تھا۔ شام کو البتہ میں پھر چھیل کی طرف نکل گیا۔ انوکھی بات تھی شام آج بھی پتھر پر اسی طرح بیٹھی ہوئی تھی۔ آج اس نے مجھے دوسرے دیکھ بھی لیا تھا لیکن مجھے دیکھ کر کھٹنے یا حشر نہ زدہ ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔

میں خود ہی اس کے پاس پہنچ گیا۔ کیا بات ہے شام آج کی پھر چھیل میں نہیں اتریں؟ کیا سیکے شام سے؟ میں نے اسے چھڑا اور اس نے نگاہیں اٹھا کر مجھے دیکھا لیکن ان نگاہوں میں شکست خوردگی تھی۔ ان میں وہ نکھار نہیں تھا۔ اس کے خدوخال میں بھی تبدیلی تھی میں نے تعجب سے اسے دیکھا۔

”جواب نہیں دیا شام؟“ میں نے کہا۔
”سبوتا!“ اس نے آہستہ سے کہا۔

”ہاں شام؟ جواب دو۔ میں تمھارے اندر تبدیلی دیکھ رہا ہوں۔“
”ہاں سبوتا! میں بدل گئی ہوں۔ شام نے مجھے نہیں سمجھے میں کہا۔“

”اے۔ واقعی؟“
”میرا مذاق مت اڑاؤ سبوتا۔ میں کبھی بدلتی لیکن — لیکن....“

”لیکن کیا شام؟“
”ایک خواب نے میری زندگی بدل دی ہے۔“

”خواب؟“
”ہاں۔ اپنے باپ کی موت کے بعد میں نے پوری زندگی میں پہلی بار پچھلی

رات اپنے باپ کو خواب میں دیکھا۔ میں کسی کی بات نہیں کرتی لیکن — میں اس کی بات رد نہیں کر سکتی۔ اس نے ساری زندگی مجھ سے کوئی بھی تو فرائض نہیں کی اور

اب مرنے کے بعد میں اس کی ایک چھوٹی سی بات کو نہیں ٹھکرا سکتی۔“
”اوہ۔ کیا کہا تھا اس نے؟“ میں نے مشکل تو کونجیدہ کیا۔ شام کے

ڈھیلے لہجے نے مجھے متاثر کیا تھا۔ وہ واقعی بدل ہوئی تھی۔
”مجھے جاؤ سبوتا۔ براہ کرم مجھے جاؤ۔ پوری سستی میں اب کوئی نہیں ہے جس

سے میں دل کی بات کر سکوں۔“
”شکر یہ شام!“ میں چل گیا۔ مجھے بھلا اس سے کیا خوف ہو سکتا تھا۔

”شاید میں یہ بات معلوم نہ ہو کر میرے باپ نے سستی کی بجائے اس کے لیے آتش فشاں میں کود کر قربانی دی تھی۔“

”ہاں مجھے معلوم ہے۔“
”تجسّیں معلوم ہے؟ لیکن کس طرح؟“

”اب میں تم سے اتنا بے خبر بھی نہیں ہوں۔“
”اوہ۔ بہر حال میری پرورش نہ جانے کس نے کی تھی اس لیے مجھ سے بالے میں

کچھ نہیں معلوم۔ یوں سمجھو پوری سستی ہی اس میں حصہ لیا لیکن میری فطرت کی بدحشر کسی نے ختم کرنے کی کوشش نہیں کی۔ میں جس طرح سوچتی رہی کوئی رہی اور یہ

فطرت نشوونما پاتی رہی۔ تب شاید سیکر باپ کو ہی خیال آتا اور وہ پھر خواب میں آگیا۔ اس نے کہا کہ جس سستی کے لیے اس نے اتنی عظیم قربانی دی میں اس کے

ساتھ یہ سلوک کر رہی ہوں۔ اس نے کہا کہ جس انسان جنوں، محبت کرنا سیکھوں۔“
”اوہ۔ ایک اچھا مشورہ دیا ہے اس نے۔“

”میں نے تمھارے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا سبوتا مجھے اعزاز ہے۔ میں نے کی باتیں دھوکے سے ماننے کی کوشش کی ہے۔ شاید اب تم آئندہ بھی میرے

اوپر اعتبار نہ کرو لیکن میں اس کی خواہش منانے میں نہیں ہوں۔ تم لوں مجھ کو شام پچھلی رات سے ملتی ہے۔“ اس نے اُداس لہجے میں کہا۔

”تمہیں شام؟ اسی عطا عادت کو ترک کرنے کا مطلب موت نہیں ہے۔“
میں نے ہمدردی سے کہا۔

”فطرت کی موت کے بعد بھی زندگی کا کوئی تصور رہ جاتا ہے۔“ اس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

”بعض اوقات انسان فطرت عادتوں کو زندگی سمجھ لیتا ہے۔ تمھارا دل اگر اچھا نہیں کو قبول کرتا ہے تو قیامت بدل دیں گے۔“

”لیکن اب سستی میں شام کی حیثیت ختم ہو جائے گی۔“
”یہ بات نہیں ہے شام۔ سستی وہ تجسّیں پیار کرتے ہیں اس لیے تمھاری

بُری عادتوں کو بھی برواشت کر لیتے ہیں۔ اس پیار کے ساتھ اگر تمھاری اچھی بات بھی شامل ہو جائے تو تمھاری حیثیت بدل جائے گی اور ان کا پیار بڑھ جائے گا۔“

میں نے کہا لیکن شام کی اُداسی میں کمی نہ ہوئی۔
”کیا تم مجھے معاف کر دو گے سبوتا؟“ اس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

”بہر آسانی۔“ میں نے سکر لے کر کہہ دیا۔
”نہیں مجھے اعزاز ہے کہ میں نے تمھارے ساتھ بہت زیادتی کی ہے۔

بات یہ تھی کہ تم نے میری اس فطرت کو کھینے کی کوشش کی تھی جس کی وجہ سے میں خود کو خورقوں اور مردوں سے برتر سمجھتی تھی لیکن اب جب وہ فطرت ہی نہ رہی۔“

”جھوٹے بھول جاؤ شام۔“ میں نے فراموشی سے کہا۔
”تم جھوٹو مجھ سے انتقام لے سکتے ہو سبوتا؟“

”انتقام؟“
”ہاں!“

”میں تم سے کوئی انتقام نہیں لینا چاہتا شام اور پھر میں تم سے انتقام بھی کیا لوں؟“ میں نے کہا۔

”میرے بدن کا لباس آتا رہا۔ مجھے اپنے اُنھوں سے برتر نہ کرو میں اپنی خودی کو تو کھینے کے شرمے نہ کرنا چاہتی ہوں۔“ اس نے کہا اور اس کی آنکھوں میں نمی

اُبھر آئی۔ اس نے اپنا پیچلا ہونٹ دانتوں میں دبایا اور میں نے حقیقت اس کے اس انداز اور اس بات سے بہت متاثر ہو گیا۔ چند ساعت میں اس کا جائزہ

لیتا رہا اور پھر میں نے تم لہجے میں اس سے کہا کہ تمھارا اندازہ اس وقت بھی فطرت

تمھارا انداز اور اب بھی تم فطرت انداز میں سوچ رہی ہو پہلی بار جب میں چھیل میں اُترا

تمھارے ہی سیکے ذہن میں تمھاری سناہیت کی توہین کا کوئی احساس نہیں تھا اور نہ ہی اب مجھے تمھارا لباس اتار کر کوئی خوشی ہوگی۔ بہر حال تم نے جو کچھ کیا ہے میں

نے اپنے ذہن سے نکال دیا بشرطیکہ تم غصہ نہ ہو۔“
اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ چند ساعت خاموشی سے گزرنے

پہنچی رہی۔ پھر میری طرف دیکھ کر غصہ لہجے میں بولی۔
”مجھے سیکے گھر پہنچا دو۔“

”اوہ۔ میں نے منہ خیرنگا ہوں سے اسے دیکھا۔ اس نے بھی نگاہیں اٹھائی

تھیں اور پھر اس کے ہونٹوں پر پچھلی ہی مسکراہٹ پھیل گئی اور پھر وہ آہستہ سے اٹھ گئی۔

”رہنے دو میں مل جاؤں گی۔“ ظاہر ہے تم سیکے اوپر اعتماد نہیں کر سکتے۔
کرنا بھی نہیں چاہیے لیکن — لیکن — وہ آگے بڑھ گئی۔ میں اس کے پیچھے چل

پڑا اور اس کے قریب پہنچ گیا۔
”تم غلط سمجھیں۔ میں تمھارے ساتھ چل رہا ہوں۔ ظاہر ہے تم روز روز

تو پناہ گھر چلانے سے رہیں۔“ اس نے کوئی جواب نہیں دیا اور خاموشی سے چلتی رہی۔ تب میں اس کے ساتھ اس کے گھر پہنچ گیا۔ وہ کسی قدر خوش ہو گئی تھی۔

اور پروفیسر نے میری خوب خاطر مدارات کی اپنے ہاتھ سے بہت سی اگلی سیدھی چیزیں بنا کر کھلائی اور درحقیقت ان سارے کاموں میں وہ بے حد

مخلص نظر آ رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ واقعی بدل گئی ہو۔
رات ہوئی تو میں اٹھنے لگا۔ اس نے میری طرف دیکھا۔ ”جائے ہو؟“

”جانا ہی ہے۔“
”نئی سستی جاؤ گے؟“ اس نے عجیب سے لہجے میں پوچھا۔

”کیوں؟“
”ظاہر ہے پوسٹنگ تھا اور انتظار کر رہی ہو گی۔“

”اوہ۔ نہیں۔ میں تو کل ہی اس کے پاس نہیں گیا، آج بھی نہیں جاؤں گا۔ ویسے تم نے اس کی جاں بخشی کر دی ہے۔“

”ہاں۔ لیکن اگر مجھے اب اس سے کوئی پرفرائض نہیں ہے لیکن اب میں ساری زندگی اس کے سامنے نہیں جاؤں گی۔ وہ ایک لحاظ سے مجھ سے برتر ہے۔“

”اوہ۔ کس لحاظ سے؟“
”اس کے مجبور بننے اس کی حفاظت کے لیے سیکے ساتھ جو سوکھ کیا تھا

وہ سیکے ذہن میں ہے اور بہر حال وہ اس سلسلے میں مجھ سے برتر ہے کہ ایسا محافظ محبوب سمجھی ہے۔ جبکہ میں اس لحاظ سے ساری دنیا میں تنہا ہوں۔“

”اس میں اس کا کوئی تصور نہیں ہے شام! لیکن بہر حال تم اس بات کا اعتراف کرو کہ تم غلط تھیں اور اس کی زندگی لینے کی کوشش بے قصد تھی۔“

”ہاں مجھے اعتراف ہے اور اطمینان رکھو آئندہ میں اس طرف نہیں جاؤں گی۔“
”شکر یہ شام! اچھا مجھے اجازت ہے۔“

”کل آؤ گے؟“
”اگر تم پسند کرو؟“

”میں انتظار کروں گی۔ کس وقت آؤ گے؟“
”اس کا فیصلہ بھی تم کرو۔“

”صبر کرو۔“
”میں پہنچ جاؤں گا۔“ میں نے کہا اور پھر میں واپس آگیا۔ رات کو اپنے

آرام کی جگہ لیٹ کر میں اس کے بالے میں سوچنے لگا۔ سستی بات تو یہ تھی پروفیسر کہ ابھی تک میں اس کو دل کی طرف سے مطمئن نہیں ہوا تھا۔ مجھے اس کے اندر تبدیلیاں

نظر آ رہی تھیں لیکن یہ تبدیلیاں تو پہلے ہی نظر آئی تھیں لیکن ان کا اسلیٹ کیا نکلی تھی۔ دوسرے دن صبح میں ضروریات سے فارغ ہو کر شام کی طرف چل پڑا اور

شام مجھے منتظر رہی۔ اس کے چہرے پر عجیب سی گھبراہٹ تھی لیکن مجھے دیکھ کر وہ پراسکون ہو گئی اور اس کے ہونٹوں پر پچھلی ہی مسکراہٹ پھیل گئی۔

”تمھاری آنکھیں سرخ ہو رہی ہیں شام! کیا بات ہے؟ کیا رات کو سوتی نہیں؟“
”ہاں! میں پوری رات نہیں سوئی سبوتا۔“

”آخر کیوں؟“
”جس ساری رات اپنے بالے میں سوچتی رہی! آئندہ میری زندگی کس انداز

میں گزے گی؟“ اس نے کہا۔
”تم اس کے لیے پریشان ہو؟“

”نہیں۔ مجھے زندگی سے اتنی دلچسپی نہیں ہے لیکن میں ہی سوچ رہی تھی کہ آئندہ دنیا سے مجھ کو تکرے میں کس طرح زندہ رہوں گی۔“

”تم اپنی فطرت کیوں بدلتی ہو شام۔“ ہاں! اپنی دُشمنانہ عادتیں ترک کر دو۔“
”نہیں سبوتا! زندگی میں ایک بار شکست کھاؤ پھر خود کو فلاح مت کہو۔“

مجھے شکست ہو چکی ہے۔“ اس نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا۔
”اس احساس کو ذہن سے نکال دو۔“

”نہیں تمھارا سبوتا! بہت کوشش کی ہے۔“
”میں پہلے ہی تمھارا دشمن نہیں تھا شام! آج بھی نہیں ہوں میرا مشورہ

ہے کہ تم بہر ساری باتیں بھول جاؤ۔“
”سبوتا! شام نے عجیب سے لہجے میں کہا۔“

”ہوں۔“
”میرے ساتھ چلو گے؟“

”کہاں شام؟“ میں نے پوچھا۔
”کہیں بھی۔ جہاں میں بے چلوں۔“ اس نے کہا۔

”چلوں گا شام!“ میں نے لاپرواہی سے جواب دیا۔
”تمہیں ترس تو نہیں ہے؟“

”دکس بات پر ہے۔“
”میں تمھیں کچھ کہیں دھوکا نہ دوں۔“

”مے دینا شام۔ میں بھی زندگی سے بہت زیادہ دلچسپی نہیں رکھتا۔“

نے سکتے ہوئے کہا اور اس نے گردن جھکا کر اور پھر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

”جہو“ اور میں تیار ہو گیا۔ شاید میرے ساتھ نکل آئی اس کی چال ہی بھی وہ پھرتی نہیں تھی جو اس کی خاصیت تھی۔ آج اس نے ایک تیار راستہ اختیار کیا تھا۔ مکان میں خاصا وقت گزارنے کے بعد وہیں بھی اس طرف نہیں آیا تھا۔ یہ کالے پہاڑوں کا راستہ تھا۔ بستی سے کافی دور تھا لیکن ٹھکانے والا وہ دونوں میں سے کوئی نہیں تھا اور پھر دوسرے میں نے اندازہ لگا لیا کہ شاید وہاں جا رہی ہے۔ پھر ہم آتش فشاں پہاڑ کی چڑھائی کرنے لگے اور تھوڑی دیر کے بعد شامزاد پر پہنچ گئے۔ آتش فشاں کا دھواں زیادہ دور نہیں تھا۔ ذہن میں سے ایک سسٹماٹک کی آواز بھری تھی۔ لاوا پکڑا ہوا تھا۔ یہاں کافی گرمی تھی لیکن شامزاد پر نہ تھی۔ اس نے گل کر سکون کی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور کافی دیر تک خاموشی سے دیکھتی رہی۔ اس کے خدخال میں پھر بھی کچھ ایسا پیدا ہو گیا تھا اور انھوں کی خوشخوار کیفیت ابھرتی آرہی تھی۔

”سوسوتا!“ اس نے خوشخوار جیسے میں کہا میں کچھ سے اسے دیکھ رہا تھا۔
”کہو شامزاد!“
”ایک بات بتا دو گے؟“
”خود“ میں اس کی بدلتی ہوئی کیفیت کو نوٹ کر رہا تھا۔
”تم مجھے تلاش کرنے سلا کا کہ پاس پہنچتے تھے؟“
”ہاں“ ظاہر ہے درنا سے قبل میں سلا کا کوئی نہ جانتا تھا۔
”مجھے کیوں تلاش کر رہے تھے؟“ اس نے پوچھا۔
”تم کہنا کیا چاہتی ہو شامزاد؟ براہ کرم صاف صاف کہو اور یہاں آتش فشاں پر کیوں آئی ہو؟“ میں نے کہا۔

”اسی پہاڑ کے دھوئیں میں کوڑکے سے روک پانے جانے میں اس کی روح کو مطمئن کرنے کی ہوں میں اسے بتانے کی ہوں کہ سارا قصہ میرا نہیں ہے۔“
”تب پھر خود کو مطمئن کرو۔“
”ہاں۔“ شاید میں نے درمیان کے گفتگو شروع کر دی ہے۔ مجھے اس وقت سے چلتا چاہیے جب تمہاری باجھیل پر کئے تھے۔“
”چلو وہیں سے سی۔“
”تم جہاں بھی کرواں نہیں آئے تھے؟“
”نہیں!“

”اور پھر باقی میں مجھے دیکھ کر تم کی اچھا رائے سے جھیل میں نہیں آتے تھے؟“
”خوب“ ہاں یہ درست ہے لیکن میں صرف تمہیں سب سے دیکھنا چاہتا تھا۔ تمہیں ستارہ کرنا چاہتا تھا۔“
”کیوں؟“

”اس لیے کہ تم ایک خوبصورت لڑکی تھیں اور مجھے پسند تھیں۔“
”پھر اس کے بعد؟“
”تم نے جو کچھ کیا تمہیں معلوم ہے۔ اگر تم وہاں سے میرا بچھا کر آتیں تو شاید میں تمہاری طرف نہ جاتا۔“

”اوہ۔ تم کچھ کہہ رہے ہو؟“

”ہاں شامزاد میں بھڑکتا اس لیے نہیں بولتا کہ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ میں نے کہا کہ تم نے جس طرح نا پسندیدگی کا اظہار کیا تھا اس کے بعد میں تمہارے نزدیک آکر کیا کرتا لیکن تم خود کو آتش فشاں میں لگیں اور اس کے بعد جو کچھ تم نے کیا اس نے مجھے بھی تمہارے پیچھے لگا دیا۔ میں نے تو عموماً جواب دیا ہے وار تو تم ہی کرتی رہی ہو۔“

”تم نے مجھے بے بس کر کے میرے ہنر کو کچھ بھٹکا تھا۔“
”ہاں۔ وہ صرف جواب دہی کا دوا ہی تھی۔“
”میرے ہنر کو کچھ تم نے میری تمہاری طلب کا کوئی دخل نہیں تھا؟“
”یہی سمجھو۔ وہ صرف ایک مرد کی انا تھی۔“
”اور اس کے لیے تم نے میری انا توڑ دی؟“

”میں نے بتایا نا شامزاد کہ یہ احساس تمہاری شدت پسندی نے میرے ذہن میں جگا دیا تھا۔ جھیل پر میری تم سے ملاقات ہوئی تھی۔ اگر تم مجھے ناپسند کرتی تھیں تو مجھے ہٹ جاتیں۔ میں تمہارا نائب نہ کرتا۔ اگر تمہارے دل میں میرے لیے کجیائش نکل آتی تو شاید میں تمہیں بڑے غصے سے چاہتا۔“
”لیکن سلا کا؟“

”تمہیں علم ہے کہ سلا کا سے تمہاری وجہ سے ملاقات ہوئی۔ میں تمہاری طرف سے آیا ہوں تھا۔ وہ میری طرف بڑھی تو میں اسے روک رکھا۔ پستیا کے پاس بھی میں تمہاری تلاش میں ہی گیا تھا اس بات کا تمہیں بھی علم ہے۔“
”لیکن تمہیں کیا حق ہے کہ مجھے زبردستی خود سے محبت کرنے پر آمادہ کرو گے؟“
”میں نے ایسا نہیں کیا۔“

”سوسوتا! میں عورت فرور ہوں لیکن خود کو کمتر سمجھنے کی عادی نہیں ہوں۔ میں ہر حالت میں برتری چاہتی ہوں۔ تم نے مجھے بہت ذلیل کیا ہے۔“
”لیکن اب تو تم اپنی فطرت بدل رہی ہو؟“

”ہرگز نہیں۔ وہ بھی تمہیں بے وقوف بنانے کی ایک کوشش کی تھی۔ لیکن اس وقت۔ اس وقت مجھ اپنے اندر ایک تبدیلی کرنا پڑی ہے۔ یہ تبدیلی فطری نہیں ہے بلکہ۔ بلکہ حقیقت میں محسوس کرتی ہوں کہ میری فطرت میں کچھ کمزوریاں پیدا ہوئی جا رہی ہیں۔ تم جلتے ہو سبوتا میں تمہارے ساتھ یہاں کیوں آئی ہوں؟“

”یہ تو تم بتا چکی ہو کہ تمہاری فطرت کی تبدیلی کے باعث میں نے بے قوت بن رہی ہو۔“ میں نے ذرا سہلے میں کہا۔

”ہاں۔ یہ بالکل ٹھیک ہے۔ میں اب تمہیں بے وقوف ہی بنا رہی تھی۔“ میں نے یہ خیال تھا کہ میں سیاہی میں آتیں کر کے تمہیں متاثر کرواؤ۔ پھر تمہیں آتش فشاں کے دھانے میں جھیل دوں۔ اگر تمہاری گرفت سخت ہو تو خود بھی اس میں جھلا جاؤں۔ یہ میرا ارادہ تھا سوسوتا لیکن یہاں اگر اور تم سے گفتگو کرنے کے بعد میرے اندر ایک عظیم کمزوری پیدا ہوئی ہے۔ میں محسوس کر رہی ہوں کہ وہ غلطی میری ہے۔ اور سوسوتا! میں نے کبھی اپنی کوئی

غلطی تسلیم نہیں کی ہے۔ منو۔ یہ حقیقت ہے کہ میرے دل سے پسندتا سے اتفاق کا جذبہ بھی سرد ہو گیا ہے۔ رات بھاگ کر میں نے یہی سوچا ہے کہ اس کا کوئی قصہ نہیں۔ اسے قتل کرنے سے کیا فائدہ؟ چنانچہ میں رات کو ہی اسے معاف کر چکی ہوں۔ ان حالات میں کیا میں یہ سوچنے میں تھی کہ بجا بجا نہیں ہوں کہ شامزاد کی اصل حیثیت ختم ہو چکی ہے۔ اس کی فطرت دم توڑ چکی ہے۔ جواب دو سوسوتا۔“

”پہلے تم گفتگو ختم کرلو۔“ میں نے کہا۔
”اب مجھے شامزاد سے نفرت ہے۔ سوسوتا شامزاد سے مجھے کراہیت محسوس ہو رہی ہے۔“

”اب تمہارا کیا ارادہ ہے شامزاد؟“
”جب غلطی میری ہے تو تمہیں سزا نہیں چاہیے۔ صرف اور صرف شامزاد کو سزا چاہیے۔ سب سے حقیقت شامزاد کی زندگی مجھے ذرا بھی پسند نہیں ہے اس کے عروض نفرت سے نہ کر سکتے ہیں۔ میں اس شامزاد کو سزا دینا چاہتی ہوں جس نے غلطی کی ہے۔“

اور پھر میری کچھ میں سب کچھ اگلا شامزاد نے پوری زندگی سچ نہ والا ہو لیکن اس وقت مجھے یقین ہو گیا کہ وہ سچ بول رہی ہے اور اس کا ارادہ بھی میرے دل میں اگلا۔ وہ آتش فشاں کے دھانے کے قریب موجود تھی۔ اس کی ایک جھلک اٹھانے کی آتش فشاں کے دھانے تک جا سکتی تھی۔ میں کسی اور کے کھڑے سے نہیں روک سکتا تھا اور وہ یقیناً خود کو کسی کا ارادہ رکھتی تھی۔ میرے لیے یہ دن میں کسی دوسری گئی۔ اس کی موت کسی طرح مجھے گوارہ نہیں تھی پھر میرا خیال پھر میرا ذہن تیزی سے کام نہ لگا میں نے گردن جھکا لی۔

”کیا تم میرے آؤ پر ایک احسان کر سکتے ہو سوسوتا؟“ شامزاد نے پوچھا۔
”کہو شامزاد۔“ میں نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔
”مجھے یہ بات بتاؤ کہ شامزاد بڑل ہے یا کہ وہ بے حقیقت ہے؟“
”میں نہیں اور بھی چند باتیں بتانا چاہتا ہوں شامزاد!“ میں نے سنجیدگی سے کہا۔
”کیا؟“

”اگر تم اس شامزاد کو ہلاک کرنا ہی چاہتی ہو جو تمہارے خیال میں ایک کڑوہ۔۔۔ میں ایک دم خاموش ہو گیا اور چونک کر ایک طرف دیکھنے لگا۔ ارے، یہ اس طرف کیوں آ رہے ہیں۔۔۔ اور میری پرکشش سوسوتا کا ماب سہی جس طرف میں نے دیکھا، وہ کسی قدر شیطانی تھی اور شامزاد اپنی جگہ سے اس طرف نہیں دیکھ سکتی تھی چنانچہ وہ بے اختیار چند قدم لگے تو جھوک کر ایک بلند جگہ پر پہنچنے کی کوشش کرنے لگی۔
”کون ہے؟“ اس کے منہ سے نکلا۔ لیکن میرے لئے آنا ہی کافی تھا۔ میں نے عقاب کی سرعت سے جھلاٹ لگا کر شامزاد کو درج کیا، اور وہ اسی طرح میری گرفت میں آ گئی۔ ایک لمحہ کے لئے مجھ کو کچھ کسی رہ گئی تھی

لیکن پھر وہ بھی صورت حال سمجھ گئی اور بڑی طرح تپتی۔
”نہیں۔ ہرگز نہیں۔ تم مجھے مرنے سے نہیں روک سکتے۔ میں زندہ نہیں رہوں گی میں دلت کی زندگی گوارہ نہیں کر سکتی۔ چھوڑو۔ میں کہتی ہوں چھوڑو۔“ لیکن اب اس کے کہنے سے میں اسے چھوڑ نہ سکتا تھا۔ میں اسے بازوؤں میں اٹھائے پہاڑ سے نیچے اترنے لگا۔ شامزاد جس قدر کوشش کر سکتی تھی کر رہی تھی لیکن اب میری گرفت سے نکلنا اس کے لئے کی بات نہیں تھی۔ میں اسے پہاڑ سے نیچے لے آیا، اور پھر میں اس کو اتنی دور لے آیا کہ اگر وہ دوبارہ اس طرف جانے کی کوشش کرے تو میں اس پر قابو پا سکوں۔

تب میں نے اسے زمین پر اتار دیا۔ شامزاد کی برسی حالت تھی جھٹکے کی وجہ سے اس کا چہرہ آتش فشاں بنا ہوا تھا۔

”چونکہ میں تمہارا دشمن نہیں ہوں شامزاد اور تمہیں دل سے پسند کرتا ہوں۔ اگر میں یہ کہوں کہ مجھے تم سے بے محبت ہے اور مجھے تمہاری موت سے گوارہ صدمہ ہو گا تو غلط نہ ہو گا۔ اگر میں یہ کہوں شامزاد میں تمہارے لئے دین کی سب سے خوبصورت لڑکی کو بھی چھوڑ سکتا ہوں تو یہ بھی غلط نہیں ہو گا۔ درحقیقت میں تمہیں اتنا ہی چاہتا ہوں۔ اس کے باوجود میں فطرت کا قاتل نہیں بننا چاہتا۔ اگر تم میری چاہتی قریب نہیں اس کا ایک اور اچھا طریقہ بتا سکتا ہوں۔“

”بتاؤ!“ وہ وحشیانہ انداز میں دانت پس کر بولی۔ اس کی آنکھیں لٹکانوں کی طرح دھبہ رہی تھیں، بال بکھرے ہوئے تھے اور اس عالم میں وہ کیا لگ رہی تھی۔ میں تمہیں اس بارے میں نہیں بتا سکتا پھر فیصلہ۔

”تمہارے باپ نے جان کیوں دی تھی؟“
”اس کی بجائے لے۔“
”اور تم صرف اپنی انا کے لیے جان دے رہی ہو؟“
”پھر۔ پھر میں کیا کروں؟“ وہ غرائی۔
”تم بھی ایسی کوئی مثال قائم کرو۔“
”کیا مطلب؟“

”کسی ایسے مقصد کے لیے جان دو کر پوری تھی تمہیں ہمیشہ یاد رکھو۔“
”میں نہیں سمجھتی۔ شامزاد کے لئے میں اب بھی کوئی تبدیلی نہیں تھی۔“
”تمہیں علم ہے کہ تمہارے دل میں اپنی جگہ کسے ہیں اور وہ تمہاری انہی بستیوں پر پوری طرح قبضہ کر کے تمہیں اور تمہاری نسل کو اپنا محکوم بنانا چاہتے ہیں۔ اس کے لیے انھوں نے تمہارے ذہن کو قتل کر کے ایک ایسے شخص کو فنا بنا دیا ہے جو ان لوگوں کا بچہ ہے اور آہستہ آہستہ وہ اپنی جڑیں مضبوط کر رہے ہیں۔“
”ہاں مجھے علم ہے۔“ شامزاد نے کہا۔ اب اس کے انداز میں کسی قدر حیرانی شامل ہو گئی تھی۔
”پھر کیوں تم اپنی بستیوں کو ان کے تسلط سے آزاد کرنے کی کوشش

میں جان دو۔

”ہوں؟“

”ہاں۔ تم اپنی کمزوری نہیں ہو۔“

”لیکن میں میں کیا کر سکتی ہوں؟ اس کا ذہن بٹ گیا تھا۔“

”بہت کچھ۔ میں نے جواب دیا۔“

”بتاؤ۔ مجھے بتاؤ؟“ اس نے کہا۔

”تعلیم اپنے فرائض سے پیار تھا؟“

”ہاں۔ وہ اچھا انسان تھا۔ اس کی محبت پوری تھی کہ تو میں کی بولی تھی۔“

”اپنی بات کہو۔“

”میں بھی ابھی میں شال ہوں۔“

”اگر میں تعلیم بنائوں کہ تھا تو فائدہ ہے اور پوشیدہ رہ کر ان لوگوں کے

خلاف کاروائی کرنا ہے تو کیا تم یقین کر لو گے؟“

”نہیں۔ اس نے جواب دیا اور میری طبیعت خوش ہو گئی۔ تاہم میں نے

مسکراتے ہوئے کہا۔

”اور اگر میں تعلیم اس سے ملا دوں تو؟“

”فائدہ ہے؟“ اس نے شدید حیرت سے کہا۔

”ہاں۔“

”تو یقین کر لوں گی لیکن وہ مر چکا ہے۔“

”تب اس وقت تک اور کچھ دوسرے جب تک اس سے مل نہ لو اور میرے

ساتھ۔ میں نے سر دھیمے میں کہا اور وہ مجھے دیکھتی رہی۔ پھر بولی۔

”تم مجھے دھوکا تو نہیں دے رہے؟“

”اگر یہ دھوکا ثابت ہو جائے تو یقیناً وہ دھوکا نہیں تھا۔ اس کے

اقدام سے نہیں روکنے کا لیکن اس کے بعد میں اس کے لیے کام کرنا ہو گا۔“

”جیو! اس نے کہا اور میں اسے کہہ کر فانی طرف چلا۔ شائد کے چہرے

پر بے سبب غصے کی تاثرات تھیں۔

شانہ

کے بارے میں اب یہ اندازہ بالکل بدل چکا تھا۔ اس سے

قبل وہ ایک خطرناک حیثیت سے میری نگاہوں کے

سامنے تھی۔ اس کے لیے درپے حملوں نے مجھے یہ بات یاد کرادی تھی

”کہ وہ آسانی سے شکست ماننے والوں میں سے نہیں ہے اور عسکری کے

ذریعے وہ مجھے ہلاک کرنے کی مختلف تدابیر کرتی رہے گی۔“

لیکن جب اس نے انٹرنیشنل میں گورنر کو خود بخود اپنا چاہی تو اس کے

بعد پروفیسر نے بات کھل کر سامنے آگئی کہ اب وہ شکست چکی ہے۔ مگر دوسرے

معنوں میں اس نے اپنی شکست تسلیم کر لی تھی اور ظاہر ہے شکست خوردہ لڑکی

اب میرے لیے کسی طور نقصان دہ نہیں تھی۔ میں نے اس کی جاننا نیت سے فائدہ

اٹھانے کے لیے یہ بات سوچی تھی کہ اسے فوٹا کے بارے میں بتا دوں۔ یقیناً ایسی

لڑکی کسی رنگ و نشان نہ نظر آوے۔ اور تب تو غشی کا مندر کھتی ہو میری اس

شانہ اب خاصے مختلف انداز میں میرے ساتھ چل رہی تھی۔ اس کا

کسی گہری شوش میں ڈوبا ہوا تھا اور چہرے پر حیرت کے ہلکے سے نشوونما

مجھے یقین تھا کہ وہ فوٹا کے بارے میں سوچ رہی ہو گی کہ فوٹا جو سب کے لیے

مرحبا تھا، زندہ کیسے ہو گیا۔ ہو سکتا ہے اس نے یہ بھی سوچا ہو کہ میری کوئی

چال ہو۔

لیکن شکست خوردہ لڑکی اب ہر حال میں اسے کہنے کے لیے دل سے تیار

تھی۔ آتا میں بھی جانتا تھا کہ فوٹا میری اس حرکت پر اعتراض نہیں ہو گا۔ شانہ

تہا تھی اور بہر صورت فوٹا کے لیے نقصان دہ ثابت نہیں ہو سکتی تھی۔ اور

پھر جو کام میں اسے کیا اس میں اتنی بہت ساری دقیقیں بھی نہیں تھیں کہ فوٹا

کے لیے بہت زیادہ پریشان ہو جائے۔ اپنے گھر سے ہونے والوں کو میں خود نہیں

کی قوت رکھتا تھا۔

شانہ اور میں بڑی سے چلتے ہوئے اسی مکان کی طرف جا رہے تھے

جو ساحل سمندر پر تھا اور جہاں سے فوٹا جی والوں پر نگاہ رکھتا تھا۔ بھڑکی

دیر کے بعد ہم دونوں وہاں پہنچ گئے۔ شانہ نے یہ مکان دیکھ کر حیرت کا

اظہار کیا تھا۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

”کیا فوٹا اس مکان میں ہے؟“

”ہاں شانہ۔“ میں نے جواب دیا۔

”اور۔ میں نے ایک دفعہ یہ مکان دیکھا تھا۔“

”کب؟“ میں نے پوچھا۔

”اس وقت جب میں ایک رات تمہارے ہاں نئی بستی پہنچی تھی اور تم

نے مجھے اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا تھا۔“ شانہ پھیکے انداز میں مسکراتے

ہوئے بولی۔

”اب تو کیا تم سمندر کے راستے ہی اس جگہ واپس آئی تھیں؟“

”ہاں میں نے سوچا کہ اب غشی پر جاننا بے کار ہے۔“

”اور، کیوں؟“

”میں اس میں بارے میں کچھ نہیں جانتا۔“ شانہ نے جواب دیا اور

میں خاموش ہو گئی۔ میں نے فوٹا کے دروازے پر دستک دی اور چہرے

ساعت بعد اس کی آواز سنائی دی۔

”کون ہے؟“

”سبوتا۔“ میں نے جواب دیا اور دوسرے لمحے فوٹا نے دروازہ کھولا

دیا لیکن میرے ساتھ شانہ کو دیکھ کر وہ برسی طرح ہرکس پڑا تھا۔ اس نے شانہ

نگاہوں سے شانہ کی صورت دیکھی اور پھر پیچھے ہٹ گیا۔ میں اس کی گہرا ہلکا

سے محفوظ ہوا تھا۔

دوسری طرف شانہ عجوبہ حیرت اُسے دیکھ رہی تھی۔ وہ چند لم

آگے بڑھ کر آئی تھی۔ فوٹا اب دروازے کے پیچھے کھڑا تھا۔ میں نے شانہ

کے لیے راستہ چھوڑ دیا تھا اور شانہ۔ وہ تو صرف چھٹی پہلی کھل

سے فوٹا کو دیکھ رہی تھی۔ پھر وہ آہستہ سے آگے بڑھی، اور فوٹا کے دونوں

پر جھک گئی۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ فوٹا کے قدموں پر رکھ دیئے تھے۔

”آہ فوٹا! زندہ ہے۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

”ہاں! گورنر کوں ہو؟“ فوٹا نے پوچھا۔

”یہ شانہ ہے فوٹا۔ قبیلے کی دوسری برائی۔“

”اور۔“ فوٹا کے دونوں ہاتھ پھیل گئے۔ ”ہو شانہ! اندر آ جاؤ۔“

اس نے پراخلاق لیجھیں کہا اور جب ہم دونوں اندر داخل ہوئے تو اس نے

دروازہ بند کر دیا۔

فوٹا نے بڑے پراخلاق انداز میں ہم دونوں کو بیٹھنے کی پیش کش کی۔

شانہ تو جیسے گورنر کوں تھی۔ میں البتہ فوٹا کے اشارے پر ایک جگہ بیٹھ گیا۔

فوٹا نے شانہ کو بھی ایک جگہ بیٹھنے کی ہدایت کی۔ وہ بیٹھ گیا مگر اس کی حیرت میں

کوئی کمی نہیں ہوئی تھی۔

لیکن اس کے انداز میں بڑی عقیدت تھی۔ فوٹا اسے دیکھنے لگا۔ پھر

آہستہ سے بولا۔

”سبوتا کی زبان میں میں نے تمہارے بارے میں بہت کچھ سنا تھا۔ حکیم ہا کو

بھی مجھے کچھ لکھا تھا۔ تم سے ملنا چاہتا تھا اور مجھے خوشی ہے کہ سبوتا

تمہیں لے آیا۔“

”مقدس فوٹا! تو زندہ ہے۔ کیا نہیں پتہ ہے کہ مجھے تمہارے

بارے میں بریں کہ کتنی خوشی ہوئی ہے؟ کیا جیت کے دوسرے لوگوں کو یہ بات

معلوم نہیں ہے کہ فوٹا زندہ ہے اور ان کے درمیان کو تو ہے؟“ شانہ نے کہا۔

”ہاں، مصلحتی بستی کے لوگوں سے یہ بات چھپائی گئی ہے اور میرا خیال

ہے یہ دنیا سب ہی کے لیے نہیں چاہتا کہ میری آمد لوگوں پر عیاں ہو۔“

”لیکن فوٹا میں سخت حیران ہوں۔ میں نے اپنے کانوں سے تیزی سے موت

کی خبر سنی تھی اور پھر میں نے یہ سنا کہ شانہ کو ان میں لیا گیا ہے۔“

”ہاں شانہ بہت ساری باتیں سننے میں آئی ہیں۔ بہت سارے راز

کھلیں گے۔ لیکن میں مجھے صرف اتنا بتاؤں گا کہ میری زندگی بچانے والا اور

تمہاری بستی کو فوٹا واپس لانے والا سبوتا ہے۔ صرف سبوتا۔“ فوٹا نے جذباتی

لیجھیں میں کہا۔

”اور۔“ شانہ کے لہجے میں تائید تھا۔ اس نے عجیب سی نظروں سے

میری طرف دیکھا اور گردن ہلاتی ہوئی بولی۔

”لیکن فوٹا! مقدس فوٹا، میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔ مجھے

اس کے بارے میں بتا۔ میں اس کے بارے میں جاننا چاہتی ہوں۔“

”کس کے بارے میں؟“ فوٹا مسکراتا ہوا بولا۔

”سبوتا کے بارے میں۔“

”کیوں جاننا چاہتی ہے تو؟“

”میں معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ آخر یہ ہے کون۔“ شانہ عجیب سے لہجے

میں بولی اور فوٹا مسکرا کر مجھے دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔

”لیکن شانہ! سبوتا نے مجھے بتایا ہے کہ تم اس کے بارے میں بہت کچھ جانتی

ہو۔ مجھے ان تمام باتوں کا علم ہے کہ تم نے سبوتا کے لیے بہت سے نقصانات

اٹھائے ہیں جس میں مکان کا مینا بھی شامل ہے۔“

”اور تو سبوتا بہت عرصے سے تجھے سے قتل رہا ہے؟“ شانہ نے کہا۔

”نہی کیا رہے شائد۔ تم یوں سمجھو کہ مجھے یہاں لانے والا، میری زندگی بچانے

والا سبوتا ہی ہے۔ ہم دونوں یہاں ساتھ ہی آئے تھے۔“

”تب تو مجھے بڑی غلطی ہوئی ہے۔ فوٹا سبوتا سے کہہ کر مجھے معاف کر دے۔

میں نے تو بار بار اس کی جان لینے کی کوشش کی ہے۔ میں نے تو نہ جانے اس کے

ساتھ کیا کیا سلوک کیا۔ میں اس بات سے بہت شرمندہ ہوں۔ میں صدقہ دل سے

شرمندہ ہوں فوٹا۔ اس سے کہو مجھے معاف کر دے۔“

”کیوں سبوتا، کیا خیال ہے تمہارا؟“

”ٹھیک ہے فوٹا۔ مجھے شانہ سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ اس نے جو

کچھ بھی کیا میں اس سے پوری طرح لطف اندوز ہوا اور بہر صورت بھڑکی سی

غلطی میری تھی اور ہم نے انوقت یعنی میں اور شانہ صلح کر کے ہیں اور اس وقت

یہ صلح، میرا مطلب ہے، تمہاری بخیر ہو گئی۔ میں اور مسکرم ہو گئی ہے۔“ میں نے ہنسنے

ہوئے کہا۔

”یقیناً۔ یقیناً۔“ وہ اب شانہ کو تفصیلات بتانا ہی چڑی گئی۔ شانہ میں نہیں

چاہتا کہ ابھی بستی کے کسی اور فرد کو میری آمد کے بارے میں معلوم ہو۔ ہم ان دونوں

لوگوں سے اپنا وطن واپس لینا چاہتے ہیں۔ اس کے لیے ہمیں نہایت خاموشی سے

کا کارنا ہو گا اور اس میں ہم بھی میری شریک ہو گئی۔“

”خود صبر دل سے تو میری زندگی کا اس سے اچھا متعلقہ کیا ہو سکتا ہے۔“

”تب کچھ میری آمد کے بارے میں مختصر طور پر سن لو کہ ان لوگوں نے مجھے

نیم مردہ حالت میں پھر سمندر کا دریا تھا۔ ظاہر ہے سمندر کی زندگی کب تک میرے

سائنس جال رکھتی۔ پھر سبوتا مجھے ملا اور سمندر میں سوتانے میری مدد کا بیڑہ اٹھایا۔

تب وہ مجھے یہاں لے آئے اور اس وقت سے میں حکیم ہا کو کا بھائی ہوں۔“

شانہ عجیب خیر نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ تب میں نے مسکراتے

ہوئے بتایا کہ جب میں تحصیل میں پہلی بار اس سے ملا تھا تو فوٹا کو حکیم ہا کو کے گھر

چھوڑ کر آیا تھا۔ اس وقت میں اور فوٹا یہاں آئے تھے۔

شانہ دلچسپی سے سامنے بٹھ گئی تھی۔ پھر اس نے سنجیدگی سے مجھے سے کہا۔

”سبوتا۔ مجھے یہ آئی ہے کہ فوٹا غلوں دل سے مجھے معاف کر دے گا۔ میں

نے تمہارے ساتھ واقف زادی کی ہے۔ لیکن تم نے مجھے بڑا احسان کیا ہے۔

کہ مجھے فوٹا کی خدمت میں لے گئے۔ اب میں اپنی زندگی فوٹا کے قاصد کی ٹیم میں

صرف کروں گی۔ میں اس کے دست راست کی حیثیت سے کام کروں گی۔ تم نے

میرے ساتھ میری ساری بستی پر احسان کیا ہے۔“

”ٹھیک ہے شانہ میں بھی تمہارے ساتھ ہوں۔“ میں نے جواب دیا۔ شانہ

اپنا کب لے خوش نظر آئی گئی۔ پھر اس نے فوٹا سے کہا۔

”فوٹا! تو مجھے اپنے قدموں میں رہنے کی اجازت دے۔ اگر تو نہ چاہے گا

تو میں اس مکان سے باہر بھی نہ نکلوں گی۔ بس میں یہی دن رات نہت کی کر۔“

گی تیرے سارے کام نکلوان کی ہر قسم فرمائیں تیری اگر سے بہت خوش ہوں۔
 "میں بھی تیری آمد سے بہت خوش ہوں شہزادہ تو یہاں رہ سکتی ہے۔" اور
 میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ یہ جھوٹے جیسے اور کیا جانیے تھا جھوٹی سی
 دلچسپی میں ہوتا ہوا جھوٹی مسکراہٹ، اور فو ما کے بارے میں، میں اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ
 شریف انسان یقیناً اس بات سے واقف ہے کہ میں شہزادہ کو لے کر آیا ہوں اور اب
 بات رہ گئی پوسٹ کی تلاش کے بارے میں، جہاں تو بہت دور ایک مہم جو تھا جس کی کوئی
 ضرورت نہ تھی۔

شام ہوئی اور ہر پلرت ہو گئی۔ شہزادے نے فو ما کے تمام کام نہایت خوش طبعی
 سے کئے تھے۔ چند لمحات کے لئے مجھے فو ما کی تہائی نصیب ہوئی۔ شہزادہ کوئی کام
 کر رہی تھی۔ تب میں نے فو ما سے کہا،

"اس رات کی آمد نہ ہے لئے کسی حیثیت سے پریشان کن تو نہیں ہے فو ما؟"

"اوہ نہیں سوتا۔ تم نے یہ کیوں سوچا؟"

"بس ایسے ہی۔ میرا خیال تھا کہ میں تم سے پسند نہ کروں لیکن وہی شخص
 ہے اور اس قسم کی باتوں کے بارے میں، میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ یہ بات
 کسی طور زبان سے نہیں نکالے گی کہ تم یہاں موجود ہو اس کا تم سے کوئی تعلق ہے۔
 وہ جسے جتنا بانی رات کی ہے۔"

"ہاں۔ مجھے یقین ہے اور میں خوش ہوں کہ تم اسے یہاں لے آئے۔
 بہر صورت میں بھی تنہائی غم کو کسے بڑی کوفت میں مبتلا نہ کرے۔ وہ میرے کچھ کا کچھ
 کر دیا کرے گی۔ ویسے بھی میرا خیال ہے کہ اس کی آمد سے تمہیں خوشی ہی ہوگی۔"

"ہاں کیوں نہیں۔ دراصل وہ خود کو کشتی کرنے جا رہی تھی۔"

"اوہ۔ کیوں آخر؟ میں معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں مجھے شکست دینے میں ناکام رہی تھی۔ اس نے اپنی شکست تسلیم کر لی
 تھی۔ وہ میرا ناپاستی تھی۔ تب میں نے اسے مجبوراً تھارے پاس میں بتایا
 اور اس طرح اس کا ذہن مجھے میں کامیاب ہو گیا وہ ذرا حق تو لگی دبانے لگا کرتی۔
 "تم نے بہت اچھا کیا سوتا۔ اس کے آنے سے کوئی عرصہ نہیں ہے۔"

یوں بھی وہ تنہا ہے اور میں پر رہے گی۔

"شک ہے۔" میں نے جواب دیا۔

رات کو میں فو ما کی اجازت سے شہزادے کے ساتھ معاملہ سمندر پر نکل
 آیا۔ اس علاقے میں عمل ویرانی تھی اور دور بہت دوری میں سمندر کی روشنائی
 نظر آ رہی تھی۔ ہم اس نئی جہت کی روشنائی کو با آسانی دیکھ سکتے تھے۔ ہم پہلی
 چٹانوں پر بیٹھ گئے۔ شہزادہ ابھی تک خاموش تھی۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا،

"مارا دل سوچ میں ڈوب رہی ہوں سوتا اور یہ سوچ سوچ کر سخت
 شرمندہ ہوتی رہی ہوں کہ اپنے اس جسم کے ساتھ اتنا بڑا سلوک کیا جس نے
 نہ صرف میرے بلکہ میری پوری قوم کے ساتھ احسان عظیم کیا ہے۔ تم نے فو ما کو ہمارے
 ہمارے جی کو ایک نئی زندگی دی ہے۔"

"اوہ شہزادہ کوئی بات نہیں ہے۔ بس مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ
 تم سے دل سے وہ غلط فہمی نکل گئی جو تھی۔" میں نے کہا۔

"ہاں سوتا۔ میں واقعی شرمندہ ہوں لیکن اگر تم کو تو چند باتیں یاد
 سے مزور کرنا چاہتی ہوں۔"

"کر۔" میں نے سنا کر دے ہوئے کہا۔

"سب سے پہلی بات تو یہ کہ میں آج تم غلوں میں نے انہیں کوئی نگاہ
 میں بتاؤ۔ ایک سو ساری باتیں ہیں میں نے انہیں کوئی نگاہ
 اور ان پر کبھی یقین نہیں کیا لیکن سوتا میں چاہتی ہوں کہ اب تم مجھے یہ ساری باتیں
 بتاؤ کہ کوئی ہوا پر جو اسرار تو میں کیا حیثیت رکھتی ہیں؟"

"شہزادہ ساری باتیں تمہارے لئے بیکار ہیں میں کوئی ایسی بات نہیں
 جسے تم دوتا سمجھو میں تم لوگوں سے قدرے مختلف ہوں۔"

"مختلف؟" شہزادہ تعجب سے بولی۔

"میں نے زمین سے درخت کوئی اکھاڑ سکتا ہے۔ آگ کے غلوں میں کوئی زندہ نہ کر سکتا
 ہے اور مجھے یہ بھی یقین ہے کہ زہر ہال میں میں نے شہزادے میں ملایا تھا وہ تم
 پیا تھا لیکن اس کے باوجود زندہ رہا۔ آخر کیوں؟"

"میں نے کہا تھا میں تم لوگوں سے عقلاً و معاشقت ہوں۔"

"کیوں مختلف ہو؟"

"میں۔ اس بارے میں میں خود بھی کچھ نہیں جانتا۔"

"بڑی انوکھی بات ہے۔ تم میرا انسان تو دے زمین پر شہزادہ کی کوئی بات
 ہو۔"

"ہاں شاید۔" میں نے اچھے ہوئے انداز میں کہا۔

"اچھا ایک بات اور بتاؤ۔"

"ہاں ہاں پوچھو۔ وہ بھی پوچھو۔"

"کیا تم سلا کا سے محبت کرتے تھے؟"

"نہیں۔ میں نہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ سلا کا کے ہاں میں تنہا
 تلاش میں پہنچا تھا۔"

"اور پرستیہ کا پاس؟" شہزادے سوال کیا۔

"وہاں بھی تنہا ہی تلاش میں گیا تھا۔"

"لیکن پرستیہ۔۔۔ تم اس سے محبت کرنے لگے تھے۔" شہزادے بے چارے
 شکایت تھی۔

"ایک بات کا پہلے تم جواب دو شہزادہ۔" میں نے کہا۔ وہ سواری لگا ہوا
 مجھے دیکھنے لگی۔ "تم نے کبھی اپنے دل میں میرے لئے محبت غم کو کی ہے؟"

"میں نے نہ کبھی۔ میں خود کو کسی طور بھی ناسمجھ نہیں سمجھتا۔ بس دوسروں سے ذرا
 محبت ہوں اس لئے نہیں سلا۔ کوئی دوسرا جہز تو تمہارے غم کا شکار
 ہو گیا کیونکہ ختم ہو چکا ہوتا میری اور تمہاری جو گفتگو ہو چکی ہے وہ صرف دو دوستوں
 کی گفتگو ہے۔ اس میں کوئی خیال غم مناسب ہوگا۔ اگر تم کسی سوال کا جواب نہ دینا
 چاہو تو میں مجبور نہیں کیا جائے گا۔"

"نہیں سوتا۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میری کیفیت عجیب سی ہے
 جسے اس وقت بھی اچھے لگے تھے۔ میں نے پہلی بار نہیں دیکھا تھا لیکن
 دل کے بارے میں میری رائے کبھی اچھی نہیں رہی۔ میں انہیں ہمیشہ سے حقیر
 سمجھتی رہی ہوں اس لئے کسی دو کی عبارت میں معاف نہیں کر سکتی تھی۔ کہ۔
 وہ مجھے لباس سے بے نیاز دیکھے۔ پھر جب میں تم سے انتقام نہ لے سکی اور
 پھر پھر دلی رپے کویر غصہ بڑھتا رہا اور میں جھپٹ کا شکار ہو گئی۔ یہ نہ
 جھپٹ کا شکار نہ تھا۔ میں تنہا ہی بڑیاں اڑا دینا چاہتی تھی۔ لیکن۔۔۔ لیکن۔۔۔

"میں۔۔۔ اور پھر سلا کا کے پاس میں نے نہیں دیکھا اور۔۔۔ اور۔۔۔ میرے
 دل میں ایک عجیب سا احساس ابھر آیا۔ یوں لگا جیسے سلا کا نے میرا کچھ نہیں لیا
 اور۔۔۔ اور اسے مارنے میں میری ذہنی جھپٹ میں شامل تھی۔ پھر میں نے
 نہیں پرستیہ کے ساتھ دیکھا اور اس وقت بھی میرے دل میں یہی احساس
 ملا۔ کہ۔۔۔ صرف میرے لئے ہو کوئی دوسرا نہیں ہلاک بھی نہیں کر سکتا اگر تم
 اسے محبت کا نام دے سکتے ہو سوتا تو دے اور اس کے علاوہ اور کوئی حیثیت
 میرے ذہن میں کبھی نہیں آیا۔"

"ہاں۔ بہر حال اپنی اس کیفیت کو کوئی نام نہ دے سکتی ہو۔ بانی با تہارا
 سوال تو شہزادہ، پہلے اس کے بعد میں نے صرف تمہیں دیکھی تھی تم مجھے بہت اچھی
 لگتے لیکن تو میں بارہا تنہا ہے اعتبار اور نفرت کو محسوس کرنے کے بعد
 میں نے اپنے ذہن سے تنہا سے حصول کا خیال نکال دیا۔ اس کے بعد تنہا ہے کہ
 مجھے اپنی ذہنی جبلتوں کو دے کرنے کے لئے کسی سہارے کی ضرورت تھی انکو دونوں
 دیکھیں صرف سہارا تھیں۔"

"گو تمہیں ان سے محبت نہیں تھی۔"

"نہیں۔"

"پرستیہ سے بھی۔"

"ہاں اس سے بھی نہیں ہے۔"

"لیکن اس کے لئے تم نے میرے ساتھ ناخوشگوار سلوک کیا تھا؟"

"اس کی وجہ تمہیں معلوم ہے شہزادہ۔ تم میری وجہ سے پرستیہ کا غم کا شکار
 بنا چاہتی تھیں۔ اس کا کوئی قصور نہیں تھا۔"

"تب تم اس کے پاس بھی نہیں سلا گے؟"

"میں کیوں نہ کر سکتا ہوں شہزادہ۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"کیوں؟"

"کیونکہ اس کا غم ابدی بن سکتی ہو؟" میں نے سوال کر دیا اور شہزادہ کی
 آنکھیں جھپک گئیں۔

"تم مجھے میری حیثیت نہ دے گے بلکہ پرستیہ کا غم ابدی بن کر رہا ہو گا۔"

اس نے آہستہ سے کہا۔

"یہ غم تو اس وقت ہو گا جب تمہارے دل جانے کی امید پیدا ہو جائے۔"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا، اور شہزادہ اپنے پتھر سے اٹھ گئی۔ آہستہ آہستہ
 میرے قریب آئی اور نیچے زمین پر بیٹھ کر اپنا سر میرے گھٹنوں پر رکھ دیا۔

"سوتا۔ میری تیری غلام ہوں۔ میں تیری محبت ہوں سوتا۔ میرا دل صرف
 وحشت کا شکار تھا وہ تیری محبت کو میں پہلے سے تسلیم کر چکی تھی۔ ہاں اس وقت
 کرتی ہوں کہ تو دنیا کا انوکھا مرد ہے اور میں نے اپنی وحشت کے اثر سے نکل کر
 جب بھی تیرے بارے میں سوچا میرے دل کی دھڑکنوں نے میرا نام لیا اور
 تو مجھے ایک ایسا شخص نظر آیا جسے دل سے چاہا جاسکتا ہے۔ جسے پاریا جاسکتا
 ہے۔ ہاں میں تجھے چاہتی ہوں سوتا۔ ہاں میں تجھے دل و جان سے چاہتی ہوں۔
 وہ میرے گھٹنوں سے اپنی آنکھیں گرا رہی تھی اور میں اس طوفان کی شدت کا
 اندازہ کر رہا تھا جو اس کے دل میں ابھڑ رہا تھا۔ بوجی اندازہ کر رہا تھا۔

میں نے اس کے بازو پکڑے اور اسے اٹھا کر سینے سے لگایا

شہزادے انداز میں خود پر دلی تھی اور پھر میں نے

اُسے اپنے ساتھ ہی پتھر پر بٹھایا۔ شہزادہ بالکل موم ہو گئی تھی۔ ساری بات تم نے

ساحل پر گزار دی اور پھر روشنی کی آگ کا احساس کر کے ہر اٹھ گئے۔ میں نے اپنی
 قیام گاہ پر آرام کرنے کا کیا اور شہزادہ اس جگہ کی طرف جہاں فو ما نے اس کے آرام
 کا بندوبست کیا تھا۔

دن میں غم ویر سے میں جاگا اور جاگنے کے بعد نورنگ کی تلاش میں اپنی
 جگہ سے نکل آیا لیکن شہزادے ملاقات ہو گئی۔

"جیکو! آ کر اپنے۔" شہزادہ نے بتایا۔

"اوہ۔ کہاں ہے؟"

"فو ما کے پاس۔ دوڑو! گفتگو کر رہے ہیں۔"

"اور تم کیا کر رہی ہو؟" میں نے پوچھا۔ اسے دیکھا۔

"میں نے نہ تو سرور یا پتھر کر رہی ہوں۔ مجھے اس کی خدمت کر کے
 بے انتہا محبت ہو رہی ہے۔ میں نے تو کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ میں مقدس فو ما کے
 کسی کام میں مل سکتی ہوں۔ آج میں نہیں معلوم سوتا۔ ہمارے بیٹوں کے لوگ فو ما کے لئے ہزار
 بار دے کر تیار ہیں۔ فو ما کی موت سے بے شمار لوگ ذہنی طور پر مر چکے تھے۔ انہیں جب
 پتہ چلے گا کہ فو ما نہ تو ہے۔۔۔ تو وہ نہیں جانتے سوتا کہ ان کی کیا حالت ہوگی۔"

میں چند ساعت خاموش رہا، پھر بولا۔ "فو ما نے ناشتہ کر لیا؟"

"ہاں۔ وہ تمہارے جاگنے کا منتظر تھا لیکن میں نے اسے مجبور کر کے
 ہاشمہ کرا دیا۔"

"تم نے کیا کیا؟"

"ابھی نہیں میں تمہارے ساتھ ناشتہ کر دوں گی۔" شہزادہ نے جواب دیا۔
 عورت کی پوری خدمت، لیکن نہایت کمزور میرے ذہن میں ایک خیال ابھارتا تھا۔ شہزادہ اس
 انداز میں زیادہ جلدی نہیں لگتی تھی۔ یہ جھگڑا تو وحشت خیزی میں ہی حسین لگتی تھی میری
 آنکھیں جھپک گئیں۔

خواہش تھی کہ وہ میری وفادار ہونے کے بعد بھی اتنی نرم نہ ہو کہ ۔۔۔ لیکن ابھی کی۔
ابھی تو آگے دیکھنا تھا کہ اس کی کیا کیفیت رہتی ہے۔

بہر حال میں نے اس کے ساتھ ناشتہ کیا۔ ناشتہ کے دوران شمانہ نے
خود کو ایک مکمل حورت بنا کر پیش کیا۔ وہ درحقیقت بدل گئی تھی۔ بہر حال میری وہ
خواہش پوری ہوئی تھی جس کے لئے میں ایک طویل عرصے سے سرگرداں تھا۔
بالآخر میں نے اس جوشی ہرنی کو رام کر لیا تھا۔ اب وہ پڑے پڑے طور سے میرے سین
میں ملتی اور اس کی یہ صورت بھڑکی سی مختلف منظر پیش کر رہی تھی لیکن مجھے پائیدار نہیں ملتی تھی۔
ناشتہ کے بعد میں نے شمانہ سے پوچھا۔

"اب تم کارو کی شمانہ؟"

"سبوتا۔" شمانہ نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "میں اس عقود سی سی
مختلف فطرت کی ہوں۔ میں نے زندگی میں کبھی خود کسی کا انتہا محسوس نہیں
کیا لیکن اب جب میں نے وہ بات محسوس کر لی ہے کہ شمانہ، شمانہ نہیں رہی، بلکہ وہ
کسی کی غلام ہے کسی کی غلام ہے، کسی کی غلام ہے تو اس کے بعد شمانہ کی اپنی
مرئی کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔"

میں مسکراتے ہوئے شمانہ کو بغور دیکھ رہا تھا، جو بالکل بدل گئی تھی۔
اس کی آنکھوں میں غم کے ساتھ ساتھ ہمتی ڈھال دیئے تھے۔ وہ کہہ رہی تھی۔
"سبوتا، تم میری زندگی کے ہر لمحے کا تعین کیا کرو میرے ہر لمحے کا سب
رکھا کرو مجھے اس میں خوشی ہوگی۔"

"اوہ شمانہ! جیسے وقت ممکن ہو تمہارے بارے میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ تم
میری دشمنی سے بہرہ ور اور دل سے میری مخالفت تو میں تمہارے لئے بہت
سی باتیں سوچتا تھا۔ میری ہر کوشش یہی تھی کہ کسی طرح تمہیں اس راستے پر لا سکوں
جو میری طرف آتا ہے۔ اب جب کہ تم میرے نزدیک آ گئی ہو تو تمہاری حیثیت نہ تو
کسی غلام کی سی ہے نہ کسی محکوم کی۔ تم میری دوست ہو، میری ساتھی ہو چکا ہے
یہ تصور ذہن سے نکال دو کہ تم میری غلام ہو یا میں تمہارا محکوم ہوں۔ نہیں شمانہ۔
تم بہت درست ہو۔ ایسے ساتھی۔ میں تمہارے اور یہ سب نہیں ہوں۔ بہر
دوست کی حیثیت سے زندگی گزاریں گے۔ ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے۔ ہر وقت
سے ایک دوسرے کا خیال رکھیں گے جس کی جگہ تم نے کبھی دی ہے تم جانتی
ہو شمانہ! میں اس بات سے بہت خوش ہوں، تمہیں اپنی مرضی سے زندگی گزارنے
کی مکمل آزادی ہے۔ تم جس طرح چاہو زندگی گزار سکتی ہو میں ہر قسم پر
تمہارا ساتھ دوں گا۔"

باقی رہا یہ مسئلہ جس کی جانب میں نے نہیں متوجہ کیا تھا اور میں محسوس کرتا
ہوں کہ تم بھی اس سے خوش ہو۔ یعنی فو کی اعانت۔ تو میری رائے ہے
شمانہ! اگر اپنی ساری کوششیں فو کی بہتری پر مرکوز کرو اور اپنی سبھی کو دھڑوں کے
تسلط سے آزاد کرانے کے لئے ہر ممکن جدوجہد کرو جو خاصا دلچسپ اور بہتری بہتی
پر قائل ہیں۔

میں کسی انسان کا کسی زمین پر بیٹھ جانا برا محسوس نہیں کرتا کیونکہ زمین
لا محدود ہے زمین کسی کی جاگیر نہیں ہے۔ میں نے زمین کے بہت سے ٹوپ
دیکھے ہیں۔ لوگ یہاں آتے ہیں، اس پر اپنا قبضہ جاتے ہیں اور بعد میں یہ زمین

"لو شمانہ! کیا تم اب بھی مجھ سے دور ہو گی؟"

اوشمانہ نے گردن تھکاتے تھکاتے نفی میں جواب دیا تب میں نے آگے
بڑھ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھا اور آہستہ آہستہ اسے کھینچ کر سینے سے لگا لیا۔
"میں خود بھی یہی چاہتا ہوں شمانہ! اب تم دوست کے یہ لمحات بھلا
دو جو تم کو اس کی بواب ہم دونوں بخت کی بختی دے دیتی ہیں چاندنی میں سکون کی
سانسیں لیں گے، فو کے لئے کام جاری رہے گا لیکن تم میری ساتھی ہو گی اور
جس وقت ہم فو کو اس کی حکومت واپس دلا دیں گے۔ تو پھر فیصلہ کریں گے کہ زمین
اس سب سے بڑی کام کرنا ہے یا پھر یہاں سے کہیں دور جانا ہے۔"

شمانہ کی آنکھوں میں خوشی کے آنکھ لڑنے لگے تھے اس کے ہنٹوں
پر کبھی سی مسکوتہ پھیل گئی پھر اس نے ہمت سے کہا۔
"سبوتا تم زندگی کے ہر لمحے مجھے اپنے ساتھ پاؤ گے میں اس پر جگہ
پسند کروں گی جہاں تمہارا مس مجھے حاصل ہوگا۔"

میں نے شمانہ کے دونوں شانے تھپتھپائے اور بولا "ٹھیک ہے شمانہ۔
تم ہر قدم مجھے پاس رکھیں پاؤ گی۔ ابھی ایک بات اور بتاؤ؟ میں نے اسے پیار
سے دیکھتے ہو چھا۔

"ہاں ہر چھو؟"

"تم فو کی خدمت کرنا چاہتی ہو؟"

"ہاں اس نے گردن ہلا دی۔"

"لیکن اس بات کو بھی طرح طرح میں شنیدیں گے کہ فو کی یہاں آگے لانا اہم
ہے کہ اگر کسی کو معلوم ہو گیا تو سارا کھیل بگڑ جائے گا۔"

"میں جانتی ہوں۔ اور اگر تمہارا اشارہ میری جانب ہے تو تم مجھ کو
میں کسی کو اس بات کا شائبہ بھی نہ ہونے دوں گی۔ دنیا کے کسی فرد کو بھی نہیں۔"

"ہاں شمانہ! میری مرضی ہے۔"

"میں تمہارا رفیق نہیں توڑوں گی سبوتا۔"

"تمہارا کارا، اوہ ہے شمانہ! یہ تم فو کے ساتھ دہیں ہو گی؟"

"جیسا تم سوچو۔" دیکھ کر میں نے سوچا کہ میں فو کی اکیسویں ضرورت ہے
میں اس کی خدمت کرنا چاہتی ہوں۔ غلط ہے وہ یہاں رہ کر بہت سی چیزوں کو
محتاج ہے۔ میں مکمل طور سے اس کی خدمت کروں گی، اس کی ہر ضرورت پوری کر
گی۔ یہ میری خواہش ہے اور یہ میری مرضی ہے۔"

"ٹھیک ہے شمانہ! لیکن تمہارے دوست بھی ہیں کیا انہیں تمہاری
تلاش نہ ہوگی، اگر تم یہاں رہو گی تو کیا انہیں تعجب نہ ہوگا۔ یا کوئی یہاں تم سے ملے
نہ آئے گا۔"

"میں اس مسئلہ میں لاواری ہوں گی؟ شمانہ نے جواب دیا۔

"کیا تمہارا پسند کرنا؟"

"میں نظارہ پر آئے گا میں رہوں گی، دوسری دلچسپیوں میں بھی حصہ
لے گی، لیکن زیادہ وقت فو کے ساتھ ہی گزارے گا۔"

"بالکل ٹھیک ہے شمانہ! اور یہی مناسب بھی ہے۔ ابھی اگر تمہارا
دوڑ میں فو سے مل آؤں؟"

"ہاں۔ تم فو کے پاس ہو آؤ میں فو کے لئے کھانے پینے کا بندوبست
کرتی ہوں! شمانہ نے جواب دیا۔ اور میں
فو کے طرف تپل چلا۔
فو نے سب معمول میں بسر کرتے ہوئے استقبال کیا اور پھر ایک طویل
سانس لے کر بولا۔

"اوہ سبوتا! میں تمہارا انتظار ہی کر رہا تھا۔"

"اوہو۔ فو کو ان کی خاص بات ہے؟"

"ہاں سبوتا! زندگی کے یہ لمحات بڑے خاص گزر رہے ہیں بہر صورت اس
وقت خصوصی طور پر تمہاری خدمت محسوس ہوئی کہ ایک بالکل ہی ذاتی مسئلہ ہے۔"

"ہاں فو! کو کیا بات ہے؟"

"کوئی بہت عجیب بات تو انہیں بات نہیں ہے، میں میں تمہیں اطلاع دینا چاہتا
تھا کہ فو اس آگیا ہے۔"

"اوہ۔ وہ جس کا نہیں انتظار تھا؟"

"ہاں میری بہن شکیلا ایک سبوتا۔"

"حکیم ہاگو نے اطلاع دی تھی؟ میں نے پوچھا۔

"ہاں۔ ہاگو نے اس کا استقبال کیا تھا۔"

"خوب۔ پھر اب فو میں تمہاری ہدایت کا منتظر ہوں؟"

"میری ہدایت۔ فو کے ہنٹوں میں مسکوتہ پھیل گئی۔

"میرا مطلب ہے فو! جس وقت تم کو میں یہاں سے تمہارے کام
کے لئے چلا جاؤں، میں نہ سکتا ہوں کہ۔"

"سبوتا! اس سلسلے میں میں نے ان باتوں کا تعین کیا گیا ہے ان پڑہیات کا کیا
سے عمل ہو رہا ہے لیکن اس کے باوجود مجھے تمہاری ضرورت محسوس ہوتی ہے۔
بے شک وہ کام جس کے لئے میں نے تم سے کہا ہے، بالخصوص ذاتی نوعیت کا
ہے، اور اس وقت گلاس کی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن تم شاید اس بات کو بہتر سمجھتے
ہو کہ وہ جلد کے لئے انسان کو کچھ ذہنی ضرورت کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔
میں جس قدر کہ شکار میں اسے ڈھونڈ رہا ہوں۔ یہی تھی۔ اور اس میں اگر
ذہنی مدد کر کے تو میں نہ۔ دل سے تمہارا شکریہ ادا کروں گا۔ فو نے کہا۔

"میں تم سے پہلے ہی وعدہ کر چکا ہوں فو! میرا خیال ہے اس سلسلے میں
تمہیں کسی تکلف کی ضرورت نہیں ہے۔ بہتر یہی ہے کہ حکیم ہاگو سے کہہ دو
زیادہ اس سے بات کر کے اور زیادہ اس میں جس طرح چاہا ہے لوگوں کو میرے بارے
میں ہدایت کر دے، سارا کام حکیم ہاگو کو کرنا ہے۔ کیونکہ میری توانائی حیثیت نہیں
ہے کہ میں زیادہ اس سے کوئی بات کر سکوں، حکیم ہاگو مکمل تفصیلات سے آگاہ کر دینا۔
میرا مقصد ہے اس حد تک جس حد تک مناسب سمجھو اس کے بعد میں چلا
جائی گا اور یہی کروں گا جو تم کو گے۔ میں نے فو سے کہا۔

"میں حکیم ہاگو سے سب کچھ کر چکا ہوں اور وہ آج ہی زیادہ اس سے بات
کرے گا، لیکن مجھے اس وقت ہی بڑا ہمتا کرنا ہے۔"

"ہاں میں تو اس وقت سے تیار تھا جس وقت تم نے مجھ سے
کہا تھا باقی معاملات تو صرف تمہارے اوپر تھے۔ جو اذیتاں تمہیں کرنے
تھے میں صرف ان کا دفعہ۔"

"اگر تم پر تو محسوس کرو کہ ایک بات
239

"میں نہیں سمجھا" وہ چونک کر بولا۔
 "تمہارا کردار تمہاری سوج انداز میں ہے تمہارے پاس کوئی نیت
 نہ ہے۔ میں نے یہ سب کچھ دیکھا ہے۔ تمہاری کہانی میں بے شمار اعلیٰ ہے جو
 تمہارے کردار کو بہت کرتے ہیں، انھیں تمہاری نیت تو نہیں کہہ سکتے ہیں
 دینا کے تمام انسانوں کو نہیں کہہ سکتے ہیں کہ تمہارے ہی اور فنا
 جو جانتے ہیں، اس جھوٹی سی زندگی کے اندر بھی ہمارے اقدار ہوتے ہیں۔
 اسی معیار کی گرد میں ہم سانس لیتے ہیں اور تمہارے ہی اور فنا ہوتے ہیں کہ
 ہمارے کردار نگار نہیں رہے۔ فرزانہ نے کہا۔ وہ سنا کر لگا ہوں سے اُسے دیکھ
 رہا تھا۔ پروفیسر کی آنکھوں میں بھی آنسو تھا۔
 "بات تمہاری درست ہے لیکن یقین کرو میں بھی ازل سے ایک کے
 تمام انسانوں کی بات نہیں کرتا۔ میں ایک انفرادی سوج کا ذکر نہیں کرتا۔ اسی لئے
 میں نے اپنی کہانی میں کوئی دھبہ نہیں رہنے دیا۔ میں نے اپنے کردار کا اچھا کیا
 اور برائیوں سب بیان کی ہیں میں نے اپنے روبرو کی بات کی ہے اور یہ دنیا
 کے ایک انسان کا رویہ ہے، سارے انسانوں کا نہیں۔ کیا میری اس بات
 سے مطمئن ہو سکتی ہو؟"
 "ہاں، ازل سے ایک سوج کا ردِ قلم ہے میں۔ اس زمین پر ٹوٹی
 بھی پیدا ہوئے ہیں اور زمین بھی نیکیاں پھیلاتے والے ہیں۔ میں نے اس پر
 کے علم دار بھی۔ انسان کی سوج مختلف رہی ہے۔"
 "مجھے اس زمین نسل سے لگتی ہوئی ہے پروفیسر۔ تو میں تمہاری
 بات تسلیم کرنے کے بعد بات آگے بڑھاؤں گا اس سے مسکرتے ہوئے پوچھا۔
 "کیونکہ بھی فرزانہ مطمئن ہو؟"
 "ہاں، اور اس کا سخی پر خدمت خواہ ہوں لیکن اپنی بات پر قائم بھی ہوں"
 "تمہاری رائے۔ تو میں کہہ رہا ہوں پروفیسر کہ شائد کے ساتھ وہ رات بھی پہلی رات
 کی طرح خوبصورت رہی اور بعد کی راتیں بھی جس دن ہاگوئے مجھے تیار کیا ہیں
 مکمل ہیں اور دوسرے دن راتوں کی بات ہے تو اس رات میں نے شائد سے گفتگو کی۔
 "شائد مکمل میں بیان سے جبار ہوں۔" اور شائد کہ جیسے اپنی سماعت پر
 یقین نہیں آیا۔ وہ شائد کہہ گئی تھی۔ کافی دیر تک تو اس کے منہ سے بات ہی
 نہیں نکل سکی اور پھر اس نے سہمی ہوئی آواز میں پوچھا۔
 "کہاں؟"
 "سکائی سے دور۔ ایک ایک جہتی میں۔"
 "کیوں؟"
 "میرے ساتھ چلو گی شائد؟"
 "ہاں چلوں گی، چلوں گی۔" وہ خوفزدہ لہجے میں بولی۔ اس کے انداز میں
 بچوں کی سی حسودیت تھی۔
 "تو فوگہو رو دگی؟" میں نے پھر سوال کیا اور وہ پھر بھڑکی دیر تک
 خاموش رہی۔ پھر بولی۔
 "مجھ رو دگی۔" اور یہ اس کی بے پناہ محبت کا اظہار تھا۔ ثبوت

مقام اس کی بہت کام کو اس کی زندگی کا سب سے اہم سٹون بن گیا تھا۔
 میں نے اس کے گھر کے کمرے کے آئینے میں یہاں۔
 "ہم شائد پہلے رہے ہیں شائد، فوگہو کے ایک کام سے۔ اس کا کام کر کے
 سکون دے دیں گا میں گے۔" میں نے اسے تیار اور وہ پھوٹ پھوٹ کر منہ لگا
 میں اس کے منہ سے پڑی تھی۔ جو کہ تھا میں نے اسے چمکاتے ہوئے کہا
 "ارے ارے اس میں رونے کی کیا بات ہے؟"
 "تم نے۔ تم نے مجھے روایا تھا سوتا۔ آہ تم نے میرے سینے
 پر ہتھ کی چٹان دے ماری تھی میری آنکھوں میں تو تاریکی تھی۔ سخی سوتا۔ وہ
 کو کھو کر میں نے تمہیں پایا ہے اور اب میں میں نہیں تم ہو۔ اور اگر تم چاہتے
 کی بات کرو گے سوتا آؤ اب تو مجھے خوشی کرنے سے بھی وحشت ہو گی۔"
 اور میں نے منہ کر کے اسے لگا دیا۔ "بھلا تمہیں چھو کر
 میں کہاں جا سکتا ہوں شائد۔" میں نے اسے پیچھے ہونے کہا۔
 کافی دیر تک وہ میرے سینے سے لگی کھڑی رہی اور اس کے بعد
 اس نے اس سلسلے میں مزید معلومات حاصل کیں۔ جوں بکال ہو چکے تھے۔
 میرے الفاظ کا یہ دھماکا اس کے کانوں کے قریب ہوا تھا لیکن اس کی
 بازگشت شائد اب اس کے کانوں سے ختم ہو چکی تھی۔
 "شائد کیا کیوں چاہے ہو؟ اس نے پوچھا۔
 "فوگہو کے ایک کام سے۔ فوگہو نے اپنا تادمہ بنا کر بھیج دیا ہے۔
 "اوہ تم نے فوگہو سے بات کر لی ہے کہ مجھے بھی ساتھ لے جاؤ گے؟"
 "ہاں شائد تمہیں لے جانے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ میں
 نے جواب دیا اور شائد کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ چھا گئی۔
 "یالا خود دوسرے دن مجھے زیوراس سے ملایا گیا تھا۔ خبر ہے۔
 ملائے والا حکیم ہاگوئے سوا اور کون ہو سکتا تھا۔
 زیوراس نے تمہارا رنگا رنگ ہوں سے میری شکل دیکھی اور پھر بولا۔ حکیم
 ہاگوئے تمہارا اہم تھا تو عجیب سی شخصیت کا مالک ہے۔"
 "ہاں زیوراس تمہارا خیال درست ہے۔"
 "لیکن کیوں۔ ایسا کیوں ہے؟ اس نے اچھے سے پوچھا۔
 "زیوراس! وہ جس قدر عجیب و غریب ہو شائد ہے، تم خود بھی اس کا اندازہ
 لگا سکتے ہو۔ حکیم ہاگوئے جواب دیا۔
 "کیا مجھے سوتا سے تھوڑی دیر قتل کی اجازت مل جائے گی؟ پروفیسر
 نے پوچھا۔ اور حکیم ہاگوئے میری طرف دیکھا۔ گویا وہ مجھے سمجھانا
 چاہتا ہو کہ زیوراس کا مقدمہ جو کچھ ہے وہ پورا نہیں ہونا چاہیے۔ میرے
 ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔
 حکیم ہاگوئے ہمیں تنہا چھوڑ دیا۔ زیوراس نے بڑے پرستار
 انداز میں مجھے میری نشست پر بٹھایا اور میرے قریب پہنچ کر بولا۔
 "سوتا۔ اگے سوتا! اس! ان لبتیوں کے بہنے والے فوگہو
 کے پرستار اور اس کے حال سنائیں۔ ہماری خوشیاں اچانک چھین گئی تھیں۔

لوگ اُداس اور مظلوم تھے۔ ہماری بستیوں کا مستقبل خطرے میں تھا کہ
 انے ہمیں یہ عجیب مژدہ سنایا۔
 میرے دوست امیر نے بھائی! اگر تو نے ہمارے اوپر یہ احسان
 کیا ہے تو اتنا احسان اور کر کہ ہمیں فوگہو کا پتہ دے۔ اس کی آنکھوں
 میں اتنا تھی۔ اور وہ عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں
 اس کے شانے پر ہاتھ رکھا اور بولا۔
 "فوگہو کے وفادار زیوراس۔ مجھے فوگہو کی خوش بختی پر رشک آتا
 ہے کہ اسے تجھ جیسے دوست حاصل ہیں۔ اور میں یقین رکھتا ہوں کہ اس
 نے اگر تم جیسے دوستوں سے تعاون رکھا تو اس کی ذات کو کہیں شکست
 اس ہو گی۔
 سنی زیوراس! میرا فوگہو کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں تو بالکل ایک
 بھئی دنیا کا انسان ہوں۔ ایک ایسا آوارہ گرد جس کی زندگی کو خود قرار نہیں
 ہوتا ہے۔ میرے اندر تحریک رہی ہے لیکن فوگہو کے لئے میں نے یہ تحریک
 رک دی ہے۔ میں نے اسے سمندر میں پایا اور انسانی ہمدردی کے تحت
 اس کی جان بچائی اور جب اس نے اپنے باپے میں تیار تو میں نے اسی
 انسانی ہمدردی کے تحت اس سے وعدہ کیا کہ اس کے ساتھ ہر وہ ممکن تعاون
 رول گا جس کی اسے ضرورت ہے۔
 سو میں نے ہی کیا۔ لیکن تیرا فوگہو جس دور سے گزر رہا ہے اس
 میں وہ مصلحتوں سے کام لینا چاہتا ہے۔ اس کی خواہش ہے کہ وہ بھی دروازہ
 انسانوں سے پوشیدہ ہے۔ ان لوگوں کو ابھی اس کے باپے میں کچھ معلوم
 نہ ہو۔ چنانچہ اس کی درخواست پر میں نے اسے ایک ایسی جگہ پوشیدہ
 کر دیا ہے جہاں وہ مکمل طور سے محفوظ ہے۔ میں نے کہا۔
 "تو کیا تم مجھے اس جگہ سے روشناس نہیں کرواؤ گے؟ عظیم سوتا؟"
 زیوراس نے پوچھا۔
 "نہیں زیوراس! یہ خود فوگہو کی خواہش ہے کہ کسی کو اس کی رہائش
 کا علم نہ ہو۔ سو میں اس کی خواہش کی تعمیل کر رہا ہوں کیونکہ میں نے اس سے
 وعدہ کیا ہے۔ مجھے یقین ہے زیوراس! کہ تم مجھے اپنے فوگہو سے کئے ہوئے
 وعدہ پر قائم رہتے دو گے اور مجھ سے ایسا کوئی سوال نہ کرو گے جو فوگہو کی
 مرضی کے خلاف ہو۔ میں نے کہا اور زیوراس نے سر جھٹک دیا۔
 بات اتنی محسوس تھی کہ زیوراس کو خاموش ہونا ہی پڑا۔ وہ عجیب
 سی نگاہوں سے مجھے دیکھتا رہا۔ پھر ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔
 "ٹھیک ہے سوتا۔ اگر فوگہو کا حکم ہے تو ظاہر ہے میں تجھے
 اس کی حکم عدولی پر مجبور نہیں کروں گا۔ لیکن وہ بالکل ٹھیک ہے نا؟
 "ہاں۔ بالکل ٹھیک ہے۔ میں نے جواب دیا۔ بالا زیوراس
 سے جان بچو اگر میں حکیم ہاگوئے کا پاس آ گیا۔
 جہاز کے سفر کی تیاریاں مکمل ہو گئی تھیں۔ خود زیوراس مجھے
 حکیم ہاگوئے کے ساتھ جہاز پر اُلودا رکھنے آیا اور اس نے اپنے نائب خاص

اور جہاز کے کپتان کو میرے باپے میں خصوصی ہدایات دیں۔ اس نے
 بتایا تھا کہ میں ایک اہم شخصیت ہوں اور مجھے نہایت احترام کے ساتھ
 شکایا جائے گا۔ وہاں میرے قیام کا بندوبست کیا جائے اور جب
 تک میں وہاں رہنا چاہوں وہاں۔ اور اگر میں زیوراس کے نائب یا کپتان
 کو کوئی ہدایت کر دوں تو اس پر اسی طرح عمل کیا جائے جس طرح زیوراس کی
 ہدایت پر۔ اور مجھے واپس لانے کا بندوبست بھی کر لیا جائے۔
 بہر حال شائد بھی جہاز پر پہنچ گئی۔ اور مجھے جہاز کے بادبان کھول
 دینے کے۔ شائد نے شاید اپنی زندگی میں پہلی بار اپنی بستی سے کہیں
 باہر جانے کا تجربہ کیا تھا۔ وہ بیدار خوش تھی۔ اس کے چہرے سے اس
 بات کا اظہار ہوتا تھا کہ وہ اس سفر سے بیدار محفوظ ہو رہی ہے۔
 جہاز کے ایک خنوم حصے میں ہمارے لئے بندوبست کیا گیا تھا
 اور شائد میری حیثیت زیوراس سے کسی طرح کم تسلیم نہیں کی گئی تھی جہاز
 کے اگلے کے لوگ میری خدمت میں مصروف رہتے تھے۔ ہر قسم کی آسائشوں
 کا بندوبست کر دیا گیا تھا۔
 بیشک یعنی جہاز کے کپتان سے معلوم ہوا کہ جس جگہ میں تمام پیر
 ہوں، وہ زیوراس کی ہے اور خود زیوراس نے اسے یہ ہدایت کی تھی کہ
 مجھے اسی جگہ قیام کر لیا جائے۔
 سمندر کی پہلی رات میرے لئے اچھی نہیں تھی لیکن شائد کو آسمان پر
 چمکتا ہوا چاند اور تاحہ نظر پھیلے ہوئے سمندر کو دیکھ کر کچھ عجیب سا احساس
 ہو رہا تھا اور یہ احساس اس کے چہرے سے صاف نمایاں تھا۔
 اس وقت بھی وہ عرش پر میرے نزدیک کھڑی ہوئی تاحہ رنگا
 پھیلے ہوئے سمندر کو دیکھ رہی تھی۔ جس پر چاند کی گونجیں مل رہی تھیں۔
 اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے خاموش خاموش ناخوں میں
 کھوئی ہوئی تھی۔ شاید وہ میری موجودگی کے احساس کو بھی ختم
 کر چکی تھی۔
 کافی دیر اسی طرح گزر گئی۔ میں نے بھی اسے اس طلسم سے
 لگانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ تب وہ خود ہی چوٹی اُس نے میری طرف
 دیکھا اور پھر ایک ٹھنڈی سانس لے کر مسکرا پڑی۔ پھر میرے قریب آئی
 اور میرے سینے پر سر رکھ دیا۔
 "سوتا۔ میں آج تک زندگی کے ان راستوں پر روٹتی رہی
 جہاں ٹھیک پھر اور یوں میں تجھے جانے والے کانٹے تھے۔ میں نے
 مشقت کی اس زندگی کو ہی زندگی سمجھ لیا تھا۔ میرے دہم و گمان میں
 بھی یہ بات نہ تھی کہ زندگی کا کوئی پہلو اتنا خوبصورت بھی ہو سکتا ہے اور
 سوتا! یہ کہنے میں مجھے کوئی عار نہیں ہے کہ دنیا تو بہر صورت طول ہے۔
 اس میں نہ جانے کیا کیا ہو گا لیکن ساری کائنات میں اگر ایک ساتھی مل
 جائے۔ وہ ساتھی جو دل کی گہرائیوں میں اُتر آہو۔ تو کچھ کائنات
 کے رنگ کھلنے لگتے ہیں۔ تب احساس ہوتا ہے کہ زندگی کا اہم

کیا ہے۔ حسن کن چیزوں میں ہوتا ہے۔ سبوتا! عزیز سبوتا! مجھے جو عجیب لگ رہا ہے۔ دیکھو نا آسمان پر چاند چمک رہا ہے اور زمین پر بھی ویسا ہی چاند ہے۔ لیکن زمین کہاں ہے۔ چاروں طرف چلتی ہوئی لہریں، کسی اونچی، کسی پراسرار لگ رہی ہیں۔ سبوتا! کیا تمہیں بھی میری وجود کی سے خوشی ہے؟

”کیوں نہیں شمان۔ بہر صورت تم میری طلب نہیں تم میرا پیار ہو۔“
”آہ سبوتا! اب مجھے انوس ہورہا ہے کہ میں نے زندگی کا اتنا طویل وقفہ تمہارے لئے بیکار گزارا۔ زندگی کے اس دور تک کیوں آئی۔ اُس وقت تمہیں تلاش کیوں نہ کیا جب میں نے ہوس کی منزل میں قدم رکھا تھا۔ میں وقت کے ضائع ہو جانے والے دنوں کا کیا کروں۔ مجھے بتاؤ سبوتا یہ دن کیسے واپس آسکتے ہیں؟“

”شمان! اہل انداز میں کیوں سوچتی ہو یہ محبت کے جولہات میسر ہو جائیں وہی قیمتی سمجھتے چاہئیں۔ منزل تلاش ہی سے ملتی ہے۔ اس کے لئے وقت کو ضائع کرنا ہی ہوتا ہے۔ اب تم اپنی منزل تک پہنچ چکی ہو۔ تو لوں سبوتا کہ وہ وقت جو تم نے طے کیا وہ سحر تھا اور ہر سفر کے بعد ایک منزل ملتی ہے۔“

”تم ٹھیک کہتے ہو سبوتا۔ تم میری منزل ہی تو ہو۔“ وہ یلے فیکر مجھ سے لپٹ گئی۔ ”تمہارے سوا اب اس کائنات میں کیا رہ گیا ہے۔ لیکن سبوتا۔۔۔۔۔۔“ وہ ٹک گئی۔

”کیا کہنا چاہتی ہو شمان! کہو۔۔۔۔۔۔“

”تم ساری زندگی میرے ساتھ رہو گے نہ تم مجھ کی۔۔۔۔۔۔“

”یہ خیال تمہارے ذہن میں کیوں آیا شمان۔۔۔۔۔۔“

”بس تو نہیں۔ اب جب میں نے اپنے دل کو ٹوٹا ہے تو۔۔۔۔۔۔“

محسوس ہوتا ہے سبوتا جیسے ساری کائنات تم میں سمٹ گئی ہے تم میری نگاہوں سے اوجھل ہوئے تو۔۔۔۔۔۔“

تو ساری کائنات میری نگاہوں سے اوجھل ہو جائے گی۔ میں۔ میں تمہارے ساتھ جینا چاہتی ہوں سبوتا!

میں تمہارے ساتھ ہی جینا چاہتی ہوں۔ وہ بے اختیار ہو کر مجھ سے لپٹ گئی اور چاند آہستہ آہستہ آسمان کا سفر کرتا رہا۔ جہاز کے گھبران اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ جہاں ہم ہوتے وہ وہاں آئے کی کوشش نہیں کرتے تھے۔ میرا لورا پورا احترام کیا جا رہا تھا اور ساری سہولتیں مہیا کر دی گئی تھیں۔ کافی رات گئے کہ ہم جہاز کے اس حصے میں رہے۔

شمان باتیں کرتی رہی، اپنی خوشی کا اظہار کرتی رہی اور پھر واپس میرے ساتھ آگئی جو خوب آراستہ تھی اور جہاں ہم نے آرام کا بندوبست تھا وہ میرے پہلو میں منہ چھپا کر لیٹ گئی اور اس کا نفس تیز ہونے لگا تھا۔

دوسری صبح حسب معمول خوشگوار تھی۔ ہم ضروریات زندگی سے فارغ ہو کر باہر آئے اور سمندر کی لہروں کا چارہ لینے لگے۔ شمان حسب

معمول خوش تھی۔

”تم نے بتایا تھا سبوتا! کہ تم دنیا گرد ہو اور پوری زندگی دنیا گرد گھومتے پھرتے رہے ہو۔“ اُس نے کہا۔

”ہاں شمان۔ یہی بات ہے۔“

”تم نے تو ایسے بہت سے سفر کئے ہوں گے؟“

”ہاں! میں نے جواب دیا۔“

”اور اور کیا اُس وقت بھی تمہارے ساتھ میرے پیسے کی کمی نہ تھی؟“

شمان نے پوچھا اور میں دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ بے وقت لڑکی کی سوال کر رہی ہے۔ وہ جانتا چاہتی ہے کہ میرے اس سفر میں مال کی کمی سے کوئی فرازیت ہے یا اس کی مانند دوسری لوگ اُن میں میری زندگی میں رہی ہیں۔ لیکن پروفیسر ایسی کوئی بتانے کی بات تھی۔ شمان صرف ایک جھگی ہرتی تھی۔ میں اس کی سمجھ میں کیا آتا۔ اس کے لئے میں اس کو الگ کام دیتا تھا اور میرے لئے بھی وہ میری پسندیدہ عورت جس کے ساتھ میں زندگی کا ایک لمبا سفر کر سکتا تھا۔ میں اس کی فطرت سے بھی واقف تھا۔ چنانچہ مہول کو کھڑا اور اسے اسفردہ کرنے سے مجھے کیا ملتا۔ میں اس سے کون سا بچ بچ لے لیتا تھا۔ ایک جھوٹ اور میری۔ لڑکی کو تو اس ہو جانے کی اور خوش و خرم لوگ اُن ہی زیادہ بھلی لگتی ہیں خواہ اُن کے لئے جھوٹ بولنا پڑے۔

شمان میری صورت دیکھ رہی تھی۔ پھر وہ بولی۔ ”کس سوچ میں ڈوب گئے سبوتا؟“

”سوچ رہا ہوں یہ سوال تم نے کیوں کیا؟“

”اوہ سبوتا۔ کوئی خاص بات نہیں ہے۔ بس میں سوچ رہی تھی کہ جس طرح تمہاری موجودگی کی وجہ سے یہ کائنات میری نگاہوں میں حسین تر ہو گئی ہے، تمہاری زندگی میں بھی کوئی تبدیلی ہوئی ہے؟“

شمان نے کہا۔

عورت کی فطری خواہش، اپنے قریب کی سائنس، اپنے وجود کا انداز میری نگاہوں سے کوئی پہلو پوشیدہ نہیں تھا۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ جو اپنا وجود میری ذات میں ضم کر چکی ہے ایک جھگی سی چیز طلب کر رہی ہے۔ کیا میں اتنا تنگدل ہوں۔۔۔۔۔۔“

”شمان!“ میں نے جھوٹ بولنے پر کمر باندھ لیا۔ ”یہ سوال کیوں کر رہی ہو۔ کیا تمہیں میرے وجود کے طوفان کا احساس نہیں ہے۔ اگر میں تمہیں دنیا کی حسین ترین لڑکی نہ سمجھتا۔ اگر تمہارے قریب کا جوتن میرے ذہن میں نہ ہوتا تو کیا انسان کسی ایسے وجود کے پیچھے دوڑتا ہے جو اس سے نفرت کی انتہا تک پہنچ گیا ہو۔ جو اس کی زندگی لینے کے لئے ہر چیز کرے۔ اگر تمہیں یقین آجائے شمان تو سنو۔ سلا کا قریب پوسٹا کی محبت کا اظہار صرف جھگڑا ہی نہیں تھا۔ محبت حاصل نہ کر پانے کی اور اب جب تم میرے اتنی قریب ہو تو۔۔۔۔۔۔ میں ساری کائنات پر اپنا

سلطہ محسوس کرتا ہوں۔ ہاں شمان۔ اس سے پہلے یہ سمندر اتنا حسین نہیں تھا۔ میں نے آسمان کا چاند بھی دیکھا ہے۔ اتنا خوبصورت کبھی نہ تھا۔ او پر فیصلہ! میں نے دیکھا شمان کہ جہرے پر میرے الفاظ کے گلاب پھلنے چاہتے تھے۔ اُس نے بے خود ہو کر میرا بازو پکڑ لیا۔ اور خاموشی کی زبان سے بہت کچھ کہنے لگی۔

یوں سمندر کے دل رات گزرتے رہے اور پھر شاید سات چاند ڈبے تھے اور سات سورج ابھرے تھے کہ ہمیں دوسرے ایک زمین نظر آئی۔

کیا شمان نے بتایا کہ وہ مال گا جزیرہ ہے اور جہاز کو ایک روز وہاں پھر لایا جائے گا کہ ضروریات کا سامان اور پیسے کا پانی خالی کر لیا جائے۔

جہاز نے رُخ بدل لیا۔ باباں ہواؤں کی مدد سے جہاز کو اگلے ساحل کی طرف لے جانے لگے۔ اور دن ڈبے سے پہلے ہم اگلے ساحل سے جا گئے۔

ساحل پر اسقف سار کرنے والے موجود تھے جو فوراً کشتیوں کی مدد سے جہاز پر پہنچ گئے۔ وہ مسلح تھے اور خاص بات یہ تھی کہ ان لوگوں میں زیادہ تعداد زرد رو لوگوں کی تھی۔ بیشک کا تھا تھا کا تھا۔ وہ میرے پیال پہنچ گیا۔

”جونک۔ میرے آقا زوراس نے کہا تھا کہ میں تمہیں وہی جانوں“

”جونک۔ اس نے میں تم سے بات کرنے میں حق بجانب ہوں۔“

”کیا بات ہے بیشک؟“ جو کہنا چاہتے ہو کھل کر کہو۔ میں نے کہا۔

”مانگا کا انتظام پہلے لگانا کے ہاتھ میں تھا اور یہ گانا تو مانگا گہرا وفادار تھا۔ چنانچہ فو ما کی موت کے بعد شلالا نے خود تیار کیا میں ان میں لگانا کو چلا کر اس کی جگہ تاراس کو دے دی گئی۔ تاراس شبالا کا آدمی ہے بلکہ دوسرے الفاظ میں زرد رو لوگوں کا۔ اور زوراس کے جہاز کو وہ جو توجی پہچان سکتے ہیں۔“

”توجہ۔ تمہارا کیا خیال ہے بیشک۔ کیا یہ لوگ ہم سے کوئی تفرق کر سکتے ہیں؟“

”اُس سے قبل کسی سببی میں زرد رو لوگوں کو ایسے ہمدرد نہیں دیتے گئے۔ یہ پہلی مثال ہے اور ان لوگوں کا انداز جارحانہ ہے۔“ بیشک نے جواب دیا۔

”نرم روی اختیار کرو بیشک۔ حالات سے ذرا بھی نہ گھبراؤ۔ ہم کوئی بے مقصد قدم نہیں اٹھائیں گے۔ اپنا کام کر کے یہاں سے سوج پڑو۔ ہاں اگر ایسی ہی کوئی صورت حال پیش آگئی تو پھر دیکھا جائے گا۔“

”چونکہ میرے آقا نے تمہارے بارے میں ہدایت دی تھی کہ تمہارے احکامات کی تعمیل کی جائے اُس لئے میں وہی کروں گا جو تم نے کہا ہے۔ حالانکہ میرے سامنے قلعہ سب کے سب جنگجو ہیں اور جہاز کی پوشیدہ تہیں عمدہ تھیں۔“

”جہاز بھی موجود ہیں اُس لئے کہ زوراس علی الاعلان شلالا کا مخالف اور فو کا وفادار ہے اور اس کی آواز میں دھمک بھی ہے۔ اُس آواز کو قائم رکھنے کے لئے زوراس ہم سے ٹھنکے کے لئے تیار رہتا ہے اور اس

کی یہی ہدایت ہے کہ اینٹ کا جواب پتھر سے دیا جائے۔“

”بیشک! بات اس منہ کی ہے جس پر ہم کہیں ہیں اور پھر میں زوراس کو جواب دہ ہوں۔ تم وہی کرو جو میں کہہ رہا ہوں اور اپنے لوگوں کو بھی سمجھا دو۔ کوئی ایسی حرکت نہ ہونے پائے جو ناگوار ہو۔“

”بیشک! یہ سبوتا۔ تیرے احکامات کی تعمیل ہوگی۔“ بیشک نے جواب دیا اور پھر وہ اپنے لوگوں کو سمجھانے چلا گیا۔

کشتیوں سے آنے والوں نے جہاز پر آنے کے لئے اجازت نہیں طلب کی تھی بلکہ نزدیک آتے ہی انہوں نے کندیس ڈالیں اور جہاز پر چڑھنے لگے۔ پھر وہی دیر کے بعد تقریباً پچاس مسلح افراد جہاز پر پہنچ گئے۔ بیشک میرے نزدیک آگیا اور اُن لوگوں کو دیکھنے لگا۔ اوپر آنے والوں میں چند مقامی لوگ تھے باقی زرد رو۔ تب ایک قوی پہلی زرد جہرے والا جس کے جسم کا لباس اسے دوسروں سے ممتاز بنا رہا تھا۔ آگے بڑھا اور ہمارے قریب پہنچ گیا۔ اُس کی آنکھوں میں خشونت کے آثار تھے۔

”یہ جہاز کس کا ہے؟ اُس نے پوچھا۔“

”زوراس کا۔“ بیشک نے جواب دیا۔

”زوراس کون ہے؟“

”شمال کا امیر۔“

”یہاں کیوں آئے ہو؟“

”پانی اور دوسری اشیاء خریدنے۔“

تاراس کا حکم ہے کہ ہمارے دلے اجنی کو پوری طرح لگا ہوں میں رکھا جائے۔ حالات ٹھیک نہیں ہیں۔ فو کے لوگ شبالا کے خلاف شورہ مچاتی کر رہے ہیں۔“

”توجہ تم کیا چاہتے ہو؟“ بیشک نے پوچھا۔

”تاراس کی اجازت کے بغیر تم ساحل پر نہ آؤ۔“

”یہ قانون شبالا کا ہے؟“

”ہاں۔“

”لیکن شبالا اس سے ناواقف ہیں۔“

”واقف ہو جائیں گی بہت جلد۔“ اُس نے جواب دیا۔

”پھر ہمیں کیا کرنا چاہیے؟“ بیشک نے پوچھا۔

”اپنے بارے میں اُس جہاز کے بارے میں اور اس پر موجود لوگوں کے بارے میں مجھے معلومات فراہم کرو اور اس کے بعد جہاز ہی پر رہ کر انتظار کرو۔ تاراس کا جواب مل جائے گا۔“

بیشک نے میری طرف دیکھا اور میں نے کون واڈی۔ تب اُس نے گہری سانس لے کر کہا۔ ”بیشک! یہ تمہارا کام ہے۔“

”جہاز پر مل گئے افراد ہیں۔“

”کلی تھیں۔“ بیشک نے جواب دیا۔

”اُن میں کون سی ہیں اور کون سی نہیں؟“

”صرف ایک عورت ہے“
 ”کیا جہاز پر اسلحہ موجود ہے؟“
 ”نہیں۔ پہلی پھانسی چند چیزوں کے علاوہ کوئی اسلحہ نہیں ہے۔“
 ”وہ ہمارے حوالے کر دو۔“
 ”یہ ممکن نہیں ہے۔“ بیشک کو طیش آگیا۔

”گویا تم شبلا کے قاتلوں سے انحراف کرو گے پھر زرد رو بیشک کو گھوٹے ہوئے بولا۔

”السی بات نہیں ہے دوست۔ لیکن ہمارے پاس جو کچھ موجود ہے وہ اس قابل نہیں ہے کہ اسے ہتھیار کہا جائے۔ بس ضرورت کی چند چیزیں ہیں۔ میں نے مداخلت کی۔

”لیکن شبلا کا قانون افضل ہے۔ زرد رو بولا۔
 ”بھیک ہے بیشک۔ ہتھیار ان کے حوالے کر دو۔ میں نے کہا۔
 اور بیشک کا چہرہ مرنے لگا۔ پھر وہ ایک جھگڑے سے مٹا اور زرد رو اس کے ساتھ چل پڑے۔ پھر وہی دیر کے بعد وہ واپس آئے تو ان کے پاس چند تلواریں لکھاڑے اور دو تین نیزے تھے۔ انہوں نے یہ ہتھیار اپنے سوار کے حوالے کر دیئے۔

”اس کے علاوہ کوئی ہتھیار؟“
 ”اور کچھ نہیں ہے۔“ بیشک نے جواب دیا۔
 ”بھیک ہے۔ لیکن اگر شہر ہو تو جہاز کی تلاش بھی لی جاسکتی ہے اور جھوٹ بولنے پر بڑی سے بڑی سزا دی جاسکتی ہے۔“

”خوب۔ یہ سب شبلا کے قاتلوں میں پے بیشک بولا۔
 ”ہاں لیکن تمہارے لیے کسی تعینک ہے کیا تم ان قوانین کا مذاق اڑانا چاہتے ہو؟ زرد رو نے تیر لگا ہوں سے بیشک کو دیکھتے ہوئے کہا۔
 ”السی کوئی بات نہیں ہے میرے دوست! تم جس طرح چاہو اپنا اطمینان کر سکتے ہو۔ میں نے پھر بات کو سہارا دیا اور زرد رو نے اتر گیا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کر دیا تھا۔

بیشک کے چہرے پر ناگوار کی کے اثرات تھے میں۔ خاموشی اور پرسکون انداز میں ان سب کو نیچے اترتے دیکھتا ہوا اور پھر جب آخری آدمی بھی اتر گیا تو میں نے بیشک کے کانڈھے پر ہاتھ رکھا اور ہستہ سے بولا۔

”یہی مناسب ہے بیشک۔“
 ”ممکن ہے تمہارا خیال درست ہو سوتا۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ اگر زیور اس جہاز پر ہوتا تو اس بات کو پسند نہ کرتا۔“
 ”نہا کرنا وہ پچھلے میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”اوہ۔ ہم اتنے بے بسی نہیں ہیں بیشک۔“
 ”لیکن میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ میں اور میرے ساتھی جیگر مافیہاں تباہی چاہتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم جزیرے سے فرار ہونے

میں کامیاب نہ ہو سکیں کیونکہ بہر حال یہ تارکس کا شہر ہے۔“
 ”بات یہ ہے بیشک! میں جس مہم پر جا رہا ہوں اسے انجام دینا ضروری ہے اور اس کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہتا جو میرے کام میں خلل پیدا کرے یا دوسری صورت میں کسی طور میرے کام پر اثر انداز ہو۔ میں زیور اس سے پوچھ لیگز۔“

بات ہے جب حالات قاتلوں سے باہر ہو جائیں تو فی الحال ہمیں تارکس کے حکم کا انتظار کرنا چاہیئے۔ اور اگر اس کی اجازت مل جائے تو جن چیزوں کی ہمیں ضرورت ہے۔ وہ لے کر ہمیں خاموشی سے نکل جانا چاہیئے۔ تارکس نقطہ حرام ہے۔ وہ شبلا کے غاصب آدمیوں میں سے ہے بلکہ شبلا کے ہی نہیں بلکہ وہ زرد روؤں کا غلام ہے۔ تم نے دیکھا زرد رو یہاں کس انداز میں حکومت کر رہے ہیں۔ جیکہ دوسری بستیوں میں انہیں یہ مراعات حاصل نہیں ہیں۔ بیشک ہے بہر حال ہمیں یہاں سے اپنا کام کر کے چل دینا چاہیئے۔ بلکہ اگر ہم یہاں نہ رہیں گے تو بہتر تھا۔“

”نہیں سوتا۔ ہمارا یہاں رکتا اچھا ہوا کم از کم ہم زیور اس کو یہ اطلاع دے سکتے ہیں کہ مانگا لستی پر زرد روؤں کا اس قدر تسلط ہو گیا ہے کہ اب وہ مقامی باشندوں سے کل کر اختلاف کر سکتے ہیں۔“ بیشک نے جواب دیا۔

”بھیک ہے۔ اس حد تک غلط نہیں ہے اور مجھے اس پر کوئی اعتراض بھی نہیں ہے۔ لیکن براہ کرم جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس وقت تم اس کے خلاف نہ کرنا۔“

”تیر جو حکم سوتا۔ مجھے تیرا حکم ماننے کا حکم دیا گیا ہے۔“ بیشک نے بھاری بھوسے میں کہا اور ایک طرف چلا گیا۔
 میں جانتا تھا کہ جیکو بیشک کو یہ بات پسند نہیں آئی تھی۔ البتہ میں تارکس کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ تجھے کس قسم کا آدمی ہو۔ بہر صورت ہم جہاز کو بھگا تو لے جاسکتے تھے کہ اس انداز میں یہاں سے نکل جاتے۔ بہر صورت تارکس کا انتظار کر لینا بہتر تھا۔ اس کے بعد اگر کوئی غلط صورت حال پیش آتی تو پھر کو کچھ کرنا ہی ہوتا۔

میں نے ایک مخصوص زاویے سے قریب و قریب کے سمندر کو دیکھا اور اندازہ کرنے لگا کہ اگر کوئی ہنگامی صورت حال پیش آگئی تو جہاز کو کتنی دُور لے جا کر ان لوگوں پر حملہ کیا جاسکتا ہے اور جہاز کو کتنی دُور لے جانا چاہیئے۔ اس کے علاوہ میری خواہش یہ بھی تھی کہ میں مانگا جزیرے کے جانا مانا کو دیکھ سکوں اور اندازہ بھی لگا سکوں۔ کہ مانگا کی اپنی قوت کیا ہے۔ میں نے ایک مخصوص زاویے کا تعین کر لیا اور وطن ہو گیا۔ اور پھر میں واپس پلٹ کر بیشک کے پاس پہنچ گیا۔ میں نے اسے بڑے نرم لہجے میں مخاطب کیا تھا۔

”بیشک! میں تمہارا دشمن نہیں ہوں۔ تم جانتے ہو میں زیور اس کی بے بسی پسند نہیں کرتا نہ ہی اس کی بے بسی مجھے پسند ہے۔ لیکن میرے دوست!

مصلحت کا تعاقب ہی تھا۔ میری خواہش ہے کہ تم مجھ سے تعاون کرو۔“
 ”میں نے انکار نہیں کیا سوتا۔ کیونکہ بہر حال میں تمہارے احکامات کا پابند ہوں۔“ بیشک نے جواب دیا۔
 ”فرق نہ کرو اگر تم میرے احکامات کے پابند نہ ہوتے تو بے بسی میں نے پناہ پناہ“
 ”تو پھر یہ سفید چہرہ جہاز پر آئے تھے یہاں سے واپس نہ جاسکتے تھے۔“ بیشک نے جواب دیا۔

اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ بیشک کا جواب رگوں میں دوڑتے ہوئے گرم خون کا جواب تھا۔ ان الفاظ میں دور اندیشی نہیں تھی۔ لیکن میں دوسری طرح سوچنے کا عادی تھا۔ میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

”بیشک ایسا ہی ہوتا اور ایسا ہی ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن میرے دوست! ایک تم یہ پسند کرو گے کہ اس طرح زیور اس کا مشن ناکام ہو جائے پچھلے مشن کیوں ناکام ہوتا پچھلے بیشک نے پوچھا۔

”اس نے کہ ہم یہاں اُلجھ جاتے۔ ظاہر ہے ہماری پھرتی اور دیریں ان پچاس آدمیوں کو جہاز پر دھیر کر دیتی۔ لیکن اس کے بعد کیا تمہارا خیال ہے کہ تارکس کے لوگ ہم سے جنگ نہ کرتے پھاس طور سے یہ زرد رو جو اپنے آپ کو کچھ سمجھنے لگیں۔“

”ہم ان سے جنگ کرتے۔“ بیشک نے جواب دیا۔
 ”جہاز تباہ ہو سکتا تھا۔ ہمارے آدمی اسے جاسکتے تھے۔ میں نے فیصلے انداز میں کہا۔ اور بیشک نے چہرہ دوسری طرف کر لیا اور پھر سر ہلچے میں بولا۔

”زندگی یا موت ہمارے نزدیک زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔“
 ”لیکن میرے نزدیک زیور اس کا مشن زیادہ اہمیت رکھتا ہے بیشک! میرے لیے میں بھی دوشم کی آگئی اور بیشک ایک دم سنبھل گیا۔
 ”بھیک ہے سوتا۔ میں تم سے تعاون کر رہا ہوں۔“ اس نے جواب دیا۔

”بیشک۔ میرے دوست! تم دیکھو گے کہ اگر تارکس نے ہمارے ساتھ ایسا کوئی سلوک کیا جو ہمیں اس بات پر آمادہ کر دے کہ ہم اس سے جنگ کریں تو بلاشبہ میں تمہاری اس بات کی تائید کرتا ہوں کہ ہم اس جزیرے کو جہنم بنا دیں گے۔ اور تارکس کو خود اس کی زمین پر کوئی پناہ گاہ نہ ملے گی۔“ میری آواز میں غرور آئیں ابھرا کی تھیں۔ بیشک نے بدلی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور پھر گہری سانس لے کر گردن جھکا دی۔

”بھیک ہے سوتا۔ میں اب تجھ سے کچھ نہیں کہوں گا۔“ بیشک نے جواب دیا۔
 ”مجھے اسلحہ فراہم کر دو۔“ میں نے کہا اور بیشک چونک کر مجھے دیکھنے لگا پھر میں اس نے گردن ہلانے اور اٹھ گیا۔ وہ جہان کے ایک مخصوص حصے میں پہنچا اور پھر میں ایک تختہ اٹھایا جس کے اوپر تارکس کے ڈھیر ٹپے تھے۔ جہاز کو نہایت جلدت سے تیار کیا گیا تھا۔ اس کی تہہ دوسری تھی اور نیچے کشادہ جگہ پر اسلحہ تھا۔ بلکہ

دیکھ کر اس نے مطمئن انداز میں گردن ہلانے لگی۔ میری طرف سے کہیں زیادہ نہ تھا۔ سب تلواریں، ہتھیار پھر پھینکے والی شیشیں، گولہ بارے اور گولہ بارے، ہتھیار جو تھے کھانا میرا پسندیدہ ہتھیار تھا اور یہاں خوب بھاری بھاری گولہ بارے کی گولہ بارے موجود تھیں۔ میں نے خاص طور سے انہیں اٹھا کر رکھا۔ بیشک غور سے میری جانب دیکھ رہا تھا۔

”بہت عمدہ بیشک۔ میں مطمئن ہوں۔ آؤ۔ واپس آؤ۔“ میں نے کہا اور پھر اسلحہ خانے سے باہر نکلتے۔ میں نے بیشک کے کہنے پر اٹھا اور وہ اطمینان سے آؤ واپس آؤ کا ٹکڑا کر اور بیشک خاموش ہو گیا تھا۔

زیادہ وقت نہیں گزارا تھا کہ ہمارے سارے گولہ بارے کے گولے گولے والوں نے اطلاع دی کہ گولے پر بہت سے گولوں کا حجم ہو رہا ہے۔ جزیرے کے لوگوں کے لئے پرہیز کر رہے تھے اور ان میں زیادہ تعداد زرد روؤں کی تھی۔ گریبانہ زرد روؤں کو سقای عوام پر نریت ماسلہ تھی۔

بیشک نے زور لگا ہوں سے یہ منظر دیکھ کر ہاتھ شانہ میں منسوخ کر دیا۔ غور سے کھڑی تھی۔ ان سارے معاملات پر وہ کچھ نہیں بولی تھی۔
 پھر بہت سی کشتیاں سمندر میں آگئیں جن میں چوتھلا گولہ والوں کے سوا کوئی نہیں تھا۔ مگر ایک کشتی میں چند زرد رو تھے، یقیناً وہ کرنی پہنچا رہے تھے۔ ہم ان کے قریب سے گزرتے گزرتے گئے اور غور سے دیکھ کر کچھ غور سے دیکھ کر پھرتی تھی۔

تب ایک آدمی نے نیچے سے چیخ کر کہا۔ جہاز کا سرور کر رہا ہے، میں اس سے بات کرنا چاہتا ہوں۔“
 ”تم ہم سے بات کر سوتا۔“ بیشک نے کہا۔

”اوہ، تم بات کر بیشک۔ جہان کے سرور کر رہا ہو۔ میں نے مسکراتے ہوئے بیشک سے کہا۔
 ”نہیں سوتا۔ میں صرف زیور اس کا خادم ہوں اور اس کے احکام کی پابندی کروں گا۔ خود میری ذہنی کیفیت دوسری ہے اور تو نے تمہارا نہیں کرے گا۔“

”میں جہاز کے سرور سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ جزیرے کے سربراہ تارکس کا سپنا اس کے لئے نیچے سے پھر آواز آئی اور بالآخر میں نے گولہ بارے اٹھا کر اندازہ تھا کہ بیشک کو مسکراہٹ کے اعطائے، اختلاف ہے۔ لیکن بہر حال میری گردن میں خون کی روانی تیر تیر رہی تھی۔ میں اپنے شش سے بھگتا نہیں چاہتا تھا۔

”کیا بات ہے کہو۔“ میں نے کہا۔

”سرور آؤ۔ تم گردن سے ملاقات کرنا چاہتا ہے۔ وہ کٹھن پر آچکا ہے اور اس نے کشتیاں تمہارے لئے بھیجیں ہیں۔ تم سب ان شہر پر آؤ۔ سرور آؤ۔ تمہیں دوستی کا سپنا دیتا ہے۔ وہ تمہیں جزیرے کا اپنا مہمان بنانا چاہتا ہے۔“ نیچے کھڑے ہوئے شخص نے کہا۔
 بیشک ہی میرے پاس آکر اٹھ رہا تھا۔

شہداء کو دیکھا رہ گیا ہے ۔

یہ سنا ہے کہ میں نے آہستہ سے جواب دیا۔

۱۰ آؤ تم میرے دوستو میرے بھائیو! تم نے مانگنا کہ ساحل
قدم رکھا ہے تو غار ہے تم میرے مہمان ہو اور ہاں یہ تم نے کیا بات کی کہ
جوانی کے فخری ساناں کی گردانہ ہوجاؤ گے۔ کیا ممکن ہے کہ زہرا اس
منازقہ میں سے پاس آئے اور میں ایک دان بھی اس کی خاطر دلاؤں؟ کہ انا
تم میرے مہمان ہو، اور کم از کم تم دو تین دن کسی میرے مہمان رہو گے
بعد روانہ ہو گے۔ ہاں ضرورت کی سرچیز تمہیں ہتھ آوری جائے گی۔

تو میرے مہمانوں! میرے ساتھیو! میرے دوستو! آؤ میرے ساتھ آؤ۔ اس نے کہا اور ہمارے درمیان آگیا۔ اس کتاب کا حق میرے شانے پر تھا اور دراصل ایک کے شانے پر۔ شتانہ پہلے ساتھ تھے۔ تاہم کے دوسرے ساتھی جہاز کے لوگوں کے ساتھ آ رہے تھے۔ ان لوگوں کا رویہ برائے تھا اور میں بھی عرصے سے یہ کہہ سکتا تھا کہ میں نے ہم سوچا ہے وہ درست ہی ہے ممکن ہے تاہم ایک نے حضرات ان اور خوش اخلاق بھی۔

مازنگاہ ظاہری شکل و صورت بھی سرکائی سے تعلق نہیں ہے۔ یہاں کے مکانات بھی لمبے سے البتہ جس جگہ ہمیں لے جایا گیا ان کے قصبے بڑے بڑے اور کسی قدر بہتر بنے ہوئے تھے۔ پہاڑ کے سرخ پتھر والے تراشے ہوئے ایک بہت بڑے مکان میں ہمیں ٹہرایا گیا۔ جس کا دروازہ بھی شان کا ہی بنا ہوا تھا اور خاصا مضبوط نظر آ رہا تھا۔

دو پہرے واروں نے سچی دروازہ کھولا اور اس نے ہم سب کو اندر آنے کے لئے کہا۔ مکان اتنا وسیع اور کشادہ تھا کہ جہاز کے تمام آدمی

”ہاں زلیخا سہ ماہی کے ساتھ نہیں ہے۔“
 ”کیوں آخر کیوں، اور آخر تم کہاں جا رہے تھے کس شہر جا رہے
 تھے۔ یہاں تک کیسے آگئے۔ مجھے تمہاری آمد پر خاصی حیرت ہوئی ہے۔“
 اس نے پوچھا۔

یقیناً یقیناً اور پھر شاہ کی ساری بستیاں ان کے احکامات کی پابندی۔ لیکن ان افسوس زاویہ اس گوشہ الا مخالف ہے شاید وہ ان بستیوں کو دشمن کی بستیاں سمجھتا ہوگا کیوں ٹھیک ہے نا؟

”اوجھڑ ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ یہ بھی درست ہے۔ واقعی سہارا
اس سے کیا فائدہ۔ بہر صورت۔ ختم ہونے کے مہمان ہو اور یہاں کہہ سکتی ہو کہ
مختلف اظہار کے ضرورت نہیں ہے۔ جس طرح جابر ہو، جب تک جابر
رہو۔ سہارا ضروریات کا سہارا اسان بہترین فراہم کر لیا جائے گا اور
اں بہترین ہرزہ کے کسی بھی تھے جسے جانے کے اعازت ہوگی۔“

تاریخ نے کہا اور میں نے ایک گہری سانس لی۔ تب اس نے چند لوگوں کو بلایا اور ان کی طرف دیکھ کر بولا۔

۴۔ سنا تم نے۔ مہا ہاؤز کو کسی بھی تکلیف کا احساس نہ ہو۔ اس کے
ساتھیوں نے گردن ہلا دی۔ تب اس نے کہا ۔

”مجھے جانے کہ اجازت دو میرے دوستوں بہت جلد میں تم سے دوبارہ ملاقات کروں گا اور کاروباروں کا۔ جب تک کہ تم یہاں رہو۔“
”میں یہاں زیادہ عرصے نہ رکھ سکیں گے تاہم۔ میں واپس چلنے چاہیے۔“
”تم جلد ہی میں اجازت دو کہ میں اپنی ضرورت کا سامان تمہارے جزیے سے

یقیناً، یقیناً، تمہاری جوڑمہ وار
جنوں کا۔ بس ٹھیک ہے، جب تک تم تازہ
رہو۔ اس کے بعد سامان خرید لیا۔ اور وا

شک یہ تازے ہیں نے جواب دیا
بہر حال گیا۔ یہ مہمان خانہ کچھ عجیب سا تھا
کچھ شک و شبہ میں مبتلا کر رہی تھی۔ لیکن بہر
آزادیاں نیٹے کا اعلان کیا تھا اس سے میرے

مقتوری ہی دیر گذری تھی کہ بہت
اندراگئے۔ انہوں نے ہمیں توجہ اور کھانے
کے طور پر پیش کی تھیں جسے ہم نے قبول کر لیا
تھے کہ چند خوبصورت لڑکیاں ہستوں میں
ہم سب انہیں فوج کے دیکھ کر
گئیں اور پھر انہوں نے مخالف شہر لڑکر

جزیرے کے سردار اتریں گی بیوی ملے۔
پیش کشی کی ہے، اس کی خواہش ہے کہ جب
رہیں، تم اس کی جہان دہو۔ انہوں نے شہانہ
کیا میں ان کے ساتھ چلی جاؤں گی۔

یہ تمہاری مرضی پر منحصر ہے شہانہ
سارگی سے جواب دیا۔

میلے میں کوئی ہرج نہیں ہے اور
کہا کہ ساتھ رہ کر مجھے عجب لگے گا۔

کوئی ہرج نہیں ہے شمان، تم جا
 ساتھ باہر نکل آئی میرے ذہن میں اب بھی کہ
 گہری سانس لے کر مے اس آ میٹھا مہر

کیا خیال ہے سبوتا۔ میرا اندازہ ہے۔
پرامادہ ہے۔

۱۰ این بشک بنظایر تو سیم انداز
۱۱ بنظایر ۲۰ بشک چونک کر

۱۰۔ ہاں میرا مطلب ہے بظاہر تار سب
محسوس ہوتا ہے میں نے جواب دیا۔

وہ کسی قسم کا دھوکہ بھی کر سکتا ہے۔

یہاں زرد زوگوں کا عمل دخل ہے۔

”کیا سوچ رہے ہو رشک؟“ میں نے پوچھا۔

251

”جہاز پر لے جائی گے؟“ بٹکانے کہا۔
 ”ہاں۔۔۔“
 ”لیکن زور و زور و زور کھول دیں گے؟“

”تہیں خاموش رہنا چاہیے بٹکانے میں نے سنت ہے میرا کہا۔
 اور بٹکانے خاموش ہو گیا اور دیکھ وہ شام تک خاموش رہا۔ دوسرے لوگ بھی خاموش تھے، کسی اور نے ہمارے درمیان مداخلت نہیں کی تھی۔ میں ذہن میں اپنا پروگرام ترتیب دے چکا تھا۔

”شام تک ایک بجے میں ہمارے جہاز کے سامنے ہمارے پاس پہنچا بیٹھے۔
 ان کے آنے سے مجھے کافی خوشی ہوئی تھی۔ بٹکانے اور دوسرے لوگوں نے انہیں گھیر لیا۔ میں بھی خاموش کھڑا ہو گیا تھا۔ بہر حال وہ سب ٹھیک ٹھیک تھے۔
 بٹکانے ان سے کوئی خاص سوال نہیں کیا تھا، جو میں نے کہا۔

”کتنے افراد جہاز پہنچے تھے؟“ میں نے پوچھا۔
 ”تقریباً تیس افراد تھے جناب۔“
 ”کیا انہوں نے جہاز کی تلاش کی؟“

”ہاں، انہوں نے اس کا ذکر نہ کیا تھا۔“
 ”اسلئے خاموشی ملحوظ رہے؟“
 ”جی ہاں۔ وہ وہاں تک نہیں پہنچ سکے۔“ ان لوگوں نے بتایا اور میں نے اطمینان کی گہری سانس لی۔ اس کے بعد میں نے خاموشی اختیار کی۔
 رات کا کھانا نہایت اطمینان سے کھایا گیا تھا۔ جب یہاں موجود لوگوں کو یہی خبر دی گئی کہ بعد کی صورتحال معلوم نہیں تھی تو دوسرے لوگ کیا اندازہ کر سکتے تھے۔

”کھانے سے فارغ ہونے کے بعد میں اطمینان سے اپنی جگہ لیٹ گیا۔ بٹکانے اور دوسرے لوگ بھی حسب معمول خاموشی سے اپنی جگہوں پر لیٹ گئے تھے۔

اور پھر جب میرے خیال میں رات خاصی گزر گئی تو میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ میں نے بٹکانے کی طرف دیکھ کر اسے آواز دی۔ ”کیا تم جاگ رہے ہو بٹکانے؟“

”ہاں۔ سونے کے لئے یہ عمدہ جگہ نہیں ہے۔“ بٹکانے نے حسب معمول تلخ لہجے میں کہا۔

”براہ کرم یہاں آ جاؤ۔“ میں نے کہا۔ اور بٹکانے میرے نزدیک پہنچ گیا۔ ”مجھ سے کیوں ناراض ہو بٹکانے؟“

”ناراض نہیں ہوں سبوتا۔“ میرا خیال ہے تمہاری اس پسندی ہمارے کام نہیں آتی۔“

”تم ان سے جنگ کرنا چاہتے تھے؟“

”میں یہاں ان سے جنگ کرنے نہیں آیا تھا لیکن اینٹ کا جواب چھڑے دیا جانا چاہئے تھا۔“

”پھر یہاں تو تم اپنی خوشی سے ہی آئے تھے؟“

”ہاں۔ لیکن اس نے مکاری سے کام لیا تھا۔“

”پھر اس میں میرا کیا قصور ہے؟ میں نے مصیبت سے کہا۔
 ”ٹھیک ہے سبوتا۔ میں نے کہا کہ جہاز پر قبضہ کر لیں۔“

اس بات پر ہلکا سا ہنسنے کے بعد ہم اس آسانی سے تارکے کے جال میں آ پھنسے تارکے اشاریہ کی طرح زور و زور سے کارہ و کار سے اندازہ لگایا۔ وہ جہاز نے کس قدر موم مارا رکھا ہے۔“

”تم بے بسی محسوس کر رہے ہو بٹکانے؟“

”ہاں سبوتا۔ مجھے احساس ہے کہ ہم بڑی طرح آ پھنسے ہیں۔“

”میں نے تم سے کہا تھا بٹکانے۔ ہم لوگ اتنے بے بسی نہیں ہیں۔ لیکن اگر اپنے سامنے کوئی دشمن ہو تو دوسری اٹھیوں سے حتی الامکان بچنا چاہیے۔ اسی جذبے کے تحت میں نے تمہیں روکا تھا۔“

میرا خیال تھا کہ ممکن ہے تارکے ٹھیک انسان ہو۔ اگر وہ ہمارے ساتھ کوئی بڑا سلوک نہ کرنے کا خواہشمند ہو تو۔ تو پھر ہم کو اموال لینے سے کیا فائدہ؟

”لیکن جہاز زور و زور سے اس طرح آزاد ہوں وہاں دوستوں کی تلاش تو طاقت ہی تھی۔“

”ہاں۔ تم نے ٹھیک کہا۔ لیکن۔۔۔۔۔“

”ایک بات بتاؤ سبوتا۔“ بٹکانے نے اچانک درمیان سے میری بات کاٹ دی۔

”ہوں۔“

”تم نے ابھی کہا تھا کہ ہم بے بسی نہیں ہیں؟“

”ہاں۔ کہا تھا۔“ میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

”اب بھی ہم بے بسی نہیں ہیں؟“

”ہاں۔ یہی بات ہے بٹکانے۔“

”لیکن ہم کیا کر سکتے ہیں؟ بٹکانے پریشان لہجے میں بولا۔
 صورت حال سے وہ قطعاً یائوس ہو گیا تھا۔

”ہم جہاز پر پہنچ سکتے ہیں۔ وہ لوگ جہاز پر قبضہ مزدور کر چکے ہیں۔ لیکن ہمارے ساتھیوں کے قول کے مطابق ابھی تک اسلئے نہیں دریافت کر سکے۔“

”لیکن بات تو جہاز پر پہنچنے کی ہے۔“ بٹکانے نے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ ”ہم اس قید خانے سے کس طرح نکل سکتے ہیں۔ یہ چٹانی دروازہ تو اندر سے کھولا بھی نہیں جا سکتا۔“

”آؤ پہلے ایک فیصلہ کر لیں کہ ہمیں کس طرح کام کرنا ہے۔ اس کے بعد کام شروع کر دیں گے۔“ میں نے کہا۔ بٹکانے کی سمجھ میں میری کوئی بات نہیں آ رہی تھی۔ دوسرے معاملات سے زیادہ اُسے اس بات کی فکر تھی کہ یہاں سے نکلنے کی کیا صورت ہوگی۔ گھوم پھر کر وہ اسی مسئلے پر آ جاتا تھا۔

”تب تم اپنے ساتھیوں کو جگا دو اور انہیں یہاں سے نکلنے کے لئے تیار کر لو۔“ میں نے کہا۔ اور بٹکانے ہچکچاہٹے ہوئے انداز میں میری صورت دیکھنے لگا۔

”اب میں تم سے درخواست کروں گا بٹکانے! کہ میری ہدایات پر عمل کرو۔ ہمارے پاس مبالغہ کرنے کے لئے زیادہ وقت نہیں ہے۔ تمام لوگوں کو جگا دو اور انہیں بتا دو کہ اس قید خانے سے نکل کر منتشر نہ ہوں۔ سب کے ساتھ رہیں اور راستوں کی تمام رکاوٹوں کو بھٹاتے ہوئے جہاز تک پہنچنے کی کوشش کریں۔“

”بہتر۔“ بٹکانے نے کہا اور پھر اس نے تمام لوگوں کو جگا دیا۔ یوں بھی کم لوگ ہی سونے تھے۔ زیادہ تعداد ان لوگوں کی تھی جو اس صورتحال سے خوفزدہ تھے۔ سب کے سب کھڑے ہو گئے۔ اب میں بھی عمل کے لئے تیار ہو گیا تھا۔

”بٹکانے! میں نے بٹکانے کو آواز دی اور وہ میرے نزدیک پہنچ گیا۔ ”جیسا کہ تارکے نے بتایا تھا کہ اس نے ہماری حفاظت یا نگرانی کے لئے معقول بندوبست کر لیا ہے۔ یہ معقول بندوبست لائق قید خانے کے اس چٹانی دروازے کی طرف ہوگا۔“

اگر میں دروازہ کھول دوں تو اس میں سے زیادہ سے زیادہ ہمارے دو تین آدمی ایک وقت نکل سکتے ہیں۔ اس طرح وہ ہوشیار ہو جائیں گے اور مقابلہ شروع کر دیں گے جبکہ میں ابھی ان لوگوں کو ہوشیار کرنا نہیں چاہتا۔ میں پوری کوشش جہاز پر پہنچنے کی کرتی جا رہی تھی۔“

”اوہ! لیکن سبوتا۔ وہی بات، یہاں سے نکلنے کی کیا تدبیر کرو گے؟“

”میں اس سبکی قید خانے کی دیواروں میں راستے کھولنے لیتا ہوں۔“

”وہ۔۔۔ وہ کیسے؟“

”آؤ! میں نے بٹکانے سے کہا۔ اور پھر اسے ساتھ لیکر ایک دیوار کے قریب پہنچ گیا۔ قدیم دیوار پر تھوڑا سا کھدائی کرتے ہوئے یہاں بھی چھتروں کی موٹی موٹی لمبوں کو تراش کر جوڑا گیا تھا اور یہ عمارت ایسی ہی سہولت کی جی ہوئی تھی۔ میں نے ایک چوکور سِل کی دروازوں میں انگلیاں چسنا دیں اور بٹکانے اور دوسرے لوگ تعجب سے مجھے دیکھنے لگے۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا لیکن جب اوپر کی دروازوں سے مٹی پھرنے لگی تو وہ چونک پڑے۔ سب کے سب عجیب انداز میں چپچپے ہنسنے لگے تھے۔

خود بٹکانے کی آنکھیں تعجب سے پھیلی ہوئی تھیں۔ پھر جب سِل نے اپنی جگہ چھوڑی تو ان کے حلق سے عجیب سی آواز نکل گئی۔ ہوا کے تیز بھونکنے اندر آنے لگے تھے اور ایک عجیب سی فرحت کا احساس ہوا تھا۔ سِل پوری چٹان کی مانند تھی۔ اتنی وزنی کہ شاید دس ہندہ آدمی بھی اسے نہیں اٹھا سکتے تھے۔ لیکن میں نے اطمینان سے اسے قید خانے کے درمیان رکھ دیا۔

اور پھر میں نے دوسری دیوار پر قوت آزمائی شروع کر دی۔ لوگوں کے چہروں پر شدید حیرت کے آثار تھے۔ ان کی عقل اس بات کو تسلیم نہیں کر رہی تھی۔ ویسے کسی نے بدحواسی میں اس نئے دروازے سے باہر نکلنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

بٹکانے نے دوسری دیوار کے اس دروازے کو بھی اسی انداز سے دیکھا۔ کسی کے منہ سے کوئی آواز نہیں نکلی تھی اور یہ مشکل کام اتنی خاموشی سے ہوا تھا کہ ابھی تک باہر موجود لوگوں کو کبھی سی آہٹ بھی نہیں پہنچ سکی تھی۔ جب قید خانے کی دیواروں کی دروازے بن گئے تو میں نے اپنا کام ختم کر دیا۔

”ان لوگوں کو ابھی تک کوئی اندازہ نہیں ہو سکا بٹکانے؟“ میں نے کہا۔

”ہاں۔“ بٹکانے کے حلق سے نکلنے والی آواز غیر اختیاری تھی۔

”کیا یہ دروازے کافی نہیں ہیں؟“ میں نے پوچھا۔

”کافی ہیں۔“

”تب پھر چلو۔ لیکن خاموشی سے باہر نکلو۔ اگر کسی سے پتہ چل جائے تو اسے بلا کھٹ ختم کر دو۔“ میں نے کوشش یہی کرنی چاہیے کہ زیادہ اٹھان اٹھانے سے جہاز پر پہنچ جائیں۔“

”ٹھیک ہے۔“ بٹکانے نے اب خود پرتالو پایا تھا۔ پھر اُس نے اپنے آدمیوں کو یہی ہدایات دیں۔ اور سب ان عجیب دروازوں کی طرف بڑھ گئے۔ بلاشبہ یہ بہترین کامیابی تھی۔ قید خانے کے محافظ اس کے دروازے کی جانب تھے۔ اُن کو انہیں کسی سازش کی امید نہیں تھی پھر بات ہو گئی تھی اور وہ سب آرام کرنے لیٹ گئے تھے۔ اس لئے کافی بڑی تعداد ہونے کے باوجود ہمارے بارے میں کسی کو پتہ نہیں چل سکا اور ہم کامیابی سے ایک قطار کی شکل میں چل پڑے۔

میں نے سمندر کے اس رخ کا تعین کیا تھا جہاں سے ہمیں لایا گیا تھا۔ اور جہاں ہمارا جہاز موجود تھا۔ تب ہم ساحل پر پہنچ گئے۔

اور ساحل پر کچھ لوگ موجود تھے۔ یہ شاید بات کے محافظ تھے لیکن ان کی تعداد دل بارہ سے زیادہ نہیں تھی۔ اس کو وہ دیکھ کر وہ صورت حال معلوم کرنے کے لئے آگے آگے۔ انہیں گمان بھی نہیں تھا کہ یہ ہم لوگ ہو سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہم نے بھی اظہار نہیں کیا کہ ہم ان سے چھپنا چاہتے ہیں۔ اور دونوں طرف کا یہ اطمینان انہیں نے دیا۔ قریب پہنچتے ہی ہم نے ان کی گونجناپ لیں اور پھر میں تو اپنے ساتھیوں سے کہہ رہی چکا تھا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کرنا ہے۔ ان لوگوں کو نہایت اطمینان سے ختم کر دیا گیا اور ہمارے سامنے ان کی لاشیں اٹھانے آگے بڑھ گئے۔ یہ لاشیں انہوں نے آگے بڑھ کر سمندر میں ڈال دی تھیں۔

ساحل سے کشتیاں کھول کر ہم جہاز کی طرف چل پڑے۔ کشتیاں پر جہاز پر پھینکنے والی کمندیں موجود تھیں جن کی مدد سے ہم جہاز پر چڑھ سکتے تھے۔

عجیب ماحول تھا۔ ابھی تک ہمیں کسی خاص مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا اور یہ بات اُلکھی سی لگ رہی تھی۔ ہمارا جہاز دُور سے صاف نظر آ رہا تھا۔ اس پر معمولی سی روشنی ہو رہی تھی۔ ظاہر ہے تارکے کے آدمی وہاں موجود ہوں گے لیکن یقین تھا کہ ان کی کوئی بڑی تعداد وہاں موجود نہیں ہو سکتی تھی۔

بٹکانے نے دوسری دیوار کے اس دروازے کو بھی اسی انداز سے دیکھا۔ کسی کے منہ سے کوئی آواز نہیں نکلی تھی اور یہ مشکل کام اتنی خاموشی سے ہوا تھا کہ ابھی تک باہر موجود لوگوں کو کبھی سی آہٹ بھی نہیں پہنچ سکی تھی۔ جب قید خانے کی دیواروں کی دروازے بن گئے تو میں نے اپنا کام ختم کر دیا۔

”ان لوگوں کو ابھی تک کوئی اندازہ نہیں ہو سکا بٹکانے؟“ میں نے کہا۔

”ہاں۔“ بٹکانے کے حلق سے نکلنے والی آواز غیر اختیاری تھی۔

”کیا یہ دروازے کافی نہیں ہیں؟“ میں نے پوچھا۔

”کافی ہیں۔“

”تب پھر چلو۔ لیکن خاموشی سے باہر نکلو۔ اگر کسی سے پتہ چل جائے تو اسے بلا کھٹ ختم کر دو۔“ میں نے کوشش یہی کرنی چاہیے کہ زیادہ اٹھان اٹھانے سے جہاز پر پہنچ جائیں۔“

”ٹھیک ہے۔“ بٹکانے نے اب خود پرتالو پایا تھا۔ پھر اُس نے اپنے آدمیوں کو یہی ہدایات دیں۔ اور سب ان عجیب دروازوں کی طرف بڑھ گئے۔ بلاشبہ یہ بہترین کامیابی تھی۔ قید خانے کے محافظ اس کے دروازے کی جانب تھے۔ اُن کو انہیں کسی سازش کی امید نہیں تھی پھر بات ہو گئی تھی اور وہ سب آرام کرنے لیٹ گئے تھے۔ اس لئے کافی بڑی تعداد ہونے کے باوجود ہمارے بارے میں کسی کو پتہ نہیں چل سکا اور ہم کامیابی سے ایک قطار کی شکل میں چل پڑے۔

میں نے سمندر کے اس رخ کا تعین کیا تھا جہاں سے ہمیں لایا گیا تھا۔ اور جہاں ہمارا جہاز موجود تھا۔ تب ہم ساحل پر پہنچ گئے۔

اور ساحل پر کچھ لوگ موجود تھے۔ یہ شاید بات کے محافظ تھے لیکن ان کی تعداد دل بارہ سے زیادہ نہیں تھی۔ اس کو وہ دیکھ کر وہ صورت حال معلوم کرنے کے لئے آگے آگے۔ انہیں گمان بھی نہیں تھا کہ یہ ہم لوگ ہو سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہم نے بھی اظہار نہیں کیا کہ ہم ان سے چھپنا چاہتے ہیں۔ اور دونوں طرف کا یہ اطمینان انہیں نے دیا۔ قریب پہنچتے ہی ہم نے ان کی گونجناپ لیں اور پھر میں تو اپنے ساتھیوں سے کہہ رہی چکا تھا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کرنا ہے۔ ان لوگوں کو نہایت اطمینان سے ختم کر دیا گیا اور ہمارے سامنے ان کی لاشیں اٹھانے آگے بڑھ گئے۔ یہ لاشیں انہوں نے آگے بڑھ کر سمندر میں ڈال دی تھیں۔

ساحل سے کشتیاں کھول کر ہم جہاز کی طرف چل پڑے۔ کشتیاں پر جہاز پر پھینکنے والی کمندیں موجود تھیں جن کی مدد سے ہم جہاز پر چڑھ سکتے تھے۔

عجیب ماحول تھا۔ ابھی تک ہمیں کسی خاص مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا اور یہ بات اُلکھی سی لگ رہی تھی۔ ہمارا جہاز دُور سے صاف نظر آ رہا تھا۔ اس پر معمولی سی روشنی ہو رہی تھی۔ ظاہر ہے تارکے کے آدمی وہاں موجود ہوں گے لیکن یقین تھا کہ ان کی کوئی بڑی تعداد وہاں موجود نہیں ہو سکتی تھی۔

بٹکانے نے دوسری دیوار کے اس دروازے کو بھی اسی انداز سے دیکھا۔ کسی کے منہ سے کوئی آواز نہیں نکلی تھی اور یہ مشکل کام اتنی خاموشی سے ہوا تھا کہ ابھی تک باہر موجود لوگوں کو کبھی سی آہٹ بھی نہیں پہنچ سکی تھی۔ جب قید خانے کی دیواروں کی دروازے بن گئے تو میں نے اپنا کام ختم کر دیا۔

”ان لوگوں کو ابھی تک کوئی اندازہ نہیں ہو سکا بٹکانے؟“ میں نے کہا۔

”ہاں۔“ بٹکانے کے حلق سے نکلنے والی آواز غیر اختیاری تھی۔

”کیا یہ دروازے کافی نہیں ہیں؟“ میں نے پوچھا۔

”کافی ہیں۔“

”تب پھر چلو۔ لیکن خاموشی سے باہر نکلو۔ اگر کسی سے پتہ چل جائے تو اسے بلا کھٹ ختم کر دو۔“ میں نے کوشش یہی کرنی چاہیے کہ زیادہ اٹھان اٹھانے سے جہاز پر پہنچ جائیں۔“

”ٹھیک ہے۔“ بٹکانے نے اب خود پرتالو پایا تھا۔ پھر اُس نے اپنے آدمیوں کو یہی ہدایات دیں۔ اور سب ان عجیب دروازوں کی طرف بڑھ گئے۔ بلاشبہ یہ بہترین کامیابی تھی۔ قید خانے کے محافظ اس کے دروازے کی جانب تھے۔ اُن کو انہیں کسی سازش کی امید نہیں تھی پھر بات ہو گئی تھی اور وہ سب آرام کرنے لیٹ گئے تھے۔ اس لئے کافی بڑی تعداد ہونے کے باوجود ہمارے بارے میں کسی کو پتہ نہیں چل سکا اور ہم کامیابی سے ایک قطار کی شکل میں چل پڑے۔

میں نے سمندر کے اس رخ کا تعین کیا تھا جہاں سے ہمیں لایا گیا تھا۔ اور جہاں ہمارا جہاز موجود تھا۔ تب ہم ساحل پر پہنچ گئے۔

اور ساحل پر کچھ لوگ موجود تھے۔ یہ شاید بات کے محافظ تھے لیکن ان کی تعداد دل بارہ سے زیادہ نہیں تھی۔ اس کو وہ دیکھ کر وہ صورت حال معلوم کرنے کے لئے آگے آگے۔ انہیں گمان بھی نہیں تھا کہ یہ ہم لوگ ہو سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہم نے بھی اظہار نہیں کیا کہ ہم ان سے چھپنا چاہتے ہیں۔ اور دونوں طرف کا یہ اطمینان انہیں نے دیا۔ قریب پہنچتے ہی ہم نے ان کی گونجناپ لیں اور پھر میں تو اپنے ساتھیوں سے کہہ رہی چکا تھا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کرنا ہے۔ ان لوگوں کو نہایت اطمینان سے ختم کر دیا گیا اور ہمارے سامنے ان کی لاشیں اٹھانے آگے بڑھ گئے۔ یہ لاشیں انہوں نے آگے بڑھ کر سمندر میں ڈال دی تھیں۔

ساحل سے کشتیاں کھول کر ہم جہاز کی طرف چل پڑے۔ کشتیاں پر جہاز پر پھینکنے والی کمندیں موجود تھیں جن کی مدد سے ہم جہاز پر چڑھ سکتے تھے۔

عجیب ماحول تھا۔ ابھی تک ہمیں کسی خاص مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا اور یہ بات اُلکھی سی لگ رہی تھی۔ ہمارا جہاز دُور سے صاف نظر آ رہا تھا۔ اس پر معمولی سی روشنی ہو رہی تھی۔ ظاہر ہے تارکے کے آدمی وہاں موجود ہوں گے لیکن یقین تھا کہ ان کی کوئی بڑی تعداد وہاں موجود نہیں ہو سکتی تھی۔

بٹکانے نے دوسری دیوار کے اس دروازے کو بھی اسی انداز سے دیکھا۔ کسی کے منہ سے کوئی آواز نہیں نکلی تھی اور یہ مشکل کام اتنی خاموشی سے ہوا تھا کہ ابھی تک باہر موجود لوگوں کو کبھی سی آہٹ بھی نہیں پہنچ سکی تھی۔ جب قید خانے کی دیواروں کی دروازے بن گئے تو میں نے اپنا کام ختم کر دیا۔

”ان لوگوں کو ابھی تک کوئی اندازہ نہیں ہو سکا بٹکانے؟“ میں نے کہا۔

”ہاں۔“ بٹکانے کے حلق سے نکلنے والی آواز غیر اختیاری تھی۔

”کیا یہ دروازے کافی نہیں ہیں؟“ میں نے پوچھا۔

”کافی ہیں۔“

”تب پھر چلو۔ لیکن خاموشی سے باہر نکلو۔ اگر کسی سے پتہ چل جائے تو اسے بلا کھٹ ختم کر دو۔“ میں نے کوشش یہی کرنی چاہیے کہ زیادہ اٹھان اٹھانے سے جہاز پر پہنچ جائیں۔“

”ٹھیک ہے۔“ بٹکانے نے اب خود پرتالو پایا تھا۔ پھر اُس نے اپنے آدمیوں کو یہی ہدایات دیں۔ اور سب ان عجیب دروازوں کی طرف بڑھ گئے۔ بلاشبہ یہ بہترین کامیابی تھی۔ قید خانے کے محافظ اس کے دروازے کی جانب تھے۔ اُن کو انہیں کسی سازش کی امید نہیں تھی پھر بات ہو گئی تھی اور وہ سب آرام کرنے لیٹ گئے تھے۔ اس لئے کافی بڑی تعداد ہونے کے باوجود ہمارے بارے میں کسی کو پتہ نہیں چل سکا اور ہم کامیابی سے ایک قطار کی شکل میں چل پڑے۔

میں نے سمندر کے اس رخ کا تعین کیا تھا جہاں سے ہمیں لایا گیا تھا۔ اور جہاں ہمارا جہاز موجود تھا۔ تب ہم ساحل پر پہنچ گئے۔

اور ساحل پر کچھ لوگ موجود تھے۔ یہ شاید بات کے محافظ تھے لیکن ان کی تعداد دل بارہ سے زیادہ نہیں تھی۔ اس کو وہ دیکھ کر وہ صورت حال معلوم کرنے کے لئے آگے آگے۔ انہیں گمان بھی نہیں تھا کہ یہ ہم لوگ ہو سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہم نے بھی اظہار نہیں کیا کہ ہم ان سے چھپنا چاہتے ہیں۔ اور دونوں طرف کا یہ اطمینان انہیں نے دیا۔ قریب پہنچتے ہی ہم نے ان کی گونجناپ لیں اور پھر میں تو اپنے ساتھیوں سے کہہ رہی چکا تھا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کرنا ہے۔ ان لوگوں کو نہایت اطمینان سے ختم کر دیا گیا اور ہمارے سامنے ان کی لاشیں اٹھانے آگے بڑھ گئے۔ یہ لاشیں انہوں نے آگے بڑھ کر سمندر میں ڈال دی تھیں۔

ساحل سے کشتیاں کھول کر ہم جہاز کی طرف چل پڑے۔ کشتیاں پر جہاز پر پھینکنے والی کمندیں موجود تھیں جن کی مدد سے ہم جہاز پر چڑھ سکتے تھے۔

عجیب ماحول تھا۔ ابھی تک ہمیں کسی خاص مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا اور یہ بات اُلکھی سی لگ رہی تھی۔ ہمارا جہاز دُور سے صاف نظر آ رہا تھا۔ اس پر معمولی سی روشنی ہو رہی تھی۔ ظاہر ہے تارکے کے آدمی وہاں موجود ہوں گے لیکن یقین تھا کہ ان کی کوئی بڑی تعداد وہاں موجود نہیں ہو سکتی تھی۔

بٹکانے نے دوسری دیوار کے اس دروازے کو بھی اسی انداز سے دیکھا۔ کسی کے منہ سے کوئی آواز نہیں نکلی تھی اور یہ مشکل کام اتنی خاموشی سے ہوا تھا کہ ابھی تک باہر موجود لوگوں کو کبھی سی آہٹ بھی نہیں پہنچ سکی تھی۔ جب قید خانے کی دیواروں کی دروازے بن گئے تو میں نے اپنا کام ختم کر دیا۔

”ان لوگوں کو ابھی تک کوئی اندازہ نہیں ہو سکا بٹکانے؟“ میں نے کہا۔

”ہاں۔“ بٹکانے کے حلق سے نکلنے والی آواز غیر اختیاری تھی۔

”کیا یہ دروازے کافی نہیں ہیں؟“ میں نے پوچھا۔

”کافی ہیں۔“

”تب پھر چلو۔ لیکن خاموشی سے باہر نکلو۔ اگر کسی سے پتہ چل جائے تو اسے بلا کھٹ ختم کر دو۔“ میں نے کوشش یہی کرنی چاہیے کہ زیادہ اٹھان اٹھانے سے جہاز پر پہنچ جائیں۔“

”ٹھیک ہے۔“ بٹکانے نے اب خود پرتالو پایا تھا۔ پھر اُس نے اپنے آدمیوں کو یہی ہدایات دیں۔ اور سب ان عجیب دروازوں کی طرف بڑھ گئے۔ بلاشبہ یہ بہترین کامیابی تھی۔ قید خانے کے محافظ اس کے دروازے کی جانب تھے۔ اُن کو انہیں کسی سازش کی امید نہیں تھی پھر بات ہو گئی تھی اور وہ سب آرام کرنے لیٹ گئے تھے۔ اس لئے کافی بڑی تعداد ہونے کے باوجود ہمارے بارے میں کسی کو پتہ نہیں چل سکا اور ہم کامیابی سے ایک قطار کی شکل میں چل پڑے۔

میں نے سمندر کے اس رخ کا تعین کیا تھا جہاں سے ہمیں لایا گیا تھا۔ اور جہاں ہمارا جہاز موجود تھا۔ تب ہم ساحل پر پہنچ گئے۔

اور ساحل پر کچھ لوگ موجود تھے۔ یہ شاید بات کے محافظ تھے لیکن ان کی تعداد دل بارہ سے زیادہ نہیں تھی۔ اس کو وہ دیکھ کر وہ صورت حال معلوم کرنے کے لئے آگے آگے۔ انہیں گمان بھی نہیں تھا کہ یہ ہم لوگ ہو سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہم نے بھی اظہار نہیں کیا کہ ہم ان سے چھپنا چاہتے ہیں۔ اور دونوں طرف کا یہ اطمینان انہیں نے دیا۔ قریب پہنچتے ہی ہم نے ان کی گونجناپ لیں اور پھر میں تو اپنے ساتھیوں سے کہہ رہی چکا تھا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کرنا ہے۔ ان لوگوں کو نہایت اطمینان سے ختم کر دیا گیا اور ہمارے سامنے ان کی لاشیں اٹھانے آگے بڑھ گئے۔ یہ لاشیں انہوں نے آگے بڑھ کر سمندر میں ڈال دی تھیں۔

ساحل سے کشتیاں کھول کر ہم جہاز کی طرف چل پڑے۔ کشتیاں پر جہاز پر پھینکنے والی کمندیں موجود تھیں جن کی مدد سے ہم جہاز پر چڑھ سکتے تھے۔

عجیب ماحول تھا۔ ابھی تک ہمیں کسی خاص مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا اور یہ بات اُلکھی سی لگ رہی تھی۔ ہمارا جہاز دُور سے صاف نظر آ رہا تھا۔ اس پر معمولی سی روشنی ہو رہی تھی۔ ظاہر ہے تارکے کے آدمی وہاں موجود ہوں گے لیکن یقین تھا کہ ان کی کوئی بڑی تعداد وہاں موجود نہیں ہو سکتی تھی۔

بٹکانے نے دوسری دیوار کے اس دروازے کو بھی اسی انداز سے دیکھا۔ کسی کے منہ سے کوئی آواز نہیں نکلی تھی اور یہ مشکل کام اتنی خاموشی سے ہوا تھا کہ ابھی تک باہر موجود لوگوں کو کبھی سی آہٹ بھی نہیں پہنچ سکی تھی۔ جب قید خانے کی دیواروں کی دروازے بن گئے تو میں نے اپنا کام ختم کر دیا۔

”ان لوگوں کو ابھی تک کوئی اندازہ نہیں ہو سکا بٹکانے؟“ میں نے کہا۔

”ہاں۔“ بٹکانے کے حلق سے نکلنے والی آواز غیر اختیاری تھی۔

”کیا یہ دروازے کافی نہیں ہیں؟“ میں نے پوچھا۔

”کافی ہیں۔“

”تب پھر چلو۔ لیکن خاموشی سے باہر نکلو۔ اگر کسی سے پتہ چل جائے تو اسے بلا کھٹ ختم کر دو۔“ میں نے کوشش یہی کرنی چاہیے کہ زیادہ اٹھان اٹھانے سے جہاز پر پہنچ جائیں۔“

”ٹھیک ہے۔“ بٹکانے نے اب خود پرتالو پایا تھا۔ پھر اُس نے اپنے آدمیوں کو یہی ہدایات دیں۔ اور سب ان عجیب دروازوں کی طرف بڑھ گئے۔ بلاشبہ یہ بہترین کامیابی تھی۔ قید خانے کے محافظ اس کے دروازے کی جانب تھے۔ اُن کو انہیں کسی سازش کی امید نہیں تھی پھر بات ہو گئی تھی اور وہ سب آرام کرنے لیٹ گئے تھے۔ اس لئے کافی بڑی تعداد ہونے کے باوجود ہمارے بارے میں کسی کو پتہ نہیں چل سکا اور ہم کامیابی سے ایک قطار کی شکل میں چل پڑے۔

میں نے سمندر کے اس رخ کا تعین کیا تھا جہاں سے ہمیں لایا گیا تھا۔ اور جہاں ہمارا جہاز موجود تھا۔ تب ہم ساحل پر پہنچ گئے۔

اور ساحل پر کچھ لوگ موجود تھے۔ یہ شاید بات کے محافظ تھے لیکن ان کی تعداد دل بارہ سے زیادہ نہیں تھی۔ اس کو وہ دیکھ کر وہ صورت حال معلوم کرنے کے لئے آگے آگے۔ انہیں گمان بھی نہیں تھا کہ یہ ہم لوگ ہو سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہم نے بھی اظہار نہیں کیا کہ ہم ان سے چھپنا چاہتے ہیں۔ اور دونوں طرف کا یہ اطمینان انہیں نے دیا۔ قریب پہنچتے ہی ہم نے ان کی گونجناپ لیں اور پھر میں تو اپنے ساتھیوں سے کہہ رہی چکا تھا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کرنا ہے۔ ان لوگوں کو نہایت اطمینان سے ختم کر دیا گیا اور ہمارے سامنے ان کی لاشیں اٹھانے آگے بڑھ گئے۔ یہ لاشیں انہوں نے آگے بڑھ کر سمندر میں ڈال دی تھیں۔

ساحل سے کشتیاں کھول کر ہم جہاز کی طرف چل پڑے۔ کشتیاں پر جہاز پر پھینکنے والی کمندیں موجود تھیں جن کی مدد سے ہم جہاز پر چڑھ سکتے تھے۔

عجیب ماحول تھا۔ ابھی تک ہمیں کسی خاص مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا اور یہ بات اُلکھی سی لگ رہی تھی۔ ہمارا جہاز دُور سے صاف نظر آ رہا تھا۔ اس پر معمولی سی روشنی ہو رہی تھی۔ ظاہر ہے تارکے کے آدمی وہاں موجود ہوں گے لیکن یقین تھا کہ ان کی کوئی بڑی تعداد وہاں موجود نہیں ہو سکتی تھی۔

بٹکانے نے دوسری دیوار کے اس دروازے کو بھی اسی انداز سے دیکھا۔ کسی کے منہ سے کوئی آواز نہیں نکلی تھی اور یہ مشکل کام اتنی خاموشی سے ہوا تھا کہ ابھی تک باہر موجود لوگوں کو کبھی سی آہٹ بھی نہیں پہنچ سکی تھی۔ جب قید خانے کی دیواروں کی دروازے بن گئے تو میں نے اپنا کام ختم کر دیا۔

”ان لوگوں کو ابھی تک کوئی اندازہ نہیں ہو سکا بٹکانے؟“ میں نے کہا۔

”ہاں۔“ بٹکانے کے حلق سے نکلنے والی آواز غیر اختیاری تھی۔

”کیا یہ دروازے کافی نہیں ہیں؟“ میں نے پوچھا۔</

ہوئی نہ ہی وہ لوگ ملتے چمکتے ہوں گے کیونکہ بظاہر کسی خطرے کا امکان نہیں تھا۔

جہاز کے چاروں طرف پھیل کر ہم نے کندیں اچھالیں اور برق رفتاری سے اوپر چڑھنے لگے جن لوگوں کو ہم نے ساحل پر ہلاک کیا تھا ان کا اسلحہ ہمارے پاس موجود تھا۔ ہم جہاز پر اتر گئے۔ وہاں بھی ہماری خوش بختی ساتھ آئی تھی جہاز کی ٹکرانی کرنے والوں کی تعداد صرف چھ تھی۔ یہ سب کے سب بھی زرد رہ گئے تھے جن سے کسی کو کوئی ہمدردی نہیں تھی۔ اور پھر وہ آرام سے سوئے ہوئے تھے۔

چنانچہ انہیں بڑے پیار سے جگایا اور قتل کر دیا گیا۔ جہاز پر دوبارہ قبضہ ہو گیا تھا اور بیشک کا چہرہ خوشی سے گلزار بنا ہوا تھا۔

”سبوتا۔ سبوتا! بڑی اچھی بات ہے۔ ابھی تک عقل نے تسلیم نہیں کیا ہے کہ کتنی ذہنی تپیل تھیں اور پھر قید خانے اتنے کمزور تو نہیں ہوتے۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔“ اس نے کہا۔

”ان باتوں پر بعد میں غور کریں گے بیشک۔ سب سے پہلے اسلحہ نکالو۔“ میں نے سنجیدگی سے کہا۔ میری نگاہوں میں اب ایک چہرہ تھا۔ یہ سب آزاد ہو گئے تھے۔ لیکن میری وجہ یہ تھی۔ میری وجہ ابھی تک تارکس کی قید میں تھی۔ نہ جانے اس پر کیا ہوتی ہو۔

”جو تیرا حکم سبوتا ہے شک تو حالات کو آسانی سے اپنے قبضے میں کرنے والوں میں سے ہے۔ میں ابھی اسلحہ نکھواتا ہوں۔ میری رہنمائی کرے“ بیشک بالکل سیدھا ہو گیا تھا چنانچہ وہ میرے احکامات کی تعمیل میں مصروف ہو گیا۔ اس کے آدمی اسلحہ خانے میں دوڑ گئے تھے۔ اسلحہ باہر ٹھہر کر جانے لگا میں جہاز کے اس حصے سے ساحل کی ٹکرانی کر رہا تھا جہاں سے ساحل نظر آتا تھا ابھی تک وہاں کوئی حرکت نہیں تھی۔

”ابھی نہیں کے۔ بالآخر کار لکھا گئے تھے۔ بیشک نے فی الحال اسلحہ نکال دیا گیا ہے۔ تب میں نے دوسرا حکم جاری کیا۔“ پھر پھینکنے والی مشینیں جہاز پر چاروں طرف نصب کر دی جائیں اور پتھروں کے ڈھیر کر دیے جائیں۔ اس کے علاوہ تیروں کا انتظام بھی کر لیا جائے تاکہ آئے والوں پر کاری ضرب لگائی جاسکے۔

بیشک نے میرا یہ حکم بھی اپنے آدمیوں تک پہنچا دیا اور پھر تیلے لوگ کام میں مصروف ہو گئے۔ اس انداز میں کام کرنے والے میرے سپرد یہ لوگ ہوتے تھے۔ لیکن اب میرے دل میں یہ رہ کر شائبہ خیال آ رہا تھا۔ تارکس شیطان صفت ہے اور دشمنانہ وحشت خیز۔ اگر تارکس اس پر چڑھا ہوا تو وہ جان دے دے گی۔ کہیں وہ کسی حادثے کا شکار نہ ہو جائے۔ مجھے کسی قدر بے چینی کا احساس ہوا۔

لیکن میں نے اس ذمے داری کو بھی قبول کیا تھا چنانچہ میں انہیں نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ میں انہیں مشینیں نصب کرتے دیکھتا رہا۔ اور پھر بیشک اپنے کام سے فارغ ہو کر میرے پاس پہنچ گیا۔

”میں دوسرے حکم کا منتظر ہوں۔ اس نے کہا۔
”اب تمہارا کیا ارادہ ہے بیشک؟ میں نے پوچھا۔

”میں نہیں سمجھا سبوتا۔“
”اُس وقت تم زرد رہو دل بچھتا ہے تھے اور جنگ شروع کر دینا چاہتے تھے۔“

”ہاں سبوتا!“
”میں نے تمہیں صرف اس لئے روکا تھا کہ ممکن ہے تارکس ہمارے ساتھ کوئی بدسلوکی نہ کرنا چاہتا ہو۔ لیکن تارکس نے ہمارے ساتھ ساتھ مکاری کی ہے، وہ مزاکرہ کا مستحق ہے۔“

”مجھے حکم دے سبوتا! بیشک بے چینی سے ہاتھ مٹا ہوا ہوا۔“
”اب تم اپنے ساتھ لی جانے والی بدسلوکی کا بدلہ لے سکتے ہو میرے خیال سے تم اپنے گروہ کو ٹکڑوں میں تقسیم کر دو۔ ایک ٹکڑی صرف ساحل پر قابض ہے اور زرد رہو دل یا تارکس کے آدمیوں کو یہاں تک نہیں پہنچے۔ دوسری ٹوئیاں قرب وجوار کے علاقوں میں ٹوٹ مار کریں۔ خاصا ہرے تیس اپنی ضرورت کی چیزیں بھی دے گا کریں۔ اس ٹوٹ مار میں تم جیوتی یا جیوتی اہلہ اور اپنی ضرورت کا سامان بھی حاصل کرو۔ صرف چار آدمی جہاز پر رہتے دو اور چار آدمیوں کو ایک کشتی پر چھوڑ دو۔ ساحل پر جو دو گ ٹوٹ کا سامان کشتی پر بار کر دیں گے اور چند آدمی کشتی کو جہاز پر لائیں گے۔ اوپر والے آدمی یہ سامان جہاز پر بار کر دیں گے۔“

”نہایت مناسب! بیشک نے کہا اور پھر وہ دوڑ گیا۔ پھوڑی دیر کے بعد وہ اپنے آدمیوں کو مکمل ہدایت دے کر واپس آیا جہاز پر بیجاگ دوڑ شروع ہو گئی تھی۔ سب لوگ بیشک کی ہدایت کے مطابق کام کر رہے تھے۔ ہم دونوں اس کام کی نگرانی کرتے رہے اور پھر بیشک کی ہدایت کے مطابق جب تمام لوگ نیچے اتر گئے۔ تو میں اور بیشک بھی نیچے اتر گئے۔ تب ایک کشتی ہمیں بھی لے کر چل پڑی۔

”راستے میں بیشک نے مجھ سے پوچھا۔“ اب کیا ارادہ ہے سبوتا! میرا مقصد ہے کہ تم میرے سپرد کیا کام کرو گے؟

”تم بھی کسی ٹوٹی کی ٹکرانی کرو گے بیشک۔“ میں نے جواب دیا۔
”اور شاید تم کسی دوسری ٹوٹی کی پے بیشک بولا۔
”نہیں بیشک! مجھے ایک اور کام بھی ہے۔“ میں نے آہستہ سے کہا۔
”میں پوچھ سکتا ہوں سبوتا! کیا تم مجھے اس کے بارے میں نہیں بتاؤ گے؟“
”ہاں دوست! کہوں نہیں۔ تمہیں میری ساتھی لڑکی یاد ہے؟“
”اوہ! ہاں۔“ مجھے یاد ہے۔“

”اسے تارکس کی بیوی نے اپنے پاس بلایا ہے۔ اور تارکس نے اس سلسلے میں کیا کہا تھا۔“ یہ بھی تمہیں یاد ہے۔“
”ہاں۔ اس بدبخت نے کچھ بری باتیں کہی تھیں۔“
”تو بیشک۔ تارکس میرا شکاربہ ہے۔ میں نے آہستہ سے کہا اور

بیشک میری شکل دیکھنے لگا۔ پھوڑی دیر تک وہ خاموشی سے میری شکل دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔

”کیا تم اُسے قتل کر دو گے؟“
”ہاں۔“ میں نے مضبوطی سے جواب دیا اور بیشک خاموش ہو گیا۔
”ساحل پر اترنے کے بعد اس نے تمام ٹوٹیوں کو منظم کیا اور انہیں ہدایت جاری کر دیں۔ اس کے بعد وہ میری طرف مڑا اور بولا۔

”میں یہ تو نہیں کہہ سکتا سبوتا کہ تم تمہاں لوگوں ہ چھ نہیں لگاؤ سکو گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ابھی پھوڑی دیر قبل ہی میں ایک ناقابل یقین منظر دیکھ چکا۔“
”کیونکر؟“
”میں نے یہی خواہش ہے کہ تم تمہاں جاؤ۔“
”اُس سلسلے میں“
”شان ہونے کی ضرورت نہیں بیشک! میں نے

پوچھا۔ اور پھر میں ادا سے تارکس کے محل کی جانب چل پڑا۔ بیشک کی ٹوٹیوں نے ابھی اپنا کام شروع نہیں کیا تھا۔ ظاہر ہے وہ قتل عام پر آمادہ تھے اور پھوڑی دیر کے بعد ہی مجھے ان کے اقدام کے بارے میں اطلاع ہو جاتی تھی۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ بیشک اور اس کے ساتھی کس حد تک بہادر ہیں اور وہ کیا کارنامہ انجام دے سکتے ہیں۔

میں برقی زنجاری سے تارکس کے محل کی جانب بڑھ رہا تھا صرف اندازہ ہی تھا ورنہ میں محل کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ میری خواہش تھی کہ مجھے کوئی شخص مل جائے تاکہ میں اس سے تارکس کے محل کے بارے میں پوچھ سکوں۔ میری نگاہیں چاروں طرف کسی زرد رہو انسان کو تلاش کر رہی تھیں۔ میں جلد از جلد تارکس کے محل تک پہنچ جانا چاہتا تھا۔

پھر میری یہ خواہش پوری ہو گئی۔ ایک شخص نظر آیا چلے گھر کے دروازے پر سر ہوا تھا۔ میں نے دوسرے سے لے دیکھا اور اس کی طرف بڑھ گیا۔ وہ ایک سفید کپڑا اوڑھے ہوئے تھا۔ میں نے اس پر سے کپڑا ہٹا دیا۔ اور اس کا گریبان پکڑ کر کھڑک دیا۔ سیا ہوا آدمی بدحوالہ نظروں سے مجھ دیکھ رہا تھا۔ اس کی کھنٹی بندھی تھی۔ حواس جواب دے چکے تھے۔ آنکھیں خون سے سٹکڑی تھیں۔ تب وہ نہایت خوفزدہ انداز میں بولا۔

”گگ۔ گگ۔ کیا بات ہے کون ہو کیا چاہتے ہو؟“
”تارکس کے محل کی جانب میری رہنمائی کرو۔ ورنہ میں تمہاری گردن دبا کر تمہیں مار ڈالوں گا۔“ میں نے کہا۔ اس شخص کی زبان سے کوئی لفظ نہ نکلا۔ اس نے آہستہ سے گردن ہلا دی اور پھر وہ لڑنے کی تدبیروں سے میرے ساتھ آگے بڑھنے لگا۔ اس کی کھنٹی بندھی ہوئی تھی۔ وہ مجھے اشاروں سے مختلف سمتوں میں بڑھنے کے لئے کہہ رہا تھا اور پھوڑی دیر کے بعد میں نے ایک ایسی عمارت دیکھی جس کے بارے میں میں خود بھی اندازہ کر سکتا تھا کہ یہی تارکس کا محل ہوگا۔

”یہ تارکس کا محل ہے؟“ میں نے پوچھا اور اس نے اثبات میں گردن ہلا دی۔ تب میں نے ایک گھونسا اس کے سر کی پشت پر رسید کر دیا۔ کم از کم اس خوفزدہ شخص کو میں کسی ایسے طریقے سے مارنا نہیں چاہتا تھا جس کا

مجھے خود بھی احساس ہو۔ ایک گھونسا اس کے لئے کافی تھا۔ وہ بے ہوش ہو کر پھٹ سے زمین پر گر پڑا اور میں تارکس کے محل کی جانب جا رہا۔

محل میں داخل ہونے سے پہلے میں نے پھوڑی سی احتیاط کا سہارا لیا تھا۔ کم از کم ذریعہ طور میں دروازے پر موجود چوکیا داروں کو ہوشیار نہیں کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں نے محل کا ایک ایسا حصہ تلاش کیا جہاں سے اندر داخلے میں کوئی دقت نہ ہو۔ اور پھر میں محل میں داخل ہو گیا۔

محل خاصا طویل و عریض تھا اور یہاں بھی مجھے کسی رہنمائی کی ضرورت تھی چنانچہ میں نے یہاں پر بھی کرسی اور شخص کی تلاش میں لگا دیں۔ دوڑنا شروع کر دیں۔ یہی سب سے اچھا طریقہ تھا اور اسی طرح میں جلد از جلد اپنا کام کر سکتا تھا۔

پہلے دروازے کی کمی نہیں تھی۔ جگہ جگہ زرد رہو دروازے دار نظر آ رہے تھے۔ میں فی الحال خود کو ان کی نگاہوں سے پوشیدہ کرنے ہوئے تھا۔ لیکن اس طرح محل میں بھٹکتے رہنا خاصا تکلیف دہ کام تھا۔ چنانچہ میں ایک سنان گشتے کی طرف چل پڑا۔ یہاں ایک ستون کی آڑ میں رگ کر میں نے ایک پہرے دار کو ہٹا دیا۔ وہ آہستہ آہستہ سمت انداز میں اسی طرف آ رہا تھا اور جب وہ اس ستون کے قریب پہنچا تو میں نے نہایت اطمینان سے اس کی ٹانگ پر لڑی اور اپنے قریب کھینچ لیا۔ پہرے دار کے دونوں ہاتھ ایلیم اٹھتے تھے۔ دوسرے ہاتھ سے میں نے اس کا نیزہ چھین لیا اور پر ہلا ہاتھ اس کی گردن میں ڈال دیا۔

”اگر آواز نہ لگے گی تو ہمیں پر گردن دبا کر مار دوں گا۔“ میں نے غرائی ہوئی آواز میں کہا اور پہرے دار کا نیزہ چھین کر ایک طرف پھینک دیا۔ پھر میرا ہاتھ اس کے سینے میں پڑا اور اس نے لے لے کھینچ لیا۔ آہستہ آہستہ کی نوک اس کی گردن تک پہنچی تو اس کے حلق سے ڈی ڈی آوازیں نکلنے لگیں۔

”بولو۔ بولو۔“ میں نے کہا۔ اس کے گروگے پے میں نے بدستور غرغرائے ہوئے سہجے میں اس سے پوچھا اور اس نے خوفزدہ سہجے میں اقرار کیا۔
”تب مجھے تارکس کی آگاہی مل گئی۔“ میں نے آہستہ سے خفیہ کی نوک اس کی گردن سے ہٹائی۔ ”بولو۔ تیار ہو؟“ اور اس نے خوفزدہ انداز میں گردن ہلا دی۔

میں نے بازو سے پکڑے آگے دھکیلا۔ باختر کی نوک اب بھی اس کے پھلوں چبھ رہی تھی۔ پھر اس نے ایک ستون کی آڑ سے مجھے بتایا کہ وہ کمرہ جہاں سامنے دو پہرے دار کھڑے ہیں تارکس کی آگاہی ہے۔ اس شخص کے ساتھ بھی میں نے دی سلوک کیا تھا جو پہلے کے ساتھ۔ بلاوجہ لوگوں کو قتل کرنا مجھے پسند نہیں تھا۔ میں چاہتا تھا تو اس شخص کو ختم کر سکتا تھا کہ اس شخص شورش نہ مچا دے۔ لیکن میرا ہاتھ اس کے لئے کافی تھا۔ دوسرے لمحے وہ بھی زمین پر ڈھیر ہو گیا اور میں نے اُس ایک

ستون کی اسٹیں ڈال دیا۔

اب سندان دونوں کا تھا۔ ان دونوں سے نکلنے کے لئے کوئی سخت قدم اٹھانا ضروری تھا چنانچہ میں ستون کی اسٹیں کھڑا ہو کر اس فاصلے کا اندازہ کرتے رہا جو میرے اور ان کے درمیان تھا۔ اس فاصلے میں ایسی کوئی رکاوٹ نہیں تھی جس سے چھپ کر میں ان تک پہنچ سکتا۔ چنانچہ جوں جوں میں نے اہواز راست کرنا تھا اور جب مجھے یقین ہو گیا کہ قرب و جوار میں کوئی دوسرا شخص نہیں ہے تو اچانک میں ان کے سامنے آیا اور ان پر برقی کی طرح بھینٹا۔ دونوں پہرے دار چونک پڑے تھے۔ انہوں نے میری طرف دیکھا۔

مستعد لوگ تھے چنانچہ دوسرے لمحے انہوں نے مجھ پر اپنے نیزوں سے حملہ کر دیا۔ دارا تارک کی تھا کہ دونوں نیزوں کی اتنی میرے شانے پر پڑی۔ لیکن اس کا نتیجہ ان لوگوں کے لئے حیران کن ہو سکتا تھا پروفیسر میرے لئے نہیں تھا۔ میرے چہرے پر کچھ پرے کچھ پرے دارکس حد تک کارگر ہو سکتے تھے۔ اب اس کو تم بھی طرح بھیج سکتے ہو پروفیسر! میں نے ان کی حیرت سے فائدہ اٹھایا اور ان دونوں کے سروں پر ہاتھ لگا کر ایک دوسرے سے دے مارا۔ ان کے حلق سے کھٹی کھٹی چیخیں نکلیں۔ اب راستہ صاف تھا۔ تارک کی آرامگاہ کا پتہ مجھے معلوم ہو چکا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ اندر ہی ہو گا اور شاید شتانہ بھی۔ دیکھنا تھا کہ شتانہ نے اسے خود پر کس حد تک قابو پائے دیا تھا۔ دوسرے لمحے میں نے دروازے کو کھیلنے کی کوشش کی۔ لیکن دروازہ اندس بند تھا۔ چھ میرے زور دار دھکے نے دروازے کو اٹھا کر اندر پھینک دیا اور میں تیزی سے اندر داخل ہو گیا۔ خواب گاہ میں شتانہ روشن تھے۔ اچھی خاصی روشنی ہو رہی تھی۔ اس روشنی میں میں نے جو منظر دیکھا اسے دیکھ کر میرا دل بے اختیار تہمتے لگنے لگا۔

میں نے دیکھا کہ تارک کی گردن اس کے شانوں سے کافی دور پڑی ہے، اس کا جسم خواب گاہ کے درمیان فرش پر پڑا اور اس کے بے سرواں بدن کو تکیہ بناتے ہوئے شتانہ آرام سے لیٹی ہوئی تھی۔ شتانہ کا سر اس کے بدن پر رکھا ہوا تھا۔ شاید وہ سوچتی تھی۔ دروازہ ٹوٹنے کی آواز سن کر شاید اس نے گردن اٹھا کر میری جانب دیکھا تھا اور پھر وہ ایک دم چونک پڑی۔

”اوہ سبوتا“ وہ پھرتی سے کھڑی ہو کر میرے قریب پہنچ گئی۔
”سبوتا تم آگئے؟“
”ہاں شتانہ۔ اور جس بات کی توقع لیکر آیا تھا وہی یہاں مگر دیکھی“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”میں نہیں سمجھی سبوتا، شتانہ نے معصومیت سے پوچھا۔
”یہ تارک ہے نا؟ میں نے خون آلود بدن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”اں یہ تارک ہے۔“

”لیکن اس کی گردن کہاں گئی ہے؟ میں نے ہستے ہوئے پوچھا۔

”وہ پڑی ہوئی ہے۔“

”یہ اس کے شانوں سے کیسے جلا ہو گئی؟ میرے ہنوں پر سلاہٹ بکھری ہوئی تھی۔

”بس یہ اچھٹ خانے خود کو کیا سمجھ بیٹھا تھا۔ پہلے اس نے مجھے اپنی پوری کپاس بھیجا۔ وہ عورت طرح طرح سے میری دلجوئی کرنے لگی۔ سنانے کیسی عورت ہے! اپنے مرد کو دوسری عورت کے سپرد کرنا چاہتی تھی۔ اس نے مجھ سے ایسی بے شرمی کی گفتگو کی کہ مجھے غصہ کرنے لگا۔ اور سبوتا میں نے اسے روک دیا کہ وہ مجھ سے ایسی گفتگو نہ کرے۔ وہ مجھے اپنے شوہر کی خصوصیات بتا رہی تھی۔

لیکن سبوتا میں نے کچھ بھی سننا پسند نہ کیا۔ اس کا زوروت نے مجھ سے صاف کہا کہ اگر میں اس کے شوہر کی غفلت میں چلی جاؤں تو وہ مجھے مٹا مانگا انعام دے گی۔ دل چاہا کہ اسے خود ہی کوئی انعام دے دوں۔ لیکن پھر میں نے سوچا کہ یہ مجھے اپنے شوہر کے ایسا پرہی تو غفلت میں جانے پر آمادہ کر رہی ہے۔

اور سبوتا! پھر میں یہاں آگئی۔ یہ شخص نشے میں مست خواراگاہ میں داخل ہوا تھا۔ میں نے سوچ رکھا تھا کہ اسے شدید قسم کی سزا دوں گی۔ لہذا میں نے خود کو اس کی حرکتوں کے لئے تیار کر رکھا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں دنیا کی حسین ترین عورت ہوں۔ وہ اپنی ملکہ بلایا کھلاقت دے دے گا اور ہمیشہ کے لئے مجھے اپنا بنائے گا۔ میں نے بھی مسکرا کر اس کی پذیرائی کی۔ پھر جب وہ میرے قریب آیا سبوتا! تو پھر میں نے اس کی مردانہ طاقت آزمائی۔ میں نے اسے اٹھا کر زمین پر بچھ دیا۔ میں نے اس کی گردن پر اپنا پاؤں رکھا اور اس کی آنکھیں باہر نکل آئیں۔ میں نے اسے کہا کہ کیا یہی اس کی مردانگی ہے۔ لیکن سبوتا۔ ہر شخص سبوتا تو نہیں ہوتا۔ اس نے اپنی زندگی بچانے کے لئے جدوجہد کی۔ میں نے اسے اس کا موقع نہیں دیا تھا کہ وہ کسی پہرے دار کو آواز دے۔ بس جب میں نے محسوس کیا کہ وہ تنگ گیا ہے۔ تب سبوتا! میں نے اسے زمین پر گرا کر خیر کر دیا۔ اور اس کی گردن اٹھا کر دودھ پھینک دی۔ بھلا یہ کوئی معمولی بات ہے کہ کوئی شتانہ پر قابو پا سکے۔ شتانہ نے فخریہ انداز میں کہا اور میں نے ایک بار پھر شتانہ کو سینے سے بھینچ لیا۔

”بہت خوب۔ حالانکہ میں تو یہ سوچ کر آیا تھا کہ کہیں اس کی بخت نے تمہیں نقصان پہنچایا ہو؟“

”نہیں سبوتا۔ شتانہ تمہارے سامنے بھگی پٹی ہے، دوسروں کے لئے وہ آج بھی سیکائی کی خوشخوار شیرینی ہے۔“ شتانہ نے کہا۔

”میں تسلیم کرتا ہوں شتانہ۔ آؤ چلیں۔“

”لیکن ہوا کیا سبوتا ہے؟“

”کس سلسلے میں ہے؟“

”میں نے شتانہ کا کہ اس نے تم لوگوں کو تیر کر دیا تھا؟“

”تم نے کس سے سنا تھا شتانہ؟“

”وہی کیفیت لاف و گراف کرتے ہوئے یہ بات بتا رہا تھا کہ میرے تمام ساتھی قید خانے میں ہیں اور انہیں بہت جلد قتل کر دیا جائے گا۔ اس نے گویا مجھے اپنی جانب سے دلاسا دیا تھا کہ فکر نہ کروں۔ وہ بہ حال میرے ساتھ ہے اور مجھے بہت اچھی طرح رکھے گا۔ لیکن مجھے یہ سن کر پریشانی عزر ہوئی تھی۔“

”شانہ۔ میری موجودگی میں بھی؟“

”نہیں سبوتا۔ بس مجھے یہ خیال تھا کہ قید خانہ تمہیں نہیں روک سکے گا۔“ شتانہ نے عجب بات انداز میں کہا اور میری پیشانی پر ٹھوس لی۔

تب ہم دونوں باہر نکل آئے۔ دروازے پر شتانہ نے دونوں پہرے داروں کو اسیا دیا ہا پڑے دیکھا تھا۔ اور پھر جب ہم نے محل سے باہر قدم رکھا تو شور کی آوازیں بہت تیزی سے بلند ہو رہی تھیں۔

شانہ چونک کر رگ گئی۔ ”یہ کیسا ہے؟“ اس نے پوچھا۔

”بشک اور اس کے ساتھی ان لوگوں سے اپنا انتقام لے رہے ہیں۔“ اور یقیناً اس کا مشورہ تمہیں ہی دیا ہو گا۔“ شتانہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ہاں شانہ۔ بشک شاید مجھے نزول سمجھ رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ زور اس نے جس شخص کو جہاز پر اپنا نائب بنا کر بھیجا ہے۔ وہ ایک یزدل انسان ہے اور وہ کسی سے جنگ کرنا نہیں چاہتا لیکن شتانہ میں معاملت کا قائل ہوں۔ میں ہر معاملے میں طاقت آزمائی پسند نہیں کرتا طاقت انسان کو ضرور آزمائی جاتی ہے، لیکن اس وقت جب اس کی ضرورت نہیں آئے۔ چنانچہ میں نے بشک کو باز رکھا تھا۔ پھر جب تارک کھل کر مارے سامنے آگیا۔ اس نے ہمیں قید کرنے کے بعد یہ سوچا کہ شاید وہ اپنی گوششوں میں کامیاب ہو گیا ہے۔ تب میں نے بشک سے کہا کہ ٹھیک ہے وہ خود بھی اپنے معاملات میں آنا دے چنانچہ میں نے قید خانے کی دیواریں توڑیں۔ تمام لوگوں کو آزاد کیا۔ اپنے جہاز پر قبضہ کر لیا اور اس کے بعد اسلمہ لے کر میں نے بشک سے کہا کہ وہ اپنے آدمیوں کی ٹولی دیکر کوٹ مار کے لئے نکل پڑے۔۔۔۔۔“

میں نے دیکھا لوگ بڑی طرح بدحواس ہیں۔ ایک دوسرے کی طرف دوڑ رہے ہیں۔ صورت حال معلوم کر رہے ہیں۔ بہت سے لوگوں کو توجہ بھی نہیں تھا کہ ہوا کیسا ہے۔ شور کی آوازیں زیادہ تر ساحل کی طرف سے آرہی تھیں۔ میں نے بشک کو ہدایت کر دی تھی کہ زیادہ دُور جانے کی کوشش نہ کرے۔ جہاں تک ہو سکے ساحل کے نزدیک نزدیک اپنا کام کرے اور تارک کا محل بہ حال ساحل سے کافی دُور تھا۔

میں اور شتانہ نے خوفی سے آگے بڑھ رہے تھے۔ لوگوں کی نگاہوں سے بچنے کی ہم نے کوئی خاص کوشش نہیں کی تھی۔

لیکن پھر ایک ایسے گروہ نے ہمیں دیکھ لیا جو شاید ہمیں پہچان گیا تھا۔ ”قیدی۔ قیدی بھاگ رہے ہیں۔ پکڑو۔“ اور دکل بارہ افراد

پر مشتمل یہ گروہ ہماری طرف دوڑ پڑا۔ تب میں نے اپنی شاندار ساتھی کو دیکھا۔ وہ ایک چمکدار خنجر نکال کھڑی ہو گئی تھی۔ وہ خنجر میرے پاس بھی موجود تھا جو میں نے پہلے دار سے چھینا تھا۔

ہم دونوں پھرے ہوئے گروہ کے قریب آئے کا انتظار کرنے لگے۔ ”پکڑو۔ پکڑو۔“ وہ پھر چننے اور جوش میں تڑپ آگئے۔ ہم دونوں کے ہاتھ ایک ساتھ چلے گئے اور دو دلدور جنسین گونج اٹھیں۔ دوسرے لوگ ڈگ گئے۔

”شانہ۔ میرے پیچھے آجاؤ۔ جو تم تک پہنچے اس کا صفایا تم کر دینا۔ باقی لوگوں کو میں دیکھتا ہوں۔“ یہ دس بارہ آدمی تھے۔ میرے لئے کوئی حیثیت نہیں رکھتے تھے۔ لیکن میں نہیں چاہتا تھا کہ شانہ کو خراش بھیج دینے اور اس کے لئے ضروری تھا کہ ان لوگوں کو کوئی ایسی بات دکھائی جائے جس سے ان کا جوش خروش ختم ہو جائے۔ خنجر اس وقت زیادہ کارآمد نہیں تھا چنانچہ میں نے ہاتھ خالی کر لئے۔ پھر ایک نیزہ میرے سینے سے نکلا اور میں نے اسے پکڑ لیا۔ نیزہ بردار فضا میں کافی اونچا اچھل کر اپنے ساتھیوں پر جاگرا اور پھر میں نے یہی عمل دہرا کر شروع کر دیا۔ مجھے ان کے ہتھیاروں کی تو پرواہ تھی نہیں، بس میں نے انہیں پکڑ کر اٹھالنا شروع کر دیا اور گویا ان کی حیثیت ختم کر دی۔

اب وہ اچھل اچھل کر ایک دوسرے پر گر رہے تھے اور چیخ رہے تھے۔ ان کے ساتھیوں کے آگے ترچھے ہو جانے والے ہتھیار خود انہیں زخمی کر رہے تھے۔

ان لوگوں کو ناکارہ کرنے میں ہمیں ذرا بھی وقت نہ ہوئی۔ شتانہ خنجر ہاتھ میں لے کھڑی رہ گئی تھی۔ اسے کچھ کہے کا موقع ہی نہیں مل سکا تھا۔ ”آؤ۔“ میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا اور شتانہ ہنس پڑی۔ وہ میرے ساتھ چل پڑی تھی۔ ”کیوں، ہنسی کیوں آئی؟“

”سوچ رہی ہوں کہ اس خنجر کا کیا کروں۔“

”کیوں؟ میں نے پوچھا۔

”اس کے استعمال کی تو نوبت ہی نہیں آئی۔“

”ممکن ہے آگے آجائے۔“ میں نے بھی ہنس کر کہا۔

”ہاں۔ اس صورت میں کہ چالیس چالیس افراد کا گروہ سامنے آئے۔ دس میں آئے تو اسی طرح مارے جائیں گے۔“

”قتل کرنا ضروری تو نہیں ہے؟“ میں نے کہا۔

”ہاں۔ لیکن اگر وہ خودی مرنے کے خواہشمند ہوں۔“ وہ دیکھو وہ آگ لگ رہی ہے۔“

”بشک خاصا خونخوار ہے۔“

”ہاں۔ دیکھو جگہ جگہ آگ پھیل رہی ہے۔“ شتانہ نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا اور میں بھی گہری سانس لے کر بشک کی کارروائی دیکھنے لگا۔ ہم دونوں ساحل کی طرف دوڑ رہے تھے۔ بلاشبہ بشک نے خوفناک معرکہ سرگرم کر رکھا تھا۔ بے شمار لوگ جنگ کر رہے تھے۔ ہتھیاروں کے

ایک دوسرے سے ٹکرانے کی جھڑپوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ گویا زور دے رہی تھی۔
 سے مسخ ہو کر متلاطم پر اُڑ گئے تھے۔
 ”شمان!“ میں نے شمانہ کو آواز دی۔
 ”ہوں“

”میں نہیں چاہتا کہ بیشک کے آدمی زیادہ شقت اٹھائیں۔ میں ان کے ساتھ ہیں میں زیادہ کسی پسند نہیں کر سکتا گا۔“
 ”تب آؤ۔“ اس کی مدد کریں۔ شمانہ نے بے خوفی سے کہا اور میں نے اُن کا ہاتھ پکڑ کر اس کی طرف دوڑنا شروع کر دیا۔ ہم طرفائی رفتار سے دوڑ رہے تھے۔ راستے میں بھی چند لوگوں کو قتل کرنا پڑا جنہوں نے ہمارا راستہ روکنے کی کوشش کی تھی۔
 اور پھر ہم ساحل پر پہنچ گئے۔ یہاں کالام بچہ جی جاری تھا جگہ جگہ لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ ان میں زیادہ تر زور دوڑ لوگ تھے۔ چند مقامی بھی تھے۔ کئی بڑے بڑے لوٹ کا سامان ڈھیر تھا۔ اس میں وہ بھی تھا جس کی موت نہیں تھی۔ لیکن جنگ جنگ ہوتی ہے۔

کئی سے جہاز کے درمیان سفر کرنے والی کشتی تیزی سے اپنا سفر کر رہی تھی۔ اس بار وہ کئی سے پرائیویس بھی واپس میں اس میں سوار ہو گیا شمانہ بھی میرے ساتھ تھی۔ جہاز پر سے سامان اٹھینے چاہتے لگائیں اُن طرف متوجہ نہ ہوا بلکہ شمانہ کو لے کر اوپر پہنچ گیا۔

اور پھر اسٹے کے ڈھیر سے میں نے ایک وزنی کھانڈ اٹھا لیا۔ شمانہ نے ایک ٹکڑا پسند کیا تھی۔

”چلو۔“ اس نے کہا اور میں نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال دیا۔
 ”تم نہیں شمانہ!“ میں نے کہا۔
 ”کیا مطلب؟“
 ”تم یہ کیوں بھول رہی ہو کہ تم میری عورت ہو۔“
 ”کیوں۔“

”اور یہ بات بھی تمہیں معلوم ہونی چاہیے کہ مرد کی موجودگی میں عورت کی جنگ مرد کے لئے بھی تکلیف دہ ہوتی ہے۔“
 ”اوہ سبوتا۔“ کیا میں صرف عورت ہوں۔ کیا میں دوسری عورتوں سے مختلف نہیں ہوں۔“ شمانہ نے پتھر پتھر سے کہا۔
 ”یقیناً ہو۔“ لیکن تمہارا مرد تمہارے سامنے ہے۔“

”میں تسلیم کرتی ہوں۔“
 ”تو خاموشی سے کھڑی ہو کر اپنے مرد کی جنگ دیکھو۔“
 ”ٹھیک ہے۔“ شمانہ نے محنت بھری نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا اور پھر میں جہاز سے نیچے اُڑ گیا۔ خالی کشتی روانہ ہونے کے لئے تیار تھی۔ میں اس پر سوار ہو گیا اور تھوڑی دیر کے بعد کشتی کئی سے پہنچ گئی۔
 لیکن پھر میں نے کسی قدر بدلے ہوئے مناظر دیکھے۔ جنگ۔ جو

چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی اب سسٹے لگی تھی۔ یا تو بیشک کے آدمی اپنا کام مکمل کرنے کے بعد پانی اختیار کر رہے تھے۔ یا پھر سبیا پھر صورتحال بدلنے لگی تھی۔

میں تیزی سے آگے بڑھا۔ تب مجھے دوسری صورتحال کا احساس ہوا۔ میں نے دیکھا زور دوڑوں کا زبردست جہاد بڑھ رہا تھا۔ وہ بہت بڑی تعداد میں تیار ہو کر آگے تھے اور بیشک کے آدمیوں سے نہایت دیرلی سے جنگ کر رہے تھے۔

بیشک نے عقلمندی یہ کی تھی کہ اپنے کھڑے ہوئے آدمیوں کو سمیٹ لیا تھا اور باقاعدہ صف بنا کر جنگ کر رہا تھا۔ اس طریقے نے ابھی تک اسے بچائے رکھا تھا ورنہ اگر اس کے آدمی کھڑے ہوئے ہوتے تو اب تک ان کا مقابلہ ہو گیا ہوتا۔

بیشک کے آدمی بلاشبہ بے حد دیرلی سے لڑ رہے تھے۔ لیکن ایک کا مقابلہ دس سے تھا۔ کہاں تک قتل کرتے تھیں۔ ان کے انداز سے نمایاں تھی۔

اور میں صورت حال بدلنے پہنچ گیا۔ میں نے بیشک کی صف چوری۔ اور میرا کھانڈ اتنی تیزی سے گردش کرنے لگا۔ خود ستائی ہے پھر فیئر لیکن میں خود کو بطور حالات بدلنے والا کہہ سکتا ہوں۔ کھانڈ نے کئی لمبائی میں انسان صاف ہونے لگے۔ پہلی بار انہوں نے موت کی یہ شکل دیکھی تھی میں نے چند لمحات میں ایک گہرا غلا پیدا کر دیا۔ اس وقت تو اجتماعی طور پر قتل و غارتگری کرنا پڑی تھی تاکہ بیشک کے لوگوں کو سینے کا موقع مل جائے۔ جنگ میں ایک نمایاں تبدیلی یہ ہوئی تھی کہ لوگوں نے کھانڈے کی تباہ کاری دیکھنا شروع کر دی تھی۔ وہ اس کی کاٹ دیکھ رہے تھے اور ششدر تھے۔ انہیں یہ احساس بھی نہیں رہا تھا کہ کھانڈ اب ان تک پہنچنے والا ہے۔ دیکھنے والے کو صرف یہ دیکھ رہے تھے کہ چوڑا کھانڈ اٹھتا ہے اور خون ہی خون اُبل رہا ہے۔ جسم دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ کوئی درمیان سے کٹتا ہے کسی کو صرف جھپٹ لگتی ہے لیکن وہ بھی کھڑا نہیں رہ سکتا اور زخمی ہو کر گر کر رہنے لگتا ہے۔ بات صرف اپنی لوگوں کی نہیں تھی بلکہ بیشک کے ساتھ بھی جنگ بھول گئے تھے۔ وہ بھی تیر تیر لگا ہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ بلاشبہ میں دیر سے پہنچا تھا۔ لیکن میں نے اپنے حصے کا کام چند لمحات میں ہی انجام دے لیا تھا۔ مرنے والوں کو بہت دیر کے بعد احساس ہوسکا کہ صورت حال کیا ہے۔ اور پھر میں نے دیکھا کہ زور دو بہت بڑی طرح پلٹ کر بھاگ گئے ہیں۔ ان کے ذہنوں پر خوف مسلط ہو گیا تھا۔ ان کے بھاگنے سے بیشک کو بھی احساس ہوا اور ایک بار پھر ان کے ہاتھ چلنے لگے۔ لیکن میں نے انہیں آواز نہ کر رکھ دیا۔
 ”بیشک!“ میرا خیال ہے ہمارا انتقام پورا ہو چکا ہے۔ اب فوری طور پر واپسی کی تیاریاں کرو۔ اور ہاں کیا تمہارے کچھ ساتھی تیزی سے کے درمیان رہ گئے ہیں؟
 ”نہیں سبوتا۔“ وہ جو رہ گئے ہیں اب اس قابل نہیں ہیں کہ ان

کے بارے میں سوچا جائے۔“ بیشک نے جواب دیا۔
 ”گویا وہ قتل ہو چکے ہیں یا زخمی ہیں؟“
 ”سبوتا۔“ اگر وہ زخمی ہوتے تو میں انہیں وہاں نہ چھوڑتا۔ وہ

مرچکے ہیں۔“
 ”اوہ“ ٹھیک ہے۔ اب واپسی کا سفر طے کرو۔ میں نے حکم دیا اور انہوں نے بلا جواز میرے حکم کی تعمیل کی۔
 وہ تیزی سے واپس پلٹے۔ بھاگنے والوں میں محنت نہیں تھی کہ ان پلٹنے والوں پر حملہ آور ہونے کی کوشش کرتے۔ وہ تو اپنی زندگیاں بچا کر اس طرح بھاگ گئے تھے کہ انہوں نے واپس پلٹ کر نہ دیکھا۔ تب ہماری کشتیاں تیز رفتاری سے جہاز کی طرف چل پڑیں۔

ہم فوج کی حیثیت سے واپس آئے تھے۔ لیکن مصلحت کا تقاضا یہی تھا کہ اب یہاں تک کہ ان لوگوں کو کمزیر نہ پھیلنے کا انتظار نہ کیا جائے۔ فیصلے بھی ہم پوری طرح تیار تھے کہ اگر وہ اپنے جہازوں کو لے کر ہم پر حملہ کرنے کی کوشش کریں تو ہم ان سے باقاعدہ جنگ کریں۔ لیکن یہ بات ابھی کسی کو بھی معلوم نہ تھی کہ تاراس مرچکا ہے۔

اور کن حالات میں مرے اُس کے بارے میں تو کوئی سوچ بھی نہ سکتا تھا۔ اگر تاراس زندہ ہوتا تو اس بات کی توقع کی جاسکتی تھی کہ وہ ہمارا تعاقب کرتا اور اپنی اس شکست پر بھٹکا کر بروہ ممکن کوشش کرتا جس سے ہمارا جہاز تباہ کیا جاسکے۔ اور ہمیں شکست دی جاسکے۔ لیکن بات تو ابھی تاراس کے آدمیوں کو بھی معلوم نہ تھی۔ لیکن امید تھی کہ بہت جلد معلوم ہو جائے گی۔ اُس وقت جب وہ تاراس سے احکامات لینے کے لئے پہنچیں گے اور تاراس کی گردن اور جسم میں انہیں کافی فاصلہ نظر آئے گا۔ اس کے بعد انہیں احکامات دینے والا کوئی نہ رہے گا۔ یہ بات مجھے بھی معلوم نہ تھی۔ بہر صورت کمندس ڈال کر ہم جہاز پر چڑھ گئے اور پھر جہاز کے بادبان چڑھائے جانے لگے۔ ہماری انتہائی کوشش تھی کہ اپنا جائزہ لینے سے پہلے جہاز کو کنٹرول سے دور لے جائیں اور بیشک اور اس کے ساتھی اس کام میں مصروف ہو گئے۔ انہوں نے اپنے زخموں پر بھی کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ شمانہ نے پُرجوش انداز میں میرا استقبال کیا تھا۔ پھر وہ تیر تیر انداز میں بولی۔ ”اوہ سبوتا۔“ میں نے بہت جگہ کرتے دیکھا تھا۔ میں نے بہت جگہ کرتے دیکھا تھا سبوتا۔ تمہارے بازو ہیں یا۔ یا۔“ وہ خاموش ہو گئی۔ میں نے دھچپ نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال دیئے اور آہستہ سے بولا۔
 ”آؤ شمانہ! آرام کریں۔ رات کافی گزر چکی ہے۔“
 ”سبوتا۔“ تم کتنے اذکھے ہو، کتنے عجیب ہو۔“ اُس نے آہستہ سے کہا۔
 ”کیوں؟“ میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔
 ”کیا تمہارے جسم پر کوئی زخم نہیں ہے؟“
 ”نہیں۔“ ان لوگوں میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ میرے بدن کو زخمی کر سکیں۔“ میں نے جواب دیا اور شمانہ کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اُس کے

بڑھ گیا۔

کو لے کر میں اپنی خواب گاہ میں پہنچ گیا۔ اسے میں **شمانہ** میں نے جہاز کے ایک ملاح کو روک کر کہا تھا۔ اگر بیشک یا کوئی اور اس وقت میرے پاس آنے کی کوشش کرے تو اسے سخت زخمی میں اب آرام کروں گا لیکن اگر تاراس کے جہاز حملہ آور ہوں تو پھر کھٹ نہ کیا جائے اور جو بھی وہ مندر میں نظر آئیں مجھے اطلاع دی جائے۔ میری ہدایت کو اس شخص نے ذہن نشین کیا اور آگے بڑھ گیا۔

شمانہ نے خواب گاہ کے چراغ روشن کر دیئے میرے بدن پر مرنے والوں کے خون کے چلتے جم گئے تھے۔ شمانہ اس بات سے مضطرب تھی کہ کیا واقعی میرے بدن پر کوئی زخم نہیں ہے۔ کیا اس خون میں میرا خون قاتل نہیں ہے؟ چنانچہ تنہائی میں بیٹھ ہی وہ مضطربانہ انداز میں بولی۔
 ”سبوتا۔“ سبوتا! تم نے جو کچھ کہا ہے۔ اس پر حیرانی کا اظہار تو بعد میں کیا جائے گا پہلے تو تم یہ بتاؤ کہ تمہارے جسم پر کتنے زخم کتنے ہیں۔ مجھے بتاؤ سبوتا! ان زخموں کے لئے میں کیا کروں۔ ان کو ٹھیک کرنے کے لئے میں کیا کر سکتی ہوں۔“ سبوتا! مجھے بتاؤ۔“

”اوہ۔“ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ ”تم میرے زخموں کے لئے مضطرب ہو شمانہ؟“ میں نے پوچھا۔

”یہ بات پوچھتے کیوں ہو سبوتا؟ میری زندگی میں اب تیرے سوا ہے کیا۔“ اگر میں تمہارے لئے پریشان نہ ہوں تو کیا کروں گی؟
 ”تب پھر پریشانیاں لینے ذہن سے جھٹک دو شمانہ۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ کیا میں آپس ٹھیک نظر نہیں آ رہا؟“
 ”وہ سب تو ٹھیک ہے سبوتا۔ لیکن تم بہت مضبوط ہو۔ میں سمجھتی ہوں کہ تم اپنی تکلیف پر قادر ہو سکتے ہو۔“

”اچھا اب پریشان نہ ہو۔“ لیکن غصہ و افسوس اپنے بدن سے یہ خون صاف کر لوں۔ یوں بھی میں اس سے گتارہا ہوں۔ اور پھر تم میری عورت ہو۔ یہ بات میں کیسے پسند کروں گا کہ اجنبی لوگوں کا خون تیرے بدن سے مس کرے۔“

”تم واقعی بالکل ٹھیک ہو سبوتا؟ شمانہ نے کسی قدر شوخی کے انداز میں پوچھا۔

”ہاں شمانہ! اس میں جھوٹ نہیں ہے۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ میں نے جواب دیا لیکن شمانہ بہت محتاط تھی۔ اس نے خود ہی مجھے ٹوٹل ٹوٹل کر دیکھنے کی کوشش کی اور آہستہ آہستہ میرا سارا لباس میرے بدن سے جدا کر دیا۔ پھر اس نے ہر ایک پرچے سے میرے بدن کا خون صاف کیا۔ خون اُلوہ لباس اُڑ گیا تھا۔ اندر کا لباس صاف تھا۔ جو جھٹے کھٹے ہوئے تھے اور جن پر خون جما ہوا تھا۔ شمانہ نے ایک پیرا گیلہ کرنے کے بعد اس سے میرے جسم کو صاف کر دیا اور پھر میری بات کی تصدیق کرنے کے بعد وہ خوشی سے سرشار ہو کر بے ساختہ مجھ سے پٹ گئی۔

”اوہ سبوتا۔“ تم کتنے اذکھے ہو، کتنے عجیب ہو۔“ پھر کتنے

عجیب ہوا کہ میں کتنی غرض قسمت ہوں، اس نے میرے بدن کے چنانچہ کتنے بوسے لئے۔ اور پھر میں نے اپنے بازوؤں میں اٹھایا اور آرام کی جگہ پر لٹا دیا۔ میں اس کے نزدیک ہی بیٹھ کر اس پر چھک گیا تھا۔ سخت محنت اور مشقت کے بعد شامانہ حسین ترن قرب ساری تکلیف کو ختم کر دیا کرتا تھا۔ اس وقت بھی میں نے شامانہ کے حسین دلاڑیہم سے اپنی ٹھکن دور کی تھی۔ اس وقت میں سرور کی ال بلندوں پر تھا جہاں پہنچنے کے بعد عام انسان کی ساری ہلاکتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ شامانہ بھی میری محبت کا میری زندگی کی خوشی کا جزو بن جاتی تھی۔ شامانہ کا بھر پور تعاون میرے اندر آگ لگا رہا تھا۔ میں اس کے تعاون کا جواب دے رہا تھا۔ اتنے بھر پور طریقے سے جس کا اخبار شامانہ کے چہرے پر دیکھتے ہوئے حیدر آباد کے طوفان سے ہو رہا تھا۔ شامانہ میری بھر پور سامی جس کے ساتھ محبت کے گرسنے کا کوئی احساس نہیں ہو رہا تھا۔ سارا وقت گزر گیا اور صبح نزدیک آگئی۔ حیدر شامانہ گہری نیند سو گئی تھی۔ میں نے بھی آنکھیں بند کر لی تھیں۔

کے۔ سانپ بدن چھوڑ کر بھاگ جائے۔ میں نے ایسی قوت پہلے کبھی
 نہیں دیکھی۔ ہاں قدیم قصوں میں ایسی کہانیاں سننے کو مل جاتی ہیں مگر کسی کو
 یقین نہیں آتا کہ جس نے اسے دیکھا ہے وہ بھی حیران ہے کہ کیا سبوتا دیوتا
 ہے یا اگر ایسا نہیں ہے تو وہ کیسا خواب تھا۔ سبوتا۔ تیرے بارے میں
 جہاز کا ہر شخص سوچ رہا ہے۔“

کے لئے ہمارے پاس بہت کچھ موجود تھا۔ کسی چیز کی کمی نہیں تھی۔ اللہ کا
 بستی کی جنگ میں شک کے بغیر سامنے کام لے تھے۔ جن کا سب کا غم تھا
 لیکن یہ سوچ کر سب خوش تھے کہ اس کے جواب میں جو تیار ہی پھیلائی
 گئی تھی اس کی مثال مشکل ہی سے مل سکتی ہے۔

اور پھر اس کے بعد ہی جہاز اُسے لینے کے لئے واپس جانے لگا۔

زیوراس کے آدمی مکمل طور پر مطمئن ہو گئے۔ دراصل بیشک زیوراس کا ایسا عقیدہ تھا جس پر زیوراس خود بھی بے پناہ اعتقاد کرتا تھا اور شائد زیوراس کے آدمی بھی اس پر اعتقاد رکھتے تھے کہ کسی نے اس سے کوئی شئی سچائی نہ کیا۔ جہاز ساحل کے ایک مخصوص حصے تک پہنچا یا گیا جہاں منگروال کر اسے کھڑا کر دیا گیا۔ پھر لکڑی کے بنے ہوئے بڑے بڑے پلیٹ خلمز سے منسلک کر دیا گیا۔ تب جہاز کے تمام لوگ نیچے اُتر گئے اور جہاز خالی کیا جانے لگا۔ حکومت کے نمائندے بھی جہاز کے قریب آ گئے تھے۔ ان میں مقامی لوگ بھی تھے لیکن ان میں اکاؤنٹاؤر دو بھی نظر آئے تھے جو قریباً افسر تھے۔ اور ان کے دلے جہازوں کے منگراں بھی۔ انہوں نے ساحل پر ایک لگاؤ ڈالی لیکن کسی قسم کا تعارف نہ کیا تھا اور نہ ہی کوئی ایسی بات کی جس کا کسی کو جواب دینا پڑتا۔

بیشک اپنے آدمیوں کو ہدایات دیتا رہا۔ پھر میرے قریب پہنچ کر بولا "سبوتا۔ میری فتنے داریاں جو جہاز پر تھیں اب ختم ہو چکی ہیں۔ ہاں اپنے آفاقی ہدایت کے مطابق تیری زیربانی کی عزت مجھے حاصل ہے۔ اور سبوتا! تو اس عزت کو بڑھا اور میرے ساتھ چل۔"

"ٹھیک ہے بیشک میں تمہارے ساتھ چل رہا ہوں" میں نے جواب دیا اور بیشک مجھے اور شائد نو لیکر چل پڑا۔ غالباً زیوراس نے اسے میری قیام گاہ کے باسے میں ہدایت دے دی تھیں۔ شائد یہی دراصل دارا حکومت کھلانے کی سعی تھی۔ یہاں کی آبادی نہایت ترتیب سے قائم کی گئی تھی اور نہایت ہی نظامت سے رہتی تھی۔ مکانات ترتیب سے بنائے گئے تھے، مڑکیں لگائیں، بازار سب کچھ ایک مخصوص انداز میں چیلے ہوئے تھے۔ مکانات صاف ستھرے تھے۔ اور اس سبکی کی نمایاں خصوصیت یہاں کی صفائی ستھرائی تھی جس مکان میں مجھے اور شائد کو پہنچایا گیا، وہ خاصا خوش نما اور کشادہ تھا۔ ہماری آرام گاہ ہمیں دکھادی گئی۔ یہاں ضرورت کی ہر شے موجود تھی۔

بیشک نے چند آدمیوں کو میرے سامنے لا کھڑا کیا اور ان میں ہدایت دی کہ میری ضرورت اس طرح پوری کی جائے جس طرح سردار زیوراس کی ضرورت ہو۔ اس کے بعد اس نے کہا۔ "سبوتا! تو یہاں آرام کرو اور مجھے اجازت دے کہ میں اپنے اہل خاندان سے جا کر ملاقات کروں۔ بہت جلد میری خدمت میں حاضر ہوں گا۔ تیرے لئے ضروری ہے کہ تو مجھے اپنی ضروریات سے آگاہ کرادے۔ اور میں جس لائق بھی ہوں تیرے لئے حاضر ہوں۔"

"ٹھیک ہے بیشک! ہم اپنے اہل خاندان میں جاؤ، آرام کرو آج کا دن ہم کچھ نہیں کریں گے، رات بھی آرام کریں گے۔ کل دوپہر تک ہمیں میری طرف سے اجازت ہے۔ دوپہر کے بعد یہاں آجنا ناچے باتیں کریں گے اور اگر ممکن ہو سکا تو شکایاکی سیر بھی۔"

"میں حاضر خدمت ہوں گا دل کا سبوتا۔ لیکن کیا شکایاکی سیر کرنے کے لئے گھوڑوں کا انتظام کروں؟ بیشک نے پوچھا۔

"اگر ممکن ہو سکے تو بہتر ہے۔ ہاں ایک بات تو بتاؤ۔ میں نے بیشک سے کہا اور وہ بہتر گوش ہو گیا۔

"کیا شکایا میں انبیویوں پر خاموشی تو جہاز دی جاتی ہے؟

"نہیں سبوتا۔ اس پر بے عملدگی کی بستیوں کے لوگ شکایا کرتے جاتے رہتے ہیں۔ انجینی لوگ بھی یہاں آتے ہیں اور انجینی جہاز بھی۔ اور ان جہازوں سے اُترنے والوں پر کوئی خاص نگاہ نہیں رکھی جاتی کہ انم مقامی لوگ ان کا جائزہ نہیں لیتے۔ ہاں زرد رتوں کے باسے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ انجینی مکین یہاں کسی کے لئے حیرانی کا باعث نہیں ہوتے کیونکہ انجینی بستیوں کے لوگ جن کا تعلق بہر حال اسی علاقے سے ہوتا ہے اور وہاں کا سردار بھی کہلاتا ہے وہ یہاں آتے جاتے رہتے ہیں۔ ہم کچھ بھوکے کہ اگر تمہاری افویحہ شخصیت نے کسی کو تمہاری طرف متوجہ کیا تو دوسری بات ہے ورنہ عام طور سے لوگ تمہیں حیرت سے نہ دیکھیں گے۔ ہاں باہر جہاں ضرور دیکھیں گے۔"

"واہ! یہ تو خوشی کی بات ہے۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر میں نے بیشک کو جانے کی اجازت دے دی۔

بیشک کے چلے جانے کے بعد میں نے اپنی آرام گاہ کا جائزہ لیا اور شائد سے مخاطب ہو کر بولا۔ "آرام گاہ کے باسے میں کیا خیال ہے شائد؟

"بہت خوبصورت بہت ہی حسین لیکن سبوتا تمہاری غیر موجودگی میں کچھ نہیں۔" شائد آنکھوں میں ڈھیروں پلے سجا کر بولی۔

"ادہ شائد۔ تم بہت اچھی باتیں کرتی ہو، بہت ہی اچھی۔"

"سبوتا ایک زمانہ تھا جب میں بہت بڑی باتیں کرتی تھی بہت ہی بڑی۔"

"کیا تمہیں یاد ہے؟"

"ہاں۔ لیکن وہ وقت گزر چکا ہے شائد۔ میں مسکراتے ہوئے بولا۔

"کیا تمہیں میری وہ باتیں یاد نہیں آتیں سبوتا؟ شائد نے مسکرا کر پوچھا اور میں نے ایک زبردست قہقہہ لگایا۔

"نہیں شائد! ابھی نہیں۔ میں نے شائد کی کوشش باز دؤلا اور اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔ شائد میری جانب تھک آئی تھی میں نے شائد کے نرم ہونٹوں کی حلاوت کو اپنے ہونٹوں میں جذب کر لیا۔

بیشک کی ہدایت کے مطابق اس کے خادم ہماری پھر لپٹا دیا اور کرے ہوئے تھے۔ شائد یہ ہدایت بھی بیشک نے کی تھی کہ ہمیں عہدہ نہاس بھی ہٹایا جائے۔ کیونکہ کوئی لباس میرے اور شائد کے لئے موجود تھا اس کے علاوہ ہمارے لئے ضرورت کی ہر شے موجود تھی۔

اس شام ہم نے مکان سے نکلنے کی کوئی کوشش نہیں کی اور نہ ہی خدام سے ضرورت سے زیادہ گفتگو کی گئی۔ دوسرے دن بیشک حسب وعدہ حاضر ہو گیا۔ یہ شخص اب ذاتی

طور پر بھی مجھ سے متعلق تھا۔ بات صرف اس کے آفاقی ہدایت کی نہیں تھی۔ بلکہ اب وہ خود بھی میری بات میں مکمل طور سے دلچسپی رکھتا تھا۔ اس کے ساتھ اس کی خوبصورت بیوی بھی آئی تھی، جسے شاید اس نے میرے اور شائد کے باسے میں بہت کچھ بتایا تھا۔

حسین عورت کی حسین آنکھوں میں حسین سی حیرانی تھی وہ مجھے اور شائد کو حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ میں نے اس کی خیریت پوچھی۔ لیکن وہ کوئی جواب نہ دے سکی۔ تب بیشک نے ہنس کر اس سے کہا۔ "دولا یا تم تو بالکل ہی لنگ ہو گئی ہو۔ سبوتا کی بات کا جواب تو دو۔"

"آں۔ کیا۔" پھر عورت چونک پڑی۔ اور پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ اس نے گردن خم کی اور کہا۔ "جو کچھ بیشک نے تیرے باسے میں بتایا ہے سبوتا! میری عقل حیران ہے لیکن مجھے دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ کوئی بات غلط نہیں ہے اور ان کی عورت بھی حسین ہے۔ لیکن خوبصورت ہے یہ۔ کیا میں اپنے ہاتھوں سے اسے سناؤں سکتی ہوں؟ میری دلی خواہش ہے۔"

"بیشک کی عورت! اس میں حرج بھی کیا ہے، تو میرے لئے محترم اور مقدس ہے اور ہم تیرے یہاں۔" میں نے جواب دیا اور بیشک منگے لگا۔ تب دولا یا شائد کے پاس پہنچ گئی۔ وہ اس کے بازوؤں پر ہاتھ پھیر رہی تھی اور اس سے اپنی محبت کا اظہار کر رہی تھی۔ تب میں نے بیشک سے کہا۔

"بیشک! عورت عورت سے بہت زیادہ متاثر ہوتی ہے اور بہت جلد بے تکلف ہو جاتی ہے چنانچہ ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہونے لگے گی کہ ہم ان دونوں کو آپس میں مکمل طور پر متعارف کرائیں۔ تو کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ ہم ان کو یہاں چھوڑ کر کسی دوسری جگہ بھیجیں اور اپنے مطلب کی باتیں کریں۔" میں نے کہا۔

"یقیناً سبوتا۔ دولا یا شائد کی خاموشی ہے۔ وہ اسے کوئی تکلیف نہیں ہونے لگی۔" اور میں اس کا بازو پکڑ کر اس جگہ سے باہر نکل آیا اور مکان کے دوسرے حصے میں پہنچ کر بیشک کے پاس بیٹھ گیا۔

"جیسا کہ تجھے معلوم ہے بیشک کہ زیوراس نے کچھ مخصوص کام میرے سپرد کئے ہیں سو مجھے وہ کام انجام دینا ہیں۔ لیکن آج کا دن صرف شکایاکی سیر کا ہوگا۔ لیکن اس سے قبل کہ ہم لوگ یہاں سے نکلیں، پہلے تو مجھے یہ بتا کر کیا تو نے گھوڑوں کا انتظام کر لیا ہے؟

"یقیناً سبوتا۔ گھوڑے باہر موجود ہیں۔"

"بہتر۔ ایک بات اور بتا بیشک!"

"پوچھو سبوتا!"

"جیسا کہ تو نے کہا کہ دوسری بستیوں کے لوگ یہاں آتے رہتے ہیں، چونکہ زیوراس نے جو کام میرے سپرد کیا ہے وہ شدیدہ بنیت رکھتا ہے اس لئے میں نہیں جانتا کہ دوسرے لوگ اگر میری طرف متوجہ ہوں تو مجھے اپنے حالات اور اپنے ماحول سے انجینی باتیں۔ میری خواہش ہے کہ تو مجھے

قریب دھماکے اور دُور دور کی ان بستیوں کے نام بتا، جہاں سے لوگ یہاں آتے رہتے ہیں۔ تاکہ اگر لوگ مجھ سے سوال کریں تو میں انہیں اس کا قسقی جھٹل جواب دے سکوں اور یہ باور کرسکوں کہ میں دوسری بستی سے مفرد آیا ہوں لیکن ان علاقوں کا انجینی نہیں ہوں۔"

"مناسب ہے سبوتا! تیری ذہانت سے میں انکار نہیں کر سکتا۔ کچھ نام ذکر نہیں کرنے۔" بیشک نے کہا اور مجھے ان چیزوں کے نام بتانے لگا جو قریب و دُور واقع تھے۔ میں نے ان میں سے چند نام اچھی طرح ذہن نشین کر لئے۔ پھر میں نے بیشک سے اور بھی دوسری بہت سی باتیں پوچھیں اور ضروری باتیں تھا کہ آج یہ نغمہ کے باسے میں ساری تفصیلات معلوم کروں۔ کچھ روز یہاں ضرور گزارنے تھے اور اس کے بعد ہی روانہ ہونی تھی۔ فوری طور پر یہاں سے واپسی بہت سی نگاہوں میں شک و شبہ کے آثار پیدا کر سکتی تھی۔ اور پھر بیشک بھی بہر حال ایک خوبصورت طے کرنے کے بعد اپنے گھر واپس آیا تھا۔ یقیناً وہ بھی کچھ روز یہاں گزارنا پسند کرتا۔ اس کے علاوہ میری ذاتی خواہش تھی کہ شیدا کی حکومت کا بھی جائزہ لوں اور اندازہ لگاؤں کہ فرما کی بستی کے لوگ شیدا سے کس حد تک تعاون کرتے ہیں اور اس کے باسے میں کیا رائے رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ زرد رتوں کی قوت و دما کیا ہے اور وہ کس طرح رہتے ہیں۔ ان کے اقدامات کیا ہیں۔ میں نے بیشک سے اس بارے میں کوئی سوال نہیں کیا البتہ شکایاکی رعایا، اس کے لوگوں کے رکن سہن، باہر سے آئے والوں کے ساتھ ان کے سلوک کے بارے میں معلومات حاصل کرنا۔ بیشک نے پورے خلوص کے ساتھ مجھے یہ معلومات فراہم کی تھیں۔

ہم بہت دیر تک یہاں کے اور پھر اس وقت ہی ہم گھنگو سے چوکنے جب کہ دونوں خوبصورت عورتیں ہماری آرام گاہ میں داخل ہوئیں۔

دولا یا شائد شکایاکی روایات کے مطابق شائد کو سچا دیتا تھا۔ اس نے شائد کے بال مخصوص انداز میں بٹ کر پورے سر پر پھیلا دیے تھے۔ پھر بے پر عجیب و غریب چیزیں لگانی تھیں۔ لباس میں بھی کچھ خصوصیت نمایاں تھیں۔ اور بلاشبہ اس قدر حسین نظر آ رہی تھی کہ اس پر لگاؤ میں جہاں مشکل تھا۔ میں اسے دیکھتا گیا اور بیشک کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"دولا یا عورت کو سچانے میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تیری آنکھوں میں اپنی عورت کے لئے حیرت ہے سبوتا! وہ ہنسنا ہوا بولا۔

"ہاں۔ شائد کا ہر رنگ مجھے پسند ہے لیکن اس رنگ میں تو وہ غلنے کیا کچھ نظر آ رہی ہے؟" میں نے کہا۔

"تیری عورت ہے بھی تو اتنی حسین۔" دولا یا نے مسکراتے ہوئے کہہ دیا۔

"اور سبوتا کے باسے میں تیرا کیا خیال ہے؟ بیشک نے ہنس کر اپنی عورت سے پوچھا۔

"اگر وہ میرے لئے محترم نہ ہوتا اور اگر میں تجھ سے محبت نہ کرتی تو یہ الفاظ کہیں نہیں مجھے کوئی عار نہ تھا کہ سبوتا نہ ہوں پر بعض ہونے کی تدت

لکھتا ہے، "دولہا بائے نکلتی سے بولی۔

ہم سب ہنسنے لگے تھے۔ اور پھر ہم باہر نکل گئے۔ چار چاق و چوبند اور دو لاکھ نوے زروں سے لیس تیار کھڑے تھے۔ چاروں کے چاروں قوی میل اور خوبصورت رنگوں کے مالک تھے۔ سو پروفیسر اپنے دل کو ہم نے اپنے اپنے لئے ایک ایک گھوڑا اور سوار ہو گئے اس کے اوپر۔ یوں چاروں چل پڑے شکایا کی گلیوں اور بازوؤں میں۔ سود کھینچنے والے دیکھ رہے تھے ہمیں اپنے مکاؤں سے، اور دُکھتے تھے، سوچتے تھے اور سوچتے رہ جاتے تھے اور گھوڑے آگے بڑھ جاتے تھے۔ دونوں عورتیں ایک دوسرے سے باتیں کر رہی تھیں۔ دولہا، شتانہ کو شکایا کے بائے میں بتا رہی تھی اور بشک مجھے۔ ہم دو درونک گھوڑوں پر سفر کرتے رہے بشک مجھے تمام تفصیلات بتاتا رہا۔

ادھر پروفیسر اپنا میں نے شکایا کو بہت ہی اچھا۔ درحقیقت میں نے مخصوص کیا پروفیسر اگر شکایا بستی والوں نے ہمیں دیکھا تو سبھی یکن حرف اس طرح کہ مردوں کی آنکھوں میں ان دونوں عورتوں کو دیکھ کر خیرین دینیدگی کے جذبات ابھرتے اور یہی کیفیت وہاں کی عورتوں کی تھی۔ زرد درون جہاں بھی نظر آئے وہ محتاطا خطا سے بچتے۔ خام طور سے ان کی عورتیں شکایا کی گلیوں اور بازوؤں میں نظر نہیں آتی تھیں۔ وہ کسی جگہ نہیں رکتے تھے بلکہ صرف اپنا کام انجام دیتے تھے۔ ہاں یہ بات سکاٹی سے ذرا مختلف تھی۔ سکاٹی بستی میں ان علاقوں میں زرد درون کو آنے کی اجازت نہیں تھی جہاں مقامی لوگ رہتے تھے۔ سکاٹی بستی نے ان لوگوں کو رہنے کو علاقہ تو دے دیا تھا لیکن اپنے درمیان آنے کے لئے ان پر سخت پابندی لگا رکھی تھی۔

لیکن شکایا میں یہ بات نہیں تھی۔ یہاں زرد درون کو اتنی اجازت تھی کہ وہ ہر جگہ آجاسکتے تھے اور مقامی لوگوں کے معاملات میں مداخلت کر سکتے تھے۔ میں نے وزیر پرے کو کوئی ہنگام نہیں دیکھا تھا۔ اس بائے میں بھی میں نے بشک سے معلومات حاصل کیں۔ گھوڑے پر سوار ہو کر سے چلتے ہوئے میں نے بشک سے پوچھا، کیا یہاں مقامی باشندوں اور زرد درون کے درمیان سطروں پر تقاضا نہیں ہوتا؟

"اب نہیں ہوتا سوتا۔ پہلے ہوتا تھا؟"

"کیا مطلب؟"

"شکالہ نے سکاٹی کے وہ مقابلے کئے ہیں کہ مقامی لوگ خوفزدہ ہو گئے ہیں۔"

"ادھر کیا زرد درون کی حمایت میں ہے؟"

"ہاں۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ اگر زرد درون کسی مقامی باشندے کے کام میں مداخلت کرتے تھے تو مقامی لوگ انہیں قتل کر دیتے تھے۔ ایسے چند واقعات ہوئے لیکن شکالہ نے سختی سے ان کا حاسبہ کیا۔ جن لوگوں نے زرد درون کو قتل کیا تھا۔ انہیں گرفتار کر کے اسی جگہ ان کی گردنیں

اڑا دی جاتی ہیں ان کے ہاتھ پاؤں کاٹا دیتے جاتے۔ اور پھر شش بالائے اعلان کر دیا کہ زرد درون اس کے چیلے ہیں اور اس کی اجازت سے اس بستی میں داخل ہوئے ہیں۔ چنانچہ اگر کسی نے ان کے ساتھ بدسلوکی کی تو ان کے خاندان کے کسی ذر کو زندہ نہ چھوڑا جائے گا جو کسی زرد درون سے بدسلوکی کرے گا۔ البتہ اس نے یہ بھی کہا کہ زرد درون ان کے معاملات میں خام طور سے ذاتی معاملات میں مداخلت نہیں کریں گے۔ ہاں اگر کوئی زرد درون کسی مقامی شخص کے ساتھ زیادتی کرے تو اس کا فیصلہ اسی جگہ کر دیا جائے بلکہ اسے شکالہ کے سامنے پیش کیا جائے۔ شکالہ خود اس کے بائے میں فیصلہ کرے گا۔ ابتدا میں تو مقامی لوگوں نے شکالہ کے ان احکامات کی نفی کی لیکن مخالفت کرنے والوں کے ساتھ انتہائی سخت سلوک کیا گیا۔ یوں مقامی لوگ مجبور ہو گئے کہ شکالہ کے احکامات کی پابندی کریں لیکن نفرت کرنے والوں کے دلوں میں آج بھی زرد درون کے خلاف نفرت ہے۔ ہاں ایسے لوگوں کی تعداد بھی کم نہیں ہے جو شکالہ کے ہمنوا ہیں اور اس کی مانند زرد درون کو پسند کرتے ہیں۔

ہم لوگ بستی کا طویل سفر کر چکے تھے اور اس دوران میں نے بہت سی اہم باتیں ذہن نشین کر لی تھیں اور پھر جب سوچ چھپ گیا تو ہم سب واپس اپنی آرام گاہ کی جانب چل پڑے اور پھر قوی دیر کے بعد میں وہاں پہنچ گئے بشک اور اس کی عورت ہمارے ساتھ ہی آئے تھے۔ ہم ہم لوگوں نے رات کا کھانا مل رکھا اور بشک دوسرے دن آئے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔ آج کے لئے بس اتنا ہی کافی تھا۔ حسب معمول رات کو شتانہ میری آنکھ میں تھی اس کا سنہری بدن میرے مضبوط بازوؤں کی گرفت میں تھا۔ دولہا نے اسے جس طرح سوجایا تھا، میں نے اسے اس کی پھر پور داد دی اور شتانہ مرثا رہ گئی۔

عمر کے اس طویل دور میں پروفیسر ابے شمار عورتیں آتی تھیں اور جلی بھی گئی تھیں۔ لیکن میں جن میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ میں نے ان سب کے اثرات کو مختلف پایا تھا۔ بعض ایسی بھی تھیں جن سے جواب بھی میرے ذہن میں زندہ ہیں۔ ان کی یاد اکثر ان کی خصوصیات کے ساتھ میرے ذہن کے گوشوں میں لپکتی ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ وہ یاد مجھے بے چینیاں دیتی ہے۔ البتہ میں آرزو کرتا ہوں کہ ان کی مانند کوئی ساتھی پھر سے میری زندگی میں آئے۔

لیسا اس اور دوسری بہت سی لڑکیاں ایسی ہی خصوصیات کی حامل تھیں اور اب شتانہ۔ یہ لڑکی بھی اپنی خصوصیات کی بنا پر میری زندگی میں ایک یادگار دور تھا۔ وہ لڑکی تھی۔ بہر حال دوسرے دن میں نے ملازموں سے پوچھا کہ بشک کس وقت آئے گا؟

مجھے جواب دیا گیا کہ اگر میری ہدایت ہو تو اسے فوراً بلا لیا جائے۔ کیونکہ بشک نے انہیں یہ نہیں بتایا ہے کہ وہ کس وقت آئے گا۔

"کیا وہ گھوڑے چھوڑ گیا ہے؟ مجھے میں نے پوچھا۔"

"ہاں۔ دو گھوڑے باہر بندھے تھے میں نے وہاں سے جواب دیا۔"

"بس تو ٹھیک ہے گھوڑوں کو ہمارے لئے تیار کر دو،" میں نے

ملازموں سے کہا اور ملازم قہقہیل حکم کے لئے چلے گئے۔

ناشتے کے بعد میں شتانہ کے ساتھ باہر نکل آیا اور ہم گھوڑوں پر سوار ہو کر چل پڑے۔ شتانہ بھی دلچسپی سے شکالہ کے مختلف حصے دیکھ رہی تھی، اس نے راستے میں مجھ سے کہا، "سبوتا، اشکا یا فوما کی بستی ہے۔ فوما نے یہاں جنم لیا، یہیں پرورش پائی، اسے ایک نمایاں حیثیت حاصل رہی ہے۔ خود شکالہ کے باشندوں کو یہ بات معلوم نہیں ہوگی کہ ان کا فوما زندہ ہے۔ آہ ہم کتنا گہرا راز اپنے سینے میں چھپائے پھر رہے ہیں۔ سبوتا، کیا ہم ان لوگوں سے مختلف نہیں ہیں؟"

"اس انداز میں تو ہیں شتانہ،" میں نے جواب دیا۔

"ناجانے فوما اپنی بستیوں پر کب حکم کرانے ہوگا۔ ان زرد درون لوگوں کو تو دیکھو کس طرح پھیلے ہوئے ہیں اور مالگ پر تو ان کا کافی اثر معلوم ہوتا ہے یوں لگتا ہے جیسے مالگ بستی میں یہ لوگ مکمل طور پر قابض ہوں۔"

"ہاں شتانہ،" دوسری بستیوں کو یہ بات معلوم نہیں ہے۔"

"معلوم ہو بھی جائے تو کیا کر سکتے ہیں یہ لوگ۔ شکالہ ان کا پرکار ہے،" کاش میں شکالہ اپنے ذاتوں سے چپا سکوں۔" شتانہ کے بچے میں غراہت تھی۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

وحشی ہر تہی آج بھی اتنی ہی وحشی تھی، صرف میرے لئے وہ موم ہو گئی تھی۔ ورنہ مجھے تارک کا حشر یاد تھا اور وہ منظر بھی جب وہ تارک کے آگے سے بدن پر سر رکھے آرام سے لیٹی ہوئی تھی۔

ہم شکایا کی گلیوں اور بازوؤں کی سیر کرتے رہے۔ راستے میں نے ابھی طرح ذہن نشین کرنے تھے۔ شتانہ کے علاقے میں نے ابھی طرح دیکھے اور پھر شکالہ کے محل کی جانب نکل گیا۔ میں نے کسی سے اس کا راستہ نہیں پوچھا تھا۔ بس ایک طرف کچھ مخصوص نشانیاں نظر آئیں اور میں نے اس طرف گھوڑے ڈال دیے تھے۔

شکالہ کا محل جید حسین تھا اور نظا ہرے وہ فوما کا محل تھا۔ فوما جو اس علاقے کا شہنشاہ ہوتا ہے، شکایا کو دوسری بستیوں پر یہ وقت حاصل تھی۔

دوپہر ہو گئی۔ ہم نے ابھی واپسی کے بائے میں نہیں سوچا تھا۔ تب ایک موٹر پر ایک میں نے بشک کو دیکھا۔ وہ ایک گھوڑے پر سوار تھا۔ چل آ رہا تھا۔ شتانہ اس کی نگاہ بھی ہم دونوں پر پڑ گئی تھی چنانچہ اس نے گھوڑا سر پر ہادی جانب دوڑا دیا اور ہمارے قریب پہنچ گیا۔

"آہ سبوتا، میں کافی دیر سے تمہیں تلاش کر رہا ہوں۔"

"خیریت تو ہے بشک؟ میں نے پوچھا۔"

"ہاں، بالکل خیریت ہے۔ بس میں یہ سوچ رہا تھا کہ کب کب تم راستہ نہ جھٹک جاؤ۔ شکایا بھی جہاں سے نہی بستی ہے،" بشک نے ہمارے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

"ہاں لیکن میں جن راستوں سے گزرا ہوں بشک! تم یقین کر دو میں

نہیں بہت اچھی طرح ذہن نشین کر چکا ہوں اس لئے بھٹکنے کی گنجائش نہیں تھی۔"

"تم عظیم صلاحیتوں کے مالک ہو عظیم سبوتا۔ مجھے اس بات کا ابھی طرح اعتراف ہے،" بشک نے عقیدت سے جواب دیا۔

"اور تو کوئی خاص بات نہیں ہے بشک؟ میں نے پوچھا۔"

"نہیں سبوتا، کوئی خاص بات نہیں ہے۔ مسائے معاملات بالکل درست ہیں اور بدستور ہیں۔ کوئی ایسی بات نہیں جو قابل ذکر ہو سولے اس کے کہ میری بیوی کو شتانہ بہت پسند آتی ہے اور اس کی خواہش ہے کہ ایک طویل عرصے تک شتانہ کو اپنا ہمراہ رکھے۔ کیا تم آج میرے عزیز خاں سے ملنا کھا سکو گے؟"

"کیوں نہیں بشک! ہم تو ہمارا ہی مہمانہ ہیں۔" میں نے جواب دیا اور بشک کے چہرے پر مسرت کی سرخی پھیل گئی۔

"تیری حوصلہ افزائی ہے سبوتا۔ مجھے یقین تھا کہ تم اس کے لئے انکار نہیں کرو گے۔ چنانچہ آج دولہا یعنی میری عورت شکایا کے خاص کھانے تیرے اور تیری عورت کے لئے تیار کر رہی ہے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ اگر ممکن ہو سکا اور تم نے اجازت دے دی تو وہ تیری عورت شتانہ کو اپنے ساتھ رکھے گی۔"

"یقیناً یقیناً،" میں نے کہا۔ لیکن میرے دوست دن کی روشنی ان دونوں کی محبت کے لئے کافی ہے۔ اور اگر ان کی محبت راتوں کو بھی جاری رہی تو کیا ہم دونوں کو پریشانی نہ ہوگی؟ میں نے کہا۔ اور بشک بے اختیار ہنس پڑا۔ شتانہ مسکرا کر دوسری جانب دیکھنے لگی تھی۔

پوچھ رات کو ہم بشک کے ہاں دعوت تھے اور درحقیقت اس کی بیوی نے عجیب و غریب کھانے پکانے تھے۔ میری کیفیت سے تم ابھی طرح واقف ہو پروفیسر، یہی خوراک میرے بدن کی وہ ضرورت نہیں جو تم لوگوں کے لئے ہے۔ تاہم دنیا کی لذتوں سے میں بھی اسی طرح آشنا ہوں جس طرح تم سب۔ تو بعض کھانے مجھے جید پسند آئے اور میں نے ان کی تعریف بھی کی۔

دولہا بچہ خوش ہوئی تھی۔ تب دوران گفتگو میں نے بشک سے پوچھا، "بشک، کیا تم فوما کی محبوبہ فاما کے بائے میں جانتے ہو؟"

"فاما۔ زیادہ نہیں البتہ میں نے اس کا نام ضرور سنا تھا،" بشک نے جواب دیا۔

"تمہیں یہ بھی معلوم کہ وہ کہاں رہتی ہے؟"

"ایسی بات نہیں ہے،" بشک نے جواب دیا۔

"تو کیا تم اس جگہ کے بائے میں جانتے ہو جہاں وہ رہتی ہے؟"

"ہاں سبوتا، شکایا کے لوگ عموماً ایک دوسرے سے واقف ہیں۔ فوما کی محبوبہ رستا راکی بیٹی ہے اور رستا را ایک شاہی عہدیدار ہے۔ لیکن معتبہ ہے۔ کیونکہ اس کا شمار فوما کے وفاداروں میں ہوتا تھا۔ تاہم شتانہ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکا۔ وہ آج بھی اسی جگہ محفوظ ہے،" بشک نے

مجھے تمام تفصیلات بتائیں۔

”بستار“ میں نے زہر لپا، یہ شخص کہاں رہتا ہے؟
”شہر کے مشرق میں عبادت گاہ کے بائیں جانب، وہاں، جہاں پہاڑوں کا سیاہ مینار ہے اسی جگہ فوکی مجبور کے باپ کا مکان ہے لیکن کیوں۔ تم اس کے بارے میں معلومات کیوں حاصل کر رہے ہو سبوتا؟ بیشک نے حیرانی سے پوچھا۔

”بس، زیور اس کو اس سے بھی کام تھا، میں نے کسی حد تک لاپرواہی کا انداز اختیار کیا تاکہ بیشک کو تجسس نہ ہو۔

”اوہ۔ تو تم اس سے ملنا چاہتے ہو؟“

”ہاں بیشک! ہم اس سے ملاقات کریں گے۔“

”ٹھیک ہے، کل ہم اس سے ملاقات کریں گے، اگر تم پسند کرو تو مجھے ساتھ لے جانا اور اگر زیور اس نے کوئی ایسا ہی کام تیرے سپرد کیا ہے جس میں میری موجودگی غیر مناسب ہو تو یقیناً میں اس کے لئے کوئی اصرار نہ کروں گا۔“

”تم واقعی ایک اچھے دوست ہو بیشک! میں تمہارے اندر بے شمار اچھائیاں پا چکا ہوں، میں نے بیشک کی اچھائیوں کا اعتراف کرتے ہوئے جواب دیا۔ اس جواب میں نے یہ اقرار بھی کیا تھا کہ بیشک کی دل جانے کی ضرورت نہیں ہے اور اس حد تک کہا کہ وہ مجھے فوکی مجبور کے باپ کے مکان تک پہنچا دے۔ سو بات ختم ہو گئی اور یہ تو طے پایا ہی تھا کہ رات کی تنہائیاں اپنے لئے مخصوص ہوں گی۔ ہاں اس میں مجھے اعتراض نہ ہوا۔ سو یہ رات میں نے بیشک کے مکان ہی میں گزار دی۔ یہ ٹھیک تھا یعنی ایسا تو میں تھا جس میں ہم قیام پزیر تھے لیکن ایسا ضرور تھا جہاں قیام کیا جا سکے اور ذہن میں کوئی تردد نہ ہو۔

راٹوں کا ذکر کیسا نیت رکھتا ہے پروفیسر! اور بات صرف ابتدا کی ہوتی ہے، اس کے بعد کے معمولات یکساں ہوتے ہیں اور معمولات میں جب تک دوسرے کی طلب بھی لوہے ہے، دوسرے کا تعاون حاصل ہے اس وقت تک ان میں کوئی کمی نہیں ہوتی ہے۔ اور ہم دونوں تو بہر حال ایک دوسرے کو چاہتے تھے۔ ہاں پروفیسر! شائد اور میں ایک دوسرے کی طلب تو تھے۔

سوائے راٹوں کا کیا کہنا۔ حسب معمول شائد کی سبکھوں کے مرنے ڈوہے اور اس کی گرم جوشی یکساں تھی، اس کی طلب میں کوئی کمی نہ تھی رات کی رفتار حسب معمول رہی اور صبح کی آمد بھی۔ حسب معمول شائد دیر تک سو تی رہی۔ البتہ میں جاگ گیا تھا اور اپنی آرام گاہ سے باہر بیشک اور اس کی بیوی کی مصروفیات کی آوازیں سن رہا تھا۔

پھر حسب شائد جانی تو ہم نے دروازہ کھول دیا اور بیشک کے پاس پہنچ گئے۔ شائد نے کیا تیار کیا، کھانے کی پوری تھی۔ شائد نے بیشک سے کہا کہ میں شائد کے دوسرے حصے دیکھنے کا خواہش مند ہوں، وہاں

نے اجازت مانگی کہ وہ شائد کو دل بھر اپنے ساتھ رکھے گی۔ شائد جواب دے سے مختلف ہو گئی تھی اور اسے یاد آیا تھا کہ وہ عورت ہے، کسی عورت کی محبت کو گرا نہ بھی تھی۔ میں نے اجازت دی تو وہ بھی تیار ہو گئی۔

شائد بیشک کی عورت کے پاس چھوڑ کر باہر نکل آیا اور ہم دونوں گھوڑوں پر چڑھ کر محل پر گئے۔ بیشک میرے ساتھ خاموشی سے چل رہا تھا کہانی دیر تک ہم دونوں نے کوئی گفتگو نہیں کی اور صرف گلیوں اور بازاروں کا جائزہ لیتے رہے۔ پھر اس طرح خاموشی سے آگیا کہ میں نے بیشک کو مخاطب کیا۔

”ایک بات بتاؤ بیشک! اور بیشک سوالیہ لگا ہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ مقامی لوگوں کے ساتھ شائد کا کیا سلوک ہے یہ میرا مطلب ان پابندیوں کے علاوہ جو اس نے لگائی ہیں؟“

”بڑا نہیں ہے، میرا مطلب ہے کہ کھانا برا نہیں ہے، ہاں وہ بس اپنے خلاف بغاوت نہیں چاہتا۔ یوں بھی سوئے شائد بات خود کچھ نہیں ہے وہ تو کھانے کی ہے، لیکن ہے اسے یہ بھی معلوم ہو کہ کسی مناسب وقت زرد زرد لوگ ملے معزول کر کے اپنے آدمی کو اس کی جگہ تخت نشین کر دیں۔“

”اوہ تو اس کی اپنی کوئی آواز نہیں ہے؟“

”ہرگز نہیں، بیشک نے جواب دیا۔

”زیور اس دیر کے بارے میں مقامی لوگوں کی کیا رائے ہے؟“

”اوہ ایک سرداری حیثیت سے ملے جاتے ہیں۔ میرا خیال ہے، زرد زرد زور اس جیسے لوگوں پر گہری نگاہ رکھتے ہیں کیونکہ زیور اس کا شمار ان خطرناک لوگوں میں ہوتا ہے جو اگر کسی کے دشمن بن جائیں تو اسے جینا مشکل ہوتا ہے۔“

”اچھا، کیا یہاں کے لوگ فوکی کو کھلم کھلا یاد کر سکتے ہیں؟“

”ہاں۔ ابھی ان لوگوں کی حیثیت اتنی نہیں بڑھی کہ وہ فوکی کے بارے میں کسی پر کوئی پابندی لگا سکیں۔ فوکی یاد گاریں جگہ جگہ پھرتی ہیں، بیشک نے جواب دیا اور میں ایک دم سنبھل گیا۔ ظاہر ہے بیشک کو ایک خاص حد تک ہی راز دار بنایا جا سکتا تھا اور میرے سوالات میں خاموشی بے تکلفی تھی۔

”گو کیا یہاں کے لوگ فوکی سے بہت محبت کرتے تھے؟“

”جوتے تھے۔ آج بھی اگر فوکی کے خلاف کوئی بات کہہ دی جائے تو وہ لوگ جانیں دے دیں گے۔ گو فوکی ہماری دیر میں نہیں ہے لیکن اس کے بجائے صرف اس کے قصور کو دیکھتے ہیں۔“

”ہوں۔ میں نے گہری سانس لی۔ یہ بہر حال مانگا جزیرے میں نہ رہا لوگوں کی حیثیت بہت بڑھ گئی ہے، یہ بات نشوونما تک ہے۔“

”نہ۔ گو یادہ کام شروع ہو گیا ہے جس کی توقع کی جاتی تھی۔“

”بیشک! ہم نے کہا کہ شائد زرد زرد لوگوں کا چھو ہے، کیا اس بات سے تمام مقامی لوگ واقف ہیں؟“

”کوئی بھی، حق نہیں ہے سب سمجھتے ہیں، بیشک نے جواب دیا۔

”لیکن زرد زردوں کی قوت بڑھتی جا رہی ہے۔ اگر مغربوں کا پورہ مقامی لوگوں کے سامنے آجائیں تو پھر مقامی لوگ ان کے خلاف کیا کر سکیں گے؟“

میرے اس سوال پر بیشک خاموش رہا، دیر تک سوچتا رہا پھر بولا۔

”منسوس ان لوگوں کے مقابلے میں ہمارے پاس کوئی اچھی قیادت نہیں ہے۔ ہم انفرادی طور پر تو اس خطرے کے بارے میں سوچتے ہیں۔ اجتماع طور پر کوئی کارنامہ انجام نہیں دے سکتے۔ بس یہی کمی ہے۔“

”کبھی ان کے خلاف کوئی محاذ بنانے کی کوشش نہیں کی گئی؟“

”کچھ ہوا ہے۔ ایک گروہ تشکیل دیا گیا ہے اور یہ گروہ بڑے مزاحمت کا ہے جن میں زیور اس بھی شامل ہے۔ یہ گروہ سفید اور زرد زرد لوگوں کی کارروائیوں پر نگاہ رکھتا ہے۔ اگر کہیں کوئی ایسی کارروائی ہوتی ہے جسے مقامی لوگوں کے خلاف سمجھا جائے تو شائد کو اطلاع دی جاتی ہے اور شائد ان کے خلاف کارروائی کرتا ہے۔“

”اوہ! ایسی کوئی بات ہے؟“

”ہاں، بیشک نے جواب دیا اور میں خاموش ہو گیا۔ پھر میں نے بیشک سے بستار کے مکان کے بارے میں پوچھا اور بیشک نے کہا۔

”میں نہیں دوسری جگہوں کی سرکڑا ہوا اس طرف لایا ہوں۔ وہ اس طرف دھجھو ایک سیاہ مینار نظر آ رہا ہے۔ اس کے نزدیک ہی بستار کا مکان ہے۔ قرب و جوار میں کوئی نظر آئے تو اس سے پوچھ لینا۔“

”ٹھیک ہے بیشک! اب تم واپس جاؤ۔“

”واپس جاؤں؟ بیشک بولا۔

”ہاں کیوں؟ میں تمہیں بتا چکا ہوں، میں نے کہا۔

”ٹھیک ہے، لیکن تم واپس میں راستہ تو نہ بھٹک جاؤ گے جوتنا! کیا تم میرا مکان تلاش کر لو گے؟ بہتر ہے کہ میں کسی مناسب جگہ رک کر تمہارا انتظار کروں۔“

”یہ مناسب نہیں ہے بیشک! تم واپس جاؤ اور بے فکر ہو جاؤ مجھے اپنی یادداشت پر مکمل اعتماد ہے، میں باسانی تمہارے پاس واپس پہنچ جاؤں گا۔“

”جیسی تمہاری مرضی سبوتا۔ تم خواہ کتنی ہی دیر میں آؤ، میں نہایت سکون سے تمہارا انتظار کر سکتا ہوں۔“

”تمہاری محبت، تمہارا خلوص میرے دل پر نقش ہے بیشک! میرے دوست! لیکن یقین کر دو یہ مناسب نہیں ہوگا۔ میں نہیں کہہ سکتا یہاں میں کتنا وقت صرف کروں گا۔ چنانچہ۔۔۔۔۔“

”ٹھیک ہے سبوتا! میں واپس جا رہا ہوں، بیشک نے کہا اور پھر اس نے گھوڑا موڑ لیا۔ میں اسے دیر تک جاتے دیکھتا رہا، نہ وقت کرنے والا حیران تھا انسان تھا اور مجھے پسند تھا۔ نہ صرف وہ بلکہ اس کی بیوی بھی اچھی کی مانند باخلاق تھی پھر جب وہ لگا ہوں سے اوچھل ہو گیا تو میں آگے بڑھ گیا۔ اور اب میرا رخ اس سیاہ قدرتی مینار کی جانب تھا۔

ہوا کی کاٹ نے پہاڑ کی اس تنہا چٹان کو مینار کی شکل دے دی تھی

کسی دقت میں یہ ایک ٹیلے کی شکل کی ہوگی۔ اگر صرف چٹان ہوتی تو تو ہی بلند نہ ہوتی۔ لیکن اس انداز میں وہ عجیب لگتی تھی۔ سیاہ مینار کے قریب زیادہ آبادی نہیں تھی صرف چند مکانات بنے ہوئے تھے لیکن ان کے درمیان سبزہ زار جاڑوں طرف پھیلے ہوئے تھے، پھلوں کے درخت لہباہے رہے تھے، سبز لہریں لہریں لہریں دوڑ رہی تھیں۔ اور اس سبزہ زار میں یہ مکان کافی حسین لگ رہے تھے۔ میں نے مینار کے سب سے قریبی مکان کے بارے میں اندازہ لگایا۔

یہ ایک خوشنما مکان تھا اور شاید پھلوں کے سب سے زیادہ درخت اسی مکان کے بائیں سمت تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے پورا باغ ہو اور شاید اس مکان کے کمپوز کی ملکیت۔ بہر حال میں اسی مکان کی جانب بڑھ گیا۔ میں نے سوچا کہ اگر یہ لیستار کا مکان نہ بھی ہوا تو کم از کم وہاں سے اس کے مکان کی نشان دہی ہو سکے گی۔ چنانچہ میں مکان کی طرف بڑھ گیا۔

اور مکان کے قریب پہنچنے سے قبل ایک درخت کے نیچے میں نے ایک مقامی لڑکی کو دیکھا جو بے حد حسین اور مصمم تھی۔ اس کے ہاتھوں میں ایک خشک ٹہنی تھی جس سے وہ زمین کرید رہی تھی۔ لڑکی اتنی جاذب نگاہ تھی کہ میں کئی ساعت اسے دیکھتا رہا پھر میں اس کی طرف بڑھ گیا۔ شائد اس نے میرے قدموں کی چاپ نہیں سنی تھی کیونکہ وہ نہایت اہٹاک سے زمین کریدتی رہی تھی۔ میں اس کے بالکل قریب جا کھڑا ہوا۔ اور پھر جب وہ میری آمد سے باخبر ہوئی تو میں نے زرد سے زمین پر پاؤں مارا اور اس وقت میں شدید حیران ہو گیا جب اس کے باوجود لڑکی میری جانب متوجہ نہ ہوئی۔

”اوہ! ہمیں وہ بہری تو نہیں ہے۔ میں نے سوچا اور اس بار میں اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ عجیب لڑکی تھی۔ یہ اہٹاک تو نہیں ہو سکتا تھا۔ میرے پاؤں اس کے سامنے تھے، عاجز آکر میں نے کہا۔

”شکایا کی حسین! کیا تو میری طرف متوجہ نہ ہوئی؟ میری آواز سن کر اس نے گردن اٹھائی اور سوئی سوئی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ کیسا اونگھا انداز تھا۔ اس کی خوبصورت آنکھوں کی یہ کیفیت میری سمجھ میں نہ آئی۔ میں تجھ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔“ میں نے کسی قدر جھلٹی ہوئی آواز میں کہا۔

”میں بھی تم سے کچھ پوچھنا چاہتی ہوں۔“ وہ کھونٹے کھونٹے لہجے میں بولی۔ او میں نے پریشانی سے گردن ہلائی، عجیب انداز تھا۔ کیا وہ پاگل ہے۔ میں نے سوچا۔

”چلو پھر تم ہی پوچھ لو۔“ میں نے کسی قدر مضحکہ خیز انداز میں کہا۔

”بتاؤ گے؟ اس نے بدستور اسی انداز میں پوچھا۔

”مزور بتاؤں گا۔“

”چاند کیوں نکلتا ہے؟ اس نے کہا۔

”چاندنی پھیلنے کے لئے۔ زمین منور کرنے کے لئے“ میں نے جواب دیا۔

”چھپ کیوں جاتا ہے؟ وہ بولی۔

”بس یہ ایک عمل ہے، اس کے بعد سورج نکل آتا ہے۔“

”سورج نکل آتا ہے لیکن روشنی کیوں نہیں ہوتی؟“

”سورج اپنی روشنی پھیلاتا ہے۔“ میں نے اٹھے ہوئے انداز میں کہا۔

”لڑکی کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ تجھے وہ کیا بول کر رہی تھی۔“

”لیکن سورج کی روشنی جیسا دیتی ہے، پھر ایسا سورج کیوں نکلتا ہے؟“

چاندنا قائم کیوں نہیں رہتا۔ جواب دہی میرا سوال ہے۔ سورج کی روشنی

آگ برساتی ہے اور آگ سب کچھ جلا دیتی ہے۔ سب کچھ میں زمین میں

چاندنا لڑکی کی ہوں، مل جائے گا تو ادھاتیں دے دوں گی، بس اب

جادو شایاں! اس نے مجھے چمکاتے ہوئے کہا اور میں ہلکھلے لگا۔

”لڑکی کے ہاتھ میں اس کوئی فیصلہ نہ کر سکا تھا۔“

”مجھے چاندنی چاہیے، ختم ہو۔ میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔“

”مجھ سے کچھ نہ پوچھو، چاند کے سوا میں کچھ نہیں جانتی۔ جاؤ، مجھے

میرا چاند تلاش کرنے دو۔“ لڑکی نے کہا اور پھر اسی اہٹاک سے چاند تلاش

کرنے لگی۔ یہاں کھڑے رہنا مجھے حماقت ہی محسوس ہوئی۔ یہ بات پایہ تکمیل

کو پہنچ گئی تھی کہ لڑکی ذہنی طور پر درست نہیں ہے۔ اتنی خوبصورت لڑکی اور

پاگل۔ افسوس کی بات ہے۔ اب میں نے بہتر یہی سمجھا کہ میں نے بغیر

سیدھا مکان پر جاؤں اور در شکستے کر باہر نکلنے والے سے بستانا کے

مکان کے ہاتھ میں معلوم کروں۔

چنانچہ میں آگے بڑھ گیا اور پھر میں مکان کے دروازے پر پہنچا ہی

تھا کہ کسی نے دروازہ کھول دیا۔ درمیان میں ایک ٹکڑا اور باوقار سا

آدمی تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ ہلکھل گیا۔ اس نے میرا جائزہ لیا اور پھر اس کے

چہرے پر کسی قدر تحیر کے نعوش پھیل گئے۔ وہ خاموش کھڑا رہ گیا۔

”مجھے بستانا کی رہائش گاہ کی تلاش ہے۔“ میں نے کہا۔

”یہی ہے؟ اس نے جواب دیا۔

”تب براہ کرم بستانا سے کہو میں اس سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔“

میں نے کہا اور اس نے گردن ہلا دی۔

”اندراجاؤ۔“ وہ جیسے ہیٹ کر بولا اور میں اندر داخل ہو گیا۔ بہر حال

اس حد تک کامیابی تو نصیب ہو گئی تھی۔ میں نے ہلٹ کر گھوٹے کو دیکھا۔

”میں نے دوسرے دو سنبھال لیا جانے گا۔“ وہ میرا مقدمہ سمجھ کر بولا اور میں نے

سے آئے ہوئے۔ یا پھر ترشالا کے میٹروں میں سے، میرا مطلب ہے ان

میں سے جو کہیں اور سے آئے ہیں؟ اس کے بعد میں تکی ہو کر اپنی جگہ سے

اندازہ ہوتا تھا کہ وہ بھی زندگیوں کے خالقوں میں سے ہے۔

”معتاد ایک خیال درست ہے اور دوسرا غلط۔ یعنی میرا تعلق شکا

سے نہیں ہے بلکہ میں کہیں اور سے آیا ہوں۔ لیکن میرا تعلق زورچہرے

والوں سے نہیں ہے۔“

”پھر تم کون ہو؟ بستانا کے انداز میں نرمی آگئی۔

”ایک سیاح، ایک آوارہ گرد۔ دنیا دیکھنے کا شائق، سینا کہ

ایک ملک ہے، یہاں سے اتنا دور جس کا تم بقوت نہیں کر سکتے وہاں ایک

رجحی شخص جس کا نام غنا تھا، مجھے ملا۔ اس نے مرے بونے بتایا کہ وہ

شکایا کہ اپنے والدین اور وہاں اس کا ایک عزیز بستانا رہتا ہے۔ اس

کو میری موت کی اطلاع دینا اگر ہوتا تو وہاں گزر ہو۔ سوچ مجھے معلوم ہوا

کہ یہ سستی شکایا ہے تو میں نے ہتھاری تلاش کی اور تم تک پہنچ گیا۔“

”غنا؟ بستانا نے حیرت سے کہا۔

”ہاں۔ اس نے ہی نام بتایا تھا۔“

”اور کہاں ملا تھا وہ؟“

”سینا میں۔“

”افسوس میں نے تو اس زمین کا نام ہی آج سنا ہے۔ بستانا نے

ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔

”اور غنا کا؟ میں نے پوچھا۔

”یہ نام بھی میرے لئے آج ہی ہے۔“

”معتاد کوئی ایسا عزیز نہیں جو کہیں دور دراز نکل گیا ہو؟“

”میرا ایسا کوئی عزیز نہیں ہے۔“

”معتاد کوئی بیٹی ہے؟“

”ہاں ہے۔“

”اس کا نام لغام تو نہیں ہے؟“

”یہی نام ہے۔“ اس نے جواب دیا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت

پریشانی کے آثار نمایاں تھے۔

”گویا میں غلط نہیں پہنچا؟“ میں نے شانے ہلاتے ہوئے کہا۔

”تم غلط پہنچے ہو، لیکن میں اپنے ایسے کسی عزیز کو کیوں نہیں جانتا؟“

اس نے مجھے ہونے انداز میں کہا۔

سے آئے ہوئے۔ اب میں اعتبار اخلاق تو نہیں ہوں کہ ہتھاری مقبوضی ہی خاطر

مدارات بھی ذکر سکوں۔“

”نہیں بستانا۔ میں کچھ بدل ہو گیا ہوں۔ اگر تم اس سے شناسائی

کا انداز کرتے تو میں تمہارے پاس ضرور دگتا اور تم سے گفتگو کرتا۔ لیکن ایسی

شکل میں یہاں نہ تھا بہتر نہیں لگتا۔“

”اوہ، نہیں دوست! میں کہہ چکا ہوں کہ آخر تم میرے گھوڑے ہو؟“

میرے یہاں ہو پھر وہ میں تمہارے لئے کچھ نیکو دوست کرتا ہوں، براہ کرم

بیٹھو۔“ اس نے عاجزانہ انداز میں کہا اور میں ایک گہری سانس لے کر

بیٹھ گیا۔ بستانا باہر نکل گیا تھا۔ میری کوشش کامیاب رہی تھی یہاں میں

بستانا تک پہنچنے اور اس سے شناسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

اب مقبوضی ہی کوشش سے اس کی توجہ اور حاصل کی جائے اور یہاں

آجائے شروع کر دیا جائے۔ اس کے بعد لغام سے ملاقات زیادہ مشکل نہ

ہوگی۔ بستانا چند ہی منٹ میں واپس آ گیا تھا۔ وہ دوبارہ میرے سامنے

بیٹھ گیا اور پھر اس نے پوچھا۔

”تمہارا نام کیا ہے دوست؟“

”سیوتا۔“

”اور تمہارا وطن؟“

”کسی آوارہ گرد کا کوئی وطن نہیں ہوتا۔ تجھے کہاں پیدا ہوا تھا اور

تجھے کہاں کہاں مارا مارا پھرا ہوا؟“ میں نے جواب دیا۔

”شکایا کے ہونے کہنے دن ہوئے؟“

”صرف چند روز۔ شاید آٹھ سورج اٹھیں۔“

”کس طرح آئے؟ کیا تمہارا کوئی جہاز ہے؟“

”اوہ، نہیں۔ میرے ساتھ صرف میری عورت ہے اور میں زیوراک

کے جہاز میں آیا ہوں۔“

”زیوراک کے جہاز میں؟“ وہ چونک پڑا۔

”ہاں، یہیں حیرت کیوں ہوئی؟“

”زیوراک تو کہیں گیا تھا؟“

”ہاں۔ وہ سکائی بستی گیا تھا۔ سکائی کے حکیم ہا کو نے اسے

بلایا تھا۔“

”اوہ، تم اس قدر جانتے ہو؟“ وہ تجھ سے بولا۔ ”لیکن تم زیوراک

کو کیسے جانتے ہو؟“

نہیں یاد آ رہا ہے

”یہ سوال اپنے ذہن سے کرو میں اس کا جواب کس طرح دے سکتا

ہوں؟ میں نے کہا۔ بے چارہ بستانا کافی پریشان ہو گیا تھا۔ مجھے اس کی

حالت پر افسوس ہوا تھا۔ لیکن یہ سب کچھ ضروری تھا۔ اس سے شناسائی

کے لئے میں اور کیا کر سکتا تھا۔ کوئی اور ترکیب میرے ذہن میں نہیں آئی۔

مجھے کرم گرم دودھ اور کچھ پھولوں سے میری تواضع کی گئی اور اس کے دستان

بستانا مجھ سے طرح طرح کے سوالات کرتا رہا۔ لیکن ظاہر ہے وہ کیا نتیجہ اخذ

کر سکتا تھا، مجبور ہو کر خاموش ہو گیا۔ پھر اس نے کہا۔ ”چونکہ تم زیوراک کے

معتد ہو اس لئے تمہارے اوپر اعتماد نہ کرنے کی گنجائش نہیں۔ لیکن یقین کرو

میرے دوست! مجھے نہایا دینا نہیں آ سکتا۔“

”افسوس! لیکن اس نے ہتھاری بیٹی لغام اُسے جانچی ہو۔“

”جن مخوں نہ ہو بلکہ ہتھاری بیٹی لغام اُسے جانچی ہو۔“

”کیا تم اس سے پوچھنا پسند نہیں کرو گے؟“ میں نے کہا۔

”نہیں۔ اس نے ٹھنڈی سانس لے کر جواب دیا۔ اور میں بستانا کی

صورت دیکھنے لگا۔ بستانا چند ساعت خاموش رہا پھر بولا۔ ”اس لئے کہ

لغام کے ہاتھ میں اس میں سب کچھ جاتا ہوں۔ اس نے خلوص دل سے

صرف ایک انسان کو چاہا تھا۔ صرف ایک انسان کو اس کی حیثیت کو نہ جاننے

ہوئے۔ اور اس نے بھی اس کی چاہت کی پیروی کی تھی۔ لیکن تقدیر

نے لغام کے ساتھ مذاق کیا اور تقدیر کا یہ مذاق پوری قوم کا لیب بن گیا۔“

”میں نہیں سمجھا۔“ میں نے کہا۔

”اس نے پوری زندگی میں صرف فوما کو چاہا تھا۔ فوما سمجھ کر نہیں

ایک عام انسان کی حیثیت سے۔ لیکن فوما بھی اس کی محبت میں

گرفتار ہو گیا اور اس نے لغام سے ملاقاتیں شروع کر دیں۔ پھر اس نے مجھے

پیغام بھیجوا یا کہ وہ لغام کو اپنی بیوی بنانا چاہتا ہے اور یہ سعادت بھلا عام

انسانوں کو کہاں حاصل ہوتی ہے کہ وہ فوما کے خاندان میں شامل ہو جائے

میں بھی بہت خوش تھا۔ لیکن زندگی نے فوما سے وفائی کی اور وہ مر گیا۔“

”اوہ، ہاں تمہارے فوما کی موت کا مجھے علم ہے۔“

”فوما کی موت اس پوری قوم کی تباہی بن گئی۔“

”ایک بات پوچھوں بستانا؟“

”ضرور پوچھو۔“

”تمہارے اکل پوسے علاقے کا سردار فوما کہلاتا ہے نا؟“

”ہاں۔“

”تب پھر فوما سے پہلے اس کے آباؤ اجداد بھی مرے ہوں گے،

کیا ان کی موت پر بستانا اسی قدر ویران ہو جاتی تھیں؟“

”نہیں۔ اس نے اُداسی سے جواب دیا۔ ”کیونکہ تم زیوراک سے

269

تعلق رکھتے ہو اور بہادر زیور اس کے پاس سے مسب جانے میں کہ وہ فوجا کا پرستار اور آج بھی اس کے نظریات سے وفادار ہے۔ وہ کسی ایسے انسان کو اپنے قریب نہیں دیکھ سکتا جو فوج کا غذا دیا اس سے مخالف ہو۔ چنانچہ اس لحاظ سے تم قابل اعتماد ہو۔ یہی اس لئے کہہ رہا ہوں کہ میں بھی متحکم فوجا کے عقیدہ مندوں میں سے ہوں اور اس کی نافرمانی سے موت سے طول ہوں۔ بلاشبہ فوجا پر فائدہ لے رہے ہیں لیکن آخری فوجا پر لحاظ سے ایک اچھا انسان تھا۔ اس نے اس قوم کو بچانے کے لئے زرد درویش کا اتنا زبردست مقابلہ کیا تھا کہ ان کی کمر ٹوٹ گئی۔ اگر وہ زندہ رہتا تو بہت جلد ان سازشیوں کی جڑیں اٹھا ڈھینچتا۔ لیکن آج ساری قوم یا یوں کہنا کہ اس کا شکر ہے کیونکہ ان کے درمیان فوجا نہیں ہے۔ اور شیا لاجیسٹا ناہل اور غذا انسان ہماری قسمتوں کا مالک ہے۔ زور دے دیکھتے جا رہے ہیں اور ایک دن وہ ہماری بستیوں پر قابض ہو جائیں گے۔ فوجا کی زندگی آزادی تھی اور اس کی موت نے غلامی کی زنجیریں ہمارے سروں پر لٹکا دی ہیں۔ غلامی کون پسند کرتا ہے؟

”ادہ“ یہ بات ہے۔ میں نے گون ملانی۔

”ہاں میرے دوست! یہ المیہ پوری قوم کے لئے ناقابل برداشت ہے۔ اب ہماری روایات مٹ جائیں گی۔“
”مجھے افسوس ہے۔“ میں نے کہا۔
”ایک وقت ایسا آئے گا جب ہر ذریعہ ہمارے اوپر افسوس کرے گا۔“

”بہر حال بستانا اب مجھے اجازت دو۔“
”کاش نہانا کا مسئلہ حل ہو سکتا۔ میں ہمیشہ انھیں میں رہوں گا۔“
”میں نے ایک تجویز پیش کی تھی لیکن تم نے اسے قابل قبول نہیں سمجھا۔ اگر ایک بار تم نعام سے یہ بات پوچھ لیتے تو شاید مسئلہ کا حل مل جاتا۔“
”میں نہیں کیسے بتاؤں میرے دوست! جو ایک موت کے بعد نعام اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھی ہے۔ وہ دم دیوانی ہو گئی ہے۔ ہر دقت کسی دیکسی گشتے میں بیٹھی ذہن کریدتی رہتی ہے۔ کہتی ہے چاند تلسلی کر رہی ہے۔ نہ جانے چاند کیوں ڈوب جاتا ہے۔ بستانا نے بتایا اور میں چونک پڑا۔ تو وہ نعام تھی۔ میں نے دیکھ کر پوچھا۔ وہ ذہنی توازن کھو بیٹھی ہے۔ فوجا کی موت کے بعد۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ فوجا کی قاتل نہیں ہو سکتی۔ ضرور کوئی گڑبڑ ہوئی ہے۔“

بہر حال میرا مقصد حل ہو چکا تھا۔ میں نے نعام کو پوچھا کہ کیا وہ اب زیادہ شرافت کی ضرورت نہیں تھی۔ فوجا نے مجھ سے یہی کہا تھا کہ نعام کو کسی طرح لے آؤں۔ ابھی اس مسئلے میں کسی سے کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا۔ اس لئے دوسرا کوئی طریقہ رہا نہیں سکتا تھا کہ نعام کو لے جایا جاسکتا۔ سو ان کے کہن موٹی سے اسے انکار کر دیا جائے۔ شکیا یا میں میرا کام پورا ہو چکا تھا حالانکہ یہاں آئے ہوئے زیادہ دن ہیں گزرنے لگے۔ لیکن اس مختصر وقت میں میں

نے اپنا کام پورا کر لیا تھا۔ اور اب میں نے سوچا تھا کہ فوری طور پر لشک کے کہوں گا کہ وہ واپسی کی تیاریاں کرے۔
بستانا سے رخصت ہو کر میں واپس چل پڑا۔ بستانا بڑے اخلاق سے پیش آیا تھا۔ چلتے وقت اس نے کہا تھا کہ میں دوبارہ بھی اس سے ملاقات کروں۔ لیکن بے کسی طور نہانا کا متاعہ حل ہو جائے۔ میں نے وعدہ کر لیا تھا لیکن نہانا دلے معاملے میں اس شخص سے معذرت خواہ تھا کہ میں نے فوجا کو اس کے لئے ایک انجمن پیدا کر دی ہے جسے وہ کبھی حل نہ کر سکے گا۔

میں واپس لشک کے مکان پر پہنچ گیا۔ لشک بے چارہ میری شہیت سے واقف نہیں تھا۔ اس کا مکان بھونے کا کیا سوال پیدا ہوتا تھا۔ بہر حال میں وہاں پہنچ گیا اور لشک نے مجھے دیکھ کر خوشی کا اظہار کیا۔ شہانہ اور دھلیا آپس میں خوب گھل مل گئی تھیں۔ دولا بے شہانہ کو بھی کھل خورت بنا دیا تھا۔ اس وقت وہ دونوں کھانا تیار کر رہی تھیں۔ شہانہ کو اس طرح کام کرنے کی فکر میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ لشک بے چارہ تو اس کی خصلت سے بھی ناواقف تھا۔

”کیا ہوا سوتا۔ کیا بستانا سے تمہاری ملاقات ہو گئی؟“

”ہاں“ میں نے مختصر کہا۔

”تم نے کہا تھا کہ زیور اس کے کام سے تم اس سے ملنا چاہتے ہو۔“
”ہاں! لشک! میں زیور اس کے کام سے ہی یہاں آیا تھا اور اتفاقاً طور پر یہ کام اتنی جلدی اور آسانی سے ہو گیا ہے کہ میں خود بھی نہیں سوچ سکتا تھا۔ زیور اس کا خیال تھا کہ مجھے اس کام میں وقت لگ جائے گا۔ لیکن اس نے یہ بھی کہا تھا کہ جتنی جلد میں ہو سکےں واپس آؤں گی۔ خوشی کا وہ ”ادہ“ ہاں اس نے مجھ سے بھی یہی کہا تھا کہ سوتا تب بھی واپسی کے لئے کہے۔ فوراً واپس لایا جائے۔“ لشک نے جواب دیا۔
”تو یوں سمجھو لشک۔ میں واپسی کے لئے تیار ہوں۔“
”ادہ سوتا! میرے تو دھم دھماکے میں بھی نہیں تھا۔“ لشک لولا۔
”مجھے اندازہ ہے۔ لیکن جلد از جلد تم یہاں سے کب تک واپسی کے لئے تیار ہو سکتے ہو؟“

”میں براہ راست مسکانی کے لئے سفر کرنا ہوگا۔ اس لئے خاصے انعامات کرنے ہیں۔ ابھی تو صرف جہاز کا جائزہ لیا گیا ہے۔ چونکہ اس کے بہت سے حصے مرمت طلب تھے اس لئے میرے ساتھی اسے درست کر رہے ہیں۔“

”بہر حال ہنگامی بنیادوں پر کام کرو۔ دونوں کام آدھے دن میں کرو اور جس قدر جلد تیار ہو سکیں۔“
”میں آج ہی سے تیری ہدایات پر عمل کروں گا سوتا! اطمینان رکھو۔ میں دن رات جہاز کی روانگی کے انعامات کرانے گا۔“ لشک نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔ لشک اس وقت کے بعد سے سنجیدہ ہو گیا تھا۔ اس رات کے بعد مجھے اس سے اجازت مانگی اور واپس زیور اس کے مکان

میں آگئے جہاں زیادہ آرام تھا۔ دوسری صبح لشک کی بیوی دولا با آگئی اور شہانہ اس کی آستے خوش ہو گئی۔ مجھے اور لشک کو آزادی تھی چنانچہ ہم جہاز کے کاموں کی نگرانی کے لئے چل پڑے۔
جہاز پر برق رفتاری سے کام ہو رہا تھا۔ شہانہ لشک نے پوری رات یہاں گزار دی تھی۔ بے شمار آدمی جہاز کی مرمت کر رہے تھے اور ان کے انداز میں بڑی پھرتی تھی۔ میں نے اس برق رفتاری کو پسند کی کی نگاہ سے دیکھا تھا۔

”اس طرح تو زیادہ وقت نہیں لگے گا لشک! میں نے کہا۔
”میں نے تہیہ کر لیا ہے سوتا کہ جلد سے جلد کام مکمل کر لوں۔ اور تم دیکھو گے کہ میں کتنی تیزی سے تیار کیا کرتا ہوں۔“ لشک نے جواب دیا۔
دوپہر تک میں لشک کے ساتھ دہل رہا اور پھر ہم دونوں واپس گھر گئے۔ شہانہ اور دولا بہت خوش تھیں۔ کھانا کھایا اور ابھی کھانے سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ باہر سے اطلاع ملی کہ کوئی آیا ہے۔

”کون ہو سکتا ہے؟“ لشک نے تعجب سے پوچھا اور پھر خود باہر نکل گیا۔ پھوڑی دیر کے بعد وہ بستانا کے ساتھ واپس آیا۔ میں نے بستانا کا خیر مقدم کیا تھا۔

”لشک نے بتایا ہے کہ تم زیور اس کے دوست ہو اور اس کے لئے قابل احترام۔ لیکن نہانا کا متاعہ ابھی حل نہیں ہو سکا۔ بستانا نے کہا اور چانک میرے ذہن میں ایک خیال آیا۔

”بستانا! یہاں تمہاری مصروفیات کیا ہیں؟“

”شکیا میں؟“

”ہاں“ میں نے غور سے دیکھے ہوئے کہا۔

”کوئی خاص نہیں ہیں سوتا۔ بس میری زمینوں پر کاشت ہوتی ہے لیکن اس کی دیکھ بھال میرے کارندے کرتے ہیں۔ میں ان کی نگرانی کرتا ہوں۔“

”تمہارے اہل خاندان میں کون کون ہے؟“

”خاص لوگوں میں کوئی نہیں سوا میری بیٹی کے۔ اس کی ماں مر چکی ہے۔“

”اور تم نہانا کے معنی کے لئے مضطرب ہو۔ کیا تم اسے ہر قیمت پر حل کرنا چاہتے ہو؟“ میں نے پوچھا۔

”ہاں۔ وہ میرے لئے کافی بڑی انجمن بن گیا ہے۔ ایسی انجمن کہ میں راتوں کو سو بھی نہیں سکتا۔ آخر وہ کون تھا اور یہ پیغام کیا حقیقت رکھتا ہے؟“ بستانا نے جواب دیا۔

”انجمنوں کے حل کے لئے کچھ قربانیاں دینا ہوتی ہیں بستانا! اگر تم مزید انجمنوں سے بچنا چاہتے ہو تو پھر تم میری ہدایات پر عمل کرنا ہوگا۔“

”میں نہیں سمجھتا۔ بستانا اور پریشان ہو گیا تھا۔

”میں لشک کے ساتھ مسکانی واپس جا رہا ہوں۔ اگر تم میرے ساتھ

مسکانی تک چلنا پسند کرو تو میں تمہیں یقین دلا سکتا ہوں کہ تمہاری پریشانیوں کا حل مل جائے گا۔“

”مسکانی میں اس کا حل موجود ہے؟“ بستانا نے پوچھا۔

”ہاں حکیم! کو اس بارے میں پوری تفصیل جانتا ہے اور مجھے یقین ہے کہ تم مالوس نہ ہو گے۔“

”درحقیقت میں پورا پریشان ہوں۔ لیکن میرے دوست! اپنی بیمار بیٹی کا کیا کروں۔ یہاں میری مانند کوئی اس کی نگرانی نہیں کر سکتا۔ اور اسے چھوڑ کر جانا میرے لئے ممکن نہیں ہے۔“

”تو اسے ساتھ لے چلو۔ ممکن ہے سمندر کا طویل سفر اس پر خوشگوار اثر ڈالے۔“

”آہ! اس کاظم مختلف ہے جس کا علاج کسی کے پاس نہیں ہے۔ لیکن تمہاری تجویز قابل غور ہے۔ میرا خیال ہے اس طرح میں سفر کر سکتا ہوں۔“
”ہم بہت جلد یہاں سے روانہ ہو جائیں گے بستانا! اگر تم ہمارے ساتھ چلنا چاہو تو ہمیں جواب دے دو۔ ظاہر ہے ہمیں کسی سے مشورہ تو کرنا نہ ہوگا۔ بس اپنے کارندوں کو ہدایات دو اور روانگی کے لئے فوری تیاریاں کرو۔“ میں نے کہا اور بستانا کسی سوچ میں ڈوب گیا پھر اس نے گہری سانس لے کر کہا۔

”تمہیں یقین ہے کہ حکیم باکو میری مشکلات کا حل تلاش کرے گا؟“
”میں اس کی فتنے داری قبول کرتا ہوں۔“

”تب میں تیار ہوں۔“ بستانا نے جواب دیا اور مجھے دلی خوشی ہوئی۔ اس طرح میرا کام اور آسان ہو گیا تھا۔ اور اب مجھے وہ کچھ نہ کرنا ہوگا جو بہر حال ناگوار تھا اور اس کے لئے کچھ خصوصی فتنے داریاں قبول کرنا پڑتیں۔ شہانہ کو بھی مطمئن کرنا ہوتا۔

لشک اس دوران مکمل طور پر خاموش رہا تھا۔ اس نے میرے معاملات میں مداخلت کرنے کی گستاخی نہیں کی تھی۔ وہ ہر طرح سے تعاون کرنے والا ایک اچھا انسان تھا۔ اس نے بستانا کی مدارات کی اور پھر بستانا واپس چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے لشک سے اپنی خوشی کا اظہار کیا تھا اور لشک بھی مطمئن ہو گیا تھا۔

لشک نے درحقیقت دن رات ایک کر دیئے تھے اور آج اسے جہاز پر کام کرنا پڑا۔ پورے تیسری رات تھی جہاز کی مرمت مکمل ہو چکی تھی۔ بادبان درست کر دیئے تھے اور خوراک اور پانی وغیرہ کے ذخیرے کئے جا رہے تھے۔ رات کا وقت تھا لیکن میں لشک کے ساتھ تھا اور ان کاموں کی نگرانی کر رہا تھا۔

”کل سورج ڈھلے ہم روانہ ہو جائیں گے سوتا! سارے کام مکمل ہو چکے ہیں۔“ لشک نے کہا۔

”مجھے خوشی ہے لشک! بلاشبہ تم ایک اچھے منظم ہو۔ ایک طویل کام تم نے فحوق وقت میں کیا ہے۔ کل صبح میں بستانا کو بھی اطلاع

تاکہ وہ تیار ہو کر پہنچ جائے۔

”یقیناً! بیشک نے جواب دیا۔ اور ہم اس جہاز کی طرف دیکھنے لگے۔ جواب ساحل کے بالکل قریب پہنچ رہا تھا۔ اس چھوٹے سے جہاز کو شام کو دیکھا گیا تھا اور خیال تھا کہ رات کے کسی حصے میں وہ ساحل تک پہنچ جائے گا۔ اس دوران قریب دو چار کی بستیوں سے کئی جہاز آ کر ساحل سے لگے تھے اس لئے جہازوں کی آمد پر کسی کو حیرت نہیں ہوئی تھی۔ ان جہازوں پر بستیوں کے جھنڈے ہوتے تھے جن سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ کون سی بستی اور کون سے جزیرے سے آیا ہے۔ جہاز کا جھنڈا نظر نہیں آ رہا تھا لیکن اس وقت اس کی نشاندہی کے لئے روشنی گدی گئی تھی کہ یہ اصول تھا۔ بیشک کی نگاہ اتفاق سے ہی اس طرف اٹھ گئی تھی۔ وہ کوئی کام کر رہا تھا اچانک اچھل پڑا اور اسٹیکھیں چھاڑ کر جہاز کی طرف دیکھنے لگا۔

میں نے بیشک کی یہ کیفیت دیکھی لیکن اس سے قبل کہ میں کچھ بولتا، بیشک ہی بول پڑا۔ ”سبوتا! تم دیکھ رہے ہو؟“ اس کی آواز میں لرز تھی۔

”کیا بات ہے بیشک! میرا اندازہ ہے تم اس جہاز کو دیکھ کر پریشان ہوئے ہو؟“

”ہاں سبوتا! یہ مانگا کا جہاز ہے اور اس کا جھنڈا لہر نہیں رہا بلکہ سرنگوں ہے جس کا مطلب ہے کہ یہ کسی حادثے کی خبر لایا ہے۔“ بیشک نے کہا اور اس کے چرچنے کی وجہ میری سمجھ میں آ گئی۔

”اور یہ خبر تار کی موت کے علاوہ اور کیا ہو سکتی ہے؟“ میں نے کہا۔

”ہاں سبوتا۔ اور اُسے دالے زیور اس کے جہاز کی کہانی سنائیں گے۔ اپنی جانب سے وہ نہ جانے کیا کیا کہیں۔ لیکن صورتحال اچانک خراب ہو جانے کی جگہ جانتے ہو تو شبابا ان کا چھوڑ ہے۔“

”ہوں؟“ میں نے گہری سانس لی اور دوسرے لمحے میں نے ساحل پر نگاہ دوڑائی۔ ساحل پر چمکے علاوہ بھی بہت سے لوگ تھے اور اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ ان میں شبابا کے سپاہی بھی تھے۔ تب میں نے بیشک سے کہا: ”بیشک! فوراً اٹھ دوں لوگوں کو تیار کرو اور ایک کشتی آمراؤ لو۔ جلدی کرو۔“

بیشک نے صرف ایک لمحے کے لئے میری صورت دیکھی اور پھر دوسرے لمحے اس نے جھاگ دوڑ شروع کر دی۔ میں خود بھی اس جھاگ دوڑ میں علمی طور پر شریک تھا۔ چھوٹی دیر کے بعد ایک بڑی کشتی آنے والے جہاز کی طرف تیزی سے بڑھ رہی تھی۔ اس میں موجود لوگوں کو صورت حال سمجھا دی گئی تھی۔ میرا کھانا میری کمرے بندھا ہوا تھا اور میں نے اور بیشک نے سر سے پادس تک کپڑوں کا لباس پہن لیا تھا تاکہ ہمیں پہچانا نہ جاسکے۔ اس طرح ہمارے جھنڈا بھی چھپ گئے تھے۔

تمام لوگ مل کر کشتی چلا رہے تھے اس لئے اس کی رفتار بہت تیز تھی۔ وہ تیر کی مانند جہاز کی طرف جاری تھی اور ہماری گوشش بھی کہ ہم ساحل سے زیادہ سے زیادہ دور اُسے جا لیں۔ چنانچہ ہم اپنی اس گوشش

میں کامیاب ہو گئے۔ کشتی کو ہم جہاز کے ایک کنارے پر لے آئے اور اس کے ساتھ چلنے لگے۔ جہاز سے ہمیں دیکھ لیا گیا تھا۔ تب کچھ لوگ گفتہ شنیدہ کے لئے آ گئے۔

”کیا یہ جہاز مانگا کا جزیرے سے آیا ہے؟“ میری ہدایت پر بیشک نے گفتگو شروع کر دی۔

”ہاں۔ ہم مانگا کے بلیغ ہیں۔“ جواب ملا۔

”لیکن اس کا جھنڈا کیوں سرنگوں ہے؟“ بیشک نے پوچھا۔

”تم لوگ کون پوچھ رہا ہے؟“ جہاز سے پوچھا گیا۔

”شبابا کے دفادار۔ ساحل کے نگران۔“ بیشک نے جواب دیا۔

”مانگا پر تباہی ٹوٹ پڑی ہے۔ تار س قتل کر دیا گیا ہے اور مجرم شکا یا آچکے ہیں۔ ہم شبابا کے پاس فریاد لے کر آئے ہیں۔“ گلوگر بے بیہوش میں بتا گیا۔ بیشک نے میری طرف دیکھا اور میں نے آہستہ سے اُسے ہدایت دی۔

”بڑی بڑی خبر سنانی ہے تم نے۔“ ہم اوپر آسکے ہیں؟ اس طرح تفصیلی گفتگو ہو سکی۔ بیشک نے کہا اور اوپر سے رستی کی میرھال پھینک دی گئیں۔ جن کے ذریعے ہم لوگ آسانی سے اوپر پہنچ گئے۔ پندرہ سولہ آدمیوں نے ہمارا استقبال کیا تھا۔ ان میں بھی تھوڑی سی تعداد مقامی لوگوں کی تھی باقی زوروں نظر آ رہے تھے۔

”تم لوگ شبابا کے پاس آئے ہو؟“ بیشک نے پوچھا۔

”ہاں۔“

”تمہارا لیدر کون ہے؟“ ہم اس سے بات کرنا چاہتے ہیں تاکہ شبابا کو اس کے حوالے سے پوری تفصیل بتائی جاسکے۔ بیشک نے کہا اور ایک زوروں کے بڑھ آیا۔

”میرا نام گر شاہ ہے اور میں ان کا سردار ہوں۔ مجھے تنظیم نے بھیجا ہے تاکہ شبابا کو اس صورت حال سے آگاہ کر کے قاتلوں کے خلاف کارروائی کی اجازت لے سکوں۔“

”گر شاہ! تمہارے ساتھ جہاز میں کتنے افراد ہیں؟“

”کل میں۔“ ہم ہنگامی طور پر روانہ ہوئے ہیں تاکہ زورسا کرنے والے شکا یا کا ساحل نہ چھوڑ دیں۔ کیا زیور اس کا جہاز ساحل پر موجود ہے؟“

”گر شاہ نے کہا۔“

”ہاں۔ وہ سامنے ہے۔ کیا تم اس کے جہاز کو پہچانتے ہو؟“

”ہاں۔ لیکن رات کی تاریکی میں ہم اسے نہیں دیکھ سکتے۔“

”تو پھر تفصیل بتاؤ۔“ بیشک نے کہا اور اس نے ایک جھٹی لہائی سنانی کر کس طرح زیور اس کا جہاز مانگا بستی پہنچا اور تار سے اسے خوش آمدید کہا۔ تب زیور اس کے لوگوں نے کہا کہ انہیں ضرورت کی چیزیں مطلوب ہیں۔ وہ انہیں فراہم کی جائیں۔ لیکن وہ ادھیڑ کے لئے تیار نہ تھے۔ ظاہر ہے تار کی برتری کیوں تسلیم کرتا۔ اس نے منہ کی توان لوگوں نے



بدنام ترین مجرم چارلس سوہراج کے جرائم کی مکمل تفصیل

چارلس سوہراج کی سرگزشت

میں ملاحظہ فرمائیں

پندرہ سالہ (۱۵) سالہ لڑکا

دینی میں مولیٰ نے تین سال کی عمر میں اپنے والدین کے ساتھ

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج کی سرگزشت

چارلس سوہراج

ہتیار نکال کر لوٹ مار شروع کر دی۔ بے شمار لوگوں کو قتل کیا اور تارک کو بھی ہلاک کر کے وہاں سے بھاگ آئے۔ "بشک کے ہونوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں بھی مسکرا رہا تھا۔

"اس کا مطلب ہے کہ بڑے بہادر لوگ تھے۔" بشک نے کہا۔
"کیا بالگا طے لے اتنے بڑوں اور کمروں کے ایک جہاز انہیں روند سکتا ہے؟" یہ بات نہیں ہے، بس انہوں نے اچانک حملہ کر دیا تھا اور اس سے قبل کہ ہم سمجھتے کہ اپنا کام کر کے وہاں سے فرار ہو چکے تھے۔
"کیا حملہ بالکل اچانک کیا گیا تھا؟" بشک نے پھر پوچھا۔
"ہاں۔ ہمیں اُمید بھی نہیں تھی کہ ایسا ہوگا۔"

"اس طرح تو نہیں۔" بشک نے کہا اور پھر اچانک ہی اپنی تلوار نکال کر گرتا پڑا۔ پیش میں بھونک دی۔ یہ بات دوسروں کے لئے بھی اشارہ تھی چنانچہ سب مہر و ہر گئے۔ تقریباً تمام لوگ ہی ہم سے گفتگو کرنے آگئے تھے اس لئے مشکل نہیں پیش آئی اور ہم نے کھیت کاٹنے شروع کر دیئے۔

بلاتوقی ایک ایک کو مار ڈالا گیا۔ ان لوگوں میں سے کسی کی زندگی بھی خطرناک نہ ہو سکتی تھی۔ پھر جہاز کے کونے کونے کی تلاشی لی گئی اور چھپے ہوئے لوگوں کو بھی ہتھ پکڑ کر قتل کر دیا گیا۔ چند لوگوں نے سمندر میں کودنے کی کوشش کی تھی لیکن بشک اور اس کے ساتھی ہوشیار تھے۔

یوں ہم نے یہ سب بھی خاموشی سے سر کر لی۔ مرنے والوں کی آوازیں ساحل تک نہیں پہنچنے دی گئیں۔ اس کے بعد واپسی کا سفر شروع کر دیا گیا اور تھوڑی دیر کے بعد ہم اپنے جہاز پر پہنچ گئے۔ بشک بڑی عقیدت کی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ بولا۔ "اب تو میرے لئے میرے پاس عقیدت کے الفاظ بھی نہیں رہ گئے ہیں سبوتا۔" وہ حالات پر اس طرح قادر ہو جانے والوں میں سے ہے کہ بیان نہیں کیا جاسکتا۔
"آئندہ کی سوچو، بشک۔ اب کیا کرو گے؟"

"سوچنے والا تو ہے۔ میرے سامنے کوئی تجربہ پیش کرنا سوچو کہ چراغ دکھانا ہے۔ میں تو صرف احکامات کا غلام رہنا چاہتا ہوں۔"

"تب پھر جو سفر نہیں کل شروع کرنا ہے اسے آج ہی کیوں نہ شروع کر دیا جائے؟"

"یقیناً کیا جاسکتا ہے سبوتا۔ جہاز کے تمام کام مکمل ہیں۔ راتوں رات میں ان لوگوں کو لے آتا ہوں جو ہمارے ساتھ سفر کریں گے اور روشنی سے قبل ہم ساحل چھوڑ دیں گے۔"

"ٹھیک ہے، ہم جاؤ۔ میں بستا ادا کو لے آتا ہوں۔ سارے کام خاموشی اور احتیاط سے ہوئے چاہئیں۔ کیونکہ دن کی روشنی میں جہاز والوں کی شامت کے بارے میں علم ہو جائے گا اور ممکن ہے جس کسی الجھن پر گرفت ہونا پڑے۔"

"بالکل ٹھیک سبوتا! ایک اجازت اور چاہتا ہوں۔" بشک نے کہا۔

"ہاں ہاں کہو۔"

"اگر تیری اجازت ہو تو میں اپنے ساتھ دو لاکھ بھی لے آؤں۔ ممکن ہے یہاں انکشاف ہو جائے۔ ایسی صورت میں وہ دو لاکھ تو نقصان پہنچا سکتے ہیں اور میں بھی سفر میں ملحق نہ رہ سکوں گا۔"

"ٹھیک ہے، بشک! اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟ ہم دو لاکھ لے آؤ۔" میں نے اجازت دے دی اور پھر ہم دونوں اپنے اپنے مشن پر چل پڑے۔ بشک نے چند دوسرے لوگوں کو بھی ساتھ لے لیا تھا۔ پھر وہ دوسرے راستے پر چل پڑا اور میں نے سیاہ مینار کی طرف قدم بڑھائے۔
بستا اسٹون کی نیند سو رہا تھا۔ بڑی مشکل سے جاگا اور مجھے دیکھ کر حیران رہ گیا۔ "سبوتا! تم اس وقت۔۔۔"

"ہاں بستا۔ حالات ایسی ہی ہو گئی ہیں کہ صورت اختیار کر گئے ہیں تمہاری بیٹی کہاں ہے؟"

"سو رہی ہے۔" بستا نے جواب دیا۔

"خود تیار کیاں کرو اور میرے ساتھ چلو۔"

"مہم۔ مگر کہاں؟"

"مہم آج رات ہی ساحل چھوڑ رہے ہیں۔" میں نے جواب دیا اور بستا پر ایک بار پھر حیرت کا دورہ پڑا۔

"آج ہی رات۔۔۔ مگر کیوں؟"

"تمہیں کوئی اعتراض ہے بستا؟ میں نے پوچھا۔

"نہیں۔ لیکن اس طرح ہمیں مطلب ہے اچانک۔" بستا نے تعجب سے کہا۔

"براہ کرم دقت نہ مٹاؤ۔ کرو۔" حقوڑے عرصہ میں وہ ضروری سامان ساتھ لے کر جس کی تہیں ضرورت ہے اور میرے ساتھ چل پڑا۔
"لیکن سبوتا۔۔۔ مجھے دوسرے لوگوں کو بھی ہدایات دینا ہیں۔"

"انسوس! پھر وقت نہ ہے گا۔" میرے ذہن میں جھنجھلاہٹ پیدا ہو گئی۔ بستا شاید نیند سے جاگ تھا اس لئے یہ اتفاقاً گفتگو کر رہا تھا۔ اگر وہ مزید اسی کرے گا تو نقصان اٹھائے گا۔ مجھے اس کی ضرورت نہیں بلکہ صرف اس کی بیٹی غلام کی ہے۔ جسے وہ جانے نہ جانے میں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔

بستا گہری سوچ میں تھا۔ پھر وہ بولا۔ "چونکہ یہ سب میرے لئے غیر متوقع ہے اس لئے میں عجیب سی الجھن کا شکار ہو گیا ہوں اور سوچ میں ڈوب گیا ہوں کہ کیا کروں؟"

"تمہاری سوچ میرے لئے پریشان کن ہے بستا۔ میں صرف تمہارا جواب چاہتا ہوں۔ اگر تم چند پسند کر دو تو چلو نہ جانا ہو تو میں نہیں مجبور نہیں کروں گا۔"

"میں تمہیں اپنی ذہنی کیفیت سے لاعلم نہیں رکھوں گا سبوتا۔! تمہاری اس طرح اچانک آمد سے میرے ذہن میں شکوک و شبہات پیدا

ہو گئے ہیں۔ اس لئے میں اس وقت سفر کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔ اگر میری مشکل کا حل حکیم ہاکو کے پاس موجود ہے تو میں بہت جلد اس سے ملنے کی کوشش کروں گا۔"

"ٹھیک ہے بستا۔۔۔ مجھے اعتراض نہیں ہے۔ اگر تم مضطرب ہو تو سکاٹی بسٹی پہنچ جانا۔ لیکن خردوار۔! وہ کسی پریشانی کو دوسروں پر آشکارا کر کے تم غلامی کے اقدام سے بچنے کی کوشش کرنا۔ تمہیں یہ سب کچھ اپنے سینے میں ہی رکھنا ہوگا۔ میری دل رائے ہے کہ تم میرے ساتھ چلو۔"

"نہیں سبوتا۔ میں پھر آؤں گا۔"

"تمہاری مرضی۔" میں نے کہا اور ہاتھ بڑھا کر بستا کی گون پر کلپی بستا اٹھل پڑا۔ لیکن میں کیا کرتا؟ اس نے خود ہی اپنی شامت کو آواز دی تھی۔ اس نے خوف زدہ نگاہوں سے میری شکل دیکھی اور پھر خود کو بچانے کی جدوجہد کرنے لگا۔ لیکن بچا کر کیا کر سکتا تھا۔

میں نے اس کی گون پر کلپی سی گرفت ڈال کر اسے بے ہوش کر دیا۔ اور پھر اسے بازوؤں پر اٹھائے اندھا گیا۔ اندھا کر میں نے اسے احتیاط سے ایک جگہ ٹیڈا اور پھر سنسان عمارت میں غلام کو تلاش کرنے لگا۔ بستا کی بیٹی ایک کمرے میں نظر آگئی۔ معصوم لڑکی معصومیت کی نیند سو رہی تھی۔ میں اسے چونک پلے بھی دیکھ چکا تھا اس لئے کوئی دقت نہ ہوئی۔ تب میں نے بے جا غلام کو بھی اسی انداز میں بے ہوش کیا۔ تارک اور ہم رسیدہ لڑکی خاموشی سے بے ہوش ہو گئی تھی۔ میں نے اسے پھول کی مانند اٹھایا اور وہاں سے چل دیا۔

لوگوں کی نگاہوں سے بچتا ہوا میں ایک بار پھر ساحل پر پہنچ گیا اور پھر ایک کشتی مجھے جہاز پر لے گئی۔ جہاز پر آخری کام بڑی تیزی سے ہو رہا تھا۔ دباؤ بڑھتا رہتا ہے تھے اور کھولے جانے کے لئے بالکل تیار تھے۔ میں نے غلام کو ایک خاص کمرے میں پہنچا دیا اور ہدایت کر دی کہ اسے کوئی تکلیف نہ ہو پھر میں دوبارہ پلٹ پڑا۔ شتانہ دو لاکھ اور بشک مجھے راستے ہی میں مل گئے تھے۔ وہ جہاز کی جانب آگے بڑھے تھے۔ شتانہ میرے پاس پہنچ گئی۔

"کوئی خاص بات ہو گئی سبوتا؟ شتانہ نے پوچھا۔

"بہت اہم نہیں ہے شتانہ۔ بشک نے بتایا ہوگا کہ ہم نے

اچانک روانہ ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

"ہاں۔ اس نے بتایا ہے۔ لیکن۔۔۔۔۔"

"تفصیل میں جہاز پر چل کر بتاؤں گا۔"

"اوہ! اس کا مطلب ہے کہ کوئی خاص بات ضرور ہے۔"

"ہاں کسی حد تک۔" میں نے کہا اور شتانہ خاموش ہو گئی پھر ہم جہاز پر پہنچ گئے۔ بشک کے آدمی اس کی ہدایت کے مطابق جہاز پر پہنچ رہے تھے۔ اور پھر ساری تیاریاں مکمل ہو گئیں جس کی اطلاع بشک نے

مجھے دی۔ پھر وہ آہستہ سے بولا۔

"لیکن بستا! مجھے نظر نہیں آیا۔"

"ہاں۔ وہ اچانک احتیاط کا شکار ہو گیا۔"

"میں نہیں سمجھی۔" بشک تعجب سے بولا۔

"اسے اس بات پر حیرت تھی کہ ہم نے اچانک روانگی کا فیصلہ کیوں کر لیا۔ چنانچہ اس نے طے کیا کہ وہ غلام کا مسئلہ حل کرنے کے لئے اپنے ذرائع سے حکیم ہاکو کے پاس پہنچ جائے گا۔"

"اوہ! پھر۔۔۔"

"دراصل مجھے اس کی نہیں! اس کی بیٹی غلام کی ضرورت تھی۔"

"اوہ! بشک! پھر حیران رہ گیا تھا۔"

"بس میں نے بستا کو بے ہوش کر دیا اور غلام کو اٹھالایا۔"

"اٹھالائے؟ کہاں ہے وہ؟" بشک نے پوچھا۔

"جہاز کے ایک حصے میں آرام کر رہی ہے۔" میں نے جواب دیا۔
بشک بے چارے کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آتی تھی۔ اس لئے اس نے خاموشی اختیار کر لی۔ اور پھر وہ جہاز کا آخری معائنہ کرنے لگا۔ اس کے بعد اس نے باڈیاں کھول دیں جانے کا حکم دے دیا۔ اور جہاز نے ساحل چھوڑ دیا۔ باڈیاؤں کے رُخ کھلے سمندر کی جانب تھے لیکن جہاز کی رفتار میں تیزی پیدا کرنے کے لئے جہاز کے ملاح چوچلاہے تھے اور جہاز کی رفتار خاصی تیز تھی۔ خود بشک اس کی نگرانی کر رہا تھا اور ابھی ہم دوسری باتوں کی طرف متوجہ نہیں ہوئے تھے۔ شتانہ بھی میرے ساتھ کھڑی تھی اور ہم ساحل کی جانب دیکھ رہے تھے۔ ہمارا خیال تھا کہ میں ساحل پر ہمارے چلنے کی اطلاع تو نہیں ہو گئی یا اس کا کوئی ردِ عمل تو نہیں تھا۔ وہ جہاز بھی ایک طرف کھڑا نظر آ رہا تھا جس پر اب کوئی انسان زندہ نہ تھا۔

ہم برق رفتاری سے سفر کرتے ہوئے کھلے سمندر میں کافی دور نکل آئے۔ کنارہ اب دور ہو گیا تھا اور بہت مختصر وقت میں ایک طویل سفر طے کر لیا گیا تھا۔ جب بشک کو اطمینان ہو گیا کہ اب ساحل پر ہمارے خزاں کی یا ہمارے کوششوں کی اطلاع ہو بھی گئی تو کم سے کم وہاں سے چلنے والے جہاز کو اتنا وقت ضرور ملے گا کہ کم از کم ہم کافی دور نکل جائیں گے۔

جس وقت یہ اطمینان ہو گیا تو بشک گہری سانس لیکر میری طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ اس وقت میرے نزدیک ہی کھڑا ہوا تھا۔

"ہم شکایا چھوڑ چکے ہیں سبوتا! اس نے مسکراتے ہوئے مطمئن

بھیجیں کہا۔

"ہاں۔ اور کامیابی کے ساتھ۔"

"میرا خیال ہے بظاہر اب کوئی الجھن نہیں ہے۔"

"یقیناً! بشک! ایسا ہی ہے۔"

"چنانچہ سبوتا! ہم اپنی آرام گاہوں کا تعین کر لیں اس رات کو ہم

تیز رفتاری سے زیادہ سے زیادہ دوڑ لک جانے کی کوشش کریں گے اس کے بعد جو ہوگا دیکھا جائے گا۔" بیشک نے کہا اور میں نے اس کی ہاں ہاں ملانی۔

"ٹھیک ہے" میں نے جواب دیا۔

"کیا خیال ہے سوتا! ہم پہلے ہی کی مانند اپنی نشستوں یا آرام گاہوں کا انتخاب نہ کریں بک بیشک نے پوچھا۔

"بالکل ٹھیک ہے۔ مجھے اس میں کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن اس بار تمہارے ساتھ دو لا با بھی ہے اس لئے تمہیں اپنے لئے جگہ کا انتخاب کرنا ہوگا۔"

"ہاں میں بھی اپنے لئے کوئی جگہ بنا لوں گا۔ لیکن اگر تم آرام کرنا چاہو سوتا تو آرام کرو۔"

"میرا خیال ہے اس رات ہم آرام نہیں کریں گے۔ اب ہمیں اس لڑکی کی خبر گیری چاہیئے" میں نے کہا۔

"اوہو۔ ہاں وہ تو میں بھول ہی گیا تھا وہ کون سے کمرے میں ہے؟"

"آؤ میں تمہیں دکھا دوں" میں نے کہا اور دھڑکیں نے نشانہ کی کمر میں ہاتھ ڈالا۔ بیشک اور دو لا با بھی میرے ساتھ تھے نشانہ لڑکی کے

تذکرے پر کسی حد تک حیران نظر آرہی تھی۔ پھر جب ہم اس کمرے میں داخل ہوئے جہاں لغام ہے پوٹ پڑی ہوئی تھی تو دونوں عورتیں بڑی طرح چونک پڑیں۔ ان کی آنکھوں میں حیرت و حیرت تھی۔

"اے۔۔۔ یہ کون ہے؟" نشانہ نے تعجب سے کہا۔

"بستارا کی بیٹی لغام۔"

"بستارا۔ وہ جو ایک بار ہمارے ہاں آیا تھا؟"

"ہاں۔"

"لیکن یہ یہاں کیسے آگئی؟"

"اسے لایا گیا ہے" میں نے کہا۔

"کون لایا ہے؟"

"میں۔" میں نے جواب دیا۔ اور نشانہ متحیرانہ نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ لیکن اس کے بعد اس نے کوئی سوال نہ کیا۔

تب بیشک نے دو لا با سے کہا "کیا تم اس لڑکی کے پاس رہنا پسند کرو گی دو لا با۔ میرا مطلب ہے اس کمرے میں؟"

"کیوں نہیں۔ اگر اس کی ضرورت ہے تو مجھے اس کے پاس رہنے میں کوئی اعتراض نہیں ہے۔" دو لا با نے جواب دیا۔

"میں یہ اجازت کیسے دے سکتا ہوں سوتا۔ تو مالک ہونے کے

مقتدر ہے۔ ہاں اب جہاز میں کسی ایسی شکرانی کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی ہے جس کے لئے ہمیں جاگنا پڑے۔" ملاح اپنا کام کر رہا تھا اور وہ لوگ دن رات کیساں مستعد رہتے ہیں۔

"تو پھر تم آرام کرو۔ لیکن دو لا با کے ساتھ لغام کی موجودگی تمہارے لئے خوشگوار نہ ہوگی۔"

"اس کا بندوبست بھی میں کر لوں گا۔" بیشک نے کہا اور دو لا با کی آنکھیں جھٹک گئیں۔

شمارہ کسی حد تک خاموش نظر آتی تھی جس کا احساس مجھے اپنے کمرے میں پہنچ کر ہوا۔ ایک لمحے کے لئے میں نے سوچا اور پھر اندازہ لگا کر نشانہ کی سنجیدگی کی وجہ کیا ہو سکتی ہے۔ میرے پوٹوں پر مسکراہٹ ہو گئی۔ اس حسین لڑکی کی غلط فہمی دور کرنا ضروری تھا کیونکہ یہ میری زندگی کی سادھی تھی اور مجھے اس سے کافی پیار تھا۔ سو میں نے نہایت محبت سے نشانہ کو اٹھاکر بستر پر لٹا دیا۔ اور پھر خود بھی اس پر ٹھک گیا۔

"نیندا آ رہی ہے نشانہ؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں۔"

"تھکن محسوس کر رہی ہو؟"

"میں کبھی نہیں تھکتی سوتا۔" نشانہ نے بھیگی سی مسکراہٹ سے جواب دیا۔

"پھر تمہارے انداز میں خاموشی کیوں ہے؟"

"میں تجھے سے غصے ہوں سوتا۔ اس لئے اپنے دل میں کوئی ایسی بات نہ رکھوں گی جو تجھے مجھ سے بدظن کرے۔ بہتر یہی ہے کہ میں اس بارے میں تجھ سے پوچھ لوں۔"

"ہاں نشانہ۔ بہتر یہی ہوتا ہے۔"

"تو پھر مجھے یہ بتا کہ یہ لڑکی کون ہے اور تو اسے کیوں لایا ہے؟"

"وہ لڑکی۔" میں نے ایک گہری سانس لیکر کہا۔ "نشانہ! میں علم ہے کہ یہ تو میں حکیم ہاں کا غلام ہوں اور نہ ہی فو ما کا۔ فو ما تو میں احسان کر چکا ہوں۔ اس کی زندگی بچانے میں، میں نے بہت خیال کر دیا اور ایک بار اور ازراہ ہمدردی ہی میں اس کی مدد کرنے پر آمادہ ہوا ہوں۔

ورنہ کوئی طاقت مجھے ایسا کرنے پر مجبور نہیں کر سکتی تھی۔ ایسی حالت میں ہم خود سوچ سکتی ہو کہ مجھے فو ما کی کسی اور کے احکامات کی کیا پروا ہو سکتی ہے۔ میں اپنی مرضی کا مالک ہوں۔"

تاہم جب میں نے فو ما کے لئے ہمدردی سے کام کرنے کا فیصلہ کیا تو میں نے سوچا کہ اس کے ساتھ ہر قسم کا تعاون کیا جائے چنانچہ اس کی چند باتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں خیال ہے کہ کسی کو اس کے بارے میں نہ بتایا جائے۔

میں نے ابھی تک تمہیں صرف اسی لئے نہیں بتایا تھا کہ وہ تمہیں لگا

کہ تمہاری حیثیت فو ما، ہاں اور اس بستی کے تمام لوگوں سے افضل ہے میں تمہیں جس قدر چاہ سکتا ہوں کسی اور کو نہیں۔ میں نے صرف فو ما سے ہمدردی اور تعاون کی وجہ سے تمہیں کچھ باتوں سے خبر رکھا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں تم سے حقیقت چھپانا چاہتا تھا۔ تیری چاہت میرے لئے سب سے بڑا مقام رکھتی ہے۔ باقی باتیں تو بعد کی ہیں۔"

"میں یہ بات اچھی طرح جانتی ہوں سوتا۔ لیکن کیا ان باتوں کا تعلق میرے اس سوال سے ہے؟"

"بہت گہرا تعلق ہے نشانہ۔ اور اب میں تم سے کچھ چھپانا پسند نہیں کرتا۔ سوتا! تم نے اتنا طویل سفر صرف لغام کے لئے طے کیا ہے۔"

"شکایا بستی کا سفر؟"

"ہاں۔"

"لیکن تم نے تو کہا تھا کہ تم فو ما کے کسی کام کے لئے اس بستی میں آئے ہو۔ کیا تم نے فو ما کا کام ہی تھا۔ اس نے ہی لغام کو طلب کیا ہے جس کے لئے ہم نے اس بستی کا سفر طے کیا۔"

"فو ما نے؟"

"ہاں۔"

"کیوں؟"

"لغام اس کی محبوبہ ہے۔ فو ما سے بید چاہتا ہے۔ لیکن اس کے ذہن میں ایک غلط فہمی ہے۔ اس کا خیال ہے کہ خود لغام نے اسے زہر دیا تھا۔ اور اسی کی وجہ سے اس کی موت واقع ہوئی۔"

"اوہ۔" نشانہ نے آنکھوں میں تحیر کے نقوش جذب ہو گئے تھے عجیب کہانی ہے، عجیب و غریب۔" نشانہ نے کہا۔

"ہاں نشانہ۔"

"لیکن پھر فو ما نے اسے کیوں طلب کیا ہے؟"

"نشانہ! فو ما میرا بھی راز دار ہے۔ اسے یہ علم تھا کہ میں تمہیں چاہتا تھا تم سے محبت کرتا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ اگر میری محبت کا میاب ہوگی تو پھر میں کوشش کر کے لغام کو اس سے ملا دوں۔"

"اوہ۔ فو ما سے اتنا چاہتا ہے؟"

"ہاں۔ یہ اس کی محبوبہ ہے۔"

"لیکن تم تو جانتے ہو کہ اس نے فو ما کو زہر دیا تھا۔"

"یہ بات مشکوک ہے نشانہ۔ فو ما ہی بات معلوم کرنا چاہتا ہے کہ اس کی موت میں لغام کا ہاتھ تھا بھی یا نہیں۔ اور اگر لغام نے ہی اسے قتل کرنے کی کوشش کی تھی، پھر فو ما کی محبت میں فرق آئے گا۔ لیکن بات چونکہ مشکوک ہے اس لئے فو ما اس سے اس قتل کے بارے میں پوچھ کر فیصلہ کر لینا چاہتا ہے۔"

"تو کیا اس لڑکی کو معلوم ہے کہ فو ما زندہ ہے؟"

"نہیں۔ اسے کچھ نہیں معلوم۔"

"پھر یہ ہمارے ساتھ کیوں جا رہی ہے؟"

"میں نے کہا تھا۔ میں اسے لے جا رہا ہوں۔ میں اسے اغوا کر کے لایا ہوں اور اس دقت یہ بے پوٹ ہے۔"

"بڑی حیرت انگیز بات ہے سوتا۔ میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آتا۔"

"نہیں۔ نا سمجھنے کی کوئی بات نہیں ہے۔ بس تم یہ سمجھ لو کہ فو ما اسے چاہتا ہے اور فو ما نے ہی اسے لایا ہے۔ وہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ کیا لغام زہر دوں لوگوں کا شکار ہوگئی ہے؟ کیا اس نے ان لوگوں کے ساتھ مل کر فو ما کے خلاف کوئی سازش کی تھی۔ اور اگر نہیں کی تھی، فو ما صرف غلط فہمی کا شکار ہے تو فو ما اسے دوبارہ سیٹے سے لگائے گا۔"

"لیکن اس کے باپ نے اسے لے جانے کی اجازت کیسے دے دی؟"

"بستارا پہلے تو مجھ ہی ہمارے ساتھ چلنے کو تیار تھا لیکن اس وقت جب میں اس کے پاس گیا اور میں نے بتایا کہ ہم رواجی کے لئے تیار ہیں تو وہ مشتعل ہو گیا۔ اور وہ سمجھا کہ ہم اس سے خریب کر رہے ہیں۔ او۔ اسی لئے وہ ہمارے ساتھ نہیں آیا۔"

"پھر۔۔۔ پھر کیا ہوا؟"

"بس۔ میں نے اسے بھی بے پوٹ کر دیا اور لغام کو بھی پوٹ کر کے اپنے ساتھ لے آیا۔ اب فو ما جانے اور اس کا کام۔"

"اوہ۔" نشانہ نے گہری سانس لی۔ "تم۔ واقعی بید عجیب ہو۔ بید انوکھے سوتا! لیکن کیا اس لڑکی نے فو ما کو قتل کرنے کی کوشش کی ہوگی؟"

"نشانہ! یہ اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھی ہے۔ یہ نہیں کر سکتی۔ یہ تھی اور اس میں سے چاند تلاش کر رہی تھی۔ اور اس کا ذہنی توازن اسی دقت سے خراب ہوا جب فو ما کی موت کی خبر سید کو ہوئی۔"

"اوہو۔ اس کا مطلب ہے کہ اس کی موت میں اس کا کوئی ہاتھ نہیں ہے۔ اگر یہ اسے اتنا چاہتی ہے تو اسے زہر کیوں دیتی؟"

"یقیناً۔ اور مجھے یقین ہے کہ فو ما کی غلط فہمی دور ہو جائے گی۔"

"اوہ۔ تب تو یہ لڑکی ہمارے لئے قابل احترام ہے۔"

"ہاں۔ میں تم سے ہی کہنے والا تھا کہ اس کا خیال رکھنا۔ اسے کوئی تکلیف نہ ہونے دینا۔ یہ تمہارے مقدس اور عظیم فو ما کی محبوبہ ہے اور ہم اس کی امانت کو لئے جانے ہیں جس کی حفاظت تمہارا فرض ہے نشانہ! میں نے کہا۔"

"میں فو ما کی امانت کی حفاظت کروں گی۔ اور میں تم سے شرمندہ بھی ہوں۔ دراصل میرے ذہن میں ایک عجیب سا خیال آیا تھا سوتا! اور اس

277

میں نہیں چاہتی کہ کوئی دوسری لڑکی تمہاری زندگی میں کسی بھی حیثیت سے داخل ہو۔ میں برداشت نہیں کر سکتی سبوتا۔ اور اس کے لئے میں تم سے معافی کی خواہش کرتی ہوں۔ شام نے فرزند واپس لے لیا۔

”میں نے بھی ہی محسوس کیا تھا شام! لیکن کوئی بات نہیں ہے۔ یہ بھی تمہاری محبت کی علامت ہے۔ میں نے شام کو سینے سے چسٹاتے ہوئے کہا اور وہ بھی میرے سینے سے لپٹ گئی۔

شام نے کے ساتھ جہاز کی ایک اور حسین رات گزری۔ اب تو ایسی راتوں کا شمار بھی مشکل تھا۔ لیکن شام کی دلکشی میں اضافہ ہی ہوتا تھا۔ طویل عرصے تک خود سے بے نیاز رہنے کے بعد وہ اپنی شخصیت میں واپس آئی تھی۔ چنانچہ اب وہ ویسے سے دلوں کی پیاس بجھا رہی تھی۔

صبح تھوڑی دیر کے بعد ہی ہو گئی۔ سوچنے سے ہلکے کرے کی درازوں سے جھانک کر ہمیں اپنی آمد کا احساس دلایا اور ہم دونوں نے مسکراتے ہوئے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ ”صبح ہو گئی سبوتا! شام نے بڑے عجیبانہ انداز میں کہا۔

”ہاں شام!۔۔۔ تم تو سو بھی نہیں سکیں۔“

”تمہارے ساتھ۔۔۔ بس جاگتے رہنے کو دل چاہتا ہے۔ تم بھی تو نہیں سوئے سبوتا!“

”اگر میں تمہاری کسی کوشش سے مارا جاتا شام تب۔۔۔ میں نے پلای بھی لگا ہوں اسے دیکھتے تھے کہا اور شام نے میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

”تب جس وقت بھی تمہاری محبت میرے ذہن میں ابھرتی، میں تمہارے پاس پہنچ جاتی۔ اس نے جواب دیا اور میں ہنسے لگا بھیر میں نے اس کا بازو پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا۔

”آؤ شام! تیار ہو جائیں اور اپنے دوست کی خبر لیں۔ دن میں ساری ضروریات سے فارغ ہونے کے بعد تم تھوڑی دیر سونپنا، کسل دور ہو جائے گی۔“

”اب میں ان کی ضرورت بھی نہیں ہوں کہ سوئے بغیر گزار ہی نہ سکوں“ شام نے ہنس کر بولی۔ اور ابتدائی ضروریات سے فارغ ہو کر ہم باہر نکل آئے۔

تھوڑے ہی فاصلے پر میری لگا لگا بٹشک پر پڑی۔ وہ بادیوں کے رخ بدلا رہا تھا کہ جہاز کی رفتار اور تیز ہو جانے۔

”رات کیسی گزری بٹشک! میں نے اس کے قریب پہنچ کر کہا۔

”پرسکون سبوتا۔ کوئی قابل ذکر بات نہیں ہوئی۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو چمکس کر دیا تھا کہ سمندر میں کوئی بھی نشان دکھیں تو تجھے دریا گاہ کریں لیکن ہمارے دوستوں کو شاید بھی تمہاری خبر نہیں ہوئی۔ جہاں اب ہم اتنی دیر نکل آئے ہیں کہ وہ نہیں نہیں پاسکتے۔“

”نعام ہوئی میں آگئی ہے میں نے پوچھا۔

”ہاں۔ لیکن اس کی ذہنی حالت درست نہیں معلوم ہوتی سبوتا! تم

اسے بے ہوش کر کے ہی لانے تھے۔ لیکن اس کے انداز سے ایک بار بھی جرح کا اظہار نہیں ہوا۔ بول لگتا ہے جیسے اسے اپنے بارے میں کوئی احساس ہی نہ ہو۔“

”ہاں۔ وہ ذہنی طور کا شکار ہے۔ کوئی بات کی جی اُس نے“

اپنے باپ کے بارے میں پوچھا تھا۔

”ہیں۔ بس کچھ بے معنی الفاظ اس کے منہ سے نکلے تھے۔ کچھ لگی، چاند غروب کیوں ہو جاتا ہے، کیا پانی میں بھی چاند نہیں نکلتا؟“

”ہوں ٹھیک ہے بٹشک! اس کا خاص خیال رکھتا ہے۔ یوں کہ یہ سفر صرف اس کے لئے کیا گیا تھا۔“

”تم مطمئن رہو سبوتا۔ تمہارا ایک بار کسی بات کے بارے میں کہنا ہمارے لئے بہت بڑی حیثیت رکھتا ہے۔ بٹشک نے جواب دیا۔ ”دو لبا“

”اس کا منہ ہاتھ دکھلا کر اسے ناشتہ کرا دیا ہے۔“

”بہت خوب۔“

”اس کے علاوہ دو لبا کے لباس بھی اس کے بدن کے مطابق ہیں۔ ہم اسے کوئی تکلیف نہ ہونے دیں گے۔ باہر کے معاملات پرسکون ہیں۔ سبوتا۔ کیا ہم لوگ ناشتہ لیں گے؟“

”اوہ۔۔۔ تم نے ناشتہ نہیں کیا؟“

”تمہارے بغیر یہ کیسے ممکن تھا۔ آؤ۔ بٹشک نے کہا اور ہم اس کے کیمین کی طرف بڑھ گئے۔ نعام شہزادوں کی سی شان سے بھیجی ہوئی تھی اس نے گلابی اٹھا کر ہم دونوں کو دیکھا لیکن اس کے چہرے پر کوئی تاثرات نہیں پیدا ہوئے۔ دو لبا بھی موجود تھی۔ اس نے شام کا پرتپاک استقبال کیا۔ اور پھر ناشتہ لگا دیا گیا۔ میں نے نعام کو مخاطب کیا۔

”کیا تم ہمارے ساتھ ناشتہ نہیں کرو گی نعام؟ لیکن اُس نے اس سوال پر میری طرف دیکھا بھی نہیں تھا۔ وہ اسی طرح خاموش بیٹھی رہی۔

”نہ جانے اس کے چارے کو کیا ہوا ہے؟ دو لبا نے ہمہردی سے کہا اور پھر وہ ہمارے ساتھ ناشتے میں شریک ہو گئی۔ ناشتے کے بعد ہم باہر نکل آئے۔ شام دو لبا کے ساتھ رہ گئی تھی۔ بٹشک نے پورے جہاز کا چکر لگایا۔ جہاز تسی تسی انداز میں اپنی منزل کی طرف بڑھ رہا تھا۔ شام ہو گئی کوئی قابل ذکر واقعہ نہیں پیش آیا۔ ہمیں یقین ہو گیا تھا کہ شام کا یہ جہاز ہمارے تعاقب میں نہیں آئے۔ اور اگر اب وہ آئے کی کوشش بھی کریں گے تو ہم تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ اس کے علاوہ ہمارے پاس جہاز میں اب اتنا سامان موجود تھا کہ راستے میں ہمیں کئی ضرورت بھی نہیں تھی۔

شام کو میں نے شام سے کہا کہ نعام کو جہاز کے کنبے پر لے آئے۔

”بے چاری لڑکی۔ مجھے اس کے اوپر بہت رحم آتا ہے۔ شام نے کہا۔

”کسی معاملے میں کچھ بولتی ہی نہیں ہے۔ میں نے ہاتھ پکڑا کر اسے

ساتھ چلی آئی۔

”ہاں۔ اس کی حالت قابلِ رحم ہے۔“

”ویسے یہ وہاں پہنچ کر ٹھیک ہو جائے گی نا؟“

”وقتی امکانات ہیں۔ اول تو اس کے مرض کا علاج وہاں موجود ہے۔“

دوسرے وہاں چیک ہو جائے اور وہ جہاں وہ اپنے فن کا ماہر ہے۔“

”اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ شام نے کہا۔ میں نعام کے پاس پہنچ گیا اور پھر میں نے اس سے کہا۔

”نعام! تمہیں معلوم ہے تم کہاں جا رہی ہو؟“

”پانی میں چاند پڑتا ہے؟ اس نے کھوئے ہوئے لہجے میں کہا۔

”تمہیں چاند کی تلاش ہے؟ میں نے پوچھا۔

”ہاں۔ سچے کہاں کھو گیا۔ چاند تک لنگے گا؟“

”چاند تمہارا انتظار کر رہا ہے نعام۔ وہ بہت جلد نکلے گا۔“

”نکل آئے گا؟“ اس نے بے اختیار کہا۔

”ہاں نعام۔ تمہیں فرمایا ہے۔ میں نے سوال کیا اور چانک

نعام کے چہرے میں کچھ تبدیلیاں ہو گئیں۔ اس نے جھٹکا لگا ہوں سے

مجھے دیکھا پھر شام کو۔ اور پھر وہ آہستہ آہستہ میرے نزدیک آگئی۔ اس

کے انداز میں عجیب سی بے چینی تھی جیسے وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتی ہو لیکن

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کہے۔ اور وہ کھڑی تھی دیکھتی رہی۔

”فرمایا ہے تمہیں؟“ میں نے پھر پوچھا۔ اور اس نے دونوں

کان بند کر لئے۔ اس کے چہرے سے سرب کا اظہار ہو رہا تھا۔ پھر اُس نے

بے بسی سے شام کی طرف دیکھا اور شام نے ہمہردی سے اس کے

شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

”ہم نہیں فوراً کے پاس لے جائے ہیں نعام۔ بہت جلد تم

اس سے ملو گی۔ شام نے کہا اور نعام اس طرح ڈٹنے لگی جیسے جکڑا گیا ہو

شام نے اسے مضبوطی سے تھام لیا تھا۔ نعام بے ہوش ہو گئی ہم دونوں اُسے

کیون میں لے آئے تھے۔

”یہ کیا ہو سبوتا! شام تعجب سے بولی۔

”فرما کے نا کا اس نے یہ۔ اڑ گیا ہے۔“ میں نے جواب دیا اور

شام گردن ملانے لگی۔ بہر حال ہم سب کو نعام سے ہمہردی تھی۔ یہ بات

تو اب پائیکمیل کو پہنچ گئی تھی کہ نعام نے فرما کو قتل نہیں کیا تھا! اگر وہ کسی کی

آواز کا رنج گئی ہو تو دوسری بات ہے۔ لیکن وہ بھی اچانک سے۔ اتنی

محنت کرنے والی لڑکی غدار نہیں ہو سکتی تھی۔

دن رات سفر جاری تھا۔ براؤں کے رخ موافق تھے چنانچہ تیز

براؤں نے فاصلے کو کم کر دیئے اور بالآخر وہ دن آ گیا جب ہم نے دوبارہ کانی

کی زمین دیکھی۔ ساحل پر اور بہت سے جہازوں کا اضافہ ہو گیا تھا۔ ان پر

رنگ رنگ کے جھنڈے لہرا رہے تھے۔

”اوہ! کافی علاقوں کے جہاز آئے ہیں۔ بٹشک نے دور سے

دیکھ کر کہا۔

”ہاں۔“

”کچھ عجیب سے حالات محسوس ہوتے ہیں سبوتا۔ کیا تم نہیں

محسوس کرتے؟“

”میں نہیں سمجھا بٹشک۔ میں نے انجان پن کر کہا۔

”اس کی وجہ صرف یہ ہو سکتی ہے کہ تم خود اس اور اس کے علاقوں کے

حالات سے واقف نہیں ہو۔ بٹشک مختلف سی سانس لے کر بولا اور پھر جب

ہمارا جہاز ساحل سے کافی دور تھا کہ ہم نے ایک بڑی کشتی جہاز کی طرف

آئے دیکھی۔ اس میں چند لوگ سوار تھے۔ قریب آئے تو اندازہ ہوا کہ حکیم کو

زور اس اور زور اس کے چند خاص محمد ہیں۔ کشتی جہاز کے بالکل قریب

پہنچ گئی اس پر سوار لوگ خوشی سے ہاتھ ہاتھ رہے تھے اور تھوڑی دیر کے

بعد وہ اوپر چڑھ گئے۔

ان لوگوں نے ہمارا جوش استقبال کیا تھا۔ حکیم کو مجھ سے پٹ

گیا۔ اس نے میری خیریت پوچھی اور پھر شام سے اس کے بارے میں معلوم

کرنے لگا۔ اس کے بعد اس نے آہستہ سے کہا۔ ”جس مشن پر تم گئے تھے“

پورا ہو گیا؟“

”ہاں۔ میں نے جواب دیا۔

”بہت خوب۔ تب ہم لوگ آخر میں جہاز سے چلے گئے۔ ہر چیز میں

ابتداء میں اسے اپنا بھائی بناؤں گا لیکن اس کے باوجود میں اسے دکرے

لوگوں کی نگاہوں سے چھپنا چاہتا ہوں۔“ ہاؤس نے کہا۔ میں نے کوئی

جواب نہیں دیا۔ جہاز کے ٹکڑے ڈال دیئے گئے تھے اور چونکہ اب غلامیوں

کا بھی کوئی کام نہیں تھا سو اس کے کہ با دبان وغیرہ پیٹ دیئے جائیں۔

چنانچہ اپنے اپنے کاموں سے فارغ ہونے کے بعد کشتیوں کے ذریعہ وہ

ساحل کی طرف چل پڑے۔ پھر ایک آخری کشتی سے بٹشک اس کی بیوی

دو لبا، میں، شام اور نعام بھی ساحل کی طرف چل پڑے۔ اور تھوڑی دیر

کے بعد ہم ساحل کے اس دوسرے حصے میں پہنچ گئے جہاں ہاؤس کا مکان تھا

سمندر کے کنارے کنائے لکھری کے کچھ اور مکان تعمیر کئے گئے تھے جو

پہلے نہیں تھے۔ یقیناً یہ حکیم کو کا کا نام معلوم ہوتا تھا۔ اور یہ اندازہ بھی

لگایا جا سکتا تھا کہ یہ مکان آئے والوں کے لئے ہی بنائے گئے ہوں

گے۔ بہر حال میں نے اس کے بارے میں معلوم نہیں کیا۔

ہاں حکیم کو لے کھانے کے وقت مجھے تنہا۔ آخری سروا بھی

سکا پی پہنچ گیا ہے۔ سبوتا یوں مجھوش کا پہلا حصہ مکمل ہو گیا ہے صرف

تمہارا انتظار تھا۔ آخری مشن سے کے بعد کام کا پہلا مرحلہ مکمل کر لیا ہے۔“

”اوہ! ان لوگوں کو بھی تک کوئی اندازہ ہو سکا ہے کہ انہیں

میں کیوں بلایا گیا ہے؟“

”بس وقتاً فوقتاً ان سے ملتا رہوں۔ اور چونکہ انہیں فوراً کے

نام پر بلایا گیا ہے، اس لئے انہیں یہ اندازہ تو ہے کہ بات میں کچھ

279

کی ہے، البتہ دوسری باتیں ابھی ان کے ذہن کے کسی گوشے میں نہیں ہوں گی۔ ویسے سوتا! یہ سب وہ ہیں جو علاقے کی بھلائی کے خواہاں ہیں اور اس کے لئے سب کچھ کرنا چاہتے ہیں اور صرف یہی جذبہ انہیں بھینچ لایا ہے اور وہ خاموشی سے انتظار کرتے ہیں۔“

”بہت خوب۔ زیور اک کو اس سے زیادہ تو علم نہیں ہو سکا ہے۔“
”ہرگز نہیں۔ لیکن وہ بے چین بہت ہے۔ تمہارے ہاں سے تو وہ نہ جانے کیا خیالات رکھتا ہے۔ اکثر تمہاری باتیں کرتا رہتا ہے۔“
کتبہ کے قلم کوئی آسمانی مخلوق معلوم ہوتے ہو اور پھر دنی زبان میں یہ بھی کہہ اٹھتا تھا۔ اہ! فوما کو کوئی تکلیف نہ ہو رہی ہو، وہ کسی چیز کا ضرورت مند نہ ہو۔

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ اٹھ گئی۔ ”ہاں! فوما! اس سلسلے میں واقعی خوش نصیب ہے۔ اس کے لئے پریشان ہونے والوں کی تعداد بہت کافی ہے۔ لیکن اب کیا ارادہ ہے؟“

”فوما! تمہاری آمد کی اطلاع دے دی جائے۔ ظاہر ہے میرے علاوہ سے یہ اطلاع کون دے گا؟ اس لئے ابھی اسے پتہ نہ چل سکا ہوگا۔“
”ٹھیک ہے میں خود اسے مل آتا ہوں۔“ میں نے کہا۔

”میں بھی چلوں گا۔“ فوما نے کہا۔ اور پھر سورج چھٹے میں اُٹھا اور فوما کو فرم کے پاس چل پڑے۔ فوما مجھے دیکھ کر مسرت سے اچھل پڑا تھا۔ وہ مجھے نہ پٹ گیا اور اس کے چہرے پر پھول کھل اٹھے۔ اس کی آنکھوں میں سوال تھے۔ تب میں نے اسے کشمکش میں نہ بہنے دیا اور آہستہ سے کہا۔

”میں فوما کو لے آیا ہوں فوما! فوما کے بدن کی ریش میں نے ساف محسوس کی تھی۔“ اور میں اپنے تمام تجربے کی بنا پر دعوے سے کہتا ہوں کہ لڑکی بے قصور ہے۔“ فوما نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خاموش سے میری صورت دیکھ رہا تھا۔ فطرت جذبات سے اس کی آواز بند ہو گئی تھی! بمشکل تمام وہ بولا۔ ”اور بتاؤ سوتا!“

”وہ تمہاری موت کے بعد اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھی ہے۔ پھر ہر وقت ذہن گریڈ کر چاند تکاں کرتی رہتی ہے۔“ میں نے کہا اور فوما کی آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے بہہ نکلے۔

”وہ مجھے ذہن کا چاند کہتی تھی۔“ اس نے بتایا۔
”اب کیا ارادہ ہے فوما؟ میں نے پوچھا اور فوما نے آنسو پچھلے۔“

”میں تمہارا انتظار کر رہا تھا سوتا۔ جیسا تم کہو گے۔“
”تب پھر حکیم! جیسا کہ تم نے کہا ہے کہ سب مطلوب لوگ آگئے ہیں، کل جم ان سے ملاقات کے بارے میں آخری فیصلہ کریں گے اور اس کے بعد کارروائی شروع ہو جائے گی۔“ میں نے کہا اور دونوں نے میری بات کی تائید کی۔

اور اب بہتر ہے کہ فوما کو اس کی محبوبہ سے ملاقات کی اجازت

دے دی جائے۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور حکیم ہلکے مسکراتے ہوئے فوما کو اس کے پاس پھینکا۔ وہ حسب معمول خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور وہ خاموشی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کی آنکھوں میں غم تھا۔ بہت پسند آتی تھی۔ بے چاری کچھ سوچتی سمجھتی ہی نہیں تھی۔ میں نے اسے کمر باندھ کر لے لیا۔

”فوما! میں نے سمجھ کر طرف چلتے ہوئے اسے ہٹا دیا۔“
”کیا جانکبھی نہیں نکلے گا؟ وہ اپنے مخصوص انداز میں بولی۔“
”تم فوما کو چاہتی ہو فوما! میں نے براہ راست کہا اور وہ چلتے چلتے رگ گئی۔ وہی کیفیت طاری ہو گئی تھی اس پر جس کو میں پہلے دیکھ چکا تھا۔

”جانکبھی نہیں نکلا۔ وہ بے چین سے بولی۔“
”تم نے فوما کو اپنے ہاتھ سے نہ دیا تھا۔“ میں نے کہا اور اس کے انداز میں کمر پکڑ پکڑا ہوا۔

”وہ سمجھ میں ڈوب گیا ہے۔ چاند اب سمجھ میں نہیں آتا ہے۔“
”کبھی نہیں نکلے گا، کبھی نہیں نکلے گا۔“

”فوما تمہارا محبوب تھا۔ وہ تم سے یہ محبت کرتا تھا۔ اس شام میں نہ رہتا تھا جو تم نے فوما کو پٹی تھی۔ لیکن میرا خیال ہے تم اس سے مل چکی تھیں۔ فوما زندہ ہے۔“ فوما زندہ ہے۔ کیا تم اس سے ملو گی؟ میں نے کہا اور فوما نے ایک زوردار چیخ ماری اور پھر وہ مجھ سے پٹ کر پھوٹ کر نکل گئی۔ پھر میں نے محسوس کیا کہ وہ گری ہوئی ہے۔ تب میں نے اسے بازوؤں میں اٹھایا اور تیزی سے فوما کے مکان کی طرف چل پڑا۔

فوما نے قاری سے میرا انتظار کر رہا تھا۔ فوما نے فوما کو دیکھ کر اس پر سرتواری ہو گیا۔ پھر اس کی آنکھوں سے بھی آنسو بہنے لگا۔ پھر وہ فوما کے قریب آ گیا۔

”ہاں۔ یہ ہے۔ فوما کو سوتا! اس کے چہرے کی مصروفیت دیکھو۔ وہ گولہ آواز میں بولا۔ شتانہ اس کے نزدیک کھڑی ہوئی تھی۔ مگر اسے کیا ہوا؟“
”میں نے تمہارا نام لیا تھا۔ اسے بتایا تھا کہ تم زندہ ہو۔“ میں نے ہو گئی ہے۔“

”مجھے یقین ہے کہ یہ بے قصور ہے۔“ فوما نے کہا۔
”کیا تمہارے خیال میں میں نے کوئی قصور کیا ہے شتانہ؟ میں نے اچانک شتانہ سے پوچھا۔ اور وہ جاس منتظر میں کھوئی ہوئی تھی۔ چنکر گئی۔

”تم نے؟ میں نہیں سمجھی۔“ وہ پوچھا۔ ”تم نے انداز میں بولی۔“
”اگر میں نے کوئی قصور نہیں کیا ہے تو تم میرے ساتھ سال کیوں نہیں چلیں گی؟ میں نے کہا۔ اور فوما جذباتی کشمکش کا شکار ہو کر باوجود ہنس پڑا۔ شتانہ بھی میری شراعت سمجھ گئی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر مشکین مسکراہٹ پھیل گئی اور میں نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال دیا۔

ہم دونوں ساحل کی ٹھنڈی ریت کی جانب چل دیے۔ ریت کا سینہ ہم دونوں کو پی پسند تھا۔

دوسری صبح میں اور شتانہ مکان میں واپس پہنچ گئے۔ فوما ہمیں بانگتا ہوا پیس لہاتا۔ اس کے چہرے میں نمایاں تبدیلی تھی اور وہ مسرت سے جگہ گارہا تھا۔ وہ بڑی محنت سے مجھ سے پٹ گیا۔

”تو نے میرے اوپر اتنے احسان کئے ہیں سوتا! کہ ان کا قصور کئے ہو کھلا جاتا ہوں۔ سوچتا ہوں اگر مجھے میرا سب کچھ واپس مل گیا تو میں تجھے تیرے احسانات کے صلے میں کیا دوں گا؟“

”دوسری تمام چیزوں سے بڑی ہوتی ہے فوما! میں نے جواب دیا۔“
”ہاں! تو آسمان ہے وسیع اور بیکراں۔ تو کو کوں طرف دے سکتا ہے کوئی تجھے کچھ نہیں دے سکتا۔“

”فوما کی کیا کیفیت ہے؟“
”ابھی تھوڑی دیر پہلے سوئی ہے۔ وہ درحقیقت بے قصور تھی سوتا! مجھے اندازہ ہے۔ لیکن اس کی ذہنی کیفیت؟“

”بالکل ٹھیک ہو گئی ہے۔“
”ہم لوگ اسے یادیں؟“
”ہاں۔ اور تمہارا نام بیکر وہ جذبات سے خاموش ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے وہ بھی تمہیں تمہارے احسانات کا صلہ دینے سے قاصر ہے۔“

فوما نے جواب دیا۔
”میں بہت بڑا سوئے باز ہوں فوما۔ نقصان کا سودا کبھی نہیں کرتا میں جانتا تھا کہ میں تیرے لئے وہ سب کچھ ضرور کروں گا جو تم چاہتا ہے۔ میں تیری بہنوں کو پھر سے اکابر کروں گا۔ اور اس کے لئے میں نے پورے غور سے کام کیا۔ مگر نہ کا فیصلہ کر لیا تھا۔ سو میں نے سوچا کہ جب محنت کرنی ہے تو معاوضہ پیش کیوں نہ وصول کر لیا جائے۔ تیری بستی سے میں نے پورا پورا معاوضہ وصول کر لیا ہے اور اب تیرے اوپر میرا کوئی حق نہیں ہے۔“

”معاوضہ؟ میں نہیں سمجھتا سوتا! فوما نے کہا۔“
”شانہ! میں نے شتانہ کے شانہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ یہ میری تمام محنت کا صلہ ہے جو میں کرچکا ہوں اور آئندہ کروں گا۔ میں نے جواب دیا۔ اور فوما نے مسکراتے ہوئے شتانہ کی طرف دیکھا۔

”اگر یہ بات ہے تو میری بستی کی اس لڑکی نے میرے اوپر بڑا احسان کیا ہے۔ اس نے میرا روجھ باندھ لیا ہے۔“
”اور اب تمہیں ناشتہ بھی کر لے گی۔“ میں نے کہا اور فوما ہنسنے لگا۔

شانہ ناشتہ تیار کر کے چلی گئی تھی۔ ناشتے کے بعد اس نے کہا۔
”چونکہ فوما ابھی سو رہی ہے اس لئے میں دولا باکے پاس جانا چاہتی ہوں۔ کیا میں تھوڑی دیر کے لئے اس کے پاس چلی جاؤں؟ وہ یہاں آنے سے بہت خوش ہے لیکن تمہاری محسوس کر گئی ہے۔“

”خوب۔ کیا ان کے جہازوں کی آمد و رفت کا راستہ کھلا ہوا ہے؟“
”ہاں۔ ابھی تک اس طرف کوئی پابندی نہیں لگائی گئی۔“
”آج سے لگادی جائے گی۔“ میں نے کہا۔

”خوب۔ کیا ان کے جہازوں کی آمد و رفت کا راستہ کھلا ہوا ہے؟“
”ہاں۔ ابھی تک اس طرف کوئی پابندی نہیں لگائی گئی۔“
”آج سے لگادی جائے گی۔“ میں نے کہا۔

”خوب۔ کیا ان کے جہازوں کی آمد و رفت کا راستہ کھلا ہوا ہے؟“

”خوب۔ کیا ان کے جہازوں کی آمد و رفت کا راستہ کھلا ہوا ہے؟“
”ہاں۔ ابھی تک اس طرف کوئی پابندی نہیں لگائی گئی۔“
”آج سے لگادی جائے گی۔“ میں نے کہا۔

”خوب۔ کیا ان کے جہازوں کی آمد و رفت کا راستہ کھلا ہوا ہے؟“
”ہاں۔ ابھی تک اس طرف کوئی پابندی نہیں لگائی گئی۔“
”آج سے لگادی جائے گی۔“ میں نے کہا۔

”خوب۔ کیا ان کے جہازوں کی آمد و رفت کا راستہ کھلا ہوا ہے؟“
”ہاں۔ ابھی تک اس طرف کوئی پابندی نہیں لگائی گئی۔“
”آج سے لگادی جائے گی۔“ میں نے کہا۔

”خوب۔ کیا ان کے جہازوں کی آمد و رفت کا راستہ کھلا ہوا ہے؟“
”ہاں۔ ابھی تک اس طرف کوئی پابندی نہیں لگائی گئی۔“
”آج سے لگادی جائے گی۔“ میں نے کہا۔

”خوب۔ کیا ان کے جہازوں کی آمد و رفت کا راستہ کھلا ہوا ہے؟“
”ہاں۔ ابھی تک اس طرف کوئی پابندی نہیں لگائی گئی۔“
”آج سے لگادی جائے گی۔“ میں نے کہا۔

”خوب۔ کیا ان کے جہازوں کی آمد و رفت کا راستہ کھلا ہوا ہے؟“
”ہاں۔ ابھی تک اس طرف کوئی پابندی نہیں لگائی گئی۔“
”آج سے لگادی جائے گی۔“ میں نے کہا۔

”خوب۔ کیا ان کے جہازوں کی آمد و رفت کا راستہ کھلا ہوا ہے؟“
”ہاں۔ ابھی تک اس طرف کوئی پابندی نہیں لگائی گئی۔“
”آج سے لگادی جائے گی۔“ میں نے کہا۔

”خوب۔ کیا ان کے جہازوں کی آمد و رفت کا راستہ کھلا ہوا ہے؟“
”ہاں۔ ابھی تک اس طرف کوئی پابندی نہیں لگائی گئی۔“
”آج سے لگادی جائے گی۔“ میں نے کہا۔

”خوب۔ کیا ان کے جہازوں کی آمد و رفت کا راستہ کھلا ہوا ہے؟“
”ہاں۔ ابھی تک اس طرف کوئی پابندی نہیں لگائی گئی۔“
”آج سے لگادی جائے گی۔“ میں نے کہا۔

”خوب۔ کیا ان کے جہازوں کی آمد و رفت کا راستہ کھلا ہوا ہے؟“
”ہاں۔ ابھی تک اس طرف کوئی پابندی نہیں لگائی گئی۔“
”آج سے لگادی جائے گی۔“ میں نے کہا۔

”خوب۔ کیا ان کے جہازوں کی آمد و رفت کا راستہ کھلا ہوا ہے؟“
”ہاں۔ ابھی تک اس طرف کوئی پابندی نہیں لگائی گئی۔“
”آج سے لگادی جائے گی۔“ میں نے کہا۔

”خوب۔ کیا ان کے جہازوں کی آمد و رفت کا راستہ کھلا ہوا ہے؟“
”ہاں۔ ابھی تک اس طرف کوئی پابندی نہیں لگائی گئی۔“
”آج سے لگادی جائے گی۔“ میں نے کہا۔

”خوب۔ کیا ان کے جہازوں کی آمد و رفت کا راستہ کھلا ہوا ہے؟“

”ٹھیک ہے میں خود ہی سوچ رہا تھا لیکن ساری کارروائی میں نے تمہاری آمد تک ملتوی کر دی تھی۔ آج سے ہم ان کے یہ راستے بند کر دیں گے“

فومالے جواب دیا۔

”ممکن ہے زیدو اس کے جہاز سے ہونے والی کارروائی کی اطلاع بھی پہنچ گئی ہو“

”ہاں۔ ممکن ہے“ فومالے جواب دیا اور پھر بولا۔ ”بہر حال آج کی کارروائی کے بارے میں کیا خیال ہے۔ میں باکو کا منتظر ہوں کہ وہ آجائے تو فیصلہ کر لیا جائے۔ ویسے تم نے شک کے حالات کا جائزہ لیا ہو گا۔ وہاں میرے بارے میں کیا تاثر ہے؟“

”میں نے ہر جگہ جتھے پرستار پائے ہیں۔ خاص طور سے شکایاں لوگ زیادہ کھل کر تمہاری حمایت کا اعلان کرتے ہیں۔ مائنگا ہستی میں البتہ میں نے محسوس کیا کہ محتاطی لوگ زردورد لوگوں کے زیر اثر ہیں۔ موجودہ حالات کے بارے میں کوئی زیادہ نہیں معلوم لیکن میں نے محسوس کیا تھا فومالہ وہ لوگ زردورد لوگوں کے تسلط سے آزاد نہیں ہیں۔ بہر صورت فومالہ! مجھے یقین ہے کہ تم تھوڑی سی کاوشوں کے بعد اپنی کھوئی ہوئی حکومت حاصل کر لو گے۔ لیکن چند سوالات میرے ذہن میں سر اٹھاتے ہیں۔“

”وہ کیا سوچتا ہے؟“ فومالے پوچھا۔

”تم اپنی حیثیت و حکومت حاصل کر لینے کے بعد ان لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کرو گے؟“

”زردوردوں کے ساتھ؟“

”ہاں۔“

”سوچنا! ان لوگوں نے جس طرح حالات میں پہنچا دیا ہے اس سے تم بھی طرح واقف ہو۔ مجھے بتاؤ اگر میں اپنی حیثیت میں واپس آ جاؤں تو مجھے ان کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیے، میں تمہارے افغانستان چاہتا ہوں سوچنا! فومالے نے مجھے سے کہا۔

”دراصل فومالہ! مجھے تھوڑی سی ہمدردی ان لوگوں سے بھی ہے۔“

میں نے صاف پہچان لیا۔ ظاہر ہے پروفیسر ایس کی کسی نہ سبقت تو تھا نہیں۔ جو کچھ میں کر رہا تھا وہ تو میری ذاتی دلچسپی کی بات تھی۔ درنہ فومالہ کوئی اور مجھے کام کے لئے کون مجبور کر سکتا تھا۔ باقی رہی ان لوگوں کی بات۔ تو پروفیسر! مجھے یوستیا کے کچھ الفاظ یاد تھے۔

اس نے کہا تھا پروفیسر! کہ اس کی تو میں بھی قائل نہیں ہوں کہ کسی کی زمین پر قبضہ کر کے اسے بے دخل کر دیا جائے۔ لیکن زمین پر تھوڑی سی حیثیت تو ہم لوگوں کی بھی ہونی چاہیے۔

اور یوستیا کی یہ بات مجھے متاثر کر گئی تھی۔ میں نے سوالیہ انداز میں فومالی طرف دیکھا۔ فومالہ سوچ میں ڈوب گیا تھا پھر اس نے

گولن ہائی اور بولا۔

”اس بات کے بارے میں میں نے ابھی تک بہر صورت کوئی فیصلہ

نہیں کیا تھا لیکن سبوتا۔ تم مجھے بتاؤ مجھے کیا کرنا چاہیے؟“

”میرا اپنا خیال ہے فومالہ! میں سے صرف ان سرکش لوگوں کو قتل کر دیا جائے جو سازش کے بانی ہیں۔ جو یہاں اپنی حکومت چاہتے ہیں۔ باقی رہا ان تمام لوگوں کا مسئلہ تو میری رائے ہے کہ ایک جزیرہ بلکہ ایک بڑے جزیرے کا ایک حصہ ان لوگوں کے لئے مخصوص کر دیا جائے اور باقی تین حصوں میں تمہاری بھرپور قوت رہنی چاہیے تاکہ ان پر نگاہ رکھی جاسکے۔ جزیرے کا وہ حصہ جو ان کے لئے مخصوص کیا جائے اس میں ان کی زندگی گزارنے کی ہر سہولت موجود ہونی چاہیے۔ انہیں حکم دیا جائے کہ وہ اپنی ہر طرح کی کارروائی کر سکتے ہیں۔ انہیں اس حصے پر مکمل آزادی دے دی جانی چاہیے۔

چاہے اس حصے پر وہ کاشٹکاری کریں یا کچھ اور کریں یا زندگی گزارنے کے لئے ہر وہ طریقہ جو انہیں پسند ہو۔ لیکن ضروری ہو گا کہ ان کی ہر نقل و حمل پر نظر رکھی جائے۔ اگر ان میں کچھ اور لوگ بھی اگر شامل ہو جاتے ہیں تو ایک حد تک برداشت کر لیا جائے۔ باقی یوں جھوٹا کر ان کی ایک آبادی بنا دی جائے تاکہ وہ زندگی بسر کر سکیں۔ لیکن حکومت کے دست نگہ رہ کر رہی۔“ میں نے کہا۔

فومالہ خاصی حد تک متاثر نظر آ رہا تھا۔ شاید اسے میری تجویز پسند آئی تھی۔ ”مجھے وہ بولا۔ لیکن سبوتا۔ ہم اس تجویز کو پایہ تکمیل تک کیسے پہنچا سکتے ہیں؟“

”یہ کام کرنا کوئی زیادہ مشکل نہ ہو گا فومالہ! یہ کام ہم ان کو مجبور کر کے بھی لے سکتے ہیں اور ان پر کچھ فتنے دار یاں بھی ڈال سکتے ہیں ہاں! اگر وہ سرکشی کی کوشش کریں تو ان پر فوج کشی کر کے ان کی بغاوت کو کچل دیا جائے۔“

فومالہ نے میری تجویز پر ہنسنا شروع کیا۔ ”اگر ان کا کہنا سب خیال ہے سبوتا۔ میں بھی اس بات کا قائل نہیں ہوں کہ دشمنوں پر بڑی جنگ کر دی جائے۔ انہیں بھی زندہ رہنے کا حق مکمل طور پر حاصل ہے اور میں اس حق کو تسلیم کرتا ہوں۔ لیکن شرط یہی ہے کہ اگر انہوں نے کوئی سازش کی یا سرکشی کی کوشش کی تو پھر انہیں برداشت نہیں کیا جائے گا۔“ فومالہ نے کہا۔

اور میں فومالی کی تجویز سے متفق تھا۔

”ہاں۔ تم نہیں یہ اطلاع دے سکتے ہو کہ انہیں ان کی سرکشی کی اتنی زبردست سزا دی جائے گی کہ آئندہ وہ بغاوت کرنا بھیجھل جائیں۔“ میں نے کہا اور فومالہ نے گولن ہائی۔ ”مجھوہ مجید کی سے کچھ سوچنا ہو یا بولا۔“

”درحقیقت تو نے بہت اچھی بات کہی ہے سبوتا! صرف اس لئے نہیں کہ تو میری مدد کر رہا ہے تو میں تیری یہ بات قبول کر لوں، بلکہ میں نے بارہا سوچا ہے کہ اگر میری حکومت یہاں قائم ہوتی تو میں ان لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کرتا ظاہر ہے بے شمار انسانوں کو تبس نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے علاوہ یہ لوگ بھی زندگی گزارنے کا حق رکھتے ہیں۔ اور

ضروری نہیں ہے کہ ان میں سے ہر شخص غلط ہو۔“

”یہ شک میں نے تائید کی۔“

”تو مطمئن رہ سبوتا۔ تو نے جو کچھ کہا ہے وہ مجھے یاد ہے۔ اگر مجھے اپنی حیثیت دوبارہ حاصل ہوگی تو میں ایسا ہی کر لوں گا۔ اور ہر سلسلے میں تیرا مشورہ شامل کر لوں گا۔ تیری حیثیت جو کچھ میری نگاہ میں ہے سبوتا! شاید تو اس سے واقف نہیں ہے۔“

”اسی بات نہیں ہے فومالہ! لیکن مجھے خوشی ہے کہ تو نے میری بات مان لی۔“ میں نے مطمئن انداز میں کہا۔

”ہم لوگ بیٹھے گفتگو کرتے رہے تھوڑی دیر کے بعد حکیم باکو آیا ہم دونوں کو دیکھ کر اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”بہت خوب کیا میری آمد سے پہلے ہی کارروائی شروع ہو گئی ہے۔“

”نہیں حکیم باکو! ہم کچھ دوسری باتیں کر رہے تھے۔“ فومالے جواب دیا۔ اس نے اس سلسلے میں حکیم باکو کو کوئی تفصیل نہیں بتائی تھی اس لئے میں نے بھی خاموشی ہی اختیار کر لی۔ اس کے بعد ہم تینوں سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔

”مسئلہ یہ تھا کہ اب کیا کیا جائے۔“ دونوں نے سوال کرنے کے بعد میری طرف دیکھا اور فومالہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”بات یہ ہے سبوتا۔ تیرے جانے کے بعد ہم نے تیرے بارے میں بہت سی گفتگو کی

”تو کیا اس گفتگو کے بارے میں تم مجھے نہ بتاؤ گے؟“ میں نے فومالہ سے پوچھا۔

”دراصل سبوتا! حکیم باکو کا یہ خیال ہے کہ تیری پراسرار نوعیت صرف جسمانی حد تک محدود نہیں ہیں بلکہ تو جسمانی طور پر طاقت ور ہے ہی ذہنی اور بھی بہت طاقتور ہے۔ اور جو بھی قدم اٹھاتا ہے اس میں ہم مصلحت دیکھ کر قوت پرتی ہے چنانچہ اس سلسلے میں تیری رائے سے سب سے مقدم ہے۔ ہم تیری رائے کو سب سے بڑی حیثیت دیتے ہیں۔ ہمیں بتا کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟“

”بات یہ ہے فومالہ! کہ میں تمہارے ذاتی معاملات میں کوئی مداخلت نہیں چاہتا تھا۔ لیکن تمہارے اس سلسلے میں اتنی ہی دلچسپی محسوس کرتا ہوں، جتنی کہ خود تم مچنا مچنا میرا خیال ہے کہ تم اپنی اصلی حیثیت میں ظاہر ہو جاؤ۔“

”اوہ۔“ فومالہ نے معنی خیز انداز میں حکیم باکو کی طرف دیکھا۔

”لیکن کس طرح؟“ حکیم باکو نے پوچھا۔

”آج کی میٹنگ میں تم تمام سببوں کے سرواڑوں کو جمع کروا دو حکیم باکو! ہم انہیں یہ بتاؤ کہ آج جس سلسلے میں انہیں بلایا گیا ہے اسی کا کشف کیا جائے والا ہے۔ جہاں یہ میٹنگ ہو گی وہاں فومالہ بھی موجود ہو گا۔ اور حکیم باکو! اس میٹنگ کے لئے تمہارا مکان ہی سب سے بہتر ہے۔ تم انہیں

فقہ حالات بتاتے ہوئے ان کا جائزہ لو کہ وہ اس سلسلے میں کیا مناسب سمجھتے ہیں اور اس کے بعد ان پر اظہار کردہ فومالہ کے درمیان موجود ہے اور وہ تنہا نہیں ہیں۔ اگر وہ کام کر سکیں گے تو فومالی سرکشی میں تب فومالہ ان کے سامنے پیش کر دو تاکہ ان کے حوصلے بڑھ جائیں اور اس کے بعد انہیں ان کے علاقوں میں روانہ کر دو۔ اور ان سے کہو کہ وہ اپنے طور پر کارروائیاں کریں۔ جہاں تک سکائی کے لئے کام کرنے کا تعلق ہے تو اس کے لئے میرا مشورہ یہ ہے کہ جس وقت مرداروں سے بات چیت ہو جائے گی تو ان سے کہا جائے کہ وہ اپنے حقوق سے محروم رہے آدمی ابتدائی طور پر یہاں بھیج دیں اور اس کے بعد یہاں کارروائی شروع کر دی جائے۔“

”مناسب خیال ہے سبوتا! ہم تیری ذہنی قوتوں کے معترف ہیں۔“ فومالہ حکیم باکو نے تعریفی انداز میں کہا۔ ”لیکن اس سے کیا کوئی خاص اثر پڑے گا؟“

”ہاں۔ دراصل میرا مقصد یہ تھا کہ سب سے پہلے ہم سکائی پر ان زردورد لوگوں کی بستی پر قبضہ کریں اور اس کے بعد کوئی دوسرا عمل کریں۔“

”دوسرے عمل سے تمہاری کیا مراد ہے سبوتا؟“ فومالہ نے پوچھا۔

”دراصل میری تم سے پہلے بھی بات ہوئی تھی فومالہ! جب ہم نے پہلا قدم سکائی سے اٹھایا ہے تو میرا خیال ہے کہ تمہارے باقی کام بھی سکائی میں ہی ہونے چاہئیں۔ گویا سکائی ہمارا میدان کاروبار ہے یہاں سے ہم اپنی کارروائی کا آغاز کریں اس کے علاوہ مردار اپنے اپنے علاقے میں

ایک اچھوتی سرگزشت

چھلاوا

نیموں مدی کی ایک شایعہ اثر اراخان

صمیمہ بانو کی ایک شایعہ

☆ دولت مند آزاد خیال، ہمدرد، خوبصورت اور خطرناک سمیڑ بانو۔ جنہیں لوگ جانتے ہیں کہ میں جانتا!

☆ جرم چلے اور وہاں ”چھلاوا“ کہتے ہیں!

☆ سمیڑ بانو کی زندگی بہت عجیب اور خطرناک حالات سے گزرتی رہی ہے۔ انہوں نے جہاں اپنی زندگی کے کچھ حالات رقم بنائے تو ان میں ہر جگہ زردوردوں کو ان سے لڑنے اور انہیں جانتے سے جتنی ہو سکے۔ اسی لئے ان کی آپ بیتی کی اشاعت زردوردان میں ایک ریکارڈ ہے۔

اس کتاب کا اشاعتی ایڈیٹر شایعہ بانو کا ہے

— 1120 — 1209ء — 1291ء —

کتاب کی قیمت محدود! شرح پڑھائی اور روشنی کے لئے

کتابیات بلاک کیشمر

موجودہ طور پر مفت آن لائن دیکھ سکتا

فون: 5802552-5802551 فیکس: 5802551

Copyright © 2009 by Shiksha, India

23 ستمبر 2009ء

74200

حکیم باکو دباں سے چلا گیا۔ فوٹا بڑی دلچسپ لگا ہوں سے
 مجھے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے مسکراتے ہوئے مجھ سے کہا۔

تو اس نظر ابی نہیں۔ شاید سناؤں دولا باوچی زندگی کے بارے میں بتا رہی تھی۔ دولا با سخت حیران تھی۔ مجھے دیکھ کر دونوں خاموش ہو گئیں۔ پھر دولا با کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے ہنستے ہوئے مجھ سے کہا۔

ایسا نہیں ہے جو یہ نہ جانتا ہو کہ تو ہمارے مروت مند اور فوفا کا جلال و شرف
اور فوفا میرے اوپر مکمل اعتماد کرتا تھا۔ پھر تو نے ہمیں آواز دی تو فوفا کا

کے ساتھ اسی قلمی مورخ کی شہرت معلوم ہوا اور ان کی شہرت کے ساتھ اسے ایک

اولیٰ سجدہ کی خبر و شریک کشمکش میں ایک حیرت انگیز نمونہ آرا

دو حصوں میں لکھا گیا ہے۔ پہلے حصے کے شروع میں ایک اور نمونہ پیش کیا گیا ہے۔

یہی ہے جو خود کو کمزور پاتا ہو؟

”کئی بستیوں میں حکیم ہاگو۔ جہاں زرد و حکمرانوں کی مدد سے زیادہ طاقتور ہو گئے ہیں اور یہ دی بستیوں میں جہاں انہوں نے اپنی پسند کے آدمی کو حکمران بنا دیا ہے۔“

”خوب۔ تمہارے اپنے آدمیوں کے جوئے و خروش کی کیا کیفیت ہے؟“ وہ سب مضبوط ہیں لیکن جانتے ہیں کہ ان کی تنہا آواز کوئی حمایت نہیں کھتی۔“ سروا نے جواب دیا۔

”اور یہ صورت حال جس قدر خوفناک ہے اس کا اندازہ سب کو ہے؟“ یقیناً۔ ہم لوگ اپنے اپنے علاقوں میں یہ بات محسوس کر رہے تھے۔ ”کیا فو کی حجابی ہم سب کی بچتی رہتی ہے؟ حکیم ہاگو نے پوچھا۔ ”ہاں۔ فو ہمارے درمیان سے گیا تو ہماری کوڑا لگائی ہم سب سے ہمارا ہوا۔“ فو ہمارا عظیم باپ، ہمارا محافظ، ہمارا رکھوالا۔۔۔۔۔ اور ہارلی آواز بھیرا لگتی۔

”تمہیں اندازہ ہے دوستو! کہ فو کو زبردستی کھلاک کیا گیا تھا؟“ ”کیا ہے بہت سی آوازیں اٹھ رہی ہیں۔“

”ہاں۔ یہ بات کوئی نہیں بتا سکتا تھا۔ لیکن یہ بات ایک ایسے شخص نے بتائی جو ہم میں سے نہیں ہے اور جس کا تعلق زرد فاموں سے بھی نہیں ہے۔“ اور عقلمندوں کی نگاہیں میری جانب اٹھ گئیں۔

ایک اجنبی کی حیثیت سے میں ہی ان کے سامنے تھا۔

”اجنبی کو یہ بات کیسے معلوم ہوئی ہے؟“ او بارا نے پوچھا۔

”یہ تشریح بھی کر دی جائے گی۔ میں اسے تشنہ چھوڑ کر اب ایک دم ورا سوال کرنا چاہتا ہوں۔ اور سوال یہ ہے کہ ان حالات میں ہم کیا کر سکتے ہیں؟“ ہاگو نے کہا۔

”کچھ نہ کچھ کرنا ہوگا یہ بہت عمدہ قدم ہے حکیم ہاگو! کہ تم نے ہماری بستیوں کے لوگوں کو جمع کر دیا ہے۔ اس طرح تم نے ایک عظیم کام کیا ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ یہاں ہم کسی لائحہ عمل پر متفق ہو جائیں اور زرد فاموں کو اپنی زمین سے ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کرنے کا منصوبہ بنالیں۔“ او بارا نے کہا۔

”اب میں تمہیں ایک اور اطلاع دیتا ہوں۔ ایک ایسی اطلاع جو“ ہماری خوش بختی کی طرف اشارہ کرتی ہے اور اس بات کا احساس دلاتی ہے کہ ہمارے مسائل کے گردن سے نکل چکے ہیں۔“

”اوہ جلدی بتاؤ ہاگو۔ ہم منتظر ہیں۔ بہت سی آوازیں اٹھ رہی۔“ اس کا نام سبوتنا ہے۔ لیکن تم اسے وہ روئے ستارہ کہہ سکتے ہو جو ہماری بستیوں کے آسمان پر ہماری تقدیر کے اُجالے لیکر چمک رہا ہے۔ سبوتنا نے جرات نہیں بتائی ہے، میرا مطلب ہے زہروالی بات وہ خود فو نے سبوتنا کو بتائی تھی۔“

لوگ احقرانہ انداز میں ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے پھر کئی

آوازیں اٹھیں۔

”فومانے؟“

”ہاں۔ فومانے۔“

”لیکن فومانے اسے یہ بات کب بتائی؟ کیا مرتے وقت؟“ ”نہیں۔ مرنے کے بعد۔“ ہاگو نے سن کر راتے ہوئے کہا۔ اور ایک بار سب لوگ تعجب سے ایک دوسرے کی شکلیں دیکھنے لگے۔ ان کے انداز سے معلوم ہوتا تھا جیسے وہ ہاگو کا کچھ بھیج رہے ہوں۔

”براہ کرم ہمارے جذبات سے نہ کھیلو ہاگو!“

”مجھے حق ہے دوستو۔ ہاں مجھے حق ہے کہ میں جس طرح کا مذاق پاؤں تم سے کروں۔ کیونکہ میں تمہیں ایسی ہی خوشخبری دینے والا ہوں۔“

”حکیم ہاگو۔ براہ کرم جو کچھ بتانا چاہتے ہو جلدی بتاؤ۔“

”حکیم ہاگو۔ تم کیا کہنا چاہتے ہو؟“

”جلدی کو حکیم ہاگو۔“ سب ہی بے دم ہوئے جا رہے تھے۔

”میرے دوستو! ہماری خوش بختی کا سونچ عذوب نہیں ہو رہا۔“

زرد و فو جیسے عظیم انسان کو اپنے راستے سے ہٹا کر کچھ رہے تھے کہ

انہوں نے میدان صاف کر لیا ہے لیکن۔۔۔۔۔

”لیکن کیا فو۔“ گھبرائی ہوئی آوازیں اٹھیں۔

”ہمارا سونچ تائید ہے۔ فو زندہ ہے۔“

”زندہ ہے۔“ آوازوں میں ہیران تھا اور پھر ہنگامہ برپا ہو گیا۔ وہ لوگ ہانگوں کی طرح اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے ہاگو کو لایا تھا۔ ”حکیم ہاگو! ہم جہاں گئے۔ جلدی بتاؤ۔ جلدی بتاؤ۔ وہ اسے بھیج رہے تھے۔“

”ہاں عظیم فو زندہ ہے۔“

”لیکن یہ کیسے ممکن ہے؟ وہ کہاں ہے۔ وہ کہاں ہے؟“ ہاگو ہاگو کی بری حالت بننے لگے۔ وہ تھے بمشکل تمام ہاگو نے انہیں ٹھنڈا کیا۔ ”میں تفصیل بتانے جا رہا ہوں۔ سونچو اسے سونچو! اور یہ بھی سنو کہ یہ اطلاع اسی شخص نے دی ہے جس کا نام سبوتنا ہے۔ کیا یہ ہمارے لئے عظیم ستارہ نہیں ہے؟“

”آہ! اسے کیسے معلوم ہے؟ یہ کون ہے؟“ فو کہاں ہے ہاگو؟“ جلدی بتاؤ۔“

”یہ شخص سمندر میں سفر کر رہا تھا کہ فو کی لاش اسے ملی۔ اس نے اسے نکال لیا۔ تب اسے اپنی حکمت سے یہ اندازہ ہوا کہ فو زندہ ہے۔ یہ اسے نہیں جانتا تھا لیکن۔ اس نے فو کی خدمت کی اور بالآخر اس کی زندگی واپس لے آیا۔ اس نے فو کو نئی زندگی بخشی دی۔“

”پھر۔۔۔ پھر کیا ہوا؟“

”فومانے اسے اپنے حالات بتائے اور اس نے وعدہ کیا کہ وہ فو کو اس کی مطلوبہ جگہ پہنچائے گا۔ تب وہ اسے لے کر سکاکی آگیا۔“

حکیم ہاگو نے کہا۔

یہ ساری اطلاعات ان لوگوں کے حواس پر بھیلیاں گر رہی تھیں۔ ہر لمحے کا نیا انکشاف ان کے لئے سوبانِ روح بن گیا تھا۔ اور میں حکیم ہاگو کی اس چمکانے قدرت سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ بعض معاملات میں ایک عمر رسیدہ شخص بچہ بن جاتا ہے، پروفیسر ہمتیار کیا خیال ہے؟ ”ایں۔ ہاں شاید۔“ پروفیسر خادرو کیہ مداخلت زیادہ پسند نہیں آتی تھی۔

جیسے اس کہانی کو تم بچوں کی مانند ہی سن رہے ہو۔ تو وہ لوگ اب سسنی کی انتہا کو پہنچ گئے تھے۔ تب حکیم ہاگو نے کہا۔

”ہاں۔ وہ اسے سکاکی لے آیا۔ اور مجھے یہ فخر حاصل ہے کہ میں نے فو کی خدمت کی۔ میں نے اس کے لئے رازداری کا بندوبست کیا اور اسی کی ہدایت پر میں نے تم سب لوگوں کو یہاں بلوایا۔“

”فو کہاں ہے ہاگو؟“ ہمارا فو کہاں ہے؟ آہ! بتا دو۔

آہ! بتا دو حکیم ہاگو۔ ہمارے صبر کا اور امتحان نہ لو۔“

”سبوتنا۔ فو کو لے آؤ۔“ اور میں نے گردن ہلا دی پھر میں اس ہاں سے باہر نکل گیا۔ جب میں فو کے ساتھ اندر داخل ہوا تو فو کے پرستار صفت بنائے ہوئے کھڑے تھے۔ اور اس کے بعد عجیب عجیب جذباتی مناظر دیکھنے میں آئے۔ سب کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے۔ اور وہ فو کے پاؤں چوم رہے تھے۔ اسے چاہتے تھے۔

”آہ فو! ہمارے آقا! یہ آنکھیں اس قابل تو نہیں کہ دوبارہ تیری زیارت کر سکیں۔ آہ! کیا ہمارے نصیبیوں کی انتہا نہیں ہے۔“

فو مان سب سے گلے ملا اور پھر اس نے ہماری آوازیں کہا۔

”میرے وفادارو۔ میرے جان نثارو! مجھے زندگی ملی میری مدد ایک ایسی ہستی نے کی جو عام لوگوں سے کہیں برتر ہے۔ ہاں۔ اگر وہ نہ ہوتا تو تم مجھے کبھی نہ پاتے اور میرا بدن سمندر کی موجوں سے لڑتا ہوا بالآخر مچھلیوں کا شکار بن جاتا۔ لیکن ہم سب کی خوش بختی نے سبوتنا کو سمندر میں بھیج دیا۔ اور پھر میں نے سکون کی سانس لینے کے بعد حکیم ہاگو اپنے وفا شعار کے لئے نہیں پکارا۔ میں خوش ہوں کہ آج ہم پھر یکجا ہیں۔ جذبات کو ذہن سے نکال دو۔ آؤ۔ اب کام کی باتیں کریں۔“

بڑی مشکل سے وہ لوگ اعتدال پر آ سکے۔ سب کے چہرے جوش اور جذبے سے گلزار ہو رہے تھے۔ تب فومانے کہا۔

”میرے ساتھیو! ہم لات سے ناواقف نہیں ہیں میرے پیچھے ان بستیوں میں جو کچھ ہو رہا ہے اس سے بھی لاعلم نہیں ہوں۔ ابھی چند روز قبل سبوتنا زور اس کے جہاز میں شکایا گیا تھا۔ راستے میں یہ مانگا جزیرے میں رکا۔ کیا تمہیں مانگا کے بارے میں معلومات ہیں؟“

”ہاں فو! مانگا جزیرے پر تاراس حکمران ہے۔ شبلا نے اسے خاص طور سے ہاں مقرر کیا ہے اور تاراس ایک بطینت اور لاپٹی انسان

”سبوتنا نے بھی یہی بتایا ہے۔ بہر حال سبوتنا نے سب کو کھدیا ہے اور اس نے دہاں زبردست تباہی پھیلانی ہے ممکن ہے شکایا سے شبلا کے جہاز زرد و فو کو لے کر یہاں آجائیں اور سبوتنا اور لشکر کی گرفتاری کا مطالبہ کریں۔ میں یہیں سے جنگ کا آغاز کر دیتا چاہتا ہوں۔“

”پوری قوم تیرے ساتھ ہے فو!۔“ سردار گرے۔

”تب میری ہدایت ہے، اپنی اپنی بستیوں میں جاؤ اور اٹلی پلٹنے پر تیار رہنا۔ خفیہ جہاز پر اس خبر کو گردش دو کہ فو زندہ ہے اور پھر جب تمہیں ہدایت ملے، اپنے اپنے علاقوں میں جنگ کرو۔ ہمیں ایک باقاعدہ نظام کے تحت جنگ کرنا ہے۔ زرد و فو کی توجہ باٹ دو اور ان کی طاقت کو ختم کر دو۔“

”تو تمہارے ساتھ ہے فو! ہم ایسا ہی کریں گے۔“

”میں اس کام کی ابتدا سیکاکی سے کروں گا۔“

”تیری کامیابی یقیناً ہے فو!۔“ سردار جیتے بڑا خوش تھا ان میں ”تمہارے ساتھ جتنے لوگ آئے ہیں“ ان میں سے پہلے پہلے شکر

میرے پاس چھوڑ دو۔ میں عوام کی طاقت کو لے کر پہلے سکاکی کو ان سے پاک کر لیتا ہوں۔ اور ہاں اس سلسلے میں ایک مکمل ضابطہ عمل ہم تک پہنچ جائے گا اس کے مطابق کام کرنا ہے۔ میری مراد ہے کہ فو

میں بھی ان لوگوں کا خیال رکھنا ہے جو گھن کی حیثیت رکھتے ہیں اور میں بے گناہ انسانوں کا قتل بھی نہ پسند کرتا ہوں۔ ہاں جو تمہارے خلاف جنگوں شریک ہوں، انہیں معاف کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔“

”فومانے اس حکم کا خیال رکھا جائے گا۔“ سرداروں نے جواب دیا۔ اس کے بعد فو انہیں مختلف ہدایات و دتار ہوا اور پھر اس کے کشائے پر سردار منتشر ہونے لگے۔ انہوں نے فو کے ہاتھ چومے اور پھر انتہائی خلوص سے انہوں نے میرے ہاتھ بھی چومے اور او بارا بولا۔

”عظیم سبوتنا! نہ صرف ہم بلکہ ہماری اولادیں ہماری نسلیں تیری نسلوں کا احترام کریں گی، ان سے محبت کریں گی تو نہ تمہارے فو کو نئی زندگی دے کر ہم پر احسان عظیم کیا ہے۔“

تو اندازہ تھا کہ اب فو کا راز فو نے سب سے گا اور اس کی ضرورت بھی نہیں محسوس کی جاتی تھی کیونکہ فو اب کھل کر سامنے آ گیا تھا۔ ہاں اس وقت تک رازداری درکار تھی جب تک سردار اپنے علاقوں میں مضبوط نہیں ہو جاتے۔ تو اس کے لئے بہتر طریقہ یہ تھا کہ جزیرے کے راز خفیہ سے باہر آئی نہ ملنے دینے جائیں اور سکاکی کے زرد و فو کی پوری طرح ناکہ بندی کر دی جائے۔ پوری طرح۔

پہلے سردار کے جہاز نے سیکاکی کا ساحل چھوڑ دیا۔ وہ لوگ فو کی طور پر کارروائی شروع کر دینا چاہتے تھے۔ تب میں نے فو کے سامنے دوسری تجویز پیش کی۔

آخری سردار کو روانہ ہوئے تین دن گزر چکے تھے۔ ان تین دنوں میں بالکل خاموشی نہیں طاری رہی تھی بلکہ ہم اپنے طور پر کام کرتے رہے تھے میرے ہی ایما پر حکیم ہالو نے درختوں کے موٹے موٹے شہیروں کی کٹائی کا حکم دے دیا تھا اور لوگ مصروف ہو گئے تھے۔ ان شہیروں کی مدد سے سمندر سے تھوڑے فاصلے پر ایک ادنیٰ مینار تعمیر کیا گیا اور جس دن مینار مکمل ہوا تو فوٹا نے اس کا معائنہ کیا۔ وہ بہت خوش نظر آ رہا تھا۔

”میں اس کا مقصد جانتا ہوں سبوتا! اس نے کہا۔

”کیا مطلب ہے؟“

”کیا یہ مینار ٹوٹنے دوڑے آنے والے جہازوں کو دیکھنے کے لئے نہیں تعمیر کرایا ہے؟“

”یہی بات ہے فوٹا۔“

”تیرے اندر نہ جانے کون کون سی قوتیں ہیں سبوتا! اور حقیقت میں آج بھی تجھ سے اتنا ہی لاعلم ہوں جتنا روز اول تھا۔ ممکن ہے‘ شمانہ مجھ سے زیادہ جانتی ہو۔“ اس نے مسکرا کر کہا اور میں بھی مسکرائے۔ لگا۔ یہ دعویٰ تو ابتداء سے آج تک کی کوئی لڑکی نہیں کر سکتی تھی۔

ہاں مینار کی افادیت ایک روز ظاہر ہو گئی جب ان پر چڑھے لوگوں نے بتایا کہ سمندر اور آسمان کی لکیر پر چند بادبان نظر آ رہے ہیں اور سورج کی تمازت نے ان پر لگے ہوئے جھنڈوں کے رنگ بھی نمایاں کئے تھے۔ بلاشبہ یہ جھنڈے شکایا کے تھے۔

”سرداروں کو اپنے علاقوں میں جانا ہے فوٹا۔ لیکن میں خواہشمند ہوں اس بات کا کہ چند مضبوط جہاز سکائی میں قیام کریں کیونکہ ہم سکائی کو ہر لحاظ سے مضبوط دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس لئے یوں کر دو کہ ایک جہاز میں دو سردار جائیں۔ پہلے جہاز ایک سردار کو اس کے علاقے میں آٹاکے اس کے بعد دوسرے سردار کے علاقے میں جائے۔ اس طرح کچھ جہاز یہاں رہ جائیں۔“

”بات دانشمندی کی ہے۔ یقیناً انہیں اعتراض نہ ہوگا۔“ فوٹا نے کہا اور پھر یہ احکام بھی سرداروں تک پہنچ گئے چنانچہ اس طرح سکائی کے پاس آٹھ مضبوط جہازوں کا بیڑہ تیار ہو گیا۔ جن پر لوگ بھی موجود تھے اور یہ وہی لوگ تھے جو مختلف علاقوں کے سرداروں نے فوٹا کی خدمت میں چھوڑے تھے۔

یہاں تک کہ آخری سردار بھی روانہ ہو گیا اور مجھے اندازہ ہونے لگا کہ اب اس علاقے کی کہانی کا آخری منظر قریب آ رہا ہے اور ظاہر ہے اس کے بعد۔ مجھے بھی یہاں نہیں رہنا تھا۔ یوں بھی کافی دن ہو گئے تھے پروفیسر! اور ستارے کچھ اور چاہتے تھے۔ ستارے میرے دوست جن سے میں نے طویل عرصے سے ملاقات نہیں کی تھی۔ نہ جانے ستارے اب کون سی کہانی تخلیق کر رہے تھے۔

اور تم جانتے ہو ستاروں نے جو کہانیاں تخلیق کیں وہ اسے اندر انفرادیت رکھتی تھیں ایک انوکھی انفرادیت۔ سو میں تو ستاروں کی چال سے چلنے والوں میں سے تھا۔

اس دلچسپ داستان کے

باقی واقعات

چوتھے حصے

میں ملاحظہ کیجیے

